اِنَّ اللہ اصطفی کِنانَۃَ مِنْ وُّلدِ اسماعِیلَ واصطفی قُریشًا مِّنْ کِنانَۃَ
وَاصطفی مِنْ قُریشٍ بنی ھاشِمٍ واصطفانی مِنْ بنی ھاشِمٍ (مسلم)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

خاندانِ مصطفیٰ

تالیف
سید محمد سعید الحسن شاہ

مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد

إنّ الله اصطفى كنانة من ولد إسماعيل واصطفى قريشًا من كنانة واصطفى من قريش بني هاشم واصطفاني من بني هاشم (مسلم)

تالیف

سید محمد سعید الحسن شاہ

مکتبہ نوریہ رضویہ

گلبرگ اے، فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ________ خاندانِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم
مصنف ________ سید محمد سعید الحسن شاد
کتابت ________ محمد عاشق حسین ہاشمی (چنیوٹ)
طابع ________ سید حمایت رسول شاد قادری
بار ________ سوم، اکتوبر ۲۰۰۵ء
تعداد ________ 500
قیمت ________

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ نوریہ رضویہ، گلبرگ اے، فیصل آباد
۲۔ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز - ۱۱۔ گنج بخش روڈ، لاہور
۳۔ مکتبہ حزب الاسلام ۲۰۱ ر۔ب براستہ مانانوالہ، فیصل آباد

انتساب

خاندانِ بنو ہاشم کے اُس عظیم فرزند حضرت سیدنا عبداللہ
(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے نام! کہ
جن کی جبینِ سعادت میں چمکنے والے نور نے سراجاً منیراً بن کر
ظلمت کدۂ کفر کو بُقعۂ نور بنا دیا ـــــ جس عبداللہ کی
صُلب طاہرہ سے اُس مولودِ مسعود عبدُ اللہ (اللہ تعالیٰ کے خاص بندے)
نے جنم لیا کہ جس نے کفرستانِ دہر کے سارے معبودانِ باطلہ کی خدائی کے
بُت پاش پاش کر کے عباد الطاغوت کو عباد اللہ الصالحین بنا دیا۔
نیز اُس عظیم المرتبت ماں سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا
کے نام! کہ
جس کی پُر امن آغوشِ محبت و شفقت میں پرورش پانے والی ذات بابرکات
پوری کائنات کے لئے پیامِ امن بن کر جلوہ گر ہوئی۔ اُس پیارے محبوب و
مکرم و معظّم ـ صادق و امین ـــ نبی کی ماں سیدہ آمنہ کے نام!

(صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و اہلِ بیتہ وسلم)

بصد اندازِ یکتائی بغایت شانِ زیبائی
امیں بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی

یکے از غلامِ غلامانِ اہلِ بیتِ نبی!
سید محمد سعید الحسن شاہ عفی عنہ

مَولاےَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیبِکَ خَیرِ الْخَلقِ کُلِّھِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَونَینِ وَالثَّقَلَینِ

وَالْفَرِیقَینِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ

فہرست

جزاوّل:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

گزارشِ اوّل

نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَنَا اَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ۔
اَمَّا بَعۡدُ

بحمد اللہ تعالیٰ یہ بندہ ناچیز پروردگارِ عالم جل شانہٗ کے فرمانِ ذی شان فَاَمَّا بِنِعۡمَتِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ ؎ کے تحت اس نعمتِ عظمیٰ کی عطائے کریمانہ پر اپنے خالق و مالک جل مجدہ الکریم کے حضور سراپا سپاس ہے کہ اُس نے اِس حقیر پُرتقصیر بندے کو یہ شرف عطا فرمایا کہ یہ اپنے محبوب و مکرم و محتشم آقا رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سیرتِ طیبہ کے ایک اچھوتے اور منفرد پہلو یعنی خاندانِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے موضوع پر کچھ پھول جمع کرنے کی سعادت حاصل کر سکا۔

یہ بات حقیقت واقعی ہے کہ گل چینِ سیرتِ نبوی کے سامنے نعتِ مُصطفےٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ایک ایسا سدا بہار خلد آشنا اور رُوح پرور گلشن ہوتا ہے کہ جس کا ہر پھول اپنی جگہ اس قدر موزوں، خوبصورت اور حسین و دلکش نظر آتا ہے کہ سیرت نگار کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، وہ نہیں سمجھ پاتا کہ اس کی حدِ نگاہ تک پھیلے دل آویز رنگوں اور مسحور کن خوشبو والے پھولوں میں سے کِسے چُنے اور کس کس کو چھوڑ دے اور پھر جب وہ اپنے

حُسنِ ذوق و وجدان کے مطابق چند پھول چُن لیتا ہے، تو بہ احساس شدت سے اُبھرتا ہے کہ اگرچہ اس نے اپنے خیال میں حسین ترین پھولوں کا انتخاب کیا ہے، مگر جن کو چھوڑا ہے حُسن و رعنائی میں وہ بھی تو کسی سے کم نہیں، بلکہ ؎

ہر گلِ را رنگ و بُوئے دیگر است

اس ناچیز نے اِس گلشنِ محبت سے منتخب پھولوں کا ایک گلدستہ بنام "خاندانِ مصطفےٰ" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) پیش کرنے کی جو کوشش کی ہے، اس میں یہ کہاں تک کامیاب ہوا، اِس کا فیصلہ تو آپ زیرِ نظر کتاب پڑھ کر ہی کر سکیں گے۔ بہرحال یہ اقرار ضرور ہے کہ اے میرے آقا علیک الصّلوٰۃ والسلام !

؎ تیرے اوصاف کا اِک باب بھی پورا نہ ہوا
ہو گئیں زندگیاں تمام اور قلم ٹوٹ گئے

حُسنِ انتخاب

صحیح مسلم شریف میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم رسولِ عظیم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی کِنَانَۃَ مِنْ وُلْدِ اسْمَاعِیْلَ وَاصْطَفٰی قُرَیْشًا مِنْ کِنَانَۃَ وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ ھَاشِمٍ۔ (صحیح مسلم)

بے شک اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسماعیل علیہ السلام سے کنانہ کو چُن لیا اور کنانہ سے قریش کو چُن لیا اور قریش سے بنی ہاشم کو چُن لیا، اور مجھے بنی ہاشم میں سے چُن لیا۔

سُبحان اللہ تعالیٰ! گویا میرے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا خاندان ہی مصطفےٰ (چُنا ہوا) ہے اور تاجدارِ انبیاء حبیبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم خود بھی مصطفےٰ ہیں۔ گویا اس کتاب کا نام خاندانِ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

مضاف، مضاف الیہ بھی ہے اور صفت و موصوف بھی ۔ مزید برآں یہ کہ جس زمانہ میں ولادت باسعادت ہوئی، وہ زمانہ بھی مصطفےٰ ہوا ۔ دلیل اس بات کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی یہ حدیث پاک ہے کہ جسے امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی صحیح میں نقل فرمایا کہ حضور نبی اکرم شفیع معظم رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بُعِثْتُ مِنْ خَیْرِ قُرُوْنِ بَنِیْ آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰی کُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِیْ کُنْتُ مِنْهُ ۔ (بخاری شریف)

میں بنی آدم کے بہترین طبقوں میں سے پیدا کیا گیا ہوں ۔ ایک زمانہ کے بعد دوسرا زمانہ گزرتا گیا یہاں تک کہ یہ زمانہ آگیا کہ جس میں میری ولادت باسعادت ہوئی ۔

شانِ مصطفائی

عمومی اصول کے مطابق خاندان پہلے ہوتا ہے اور اس میں سے کسی فرد کا انتخاب بعد میں ہوا کرتا ہے لیکن یہاں بات ہی نرالی ہے ۔ یعنی فرد پہلے سے منتخب ہے اور خاندان بعد میں ۔ حضرت سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ " یا رسول اللہ! (علیک الصلوٰۃ والسلام) آپ کب سے منصب نبوت پر ہیں" تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا "(میں نبی تھا) جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے ۔" (ترمذی باب ما جاء فی فضل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم)

سُبحان اللہ تعالیٰ وبحمدہٖ! ابھی حضرت آدم علیہ السلام اپنے تخلیقی مراحل سے گزر رہے تھے، جبکہ میرے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم منصب نبوت پر فائز بھی ہو چکے تھے ۔ گویا خاندان کے جدِ اعلیٰ ابھی روح و جسم کے درمیان تھے، جبکہ فردِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم منتخب ہو بھی چکے تھے ۔ پھر یہ مصطفےٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جس جس گھرانے سے ہوتے گئے "وہی گھرانا مصطفےٰ (یعنی منتخب) ہوتا چلا گیا، جیسا کہ حضرت سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اس میں شک نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے اُس جماعت میں رکھا، جو سب سے اعلیٰ تھی۔ پھر جب ان کے دو گروہ بنائے تو مجھے اُس گروہ میں رکھا جو سب سے اعلیٰ تھا۔ پھر جب قبائل بنائے، تو مجھے بہترین قبیلہ میں رکھا۔ پھر جب خاندان بنائے، تو مجھے سب سے اعلیٰ خاندان میں رکھا۔ پس میں سب سے اعلیٰ خاندان کا سب سے اعلیٰ فرد ہوں۔" (ترمذی باب المناقب)

بحمداللہ تعالیٰ! آپ اس زیرِ نظر کتاب میں اسی ارفع و اعلیٰ خاندان کے چند منتخب حضرات ذی وقار کا تذکرہ پڑھیں گے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ کے اعتبار سے حضور نبی کریم رسولِ عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب ایمان والوں کے اُن کی جانوں سے بھی قریب تر اور رُوحانی باپ ہیں ـــــــ اور سارے فرزندانِ توحید کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَۃٌ" کے ارشادِ ذی شان کے مطابق ایک ہی خاندان سے متعلق ہیں، لیکن اس کتاب میں صرف منتخب حضرات ہی کا تذکرہ ہوگا۔

بارگاہِ صمدیت، درگاہِ اُلوہیت و احدیت میں نہایت عاجزی سے التجا ہے کہ اِس ناچیز کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازا جائے اور مصطفےٰ کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے اور اُن کے عالی شان خاندان سے محبت و عقیدت رکھنے کی توفیق رفیق مرحمت فرمائی جائے ـــ آمین ثم آمین یا الٰہ العالمین!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ط یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا۔

یکے از غلامِ غلامانِ خیر الانام
سید محمد سعید الحسن شاہ عفی عنہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ ربّ العزت جلّ شانہ، کے برگزیدہ رسول تاجدارِ عرب و عجم شفیعِ معظم رحمتِ عالم نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا شجرہ شریف "سیرت ابنِ ہشام" میں یُوں درج ہے:

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ، بن عبدالمطلب (اصل نام شیبہ) بن ہاشم (اصل نام عمرو) بن عبد مناف (اصل نام المغیرہ) بن قصیّ (اصل نام زید) بن کلاب، بن مرّہ، بن کعب، بن لؤیّ، بن غالب بن فہر (ان کو ہی قریش کہتے ہیں) بن النضر (اصل نام قیس) بن کنانہ، بن خزیمہ، بن مدرکہ (اصل نام عامر، بعض نے عمرو بھی لکھا) بن الیاس، بن مُضر، بن نزار، بن معد، بن عدنان۔

تمام مؤرخین اور سیرت نگار اور محدثینِ عظام کے نزدیک یہ شجرہ متفق علیہ ہے۔ کسی نے بھی اس میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔ عدنان سے آگے اختلاف ہے مثلاً ابن ہشام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور عدنان کے درمیان صرف سات پشتوں کا ذکر فرمایا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نابت، بن اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد سے ثابت کیا، جبکہ امام اجل طبری اور ابن سعد نے عدنان اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے درمیان اڑتیس ۳۸ پشتوں کا ذکر فرمایا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قیدار بن اسماعیل کی اولاد سے تحریر فرمایا۔ "روضۃ الاحباب" کے حاشیہ میں ابن جوزی کی کتاب "الانساب" سے تقریباً (اختلاف سے) تیس ۳۰ پشتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ ربّ العزت اپنی شانِ کریمی کے لائق ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے درجات بلند فرمائے کہ جنہوں نے میرے آقا رسولِ عربی (فداہ امی و ابی رُوحی وجسدی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے اس سدا بہار گلشن سے گل چینی کرتے ہوئے اپنے اپنے انداز میں رُوح پرور خوشنما گلدستے سجائے۔

بایں ہمہ یہ بندۂ ناچیز، تاجدارِ عرب و عجم، رسولِ محتشم شافعِ اُمم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صرف اُن آبائے کرام کا تذکرہ کرے گا کہ جن میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ نیز "مدارج النبوۃ" میں مذکور یہ بیان بھی مہمیز کا کام دیتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب اپنا نسب بیان فرماتے تو مَعد بن عدنان سے تجاوز نہ فرماتے، بلکہ اس جگہ ٹھہر جاتے اور فرماتے:

كَذَبَ النَّسَّابُوْنَ، "یعنی نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ ملا رکھا ہے"

اسی طرح "مسند الفردوس" میں روایت کیا گیا ہے، لیکن سہیلی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ قول حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، جب وہ اس آیۂ مبارکہ کو پڑھتے تھے

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ (ابراھیم : ۹)

"یعنی کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہ ملی جو تم سے پہلے تھے، قوم نوح، عاد اور ثمود اور وہ جو اُن کے بعد ہوئے کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، كَذَبَ النَّسَّابُوْنَ "یعنی یہ لوگ نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں"۔ کیونکہ یہ (حضرت آدم علیہ السلام تک بغیر انقطاع کے) علم الانساب کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ بندوں سے اس کے علم کو (کما حقہٗ جاننے) کی نفی فرماتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، وہ فرماتے تھے کہ ہم عدنان تک اپنا نسب لے جاتے ہیں[1] اس سے اوپر ہم نہیں جانتے اور عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ ہم کسی ایسے کو نہیں جانتے، جو معد بن عدنان کے بعد سلسلۂ نسب کو اوپر لے جائے،

---

[1] خیال رہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شجرہ آٹھویں پشت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے جا ملتا ہے۔

کیونکہ عدنان سے حضرت اسماعیل علیہ السّلام تک اور اُن سے حضرت آدم علیہ السّلام تک بہت اختلاف ہے۔ (مدارج النبوۃ)

اعلیٰ ترین نسب

کائناتِ ہستی میں عظیم المرتبت اور افضل ترین نسب، حضور نبی اکرم نورِ مجسّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "میں ہر زمانہ میں بنی آدم کے بہترین قرن میں منتقل کیا گیا، یہاں تک کہ مجھے اس قرن میں پیدا کیا گیا کہ جس میں مَیں ہوں۔" (بخاری شریف)

صحیح مسلم میں ہے کہ حضور اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: "حق تعالیٰ نے اولادِ اسماعیل علیہ السّلام سے کنانہ کو برگزیدہ کیا، کنانہ سے قریش کو، قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو برگزیدہ فرمایا۔" ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق سے انتخاب فرمایا، تو اولادِ آدم کو برگزیدہ کیا۔[1] پھر بنی آدم سے عرب کو، پھر عرب سے مجھے برگزیدہ کیا۔ خوب غور سے سُن لو۔ جو عرب سے محبت رکھتا ہے، تو وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو عرب سے دشمنی رکھتا ہے، وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کی وجہ سے ان سے دشمنی رکھتا ہے۔" (مدارج النبوۃ)

حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زبانی حضرت جبرائیل علیہ السّلام کا قول نقل کیا کہ حضرت جبریل امین علیہ السّلام نے کہا کہ "میں نے زمین کے مغارب و مشارق کو دیکھا ہے، مگر کسی شخص کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے افضل نہیں دیکھا اور کسی کی اولاد کو بنی ہاشم سے افضل نہیں دیکھا۔" (دلائل النبوۃ، حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ)

اسی روایت کو اس شعر میں یوں بیان کیا جاتا ہے:

---

[1] یعنی اشرف المخلوقات بنایا، خود باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔

آفاق ہا گردیدہ ام، مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیارِ خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آیۂ مبارکہ، لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِكُمْ میں اَنْفَسِکُمْ یعنی فا کو زبر سے پڑھا اور فرمایا: میں نسب، سسرال اور حسب میں تم سب سے نفیس ترین ہوں اور میرے آباؤ اجداد میں حضرت آدم علیہ السلام تک "سفاح" نہیں، بلکہ وہ سب نکاح سے ہیں۔[1]

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میرے آباؤ اجداد نکاح سے پیدا ہوتے ہیں، سفاحِ جاہلیت سے نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام تک میرے آباؤ اجداد میں کوئی اس برائی کے قریب تک نہیں گیا۔" ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے طیب و طاہر ارحام کی طرف منتقل فرمایا اور جب بھی دو قبیلے بنے، مجھے بہترین اور اچھے قبیلہ میں رکھا جاتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آیۂ مبارکہ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نورِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اصلابِ طیبہ سے

---

[1] سفاح جاہلیت:۔ زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا کہ نادان لوگ اپنی بیویوں کو سردارانِ قوم کے پاس بھیجتے تاکہ وہ اُن سے حاملہ ہوں اور پھر اس بے غیرتی پر فخریہ انداز میں کہتے کہ میرا بیٹا فلاں چوہدری، یا فلاں لیڈر کا نطفہ ہے اور کبھی یوں ہوتا کہ کوئی عورت کئی مردوں سے فعلِ بد کراتی اور جب اولادِ زنا پیدا ہوتی تو ان مردوں میں سے کسی ایک کی طرف منسوب کر دی جاتی، وہ اسی مرد کی اولاد کہلاتی اسی طرح کے کئی طریقے تھے جن کے تذکرہ کی کچھ ضرورت نہیں۔[12]

ارحامِ طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا رہا تاآنکہ حضرت سیدہ آمنہ خاتون (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ہاں آپ کی ولادت باسعادت ہوگئی۔

تذکرۂ آباؤ اجداد حضور نبی اکرم، رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آبائے کرام میں ابوالانبیاء حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُن کے لختِ جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام جو حضور نبی کریم رؤف الرحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے جدِ اطہر ہیں۔ پہلے ان دونوں بزرگوں کا ذکرِ مبارکہ کیا جائے گا، بعد ازاں حضرت عدنان سے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک آبائے کرام کا تذکرہ کروں گا۔ بارگاہِ ربّ العزت سے توفیق و ہمت کا طالب ہوں

وَمَا تَوْفِيقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام

علامہ ابن خلدون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب یوں درج کیا ہے:

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) بن آزر[1]، (جسے تارح یا تارخ کہتے ہیں) بن ناحور، بن ساروخ (یا شاروغ یا اشرغ یا شوروخ، یعنی تلفظ میں اختلاف ہے۔) بن ارغو، بن فالغ (یا فالسخ) بن عامر (یا غبر) بن شالخ (یا شیلخ) بن ارفخشد بن سالم بن حضرت نوح علیہ السلام۔

---

[1] اکثر علماء کرام ثابت فرماتے ہیں کہ آزر اور تارخ دو الگ شخصیات ہیں، ان میں آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، جسے مجازاً باپ کہا گیا، جبکہ آپ کے والد کا نام تارخ تھا اور یہ بُت پرست تھا، اس کی وفات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سے پہلے ہوگئی تھی، اس لئے آپ کی پرورش آزر نے کی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

امام طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ شالخ اور ارفخشند کے درمیان ایک پُشت اور گزری ہے، جس کا نام "قینن" تھا۔ چونکہ یہ جادوگر تھا، اور خدائی دعویٰ کرتا تھا، اس لئے توراۃ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ فالغ اور عامر کے درمیان بھی ایک نام ترک ہوگیا ہے جو کہ ملکصیدق کے نام سے مشہور تھا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت، نمرود بن کنعان، بن کوش بن حام، بن حضرت نوح (علیہ السلام) کے عہدِ سلطنت میں ہوئی۔ ابنِ خلدون میں ہے کہ اولادِ حام بن نوح میں سب سے پہلے جس نے حکومت وسلطنت کی بنیاد ڈالی، وہ کنعان بن کوش بن حام بن نوح تھا، اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا نمرود تختِ حکومت پر بیٹھا۔ اِس کی سلطنت بڑی وسیع تھی اور اس نے اکثر معموراتِ عالم پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس کی عمر بھی کافی لمبی ہوئی۔ بنی حام میں یہ پہلا شخص ہے جس نے ستارہ پرستی اور بُت پرستی اختیار کی، اِسی کی دیکھا دیکھی حام بن نوح کے بھائی سام بن نوح کی اولاد بھی بت پرستی کی طرف مائل ہوگئی۔ توریت کے مطابق تارخ کے تین بیٹے تھے، یعنی ابراہیم[1]، ناحور[2]، ناران[3]، مؤخر الذکر ہاران اپنے باپ کی زندگی میں ایک بیٹا لُوط چھوڑ کر مرگیا۔ اِس روایت کے مطابق حضرت لُوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔

عامۃ السلف کے نزدیک جب نمرود نے خدائی دعویٰ کر رکھا تھا اور لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دیتا تھا۔ اسی دوران اس کے درباری کاہنوں نے بتایا کہ عنقریب ایک ایسا شخص پیدا ہوگا، جو دینِ شاہی کا مخالف ہوگا اور بتوں کو توڑ ڈالے گا۔ (بعض مؤرخین کے نزدیک کاہنوں نے نمرود کے ایک خواب کی یہ تعبیر بتائی تھی) یہ سُن کر نمرود نے تمام لڑکوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ چنانچہ بہت سے بچے ذبح کر دیئے گئے اور لاتعداد عورتوں کے حمل ضائع کر دیئے گئے، مگر اللہ رب العزت جل شانہ ہر چیز پر قادر

ہے۔ اس کی گرفت سے فرار ناممکن ہے۔

جب بچوں کا قتلِ عام جاری تھا' اسی دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کے شکم انور میں تشریف لے گئے اور مدتِ معینہ کے بعد آپ کی والدہ نے شہر سے دُور ایک غار میں آپ کو جنم دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ آزر کو بھی آپ کی ولادت کا علم تھا لیکن اس نے نمرود کے خوف سے اس واقعہ کو چھپایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ ماجدہ آپ کو دیکھنے کے لیے اکثر غار میں جاتیں اور دودھ پلا کر واپس آجاتیں۔ آپ ایک دن میں اس قدر بڑھتے تھے، جس قدر عام بچے ایک ماہ میں بڑھتے ہیں، چنانچہ بہت ہی تھوڑے عرصہ میں جوانی کے قریب پہنچ گئے۔ اسی غار میں ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی والدہ ماجدہ سے پوچھا کہ تمہارا رب یعنی پالنے والا کون ہے؟ والدہ نے جواب دیا کہ تمہارا باپ، پھر آپ نے پوچھا، اُسے کون پالتا ہے؟ والدہ نے کہا نمرود! آپ نے فرمایا، تو اچھا نمرود کا رب کون ہے؟ یہ سُن کر والدہ خاموش ہو گئی اور سمجھ گئی کہ یہ ہی وہ مولودِ مسعود ہے جو نمرود کی خدائی کے پرخچے اڑائے گا۔ اس گفتگو کا ذکر کسی سے بھی نہ کیا تاآنکہ ایک رات آزر آپ کو غار سے بستی کی طرف لے کر روانہ ہوا تو آپ نے جانبِ مغرب ایک نہایت روشن ستارہ کو دیکھا اور فرمایا هٰذَا رَبِّیْ (یعنی یہ میرا رب ہے") لیکن بستی تک پہنچتے پہنچتے جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا، تو آپ نے فوراً کہا: لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔ (یعنی میں چھپ جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا") پھر جب چاند نکلا، تو فرمایا: هٰذَا رَبِّیْ (یہ ہے میرا رب؟) لیکن سُورج کی آمد سے قبل جب اس کی روشنی بھی جاتی رہی، تو فرمانے لگے "اگر میرا رب مجھ کو ہدایت نہ فرماتا، تو ضرور میں بھی اس گمراہ قوم سے ہو جاتا۔" (الانعام: ۷۸) پھر جب سورج کو جگمگاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ (یہ ہے میرا رب؟ کہ یہ بڑا ہے) لیکن جب شام کو وہ بھی غروب ہو گیا،

تو فرمایا "اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو، بے شک میں نے یکسو ہو کر اپنا رُخ اُس رب ذوالجلال کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں" (سورۃ الانعام مفہوم آیات: ۷۹، ۸۰)

چونکہ آپ کی قوم پتھروں کے بنائے بتوں اور نمرود کے علاوہ چاند سورج اور ستاروں کی بھی پوجا کرتی تھی، اس لئے آپ نے بڑے اعلیٰ انداز میں دلائل قاہرہ کے ساتھ ان معبودانِ باطلہ پر چوٹ کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس گمراہ قوم کے دیگر جھوٹے خداؤں، یعنی بتوں اور نمرود کے ساتھ کیسا سلوک کیا اور کیسا حکیمانہ انداز اختیار فرمایا؟ وہ آپ آگے پڑھیں گے۔ اِس جگہ یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ بعض کم فہم لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج، چاند، ستاروں کو رب کہہ کر (معاذ اللہ تعالیٰ) شرک کیا ہے۔ حالانکہ یہ اُن کی کم فہمی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دانا طبیب کی طرح قوم کے بیمار ذہنوں کا اس قدر پُر اثر، دل نشین، سادہ، مگر ناقابلِ تردید انداز میں علاج فرمایا کہ یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ یعنی خود ہی سوال پیدا فرمایا اور خود ہی مسکت جواب دیا۔ ربّ ذوالجلال نے ارشاد فرمایا، وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (الانعام: ۸۴)

ترجمہ: "یہ ہماری دلیل تھی، جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا فرمائی، اور جسے ہم چاہتے ہیں، اُس کے درجات بلند فرما دیتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب حکمت والا ہے، سب کچھ جاننے والا ہے۔" (سبحان اللہ تعالیٰ)

معلوم ہوا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے ہی اُن کو سکھایا تھا، ورنہ ایک چھوٹی سی عمر کا بچہ اس قدر فہم و شعور کا مالک نہیں ہوتا۔

الغرض حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اب غار کی بجائے اپنے گھر تشریف رکھتے تھے۔ آزر جو کہ بُت تراش تھا، بُت بنا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیتا تاکہ آپ بازار میں فروخت کر آئیں [1] آپ ان بتوں کو بازار لے جاتے اور اعلان فرماتے:

مَنْ يَّشْتَرِيْ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَلَا يَنْفَعُهٗ ( )

"کون (بیوقوف) ان کو خریدے گا؟ جو نہ نقصان دے سکتے ہیں نہ نفع"

لوگ آپ کی باتوں پر تعجب کرتے اور بُت نہ خریدتے، شام کو آپ ان بُتوں کی گردنوں میں رسّی باندھ کر گھسیٹتے ہوئے گھر کو چل دیتے۔ راستہ میں اگر پانی (کوئی نہر یا تالاب) ملتا، تو بُتوں کو گردنوں سے پکڑ پکڑ کر پانی میں غوطہ دیتے اور فرماتے اِشْرَبْ اِشْرَبْ (پی لے، پی لے) کچھ عرصہ تک تو لوگ آپ کی ان باتوں کو آپ کے اندازِ بھولپن اور کھیل پر محمول کرتے رہے، لیکن جب آپ علانیہ طور پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور دینِ حنیف کی دعوت دینے لگے، تب اُن لوگوں کے کان کھڑے ہوئے اور اس معاملہ میں سوچ بچار کرنے لگے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آزر کے درمیان جو گفتگو ہوئی، اللہ تبارک و تعالیٰ نے پارہ ۱۷ سورۃ انبیاء کی آیات ۵۱ تا ۷۱ میں اس کا مفصل ذکر فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر اور قوم کے دیگر افراد کو فرمایا کہ کیا یہ مورتیاں سی ہیں، جن کو تم خدا بنائے بیٹھے ہو؟ ان کے خدا ہونے کی کیا دلیل ہے؟ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کوئی مسکت جواب نہ دے سکے اور بوکھلا کر بولے: بس ہم نے باپ دادا کو انہیں پوجتے ہوئے پایا، اُن کی دیکھا دیکھی ہم بھی اُن کو پوجنے لگے۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا: بے شک تم بھی اور تمہارے

---

[1] اللہ اللہ! ان کفار کی آنکھوں پر پڑے جہالت کے دبیز پردوں نے اُن کو کس قدر اندھا کر دیا تھا کہ اپنے ہاتھوں سے جیسا چاہتے ہیں بُت گھڑتے، پھر اُسے اپنا رب بنا لیتے پھر اسی رب کو چند ٹکوں کے عوض بازار میں فروخت کر دیتے۔ یا للعجب!

باپ دادا بھی کھلم کھلا گمراہی میں تھے۔ وہ قوم آپ کے اس دلیرانہ جواب کی تاب نہ لاسکی اور گھبرا کر پوچھا، اے ابراہیم! تم ویسے ہی ہمارا مذاق اڑا رہے ہو یا پھر تمہارے پاس کوئی اعلیٰ شے ہے؟ آپ نے فرمایا: میں تمہارا مذاق نہیں اُڑا رہا، حقیقت یہ ہے کہ یہ بُت رب نہیں، بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو زمین و آسمان کا رب ہے جس نے ان کو پیدا فرمایا ہے اور میں تمہارے سامنے اسی بات کی گواہی دیتا ہوں۔ آپ کی اس تقریر سے بظاہر تو وہ لوگ خاموش ہو گئے مگر درپردہ اس فکر میں تھے کہ کسی طرح ابراہیم کے دل میں بُتوں کی عظمت پیدا ہو جائے تاکہ اس کے خیالات بدل جائیں۔ دوسری طرف حضرت ابراہیم علیہ السّلام اپنے طور پر پروگرام بنا رہے تھے کہ ان عقل کے اندھوں پر بتوں کی بے کسی و بے بسی و لاچاری کا اظہار اس انداز سے کریں کہ وہ خود ان کی بیچارگی و بے کسی کا اقرار کرلیں۔ یہ قوم سال میں ایک دن عید کا مناتی تھی، اس دن بڑے صنم کدہ کے تمام بتوں کو غسل دیا جاتا اور بتوں کو پُر تکلف لباس پہنا کر ان کے سامنے انواع واقسام کے کھانے چُنے جاتے، پھر بن سنور کر سب لوگ شہر سے دُور ایک خاص جگہ جا کر عیاشی کرتے، شراب نوشی ہوتی، ناچ گانے ہوتے، پھر واپس جا کر صنم کدہ میں بتوں کے سامنے رکھے گئے کھانوں کو بطورِ تبرک کھاتے۔ چنانچہ ان لوگوں کا جب یہ دن آیا تو یہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے پاس آتے اور کہنے لگے: تم ہمارے بتوں کو حقیر سمجھتے تھے، آؤ آج ہم تم کو اپنے بتوں کی شان و شوکت دکھائیں، اور پھر تم بھی ہمارے ساتھ شہر سے باہر جا کر عیش و عشرت کا لُطف اٹھاؤ۔! اُن کی گفتگو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو سخت ناگوار گزری۔ بُتوں اور فحاشی سے قوم کی والہانہ محبت، آپ کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ آپ نے ان کو حقیقت پر مبنی جواب دیا کہ (تمہارے اس بُرے عقیدہ کی وجہ سے) میری طبیعت سخت بے چین ہے، اپنے آپ ہی بولے، اللہ تعالیٰ کی قسم! اَب تو میں تمہارے بُتوں کا علاج کر کے ہی رہوں گا۔

آپ کی اِس گفتگو کو ایک دو آدمیوں نے سُن بھی لیا، مگر نظر انداز کر دیا۔
ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام بُت خانہ میں گئے، تو وہاں بڑی زینت و آرائش نظر آئی۔ ایک بڑا بُت مرصّع تخت پر رکھا ہوا تھا، اس کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے بُت مُناسب طریقہ سے سجاتے ہوئے تھے اور سب کے سامنے عمدہ عمدہ کھانے سلیقے سے چُنے ہوئے تھے، پہلے تو آپ نے بُتوں سے فرمایا:

اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ (الصافات: ۹۱) "تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟"

جب کوئی جواب نہ ملا، تو اُنہیں ڈانٹ کر فرمایا:

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ (الصافات: ۹۲) "تم کو کیا ہو گیا ہے تم بولتے کیوں نہیں ہو؟"

بھلا بُت کیا جواب دیتے؟ پھر آپ نے خود ہی فرمایا: اچھا تو اب میں تمہارا ستیاناس کرنے لگا ہوں۔ اگر بچ سکتے ہو تو بچ جاؤ۔ یہ فرماتے ہی آپ نے تیشہ اُٹھایا اور پوری قوّت سے بُتوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ بڑے بُت کے سوا چھوٹے چھوٹے بُتوں کو کرچی کرچی کرنے کے بعد تیشہ بڑے بُت کے کندھے کے اوپر رکھ دیا اور چلے آئے۔ جب وہ لوگ عیدگاہ سے واپس آئے، تو برباد شدہ بُت خانہ اور تباہ حال بتوں کو دیکھ کر اُن کی چیخیں نکل گئیں، وہ کہہ رہے تھے: ہائے ہمارے خُداؤں کے ساتھ یہ ظلم کون کر گیا؟ ان میں سے ہی کسی نے گواہی دی کہ ابراہیم نامی نوجوان کہہ رہا تھا کہ میں ان کا علاج کروں گا، ہو سکتا ہے یہ کام اُسی کا ہو، چنانچہ نمرود کے پاس آپ کی شکایت کی گئی، تو نمرود نے آپ کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ دربارِ نمرود میں حاضری کا طریقہ تھا کہ جو بھی جاتا، نمرود کو سجدہ کرتا۔ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو پیش کیا گیا، تو آپ نے سجدہ نہ کیا، تو نمرود کو اپنی اس توہین پر سخت غصہ آیا اور بولا تو نے مجھے سجدہ کیوں نہ کیا؟ آپ نے فرمایا: میں صرف اپنے ربّ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہوں۔ نمرود جھلا کر بولا: "ربّ تو میں ہوں۔" آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ:

رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ۔ (البقرۃ: ۲۵۸) "میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے"
نمرود بولا: یہ کام تو میں بھی کرتا ہوں، یہ کہہ کر دو واجب القتل مردوں کو بلایا، ان میں سے
ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔ پھر بولا دیکھا، میں نے ایک کو مار دیا اور
دوسرے کو زندہ رکھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اس کی جہالت کو دیکھ کر دوسری
دلیل دی، اور فرمایا: فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ
الْمَغْرِبِ۔ (البقرۃ ۲۵۸) "یعنی میرا پروردگار تو سورج کو مشرق سے طلوع فرماتا
ہے، تو اسے مغرب سے طلوع کر کے دکھا۔" اس بھرپور وار سے کافر کی ہوش کے طوطے
اُڑ گئے اور وہ مبہوت و لاجواب ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بات کو ٹالنے کے انداز میں بولا:
ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰاِبْرٰهِیْمُ (الانبیاء: ۶۲)
"اے ابراہیم! (علیہ السّلام) ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ سلوک تم نے کیا ہے۔؟"
آپ نے انکار یا اقرار کرنے کی بجائے اُس کا مذاق اڑاتے ہوئے فرمایا، بلکہ یہ کام تو
اُن کے بڑے نے کیا ہوا ہوگا؟ اُن (بتوں) سے ہی پوچھ لو، اگر وہ بولتے ہیں۔؟
خدائی کا دعویٰ کرنے والے اس مغرور شخص کو بھرے دربار میں شاید آج پہلی مرتبہ اس
قدر ذلّت و رُسوائی اُٹھانا پڑی تھی کہ بات بات پر لاجواب ہو رہا تھا، جبکہ دشمنوں میں
گھرے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نہایت استقامت اور بہادری سے گفتگو فرما رہے تھے
آپ علیہ السّلام کے جواب لاجواب سے پورے دربار میں سناٹا طاری تھا، بالآخر اپنی
ندامت کو چھپاتے ہوئے نمرود یا درباری بولے: لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ
یَنْطِقُوْنَ۝ (الانبیاء: ۶۵) "اے ابراہیم! بیشک تم بھی جانتے ہو کہ یہ بُت بولتے ہی نہیں"
حضرت ابراہیم علیہ السّلام یہی تو ان سے زبانی اقرار کروانا چاہتے تھے کہ بُت بے بس
اور مجبور ہیں کہ یہ تو بول تک بھی نہیں سکتے۔ جب قوم نے اپنی زبان سے اس کا اقرار کر لیا
تو آپ نے گرجدار آواز میں فرمایا:

اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنۡفَعُکُمۡ شَیۡئًا وَّلَا یَضُرُّکُمۡ اُفٍّ لَّکُمۡ وَلِمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۝ (الانبیاء: ۶۷)

ترجمہ: "تو کیا پھر تم اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اُن کو پوجتے ہو، جو تم کو نفع پہنچا سکیں نہ نقصان، تف ہے تم پر بھی اور ان پر بھی جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو کیا تمہیں عقل نہیں ہے؟"

جب اس علمی مناظرہ میں نمرود اور اُس کے ماننے والے بُری طرح شکست کھا چکے، تو بولے: حَرِّقُوۡهُ وَانۡصُرُوۡۤا اٰلِهَتَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ فٰعِلِیۡنَ ۝ (الانبیاء: ۶۸)

"یعنی اس (ابراہیم علیہ السلام) کو جلا ڈالو اور کرو امداد اپنے خداؤں (بُتوں) کی، اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو۔"

چنانچہ نمرود نے لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دے دیا۔ اغلب ترین قیاس یہ ہے کہ نمرود کی سلطنت میں شاید کوئی بھی ایسا فرد، بشر نہیں تھا کہ جس نے لکڑیاں جمع کرنے میں حصّہ نہ لیا ہو۔ اس وجہ سے نہایت ہی قلیل مدت میں بے انتہا لکڑیاں جمع ہوگئیں پھر ان میں آگ مشتعل کر دی گئی۔ جب آگ بھڑک اٹھی اور اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اور خوب تیز ہوگئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق میں رکھ کر پوری قوت سے آگ کی طرف اچھال دیا گیا۔ اس وقت ایک عجیب کیفیت تھی سوائے جن و انس کے پوری مخلوق حیرت زدہ، انگشت بدنداں تھی اور بارگاہِ ربّ العزت میں زبان حال سے عرض گزار تھی کہ یا الٰہی! ان میں صرف یہ ہی ایک بندہ تھا جو تیرا نام لیوا تھا، آج اُسے بھی جلایا جا رہا ہے۔

"معارج النبوۃ" میں ہے کہ ملائکہ، خصوصاً جبریل علیہ السلام نے اجازتِ مدد چاہی، تو جنابِ باری تعالیٰ سے حکم ہوا: "اگر وہ تمہاری مدد کا خواہشمند ہے، تو ضرور کرو۔" یہ حکم پاتے ہی حضرت جبریل امین علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ (دراں حالیکہ آپ آگ کی طرف تیزی کے ساتھ جا رہے تھے) اور عرض کیا کہ اے

ابراہیم! (علیہ السلام) اگر آپ اجازت دیں، تو آپ کو اپنے بازوؤں میں لے لیتا ہوں اور یہ آگ اٹھا کر اس نابکار قوم پر پھینک دیتا ہوں۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ کیا تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس کام کا حکم دیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ نہیں، تو آپ نے فرمایا: "پھر مجھے تیری حاجت نہیں۔" جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا کہ پھر بارگاہِ قدس میں دُعا ہی کر لیجیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "میرا خدا میرے حال سے واقف ہے۔ مَیں اسے کچھ عرض نہیں کروں گا، جس طرح وہ راضی ہے، میں بھی اسی طرح راضی ہوں۔"

اِسی دَوران آپ آگ کے دائرۂ اثر میں جا پہنچے، ابھی آپ کے جسمِ نازنین پر آگ کی ذراسی تپش بھی پہنچنے نہ پائی تھی کہ یکایک بارگاہِ ذوالجلال سے اعلان ہوا:

يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ (الانبیاء: ۶۹)

"اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے۔"

اللہ اکبر! یہ بھڑکتی ہوئی آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے گلزار بنا دی گئی۔ لوگوں کو اُس کے غیظ و غضب سے بھرے لپکتے ہوئے شعلے نظر آرہے تھے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان ہی کے درمیان ایک خوبصورت باغ میں تختِ عزت پر جلوہ فرما تھے۔ چند روز بعد ایک دن اپنے محل کی چھت پر نمرود ٹہل رہا تھا کہ اچانک اُس کی نظر آتش کدہ پر پڑی۔ وہ ابراہیم علیہ السلام کو عین آگ کے درمیان اس قدر شان و شوکت سے بیٹھا دیکھ کر نہایت متعجب ہوا اور پوری قوت سے چلا کر بولا "اے ابراہیم! تیرا خدا بہت ہی بڑا ہے، اُس نے تجھے آگ سے بچا لیا۔ کیا اب تُو اس آگ کے ڈھیر سے صحیح و سلامت باہر آسکتا ہے؟" آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: ہاں! یہ کہہ کر آپ اُٹھے، اور نہایت اطمینان سے خراماں خراماں چلتے ہوئے آگ سے باہر تشریف لے آئے۔ اِس واقعہ سے نمرود بہت متاثر ہوا، اور کہنے لگا، اے ابراہیم! میں تیرے رب کے نام پر قربانی کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

فرمایا کہ جب تک تو اُس ذاتِ واحد پر ایمان نہ لائے گا، تیری قربانی قبول نہ ہو گی۔ نمرود نے ازخود یا وزیر ہامان کے ورغلانے پر جواب دیا،
"یہ میری شان کے خلاف ہے کہ رب کی بجائے بندہ بنوں" لیکن قربانی ضرور دوں گا قبول ہو یا نہ ہو۔ پھر اُس نے چار ہزار گائیوں کی قربانی دی اور آئندہ ابراہیم علیہ السلام کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی۔

ہجرت

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوا، چنانچہ آپ حران تشریف لے آئے۔ ابن خلدون کے مطابق آپ کے باپ تارح، ناحور بن تارح، اس کی بیوی ملکا بنت ہاران حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا نے بھی ہجرت کی۔ (و اللہ تعالیٰ اعلم) حران میں قیام کے دوران تارح (یا آزر) کا دو سو پچاس (۲۵۰) کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

ابراہیم علیہ السلام کی کنعان میں آمد

پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بحکمِ خداوندی کنعان کی طرف ہجرت کی اور اسی سرزمین پر آپ کی نسلی ترقی کی ابتدا ہوئی۔ چھہتر برس کی عمر میں آپ نے وہاں آکر قیام کیا، جہاں اب بیت المقدس ہے۔

مصر میں آمد

پھر جب کنعان میں قحط پڑا، تو آپ اپنے اہل بیت کے ساتھ مصر میں تشریف لائے۔ فرعونِ مصر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بمعہ آپ کی زوجہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اپنے دربار میں طلب کیا، اور جبراً حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی خلوت گاہِ خاص میں لے گیا۔ فرعونِ مصر نے جونہی بُرائی کی نیت سے اپنا ہاتھ حضرت سارہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی طرف بڑھایا، تو اُس کا ہاتھ خشک ہو گیا اور اُس پر مرگی کا دورہ طاری ہو گیا، وہ کٹی شاخ کی طرح نیچے

گر کر تڑپنے لگا۔ پھر حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دُعا سے اصلی حالت پر لوٹ آیا۔ بعض مؤرخین کے مطابق تین بار اس نے بُرائی کا قصد کیا اور ہر دفعہ اسی کیفیت سے دوچار ہونا پڑا اور سیدہ سارہ علیہا السلام سے معافی مانگ کر اُن کی دُعا سے شفایاب ہوتا رہا۔ آخری مرتبہ سچے دِل سے اس نے اپنی بے جا دلیری اور گستاخی کی معافی مانگی، اور اپنی لختِ جگر حضرت ہاجرہ کو حضرت سارہ (علیہما السلام) کی خدمت میں دے کر ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیج دیا۔

شہزادی ہاجرہ خاتون (علیہا السلام)

شاید یہاں اس مقام پر کسی قاری کے ذہن میں یہ بات پیدا ہو کہ عام مشہور تو یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام لونڈی تھیں، جبکہ یہاں اُن کو بادشاہ کی بیٹی (شہزادی) تحریر کیا گیا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے اس قضیہ کا فیصلہ کر لیا جائے۔

محترم قارئین کرام! متعصب یہودیوں نے ہمارے آقا رسُولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص شان کے لئے ہر وہ حربہ استعمال کیا، جو وہ کر سکتے تھے، صرف یہ ثابت کرنے کے لئے کہ مسلمانوں کے نبی ایک لونڈی کی نسل سے ہیں۔ انہوں نے ایسا پروپیگنڈہ کیا کہ کئی نامور مُسلم مؤرخین و سیرت نگار بزرگوں نے بھی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو لونڈی تحریر فرما دیا۔ اُن بزرگوں کی نظر اس ناقابلِ تردید حقیقت پر تھی کہ اسلام میں کسی فرق کے لئے رنگ و نسل کی محتاجی نہیں، یہاں تو سیدنا فاروقِ اعظم جیسا صاحبِ سطوت جرنیل کہ جس کی ہیبت سے قیصر و کسریٰ لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔ فرمانِ نبوی کے مطابق شیطان جس کا راہ چھوڑ کر بھاگ جاتا تھا، وہ عظیم المرتبت انسان بازارِ مکہ میں بکنے والے ایک حبشی غلام حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یا سیدی یا سیدی یعنی اے میرے آقا — اے میرے آقا کہہ کر پکار رہا ہے۔ پارسی النسل ایک عجمی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ ایک یہودی کی غلامی میں تھے ان کو میرے آقا

رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہل بیت میں شامل فرمالیتے ہیں (نہ سے مقدر) تاریخِ اسلام میں آپ کو کئی ایسے واقعات ملیں گے، اسی بنا پر اُن بزرگ ہستیوں نے حضرت ہاجرہ (سلام اللہ تعالیٰ علیہا) کے لئے لفظ جاریہ یا امۃ وغیرہ سے مراد لونڈی لیا، حالانکہ یہ الفاظ لغت عرب میں خادمہ اور بیٹی کے لئے بھی مستعمل ہیں۔ خود یہودیوں کے نامور مفسرِ توراۃ ربی شلومو اسحٰق نے توراۃ کی کتاب پیدائش کے سولہویں باب کی تفسیر کرتے ہوئے جو لکھا، اُس کا ترجمہ یہ ہے:

" وہ (یعنی ہاجرہ) فرعون کی بیٹی تھی، جب اُس نے حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرامات کو دیکھا، تو (متاثر ہوکر) کہا: میری بیٹی (ہاجرہ) کا اِس (سارہ) کے گھر میں خادمہ بن کر رہنا کسی دُوسرے کے گھر میں ملکہ بن کر رہنے سے بہتر ہے۔"

معلوم ہوا کہ حقیقت پسند یہودی بھی اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ سیدہ ہاجرہ خاتون (علیہا السلام) لونڈی نہیں، بلکہ شہزادی تھیں۔ علاوہ ازیں اس زمانے کے حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں غلام اور لونڈی دو طرح کے ہوتے تھے نمبر ایک زرخرید اُن کو مقنت کسف یا سقنت کسف کہا جاتا۔ دوسرے یہ کہ مالِ غنیمت میں ہاتھ آئیں، اُن کو شیبوثِ حوب کہا جاتا اور ان کی اولاد جو کہ غلام اور لونڈی زادے ہوتے، اُن کو یلیدت بایت کہا جاتا تھا۔ پوری بائبل مقدس عہد نامہ قدیم وجدید میں باوجود شدید ترین تحریف کے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوا کہ حضرت سیدہ ہاجرہ (سلام اللہ تعالیٰ علیہا) مذکورہ بالا اقسام میں سے کسی ایک میں بھی داخل تھیں، تو پھر اُن کو لونڈی خیال کرنا یقیناً زبردست زیادتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ توراۃ میں حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو لونڈی کہا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کے محض کہہ دینے سے نہ تو کوئی غلام بنتا ہے اور نہ ہی لونڈی، ورنہ یہود و نصاریٰ، تمام بنی اسرائیل والے بتائیں کہ توراۃ کی کتاب پیدائش کے باب ۲۲

سے ثابت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ننھیال سے واپس آکر جب اپنے بھائی عیسو کے لئے کچھ تحفے بھیجے تھے، تو اپنے ملازمین کو سکھا دیا تھا کہ عیسو سے ان الفاظ میں گفتگو کریں " تیرے غلام یعقوب نے تیرے لئے یہ تحفے بھیجے ہیں، تیرا غلام یعقوب خود بھی ہمارے پیچھے آرہا ہے " غور کیجیے کہ ان الفاظ کے بعد بھی کوئی یہودی یا عیسائی حضرت یعقوب علیہ السلام کو غلام قرار دیتا ہے ؟ اسی طرح چونکہ یعقوب علیہ السلام کو ہی اسرائیل کہتے ہیں اور ان ہی کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء کرام علیہم السلام بنی اسرائیل سے ہوئے، تو کیا معاذاللہ ان سب کو غلام زادہ کہہ دیا جائے گا ؟ مزید برآں توراۃ کتاب پیدائش باب ۳۳ سے ثابت ہے کہ بقول توراۃ یعقوب علیہ السلام کی بیویاں راخل اور لیاہ یہ دونوں لونڈیاں تھیں اور یہ خود اپنے زر خرید ہونے کا اقرار کرتی ہیں، ان ہی کی نسل سے حضرت یوسف و موسیٰ داؤد، سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام پیدا ہوئے ۔ تو کیا کوئی بدبخت ان کی شان میں گستاخی کرسکتا ہے ؟

اہل کتاب یہ بھی غور کریں کہ انہوں نے مصر کی شہزادی کو تو صرف اس لئے لونڈی بنا دیا کہ اُس کے باپ نے اُسے خاندانِ نبوت کی خدمت کے لئے چھوڑ دیا تھا، لیکن وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بابت کیا کہیں گے جن کو مدیانیوں نے فوطیفار کے ہاتھ بیچا تھا ۔ ؟ توراۃ کی کتاب پیدائش کے باب ۳۷ سے آخر کتاب تک حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ درج ہے جس میں آپ کا (عزیزِ مصر) بقولِ توراۃ جلوداروں کے سردار فوطیفار مصری کے ہاتھ فروخت کیا جانا اور غلام بنایا جانا پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے، تو کیا خدانخواستہ کوئی عقلمند حضرت یوسف علیہ السلام کو غلام اور آپ کی اولاد کو غلام زادہ کہے گا ؟ نہیں ہرگز نہیں ۔ یہ سب باتیں ثابت

ونے کے باوجود بھی آپ غلام نہیں اور یقیناً نہیں، تو محض حضرت سارہ علیہا السلام
کے کہہ دینے سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو لونڈی کیوں سمجھ لیا گیا؟ جبکہ ایک خاوند
کی دو بیویاں ہوں، تو ایک دوسری کو بہت کچھ کہہ لیا کرتی ہیں، اور وہ سب کچھ مبنی
ر حقیقت نہیں ہوا کرتا۔

"جو لوگ عربی روایات پڑھتے ہیں، اُن کو یہ بات خوب ذہن نشین کر لینی چاہیئے
کہ عربی میں ولید، جاریہ اور اُمۃ کے الفاظ دختر کے لئے بھی مستعمل ہیں اور
لونڈی کے لئے بھی اس کی اصلیت یہ ہے کہ اسلام شرفِ انسانیت کا لحاظ رکھتے
ہوئے لونڈیوں کو بھی ان ہی الفاظ سے مخاطب فرماتا ہے جو لغت میں لڑکیوں اور
دختروں کے لیے موجود ہیں، اس لئے اگر کسی ایسے لفظ کو سیدہ ہاجرہ خاتون کے لئے
مستعمل دیکھیں، تو یہ خیال نہ کریں کہ اس سے تو حضرت ہاجرہ خاتون سلام اللہ تعالیٰ علیہا
کا لونڈی ہونا ثابت ہوتا ہے، بلکہ اس جگہ صحیح بخاری شریف میں مذکور حضور نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے ادا فرمودہ الفاظِ مبارک :-
فَاَخْدَمَھَا (یعنی حضرت ہاجرہ کو حضرت سارہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی خدمت
میں دے دیا) ذہن میں رکھیں ۔ تو ظاہر ہے کہ کسی کی خدمت کرنے سے کوئی کسی کا
غلام نہیں بن جاتا، اس کی مثالیں بیشمار آج بھی موجود ہیں ۔ یعنی آپ کو خادم نوکر
مل جائیں گے، مگر حقیقی معنوں میں غلام کوئی بھی نہیں۔

ہمارے آقا رسُولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلّم کے دادا محترم حضرت عبد المطلب کا نام
عامر لقب شیبہ یا شیبۃ الحمد ہے ۔ چونکہ والد حضرت ہاشم کی وفات کے بعد
چچا مُطلب نے بڑے ناز و نعم کے ساتھ ان کی پرورش کی تھی، اس لئے بطورِ
شکر و احسان یہ پوری زندگی خود کو عبد المطلب، یعنی مطلب کا غلام کہلاتے رہے ۔
حالانکہ آپ بھتیجے تھے نہ کہ غلام ۔ توراۃ، حاشیہ تاریخ ابن خلدون اور کتاب

"رحمۃً للعالمین" کے حوالہ سے اس ناچیز کی یہ مختصر سی بحث اُن حضرات کی آنکھیں کھو
دینے کے لئے کافی ہے جو محض تنقیصِ شانِ نبوت کی خاطر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہ
کو لونڈی ثابت کرتے ہیں۔ (وباللہ التوفیق واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم)

امام طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ فرعون جس نے حضرت سار
(سلام اللہ علیہا) کا قصد کیا تھا، اُس کا نام سنان بن علوان تھا جو کہ شاہانِ قبط
میں سے تھا۔ بعض مورخین نے اس کا نام "رقیوں" بھی تحریر کیا ہے۔ یہ دراصل
بابل کا باشندہ تھا، جو مہاجر ہو کر مصر آیا اور اپنی دانشمندی سے مصر کا بادشا
(یعنی فرعونِ مصر) بن گیا۔ (تاریخ طبری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنعان (فلسطین) واپسی

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپ
متعلقین کے ساتھ واپس کنعان (فلسط
کی طرف مراجعت فرمائی اور مقام بیر (
کو شرفِ قیام بخشا، اس جگہ کو اب مقام خلیل کہتے ہیں۔ یہ وہی جگہ ہے جس کو صا
(ستارہ پرست) ہیکل مُشتری وزہرہ قرار دے کر متبرک سمجھتے اور عُود
سُلگاتے تھے، جبکہ عبرانیوں نے اسی جگہ کا نام "ایلیا" یعنی اللہ تعالیٰ کا گھر رکھا
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مدفن بھی یہی ہے اور اسی جگہ سے آپ کی اجازت سے
آپ کے بھتیجے حضرت لُوط علیہ السلام سدوم کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کے بعض نہایت روشن پہلو

تعمیرِ کعبہ، تاریخ ابن عسا
تاریخ ازرقی، تفسیر عزیزی و نعیمی
کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام
زمین پر آنے کے بعد بحکمِ خداوندی خانہ کعبہ بنایا تھا، جو طوفانِ نوح کے بعد صر
ایک ٹیلہ کی شکل میں باقی رہ گیا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسے حضرت

ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السّلام اور جبریل امین علیہ السّلام
سے مِل کر ازسرِ نو بنایا، اُس وقت اس عمارت کی بُلندی، نوٌ ۹ ہاتھ تھی، رُکنِ اسود سے
رُکنِ شامی تک اِس کی دیوار ۳۲ ہاتھ، رُکنِ عزبی (جسے اب رُکنِ عراقی کہتے ہیں) تک
۲۲ ہاتھ، رُکنِ غربی سے رُکنِ یمانی تک ۳۱ ہاتھ اور رُکنِ یمانی سے حجرِ اسود تک ۲۰ ہاتھ
تھا، یعنی اس کی شکل مستطیل نما تھی۔ اس عمارت کے دوٌ ۲ دروازے بنائے گئے تھے،
جو زمین سے متصل تھے اور اُن کے کواڑ وغیرہ نہ تھے۔ اُس کے اندر ایک تغار سا بنا دیا گیا
تھا تاکہ خانہ کعبہ کے لیے جو نذر یا تحائف ہوں، اس میں رکھ دیئے جائیں۔ بعدازاں اس
عمارت کو کئی مرتبہ بنایا گیا اور تبدیلیاں بھی ہوئیں، مثلاً حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی
رحلت کے بعد بنو جرہم کعبہ مکرمہ کے متولی ہوتے، تو ایک پہاڑی نالہ کے پانی سے نقصان
پہنچ جانے کی وجہ سے انہوں نے کعبہ معظمہ کو ازسرِ نو بنایا۔ پھر جب قبیلہ عمالقہ نے بنو جرہم
کو مغلوب کیا، تو غالباً سیلاب ہی کی وجہ سے انہوں نے کعبہ کو بنایا۔ پھر قصیٰ بن کلاب
(حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی پانچویں پشت میں جدِّ اعلیٰ) نے خانہ کعبہ بنایا،
پھر قریش نے بنایا، جبکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی عمر پچیس ۲۵ برس تھی اور
آپ اس تعمیر میں شریک ہوئے اور حجرِ اسود بھی آپ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ہی نصب
فرمایا تھا۔ اِس وقت امیر العمارت ولید بن مغیرہ کو بنایا گیا تھا۔ طے یہ ہوا کہ اس میں
صرف مالِ حلال ہی صرف ہوگا، چونکہ سُود خوری عام تھی، اس لئے مالِ حلال کی کمی کی
وجہ سے عمارت چھوٹی کر دی گئی اور خانہ کعبہ کے باقی حصّہ، جس کو عمارت میں شامل
نہ کیا جا سکا، حطیم قرار دے دیا (جس میں اب کعبہ کا پرنالہ گرتا ہے) خانہ کعبہ کا دروازہ
بھی ایک کر دیا اور اسے زمین سے خوب اونچا کر دیا، جبکہ عمارت بھی ۹ کی بجائے ۱۸
ہاتھ کر دی۔ پھر ۶۴ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خانہ کعبہ
کو منہدم کر کے حضرت ابراہیم علیہ السّلام والی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کر دیا یعنی حطیم کو بھی

داخلِ عمارت کر دیا۔ پھر ۷۴؁ھ میں عبدالملک بن مروان کے نائب حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر کے مکہ مکرمہ پر قبضہ کیا تو خانہ کعبہ منہدم کر کے پھر تعمیر قریش کے مطابق بنا دیا۔ پھر ہارون الرشید نے چاہا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ پر بنائے، مگر علمائے کرام نے منع کر دیا تاکہ یہ بادشاہوں کا کھیل نہ بن جائے۔ پھر اس کی مرمت تو ہوتی رہی، مگر جب عمارت زیادہ پرانی ہو گئی، تو ۱۰۴۰؁ھ میں شاہِ قسطنطنیہ سلطان مراد بن احمد نے پہلی عمارت منہدم کر کے پھر نئے سرے سے حجاج کی تعمیر کے مطابق بنا دیا جو تا حال موجود ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

بے مثال قربانی

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ربّ جلیل کی رضا کے لئے اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا۔ اپنے وطنِ مالوف کو چھوڑا۔ اپنا سب مال و دولت راہِ مولیٰ میں لٹا دیا۔ خدائے لم یزل کی طرف سے اعلانیہ وحی کی بجائے محض خواب میں ایک اشارہ ملنے پر اپنے لاڈلے اور نہایت سعادت مند لختِ جگر کی گردن پر چھری چلا دی (تفصیلی واقعہ حالاتِ سیدنا اسماعیل علیہ السلام میں آئے گا)، حتیٰ کہ خود اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر آتشِ نمرود میں کود گئے۔ سبحان اللہ تعالیٰ! اس قدر عظیم قربانیوں کی مثال کہیں نہ ملے گی۔

اوّلیات

(۱) سب سے پہلے آپ نے ہی اپنا اور اپنی اولاد کا ختنہ کیا۔
(۲) سب سے پہلے آپ ہی کے بال سفید ہوتے۔
(۳) سب سے پہلے آپ نے ہی مونچھیں کٹوانے اور موئے زیرِ ناف و بغل کی صفائی کا رواج دیا۔
(۴) سب سے پہلے آپ نے ہی سِلا ہوا پاجامہ پہنا۔
(۵) سب سے پہلے آپ نے ہی سفید بالوں کو مہندی وغیرہ سے رنگ دیا۔

(۶) سب سے پہلے آپ نے ہی منبر بنایا اور اُس پر چڑھ کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ (۷) سب سے پہلے راہِ خدا میں باقاعدہ جہاد آپ نے ہی کیا۔ (رُومی کافر حضرت لُوط علیہ السلام کو گرفتار کر کے لے گئے، تو آپ نے جوابی حملہ کر کے حضرت لُوط علیہ السلام کو رہا کرا لیا) (۸) سب سے پہلے آپ ہی نے اپنے مہمانوں کو شیر مال یا پَراٹھے پیش کئے (۹) آپ ہی نے مصافحہ و معانقہ (گلے ملنا) کی ابتدا فرمائی، اس سے پہلے سجدۂ تحیت کیا جاتا تھا۔ (۱۰) آپ ہی نے سب سے پہلے ثرید بنایا (شوربے میں روٹی بھگو کر کھانا) (تفسیر نعیمی، عزیزی، حاشیہ ابن خلدون)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی شادی حضرت سارہ علیہا السلام سے کی۔ جب طویل عرصے تک حضرت سارہ سے کوئی اولاد نہ ہوئی اور مشہور روایت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عُمر اسّی برس کی ہوگئی[1] تو آپ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ نکاح فرمایا، جن کے بطنِ اطہر سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے جو کہ ہمارے آقا رسُولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے جدِّ اعلیٰ ہیں۔

توریت کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حین حیات ہی میں حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہاں عیصو یا عیص اور یعقوب (جڑواں) پیدا ہوتے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہی اسرائیل ہے، اور آپ کے بارہ بیٹوں سے ہی بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے چلے۔ انبیائے بنی اسرائیل سب ان ہی کی اولاد سے ہیں۔

حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قنطورا بنت کنعانیہ سے عقد کیا۔ تورات کے مطابق اس کے بطن سے چھ لڑکے زمران

[1] توراۃ کے مطابق ۸۶ سال

یقشان، مرآن، مدین، اشبق اور شوخ پیدا ہوئے۔ ابنِ خلدون، علامہ سہیلی کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چوتھی زوجہ حجین یا حجون بنت اہیب پانچ بیٹے کیسان، فروخ، امیم، طوثان، اور نافس پیدا ہوئے۔ علامہ طبری علیہ الرحمہ کے مطابق قنطورا سے یقشان پیدا ہوا۔ باقی پانچ بیٹے ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ رعوہ سے پیدا ہوئے۔ ابنِ خلدون فرماتے ہیں بنابریں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کل لڑکوں کی کل تعداد ۱۳ ہوئی۔ یعنی حضرت اسماعیل السلام حضرت ہاجرہ سے، حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت سارہ سے، چھ لڑکے قنطورا سے اور پانچ لڑکے بروایتِ سہیلی حجین یا حجون سے اور بخیال طبری رعوہ سے پیدا ہوئے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

وفات علامہ ابن خلدون کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک سو پچھتر برس کی عمر میں سرزمینِ شام میں انتقال ہوا۔ (تورات میں بھی آپ کی عمر ۱۷۵ سال درج ہے) اور حضرت سارہ کے پہلو میں مقامِ خلیل میں دفن ہوئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام دونوں بھائیوں نے آپ کی تدفین کی۔ (تورات)

حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں بیٹے کے لئے دعا کی تھی مگر حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے طویل عرصہ شادی کو گزرنے کے باوجود جب کوئی اولاد نہ ہوئی تو مصر سے فلسطین واپسی کے دسویں سال حضرت سارہ علیہا السلام کی خواہش پر آپ نے حضرت ہاجرہ خاتون سلام اللہ علیہا سے نکاح فرمالیا، تو رب ذوالجلال نے آپ کو بطنِ ہاجرہ سے نہایت ہی خوبصورت چاند سا لختِ جگر عطا فرمادیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ آپ نے اس مولود کا نام اسماعیل[1] (جو عبرانی زبان کا لفظ ہے) رکھا۔ ولادت کے ساتھ ہی جناب باری تعالیٰ سے وحی نازل ہوئی کہ اس لڑکے کی بارہ اولادیں ہوں گی اور ہر ایک بڑے سلسلے کا رئیس ہوگا، پہلے پہل تو حضرت سارہ علیہا السلام بھی ولادتِ اسماعیل علیہ السلام پر بڑی خوش تھیں، لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلچسپی اس نومولود میں کچھ زیادہ بڑھ گئی، تو حضرت سارہ علیہا السلام فطری غیرت کی وجہ سے برداشت نہ کر سکیں، اور اس پھول جیسے معصوم بچے کو بمعہ اس کی والدہ کے دور کہیں صحرا میں چھوڑ آنے کا مطالبہ کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے نہایت حلیم الطبع[2] اور سراپا رحم و کرم، بھلا اس مطالبے کو کیسے مان سکتے تھے؟ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ "اے ابراہیم جس طرح سارہ (سلام اللہ تعالیٰ علیہا) کہتی ہیں، اسی طرح کرو۔"

رضائے الٰہی کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے والے ابراہیم علیہ السلام فوراً کمر بستہ ہو گئے۔ حضرت ہاجرہ خاتون (سلام اللہ تعالیٰ علیہا) کو حکم دیا کہ اٹھو، اس بچے کو گود میں لے لو اور میرے ساتھ چلو۔ وفا شعار بیوی کسی حیل و حجت کے بغیر کھڑی ہو گئی اور یہ تین افراد پر مشتمل قافلہ ملک شام سے صحرائے عرب کی طرف روانہ ہو گیا۔ چلتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تھوڑی سی کھجوریں اور پانی کا ایک مشکیزہ بھی ساتھ لے لیا۔ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کی گود میں ننھا معصوم بچہ تھا

---

[1] اسماعیل، سمیع اللہ کا ہم معنی ہے، چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا بارگاہِ رب العزت میں سن لی گئی یعنی قبول ہو گئی تھی، اس لئے نام ہی یہ رکھ دیا۔ توراۃ میں اس کا ترجمہ یہ ہے۔
"اس لڑکے کی آواز، جہاں وہ پڑا ہے، خدا تعالیٰ نے سنی۔" پیدائش، باب ۲۲، درس ۱۸، ۲۰

[2] اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے، اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ ۝
"بے شک ابراہیم (علیہ السلام) تو بڑے ہی نرم دل اور حلیم الطبع تھے۔" (التوبۃ ۱۱۴)

اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے کندھے پر کھجوریں اور پانی تھا۔ آسمان والے آج پھر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے صبر کا امتحان لے رہے تھے۔ مختلف پہاڑوں، وادیوں اور نشیب و فراز سے گزرتا ہوا یہ قافلہ آبادی سے سینکڑوں میل دُور ایک ایسے لق و دق صحرا میں پہنچا کہ جہاں دُور دُور تک کسی سبزے یا ذی رُوح کا نام و نشان تک نظر نہ آتا تھا۔ تمازتِ آفتاب سے تپی ہوئی ریت تھی، یا پھر مہیب دیو کی طرح سینہ تانے کھڑے سیاہ پہاڑ تھے۔ یہاں پہنچ کر میرِ قافلہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے سواری کو روک لیا۔ خود بھی سواری سے نیچے اُتر آتے اور ہاجرہ علیہا السّلام کو بھی نیچے اُترنے کا حکم دیا۔ فرمانبردار، وفاشعار بیوی سواری سے اُتری اور اشارہ پاکر گرم ریت پر بیٹھ گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے پانی کا مشکیزہ اور کھجوریں اِن کے پہلو میں رکھیں، پھر حسرت بھری نگاہ سے اپنی جاں نثار بیوی اور محبوب بیٹے کو دیکھا اور آنکھوں میں آنسو لئے اپنی سواری کی طرف بڑھے۔ ابھی تک حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پتہ تک نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو واپس جاتے دیکھا تو تنہائی کی وحشت سے خوفزدہ ہوکر بولیں: اے میرے سر کے تاج! مَنْ اَمَرَكَ اَنْ تَتْرُكَنَا بِاَرْضٍ لَيْسَ فِيْهَا زَرْعٌ وَّلَا مَآءٌ۔ (آپ کو یہ کس نے کہہ دیا کہ مجھے اور اس نونہال کو ایسی زمین میں چھوڑ جائیں، جہاں نہ تو کوئی درخت ہے اور نہ ہی پانی) حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے بھرائی ہوئی آواز میں نہایت مختصر جواب دیا:

اَمَرَنِيْ رَبِّيْ (میرے ربّ تعالیٰ کا مجھے یہی حکم تھا) یہ سُن کر صحبتِ ابراہیمی میں تربیت پانے والی مجسمۂ صبر و رضا حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پکار اٹھیں فَاِنَّهٗ لَنْ يُّضَيِّعَنَا (پھر وہ بے شک ہمیں ضائع نہیں کرے گا) یہ کہا اور خاموشی سے بیٹھ گئیں۔ واپس جاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے سینہ میں جذبات کا ایک طوفان موجزن تھا، وہ ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے بارگاہِ ربّ العزت میں یہ

دُعا کر رہے تھے: رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْکُرُوْنَ ۝ (سورۃ ابراھیم - آیت ۳۷)

"یعنی اے میرے پروردگار! میں اپنی اولاد (اپنے بیٹے اور اُس کی ماں) کو ایسے میدان میں بسائے (چھوڑ کر) جا رہا ہوں جہاں کھیتی یا سبزہ کا نام نہیں، تیرے عزت والے گھر کے پاس[1]، اے میرے پالنے والے تاکہ وہ نماز قائم رکھیں، تو اب تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے (تاکہ ان کی تنہائی کی وحشت جاتی رہے) اور ان کو پھلوں سے روزی عطا فرما تاکہ یہ تیرے شکر گزار بنیں[2]۔"

حضرت ہاجرہ کی پریشانی اور خوشی

علامہ ابن خلدون نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی واپسی کے بعد اُسی دن یا اگلی صبح تک وہ پانی ختم ہو گیا، جو آپ چھوڑ کر گئے تھے۔ سُورج کی تپش اور صحرا کی گرم خشک ہوا نے پیاس سے حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نڈھال کر دیا، مگر آپ کو اپنے سے زیادہ اُس پھول سے لختِ جگر کی فکر تھی جس کی زبان سوکھ کر کانٹا بن چکی تھی۔ جب غلبہ تشنگی سے بچے کی حالت غیر ہو گئی، تو ماں کی ممتا تڑپ اُٹھی، ننھے معصوم کو زمین پر لٹایا، اور بیتاب ہاجرہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا دوڑتی ہوئی سامنے کے ٹیلہ پر

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو الہامِ خداوندی سے معلوم تھا کہ اس بیابان میں کبھی خانہ کعبہ موجود تھا جو کہ طوفانِ نوح کی وجہ سے ناپید ہو گیا۔ ۱۲

[2] اللہ تبارک و تعالیٰ نے دُعائے خلیل علیہ السلام کو زیورِ قبولیت سے کس طرح آراستہ فرمایا، اِس منظر کا نظارہ آج بھی کیا جا سکتا ہے کہ دنیا میں جو پھل کہیں نہ ملتا ہو، وہ بازارِ مکہ میں مل جائے گا اور کثرت سے ملے گا، حالانکہ آج بھی وہاں باغات نہیں ہیں، مگر پھل موجود ہیں۔

چڑھ گئیں، دراصل وہ پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھیں۔ جب دُور دُور تک سوائے اُڑتی ہوئی ریت اور سنگلاخ پہاڑوں کے کچھ بھی نظر نہ آیا، تو وہ اس ٹیلے سے نیچے اُتر آئیں اور بھاگ کر دوسرے ٹیلے پر چڑھ گئیں کہ شاید کہیں دور دراز ہی پانی نظر آجائے، مگر پانی کہیں ہوتا تو نظر آتا۔ آپ اِس ٹیلہ سے اُتر کر پہلے ٹیلہ پر جا چڑھیں[1]۔

پیاس کی شدت سے جاں بہ لب ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب ان پہاڑیوں کے درمیان سات چکر[2] لگا چکیں اور آٹھواں چکر ابھی شروع نہ کیا تھا کہ بچے کے رونے کی آواز آئی تو سیدہ ہاجرہ علیہا السلام دوڑ کر اپنے لختِ جگر کے پاس آئیں، تو خوشی اور تعجب سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔۔۔ ارے یہ کیا؟۔۔۔ جہاں روتا ہوا بچہ ایڑیاں رگڑ رہا تھا، وہاں پانی کا ایک چشمہ اُبل رہا تھا، بلکہ یُوں کہیے کہ ادھر صفا و مروہ پر حضرت ہاجرہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا پانی تلاش فرما رہی تھیں اور ادھر پانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم چوم رہا تھا۔ سُبحان اللہ تعالیٰ! (اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ)

---

[1] یہ وہی دو ٹیلے ہیں، جن کو قرآنِ کریم صفا اور مروہ فرما رہا ہے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قدموں کی برکت سے ان کا رُتبہ بڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو "شعائر اللہ" قرار دے دیا۔

[2] یہ چکر ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہیں گن رہی تھیں، بلکہ پروردگارِ عالم گن رہا تھا۔ میرے آقا رسُولِ عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی جدّہ محترمہ کی یہ دوڑ ربّ ذوالجلال کو اس قدر پسند آئی کہ قیامت تک کے لئے بیت اللہ شریف کے حاجیوں کو حکم دے دیا کہ (آج اگرچہ پانی وافر مقدار میں موجود ہے مگر) اُس وقت تک تمہارا حج قبول نہ ہوگا، جب تک تم حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی سُنت پر عمل کرتے ہوئے صفا و مروہ کے درمیان نہ دوڑو گے۔ نیز تم کو صفا اور مروہ پر چڑھ کر بیت اللہ شریف کی طرف اسی طرح دیکھنا ہوگا، جس طرح کل حضرت ہاجرہ اس کے قریب لیٹے اپنے لختِ جگر کو دیکھتی تھیں اور دوڑتے ہوئے جہاں بچے کے آنکھوں سے اوجھل ہوجانے کی وجہ سے وہ تیز دوڑی تھیں، وہاں تم بھی تیز دوڑو گے۔ (سُبحان اللہ تعالیٰ)

سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پانی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں[1] اور بیٹھ کر اس کے گرداگرد ریت کی دیوار بنانے لگیں اور ساتھ ساتھ زبانِ اقدس سے فرما رہی تھیں: زَمْ زَمْ۔ (یعنی ٹھہر جا، ٹھہر جا) میرے آقا رسولِ عربی (فداہ رُوحی وجسدی امی وابی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

یَرْحَمُهَا اللّٰهُ لَوْ تَرَكَتْهَا لَكَانَتْ عَيْنًا سَائِحَةً۔ (

"اللہ تعالیٰ ہاجرہ پر رحم فرمائے، اگر وہ چشمہ کو اسی حال پر چھوڑ دیتیں (یعنی زمزم نہ فرمائیں) تو وہ (کنوئیں کی بجائے نہر کی طرح) جاری چشمہ ہو جاتا۔"

بنی جرہم کی آمد اور مکہ کی آبادی

قبیلہ بنو جرہم (جن کا اصلی وطن یمن تھا) صحرانوردی کرتے ہوئے اس بے آب و گیاہ میدان میں پانی کی تلاش کرتے ہوئے حیران و سرگردان پھر رہے تھے کہ ان کو پرندے اُڑتے نظر آئے، اس طرف آئے، تو سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چشمے کے کنارے بیٹھے دیکھ کر سخت حیران اور متعجب ہوئے۔ ایک عورت کا معصوم بچے کے ساتھ اس طرح بیابان میں تنہا موجود ہونا، اُن کے لئے سخت حیران کُن تھا، وہ تھوڑی دیر تک تو خاموش کھڑے رہے اور انہیں دیکھتے رہے۔ پھر آگے بڑھ کر سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے پانی لینے کی اجازت مانگی، آپ نے بخوشی اجازت دے دی، چونکہ پانی نہایت لذیذ اور خوشگوار تھا، اس لئے انہوں نے اِسی جگہ مستقل قیام کا ارادہ کر لیا[2]۔ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اُن کو اس شرط پر قیام کی اجازت دے دی کہ وہ پانی پر قبضہ نہیں کریں گے۔ بنو جرہم

---

[1] بخاری شریف میں ہے کہ پانی حضرت جبریلِ امین علیہ السلام نے ایڑی مار کر نکالا تھا۔ (بخاری کتاب الانبیاء:)

[2] درحقیقت یہ دُعائے خلیل علیہ السلام ہی کا نتیجہ تھا کہ ربِ کریم جلّ شانہٗ نے حضرت ہاجرہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی تنہائی کو دُور فرما دیا۔

نے اِس شرط کو قبول کر لیا۔ اِس طرح شہرِ مکہ کی بنیاد پڑ گئی۔[1] اِن لوگوں کی زبان عربی تھی، جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مادری زبان قبطی اور پدری زبان عبرانی تھی آپ نے ان لوگوں سے عربی زبان سیکھی، اور اس میں کمال حاصل کیا اور آپ کی شادی بھی قبیلہ بنو جرہم کے حکمران مضامن کی بیٹی سے ہوئی۔[2] (تفصیل آگے آئے گی۔ اِنشاء اللہ تعالیٰ)

قربانی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھار حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اجازت سے سیدہ ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو دیکھنے کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔ جب اسماعیل علیہ السلام کچھ بڑے ہو گئے، تو ماہِ ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کی شب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حکم دیا گیا کہ اٹھو اور اپنے پیارے بیٹے کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دو۔ صبح اٹھے تو آپ سوچ میں پڑ گئے کہ کیا یہ حکمِ خداوندی ہے یا ویسے ہی خواب ہے؟ اسی لئے آٹھ ذی الحجہ کو یوم الترویہ (سوچ کا دن) کہا جاتا ہے۔ اگلی شب پھر یہی خواب آیا تو آپ پہچان گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے، اِسی لئے نویں تاریخ کو عرفہ (پہچاننے کا دن) کہتے ہیں۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

---

[1] قارئین کرام کو تعجب ہوگا کہ اُس بے راہ روی کے زمانہ میں ایک بھرپور قبیلہ والے کہ جن کے ساتھ جری اور بہادر نوجوان بھی موجود تھے، ایک تنہا عورت اور معصوم بچے سے اِس قدر کیوں ڈرتے تھے۔ یہ کیوں نہ ہوا کہ بنی جرہم والے اس تنہا عورت اور بچے کو گرفتار کر کے پانی کے چشمہ پر قبضہ کر لیتے۔ دراصل یہ اثر تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا اور اُس نورِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جو پیشانیٔ اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام میں چمکتا تھا کہ اس ماں بیٹے کا پورے قبیلہ پر اتنا رعب دبدبہ تھا کہ وہ ان سے پوچھے بغیر چشمۂ زمزم سے پانی نہ لے سکتے تھے۔[12]

[2] "رحمۃ للعالمین" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) جلد دوم،

ارشادِ خداوندی کی تعمیل کے لیے آپ یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) کو مکہ مکرمہ آپہنچے۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ آپ ملکِ شام سے نہایت قلیل وقت میں مکہ مکرمہ پہنچ جاتے' اسی طرح واپس ملکِ شام پہنچ جاتے۔

امام بیہقی، ابن اسحاق، ابن جریر، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، امام محی السنہ سے (رحمہم اللہ تعالیٰ) اور ابن عباس، ابی ہریرہ عن کعب بن احبار، عطاء بن سائب وغیرہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے منقول و مروی مختلف النوع روایات کے مفہوم کے مطابق، مکہ مکرمہ پہنچ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم دیا کہ وہ اسماعیل علیہ السلام کو تیار کر دیں۔ پھر دونوں باپ بیٹا جوارِ کعبہ سے میدان منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ادھر انسان کے ازلی دشمن شیطان لعین کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر میں آج سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اہل بیت کو بہکا نہ سکا تو پھر شاید کبھی بھی بہکا نہ سکوں۔ چنانچہ وہ ایک دانا شخص کی شکل میں حضرت سیدہ ہاجرہ (سلام اللہ تعالیٰ علیہا) کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا: تمہیں معلوم ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) تمہارے بیٹے کو کہاں لے گئے ہیں؟ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا: شاید لکڑیاں لینے گئے ہوں۔ شیطان بولا: نہیں، خدا کی قسم، وہ تو تمہارے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے لے گئے ہیں۔ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا: یہ کیسے ممکن ہے؟ ابراہیم علیہ السلام تو اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت فرماتے ہیں۔ شیطان بولا: وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کو ذبح کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ جواباً سیدہ ہاجرہ (سلام اللہ تعالیٰ علیہا) نے فرمایا: حکمِ خدا تعالیٰ ہے تو میں سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوں۔ یہاں سے شیطان ذلیل و خوار ہو کر پلٹا تو سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے پاس جا پہنچا۔ آپ اپنے والدِ محترم کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ شیطان نے پوچھا: اے اسماعیل!

کہاں کا ارادہ ہے ؟ آپ نے فرمایا : ابا حضور کے ساتھ اس گھاٹی میں جا رہا ہوں۔ شیطان بولا : وہاں نہ جانا ، اللہ تعالیٰ کی قسم ! یہ تمہیں ذبح کرنے لے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا : یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ شیطان بولا : تمہارے والد یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کو اس بات کا حکم ، اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا : اگر یہ بات ہے تو نامِ خدا پر میں قربان ہونے کو تیار ہوں۔ شیطان یہاں بھی خائب و خاسر ہوا۔ تو سیدنا ابراہیم علیہ السّلام کے راستہ میں جا کھڑا ہوا تاکہ آپ کو اس کام سے روک دے۔ آپ نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ شیطان ہے ، اور زمین سے چند کنکریاں اٹھا کر اس کو ایسے ماریں ، جس طرح کتے کو دفع کیا جاتا ہے۔ اس وقت شیطان بھاگ تو گیا لیکن تھوڑی دُور جا کر پھر سامنے آکھڑا ہوا۔ آپ علیہ السّلام نے پھر اسے کنکریاں ماریں ، وہ پھر بھاگ گیا ، لیکن تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد پھر سامنے آگیا تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے پہلے کی طرح پھر اسے دھتکار دیا۔ اب تو شیطان ایسا ذلیل ہوا کہ پھر اُسے آپ علیہ السّلام کا سامنا کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے تینوں مرتبہ جو کنکریاں پھینکیں ، تو ہر مرتبہ ان کی تعداد سات ہی تھیں۔ آج حجاج کرام ان ہی تین مخصوص جگہوں یعنی جمرٰی کبرٰی ، جمرٰی وسطٰی اور جمرٰی اولیٰ پر سات سات کنکریاں سُنّتِ ابراہیمی میں مارتے ہیں۔

الغرض دونوں باپ بیٹا منیٰ کی قربان گاہ میں جا پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے صاف صاف فرما دیا کہ : یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی۔ (الصّٰفّٰت ، ۱۰۲) " اے میرے پیارے بیٹے ! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں ، بتا تیری کیا رائے ہے ؟ "

قرآن کریم کے ارشادِ گرامی سے عیاں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے لختِ جگر کو یہ نہیں فرمایا کہ " اے میرے بیٹے ! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تجھے ذبح کروں۔

بلکہ محض ایک خواب سنایا، اور یہ بھی نہ فرمایا کہ میں اپنا خواب پورا کرنا چاہتا ہوں" بلکہ رائے پوچھی کہ بتا تیری رائے کیا ہے؟ چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جانتے تھے کہ میرے والد ماجد اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، اِن کے خواب بھی وحی خداوندی ہیں، اس لیے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فوراً عرض کیا: یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ○ (الصّٰفّٰت، ۱۰۲)

"اے میرے والدِ محترم! فوراً وہ کر گزریئے، جس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا، تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"

اللہ اکبر! اِس پیکرِ تسلیم و رضا نے کس قدر پاکیزہ اور عالی جذبات کا اظہار کیا۔ اب بیٹا اپنی جوانی، اپنا حُسن و رعنائی، اپنی امیدوں اور اُمنگوں کی دُنیا قربان کرنے کو تیار تھا، جبکہ بوڑھا باپ اپنے لختِ جگر، نورِ نظر بلکہ یوں کہیے کہ اپنی سو سالہ دعاؤں کے رنگین ثمر کی گردن پر چھری چلانے والا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے چند وصیتیں عرض کیں، اُن میں سے ایک یہ بھی کہ اے پدرِ بزرگوار! میرے ہاتھ پاؤں رسّی سے باندھ دیجیے، مبادا تڑپنے سے میرے خون کے چھینٹے آپ پر نہ پڑ جائیں۔ میرا چہرہ زمین کی طرف کر دیں اور اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیں تاکہ بوقتِ ذبح میرا چہرہ دیکھ کر آپ کو ترس نہ آ جائے اور ثواب میں کمی نہ ہو جائے۔ (حاشیہ ابن خلدون)

چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔ پھر باپ نے بیٹے کی گردن پر چھُری چلا دی مگر چھُری نے کچھ بھی نہ کاٹا۔ بعض مفسّرینِ کرام نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دو مرتبہ چھُری چلائی، مگر اُس نے کچھ نہ کاٹا، تو آپ نے تیسری مرتبہ بھرپور قوّت سے اللہ اکبر کہتے ہوئے چھُری چلائی، وہ تو چل گئی اور گرم گرم خون سے ابراہیم علیہ السلام کا ہاتھ بھر گیا۔ چند لمحوں کے لیے ایک سکتہ سا طاری ہو گیا۔ پھر جب آپ نے آنکھوں سے پٹی کو دُور کیا، تو حیران رہ گئے کہ اسماعیل علیہ السلام تو قریب کھڑے تھے، اور

ایک دُنبہ ذبح ہو چکا تھا، معاً ارشادِ خداوندی ہوا:

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ؁ (الصّٰفٰت: ۱۰۲)

"بے شک تو نے (اے ابراہیم علیہ السّلام!) اپنے خواب کو سچا کر دکھایا ہے، اور ہم ایسے ہی جزا دیتے ہیں نیکو کاروں کو۔"

کتبِ سیَر و تفاسیر میں ہے کہ حکمِ خداوندی سے یہ دُنبہ حضرت جبریل علیہ السّلام لے کر گئے تھے اور انہوں نے ہی چھُری کے نیچے سے اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السّلام کو نکال کر دُنبہ رکھ دیا تھا۔ بعض کُتب میں یہ واقعہ یوں درج ہے:

جب سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے بیٹے کی گردن پر چھُری چلائی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کا رُخ الٹا دیا اور ابراہیم علیہ السّلام کو فرمایا: بس ابراہیم، بس! تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے (یعنی تم دونوں باپ بیٹا امتحان میں کامیاب ہو گئے ہو) بے شک ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں، اس کے ساتھ ہی جبریل امین علیہ السّلام کو دُنبہ دے کر بھیج دیا کہ اے ابراہیم! (علیہ السّلام) بیٹے کی جگہ اب اس دُنبہ کو ذبح کر دو تمہاری قربانی قبول ہو گئی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم!)

تعمیرِ کعبہ تعمیرِ کعبہ کا ذکر قبل ازیں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے تذکرہ میں بھی ہو چکا ہے۔ اِس جگہ اس کو دوبارہ ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ خیال رہے کہ علامہ ابنِ خلدون کے نزدیک تعمیرِ کعبہ قربانی سے پہلے ہوئی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

حضرت ابراہیم علیہ السّلام ملکِ شام سے جبریل امین علیہ السّلام کو ساتھ مکّہ مکرمہ آئے اور عمارتِ خانہ کعبہ کے نشانات کو ظاہر کر دیا۔ پھر دونوں باپ بیٹا یعنی حضرت ابراہیم، اسماعیل علیہما السّلام تعمیرِ کعبہ میں یُوں مشغول ہو گئے کہ ابراہیم علیہ السّلام تو پتھر چنتے تھے، جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السّلام گارا اور پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ دونوں بزرگ یہ دُعا بھی کرتے تھے کہ:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (البقرہ: ۱۲۷)

"اے ہمارے پروردگار! ہمارا یہ کام، تو قبول فرما، بیشک تو سمیع و علیم ہے۔

جب دیواریں بلند ہو گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چنائی میں دقت محسوس ہوئی، تو آپ کے حکم پر اسماعیل علیہ السلام ایک پتھر اٹھا لائے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام جاری رکھ سکیں۔ قدرت خداوندی سے یہ پتھر خود بخود تعمیر کے مطابق آگے بڑھتا جاتا تھا اور ضرورت کے مطابق بلند ہوتا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو آپ علیہ السلام کے قدموں تلے اس قدر نرم اور گداز بنا دیا کہ آپ علیہ السلام کے پاؤں اس میں دھنس گئے۔ بعد ازاں آپ نے اس پتھر کو خانہ کعبہ کے دروازہ میں نصب فرما دیا تھا، اسی پتھر کا نام مقام ابراہیم ہے، اور یہ آجکل صحن حرم میں خانہ کعبہ کے دروازہ کے سامنے نصب ہے اور اس کے گرد اگرد سنہری جالی سی لگا دی گئی ہے، جس کے اندر جھانک کر آج بھی آپ علیہ السلام کے نشانات قدم کی زیارت کی جا سکتی ہے۔

تعمیر بیت اللہ شریف کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ کوئی اچھا سا پتھر اٹھا لاؤ تاکہ میں اسے رکن (کونہ) میں نصب کر دوں، اس سے لوگوں کو طواف کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کسی اعلیٰ پتھر کی تلاش میں سامنے کے پہاڑ کوہ ابی قبیس کی طرف گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جبل ابو قبیس نے خود پکار کے کہا تھا کہ وہ امانت میرے پاس ہے، لے جاؤ اور یہ بھی مروی ہے کہ اس پتھر کی نشاندہی جبریل امین علیہ السلام نے کی تھی۔ الغرض حضرت اسماعیل علیہ السلام وہ پتھر اٹھا لائے جسے حجر اسود کہا جاتا ہے اور زائرین کعبہ عقیدت و احترام سے جس کے بوسے لیتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پتھر کو بیت اللہ شریف کے ایک کونے میں نصب کر دیا۔

تعمیر کعبہ مکمل ہوئی، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکمِ خداوندی جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر قیامت تک آنے والے لوگوں کو مخاطب کر کے باوازِ بلند ارشاد فرمایا:۔

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَنٰی لَکُمْ بَیْتًا وَدَعَاکُمْ اِلَی الْحَجَّةِ فَاَجِیْبُوْهُ ۔ (معارج النبوۃ وغیرہ) "اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے گھر بنا دیا ہے اور تمہیں اس کے حج و زیارت کے لئے بلایا ہے، پس تم لوگ آجاؤ۔"[1]

پھر ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام اور آپ پر ایمان لانے والوں نے بیت اللہ کا حج کیا، یعنی عرفات و منیٰ گئے، قربانی کی اور طواف کیا، بعد ازاں ابراہیم علیہ السلام واپس ملکِ شام چلے گئے۔ پھر ہر سال حج کے لئے تشریف لاتے رہے۔

سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کی رحلتِ مبارکہ

علامہ ابنِ خلدون علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ خاتون علیہا السلام کی رحلتِ مبارکہ تعمیرِ کعبہ سے پہلے ہو گئی۔ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر پندرہ برس کی تھی۔ آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کو جس جگہ دفن کیا، وہ جگہ خانہ کعبہ کے پرنالے میزابِ رحمت اور حجرِ اسود کے درمیان مطاف میں شامل ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی

موجودہ محرّف توراۃ پیدائش کے باب ۲۱ کی آیت ۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی مصر کی کسی لڑکی کے ساتھ

---

[1] یہ دعوتِ ابراہیمی کا اثر ہے کہ لوگ آج بھی کشاں کشاں بیت اللہ شریف کی طرف رواں دواں ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ صدائے ابراہیمی کو قیامت تک آنے والے ہر انسان نے سنا، خواہ وہ عالمِ ارواح میں تھا یا عالمِ اجسام میں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز پر جس نے جتنی مرتبہ لبیک کہا، اس کی قسمت میں اتنے ہی حج ہیں، جو قسمت کا مارا خاموش رہا، وہ سعادتِ حج سے محروم رہا۔ (معارج النبوۃ، تفسیر حسینی، نزہۃ المجالس)

کی تھی، لیکن تفصیل نہ مل سکی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ابن خلدون میں ہے کہ حضرت سیدہ ہاجرہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی رحلتِ مبارکہ کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دل مکہ سے اُچاٹ ہو گیا اور انہوں نے ملکِ شام چلے جانے کا ارادہ کیا۔ بنو جرہم چونکہ آپ کے شرف و برکت کے معترف تھے، اس لئے انہوں نے باہم مشورہ کر کے آپ کو روکا اور آپ کی شادی خاندان عمالقہ کی لڑکی عمارہ بنت سعید بن اسامہ بن اکیل سے کر دی۔ کچھ عرصہ بعد حسبِ دستور حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ مکرمہ میں تشریف لائے۔ چونکہ حضرت سیدہ ہاجرہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا انتقال فرما چکی تھیں، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے، اس لئے صرف آپ کی بیوی عمارہ بنت سعید ہی گھر پر موجود تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عمارہ سے چند باتیں دریافت فرمائیں، مثلاً تم کون ہو؟ اسماعیل (علیہ السلام) کہاں ہے؟ ہاجرہ (علیہا السلام) کا کب انتقال ہوا؟ وغیرہ، تو جواباً عمارہ نے ایسی ترش روئی اور ایسی بداخلاقی کا مظاہرہ کیا کہ حلیم الطبع اور اعلیٰ سیرت کے حامل حضرت ابراہیم علیہ السلام پریشان ہو گئے اور اُسی وقت واپسی کا ارادہ فرما لیا۔ البتہ جاتے ہوئے یہ پیغام دے گئے کہ تمہارے شوہر گھر آئیں، تو اُن کو میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ تمہارے گھر کا دروازہ اچھا نہیں ہے اس کو بدل دو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر آئے، تو برکاتِ نبوت محسوس ہوئیں۔ دریافت فرمایا کہ آج کوئی آیا تھا؟ عمارہ نے سارا واقعہ بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ اس بوڑھے نے کہا تھا کہ "گھر کا دروازہ بدل دو۔" حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عمارہ سے فرمایا کہ وہ میرے والد ماجد پیغمبرِ خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور وہ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تجھے طلاق دے دوں۔ اس لئے میں ابھی تم کو طلاق دیتا ہوں۔

بنت مضاض بن عمرو سے عقد

عمارہ کی طلاق کے بعد آپ کی شادی عرب کے قدیم حکمران بنو جرہم کے

سردار اور علاقے کے فرماں روا مضاض بن عمرو جرہمی کی لختِ جگر "سیدہ" کے ساتھ ہوئی۔ یہ
نہایت درجہ کی بلند اخلاق اور پاکباز خاتون تھیں۔ ایک عرصہ کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے مکہ مکرمہ کا قصد کیا۔ اتفاق سے اس دن بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہیں تھے
سیدہ نے بڑی گرم جوشی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استقبال کیا فوراً پانی گرم کرکے آپ کو
وضو کرایا، گوشت اور دودھ جو اس وقت گھر میں موجود تھا کمالِ احترام و نفاست کے ساتھ
پیشِ خدمت کیا اور معذرت کرتے ہوئے عرض کیا کہ میرے خاوند گھر پر نہیں ہیں ورنہ وہ بھی
آپ کی خدمت کرنے میں پیش پیش ہوتے۔ علاوہ ازیں ہمارے گیہوں وغیرہ پیدا نہیں
ہوتا۔ ہم لوگ بھی شکار کے گوشت دودھ اور خرما پر ہی گزارہ کرتے ہیں، اسی لئے یہی
کچھ پیشِ خدمت کیا ہے۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام "سیدہ" کے حسنِ سلوک سے
بڑے خوش ہوئے اور دعائے برکت کی۔ حضرت سیدہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا نے آپ کو حضرت
اسماعیل علیہ السلام کے آنے تک ٹھہرنے کی درخواست کی، لیکن ابراہیم علیہ السلام نہ رکے
البتہ جاتے جاتے یہ ارشاد فرما گئے کہ "اپنے شوہر کو میرا سلام کہہ دینا اور کہنا کہ اب تمہارے گھر کا درو
بہت اچھا ہے، یہ مجھے بہت پسند آیا ہے، اب اسے کبھی تبدیل نہ کرنا" جب حضرت اسماعیل
علیہ السلام شکار سے واپس آئے تو آج پھر آثارِ خیر و برکت نظر آئے اور سیدہ بنت مضاض
نے کمالِ تعظیم و احترام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام اور تمام ماجرا لفظ بہ لفظ کہہ سنا
حضرت اسماعیل علیہ السلام یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ وہ میرے والد بزرگو
تھے اور وہ مجھے فرما گئے ہیں کہ میں تمہیں اپنے سے جدا نہ کروں اور ہمیشہ ساتھ رکھوں
مؤرخین کے مطابق آپ کی سب اولاد ان ہی کے بطنِ اقدس سے پیدا ہوئی۔

آپ کے بیٹوں کے نام

توراۃ کی کتاب پیدائش کے باب ۲۵ میں ہے کہ۔
اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے بیٹوں کے نام یہ ہیں
پیدائش کے مطابق ان کے نام ترتیب وار اس طرح ہیں، حضرت اسماعیل

علیہ السلام کا پہلوٹھا بیٹا نبایوت[1] تھا، پھر قیدار[2] اور ادبئیل[3] اور مبسام[4] اور مشماع[5] اور دومہ[6] اور مسا[7] اور حدد[8] اور تیما[9] اور یطور[10] اور نفیس[11] اور قدمہ[12]۔ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور ان ہی کے ناموں سے ان کی بستیاں اور چھاؤنیاں نامزد ہوئیں، اور یہی بارہ بیٹے اپنے اپنے قبیلہ کے سردار ہوئے۔ (پیدائش ۲۵ : ۱۴ تا ۱۷)

رحلتِ مبارکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رحلتِ مبارکہ بروایت ابن اسحاق و ابن خلدون ایک سو تیس[13] برس کی عمر میں ہوئی، جبکہ توراۃ میں عمر مبارکہ ایک سو سینتیس برس مرقوم ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ خاتون علیہا السلام کے پہلو میں بیت اللہ شریف کے حجرِ اسود اور میزاب کے درمیان مطاف میں دفن کیا گیا۔ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ حضرت اسماعیل و حضرت ہاجرہ خاتون علیہما السلام کا مدفن مقامِ حجر یعنی حطیم (خانہ کعبہ کے پرنالہ میزابِ رحمت والی جگہ) ہے۔

۱۔ عدنان : (۲۱)

جیسا کہ قبل ازیں تحریر کیا جا چکا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور عدنان کے درمیان شجرۂ مبارکہ میں اختلاف ہے۔ حتیٰ کہ اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے کونسے شہزادے حضرت عدنان کے جدِ امجد ہیں۔ مثلاً علامہ ابن ہشام نے نابت بن اسماعیل (علیہ السلام) نقل فرمایا ہے۔ تاریخ ابن خلدون سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، جبکہ بعض کے نزدیک حضرت عدنان کے جدِ اعلیٰ کا نام قیدار بن اسماعیل تھا۔ "رحمۃ للعالمین" جلد دوم میں بھی جدِ اعلیٰ کا نام قیدار ہی نقل فرمایا گیا ہے (واللہ تعالیٰ اعلم) بہرحال اکیسویں پشت میں حضرت عدنان ہمارے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جدِ امجد ہیں۔

---

[1] اسے اہلِ عرب نابت یا نبت کہتے ہیں۔

علامہ طبری اور دیگر مؤرخین کے مطابق "جب ارمیا (توراۃ کے مطابق یرمیا) نبی نے بادشاہ یہوداہ صدقیاہ کو بخت نصر کے حملہ سے ڈرایا، تو انہوں نے ان کو قید کر دیا۔ چنانچہ بخت نصر نے بیت المقدس کی فتح کے بعد دیگر قیدیوں کے ساتھ ارمیا نبی کو بھی بابل کی طرف روانہ کر دیا۔" (ابن خلدون)

پھر جب بخت نصر نے عرب پر حملہ کا ارادہ کیا تو ان ہی ارمیا نبی اور برخیا علیہما السلام نے بخت نصر کو بتا دیا تھا کہ وہ حضرت عدنان پر حملہ نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے اس کی اجازت نہیں ہے، البتہ دیگر قبائل پر حملہ کر سکتا ہے، چنانچہ بخت نصر نے عدنان کے سوا دیگر قبائل پر حملہ کیا اور ان کو گرفتار کر کے لے گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عدنان کی بخت نصر سے اس لیے حفاظت فرمائی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نورِ اقدس ان کی پشت میں بطور امانت موجود تھا

بنی عدنان

عدنان کے دو بیٹے تھے مَعد اور عک ۔ ان میں مَعد تو اجدادِ نبوی سے ہیں، جبکہ عک نے یمن کی طرف ہجرت کر لی اور وہیں صاحبِ سلطنت بنے۔

۲ - مَعد : (۲۰)

حضرت مَعد کی عند اللہ عزت و عظمت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوتا ہے کہ مورخین کے مطابق جب بخت نصر نے عرب پر دوبارہ حملہ کیا اور مقامِ جزیرہ ایلہ اور رایلہ کے درمیان بخت نصر نے لڑائی کی غرض سے میدان کو سواروں اور پیادوں سے بھر دیا تو بنی عدنان نے اس کا نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور ان کو بڑی ذلت کے ساتھ پسپائی پر مجبور کر دیا، تب اللہ تعالیٰ نے ارمیا اور یوحنا علیہما السلام کی طرف وحی فرمائی کہ مَعد بن عدنان کو کہ جن کی اولاد میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

خاتم النبیین کی جلوہ گری ہونے والی ہے، اُن کو گروہِ عرب سے نکال لاؤ۔ مُعد بن عدنان کی عمر شریف اس وقت صرف بارہ برس کی تھی۔ حضرت یوحنا علیہ السلام ان کو اپنے ساتھ سوار کر کے حران لائے اور نہایت ذمہ داری و محبت کے ساتھ ان کی پرورش دونوں بزرگوں نے فرمائی۔ پھر جب بخت نصر مرگیا، تو معد بن عدنان ابنائے بنی اسرائیل کے ساتھ حج کعبہ کو آئے اور وہیں اپنی قوم میں رہ گئے۔ ان کی شادی عانہ بنت الحارث بن مضاض جرہمی سے ہوئی، جن سے "نزار" پیدا ہوئے۔ مُعد کے دوسرے بیٹے کا نام "قنص" تھا، ان کی اولاد قنصی کہلاتی ہے۔

۳۔ نزار: (۱۹)

آبائے نبوی میں یہ انیسویں نمبر پر ہیں۔ ان کی کنیت ابوایاد ہے۔ اربابِ سِیَر بیان کرتے ہیں کہ جب "نزار" کا بھائی قنص بن مُعد عرب کا حکمران بنا، تو اس نے "نزار" کو حرمِ مکہ سے نکال دینے کا قصد کیا تاکہ اس کی حکومت کو خطرہ نہ رہے، یہ دیکھ کر اہلِ مکہ نے نزار کی بزرگی اور شرافت کے پیشِ نظر خود قنص کو مکہ سے نکال دیا اور تختِ حکومت نزار کے حوالے کر دیا۔ نزار نے سودہ بنت عک بن الریث بن عدنان سے شادی کی، جس سے مُضر[1] اور ایاد[2] پیدا ہوئے۔ نزار کی دوسری شادی خدالہ بنت دحلان جرہمی سے ہوئی۔ ربیعہ[3] اور انمار[4] پیدا ہوئے۔ بوقتِ رحلت نزار نے اپنی ملکیت کو اپنے چاروں لڑکوں میں اس طرح تقسیم کیا کہ مُضر کو قبۂ حمراء، ایاد کو جملہ و عصا، ربیعہ کو فرس اور انمار کو حمار دیا۔

۴۔ مُضر: (۱۸)

یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اٹھارہویں پشت میں جدِّ اعلیٰ ہیں،

جیسا کہ آپ نزار کے حالات میں پڑھ چکے ہیں کہ بوقتِ رحلت انہوں نے مُضر کو "حمرا" یعنی سُرخ رنگ کی اشیاء، مثلاً سُرخ چمڑے کے خیمے، دینار، یاقوت وغیرہ دے دیئے تھے، اس لئے ان کو "مُضر الحمرا" بھی کہتے ہیں۔ حدی کی ایجاد ان ہی کی ہے۔ یہ اپنے زمانے میں سب سے بہتر خوش آواز تھے، اور دینِ حنیف ملتِ ابراہیم پر قائم رہے۔ مُضر اور آپ کی اولاد کو یہ فخر و اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ تمام بنو عدنان میں غلبہ کے لحاظ سے زیادہ تھے۔ ان کی ریاست و حکومت مکہ معظمہ میں تھی۔ ان کے دو لڑکے الیاس اور قیس تھے۔

۵- اِلیاس: (۱۷)

عمودِ نبوی میں یہ سترھویں نمبر پر ہیں۔ الیاس وہ پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے خانہ کعبہ کی طرف اُونٹوں کی ہدْیٰ[1] بھیجی۔ مدارج النبوۃ میں ہے کہ وہ حج کے موقع پر اپنی پشت سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے تلبیہ[2] کی آواز سنا کرتے تھے۔ ان کی کنیت ابو عمرو تھی، جبکہ لقب کبیر القوم تھا۔ جب ان کی وفات ہوئی، تو ان کی بیوی نے اِس قدر غم کیا کہ طویل مدت تک سایہ میں نہ بیٹھی۔ ان کی زوجہ قبیلہ قضاعہ سے تھی اصلی نام تو لیلیٰ بنت حلوان تھا، مگر خندف کے نام سے مشہور تھیں۔ تاریخ ابن خلدون کے مطابق ان کے تین بیٹے (۱) مدرکہ (۲) طابخہ (۳) قمعہ تھے۔ ابن ہشام کے مطابق بھی ان کے نام یہ ہی ہیں، البتہ "رحمۃ للعالمین" میں قمعہ کی جگہ قیس عیلان لکھا ہوا ہے جبکہ ابن خلدون کے مطابق قیس عیلان، الیاس کے بھائی تھے۔ خیال رہے کہ مشہور قبائل بنو غطفان، بنو ہوازن، بنو ثقیف، بنو سلیم اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قبیلہ بنو سعد بن بکر۔ یہ سب کے سب قبائل قیس عیلان کی نسل سے ہیں،

---

[1] یعنی قربانی کے لئے اونٹ روانہ کئے [2] تلبیہ یہ ہے، لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ آخر تک۔

اور بنو تمیم الیاس کے بیٹے طابخہ سے ہیں۔ اس طرح یہ قبائل جنابِ مُضر اور جنابِ الیاس کے ذریعے خاندانِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں شامل ہو جاتے ہیں۔

۶۔ مُدرکہ : (۱۶)

ان کا صحیح نام عَمرو تھا، اسی وجہ سے ان کے والدِ گرامی جناب الیاس کی کنیت ابو عمرو تھی۔ مُدرکہ نام کا سبب مدارج النبوۃ کے مطابق یہ تھا کہ ایک دن یہ اپنے والدِ گرامی کی موجودگی میں ایک خرگوش کے پیچھے دوڑے اور اسے آسانی سے پکڑ لیا، تو جنابِ الیاس نے ان کو مُدرکہ یعنی پا لینے والا کا خطاب دے دیا۔ جبکہ بعض سیرت نگاروں نے تحریر فرمایا ہے کہ ان کے اونٹ دوڑ گئے تھے اور انہوں نے اُن کا تعاقب کر کے پکڑ لیا تھا، اس لئے ان کو مدرکہ کہا گیا۔ "روضۃ الاحباب" کے مطابق خاندانی شرافت و عزت میں عظیم حصہ پا لینے پر ان کو مدرکہ کہا جاتا تھا (واللہ تعالیٰ اعلم)

ان کے دو صاحبزادے تھے، جناب خزیمہ اور ہذیل۔ مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنابِ ہذیل ہی کی نسل سے ہیں۔

۷۔ خزیمہ (۱۵)

جنابِ خزیمہ حضور نبیّ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پندرھویں پشت میں جدِ امجد ہیں۔ ان کی کنیت ابو الاسد تھی۔ ابنِ ہشام کے مطابق ان کے چار صاحبزادے تھے: جناب کنانہ، اسد، اسدہ، اور ہون۔

حضرت ام المؤمنین زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا دودانی اسد بن خزیمہ کی نسل سے ہیں۔ جناب کنانہ کی والدہ کا نام عوانہ بنت سعد بن قیس بن عیلان بن مُضر (عمودِ نبوی میں اٹھارہواں نام) تھا۔

۸۔ کنانہ: (۱۴)

جناب کنانہ کی کنیت ابوالنضر تھی۔ یہ چودھویں پشتِ نبوی میں جدِ اطہر ہیں۔ ان کی عزت و عظمت کی گواہی اس فرمانِ عالی شان سے ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی من ولد ابراھیم اسمٰعیل واصطفیٰ من ولد اسماعیل بنی کنانۃ و اصطفیٰ من بنی کنانۃ قریشًا واصطفیٰ من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم۔ (رواہ مسلم عن واثلہ بن الاسقع)

ترجمہ: "بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے اولادِ ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چُن لیا اور اولادِ اسماعیل سے بنو کنانہ کو چُن لیا اور بنو کنانہ سے قریش کو چُن لیا اور قریش سے بنو ہاشم کو چُن لیا اور بنو ہاشم سے (عظمت و بزرگی کیلئے) مجھے چُن لیا۔" (سُبحانَ اللّٰہِ الَّذِیْ اصطفیٰ نبیّنا من الارض والسماء)

ابن ہشام کے مطابق جناب کنانہ کے بھی چار ہی بیٹے تھے: جناب نضر[۱]، مالک[۲]، عبد مناہ[۳] اور ملکان[۴]۔ قبیلہ بنو مصطلق والے عبد مناہ بن کنانہ کی نسل سے ہیں۔

۹۔ نضر: (۱۳)

جناب نضر کی والدہ ماجدہ کا نام برہ بنت مُر بن طابخہ بن الیاس بن مُضر (عمودِ نبوی میں اٹھارہواں نام) ہے۔ ان کا اصلی نام تو قیس تھا، مگر حسن و جمال کی خوبی کی وجہ سے ان کو نضر کہا جاتا تھا۔ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ نضر کا ہی دوسرا نام قریش ہے۔ بعض نے فہر بن مالک کا دوسرا نام قریش کہا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) جناب نضر کے دو بیٹے تھے: جناب مالک اور یخلد۔

۱۰۔ مالک (۱۲)

عمودِ نبوی میں یہ بارہویں نمبر پر ہیں، ان کی والدہ ماجدہ کا نام عاتکہ بنت عدوان بن عمرو بن قیس بن عیلان تھا۔ جناب مالک کی کنیت ابوالحارث تھی۔ ان کے بھی دو بیٹے تھے : فہر اور حارث یا حرث ۔

۱۱۔ فہر (قریش) (۱۱)

جناب فہر کے بارے میں اہل سیر و تواریخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قریش ان ہی کا لقب ہے، جبکہ بہت سے اہل سیر نضر بن کنانہ کو قریش کہتے ہیں۔

قریش کی وجہ تسمیہ

ارباب سیر و تواریخ نے اس کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں، سب سے مشہور وجہ یہ ہے کہ قریش لغتِ حجاز میں وہیل مچھلی کو کہتے ہیں۔ یہ سمندر کا بہت بڑا اور نہایت طاقتور جانور ہوتا ہے، چونکہ فہر اور اولادِ فہر عزت و عظمت اور بہادری کے اعتبار سے دیگر تمام قبائلِ عرب سے ممتاز تھی، اس لیے ان کو قریش کہا جانے لگا۔ تاریخ ابن اثیر میں ہے کہ ان کے زمانہ میں حاکمِ یمن حسان نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا تاکہ (معاذ اللہ تعالیٰ) خانہ کعبہ کو گرا کر اس کا ملبہ یمن لے جائے اور اسی ملبہ سے وہاں خانہ کعبہ تعمیر کرے۔ فہر نے اپنے بھائیوں اور دیگر اہل خانہ کی قیادت کرتے ہوئے بڑی جوانمردی اور دلیری سے فوج کا مقابلہ کیا اور حسان کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ تین سال تک قید رکھنے کے بعد فہر نے حسان کو آزاد کر دیا اور وہ یمن جاتے ہوئے راستہ میں مر گیا۔ اس سے فہر کی عظمت و شوکت کا سکہ خطۂ عرب میں قائم ہو گیا۔

ابن خلدون فرماتے ہیں کہ دراصل نضر ہی کا نام قریش تھا، چونکہ بنو نضر میں

سوائے فہر کے کسی کی بھی نسل نہیں چلی، اس لئے اولادِ فہر ہی بنو نضر ہے، یعنی بنو قریش ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

اولادِ فہر ابن ہشام بحوالہ ابن اسحاق نقل فرماتے ہیں کہ فہر کے چار بیٹے تھے، غالبؒ، محاربؒ، حارثؒ اور اسدؒ جبکہ علامہ ابن خلدون نے فرمایا کہ تین بیٹے تھے، یعنی غالبؒ، محاربؒ اور حارثؒ، انہوں نے اسد کا ذکر نہیں فرمایا۔ ابن ہشام کے مطابق فہر کے یہ بیٹے لیلیٰ بنت سعد بن ہذیل بن مدرکہ (عمودِ نبوی میں سولہواں نام) کے بطن سے تھے۔

۱۲۔ غالب: (۱۰)

عمودِ نبوی میں جناب غالب کا نام دسویں نمبر پر ہے۔ ان کی کنیت ابو تیم تھی ان کے دو بیٹے تھے لوئیؒ اور تیم الادرمؒ ابن ہشام نے ان کے ایک اور بیٹے کا بھی ذکر کیا ہے، جس کا نام قیس بن غالب تھا، جناب غالب کے یہ سب بیٹے، سلمیٰ بنت کعب بن عمرو کے شکم سے تھے۔ مشہور کافر ہلال بن عبد اللہ کہ جس کا خون فتح مکہ کے دن حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مباح قرار دے دیا تھا اور اسے اس وقت قتل کیا گیا تھا کہ جب وہ پردہ ہائے کعبہ کو پکڑے ہوئے تھا۔ وہ تیم الادرم بن غالب کی نسل سے ہی تھا۔

۱۳۔ لوئی: (۹)

ان کی کنیت ابو کعب تھی۔ "مدارج النبوۃ" میں ہے کہ لوئی لائی کی تصغیر ہے جس کے معنیٰ خوب عیش و عشرت سے زندگی گزارنا ہے۔ ابن اسحاق نے جناب لوئی بن غالب کے چار بیٹوں کے نام لکھے ہیں۔ یعنی کعبؒ، عامرؒ، سامہ اور عوف کعبؒ، عامرؒ اور سامہ کی والدہ ماویہ بنت کعب بن القین بن جسر بنو خزاعہ سے تھیں

ابنِ ہشام نے ایک اور بیٹے حارث بن لوئی کا بھی ذکر کیا ہے۔

۱۴۔ کعب : (۸)

جناب کعب کی کنیت ابوہصیص تھی، یہ آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جدامجد ہیں۔ عرب میں ان کی عزت وعظمت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوجاتا ہے کہ ان کا سِن پیدائش جاری ہوگیا تھا[1]۔ اور یہ سلسلہ تقریباً چار صدی تک یعنی واقعہ اصحابِ فیل تک جاری رہا۔ ابن خلدون، ابنِ ہشام اور ابن اسحاق نے جناب کعب کے تین بیٹے تحریر کیے ہیں، یعنی مُرّہ[1]، عدی[2] اور ہصیص[3] ان کی والدہ کا نام وحشیہ بنت شیبان بن محارب بن فہر (عمودِ نبوی میں گیارھواں نام) درج فرمایا ہے۔ جبکہ کتاب "رحمۃ للعالمین" میں سہم اور جمح کو بھی اولادِ کعب میں تحریر فرمایا گیا ہے۔ مشہور صحابی حضرت فاروقِ اعظم، حضرت ابوعبیدہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت ہشام بن العاص، حضرت عبداللہ بن حذافہ وغیرہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا سلسلہ نسب بھی جنابِ کعب سے مل جاتا ہے۔

۱۵۔ مُرّہ : (۷)

ان کی کنیت ابویقیظہ ہے۔ یہ چھٹی پشت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا ہیں۔ حضرت خالد بن ولید ان ہی کی نسل سے ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہ پہلے وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے یومِ عروبہ (یوم الجمعہ کا پہلا نام) مقرر کیا۔ یہ اس دن قریش کو جمع کرتے اور خطبہ دیتے تھے۔ جناب مرہ بن کعب لوگوں کو حضور انور

---

[1] یعنی کسی واقعہ کا ذکر کرنا ہوتا، تو ان کی پیدائش کی تاریخ سے حساب لگا کر کرتے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے سنِ عیسوی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرت سے سنِ ہجری جاری ہوا۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوش خبری دیتے اور فرماتے ہیں کہ وہ میری نسل سے ہوں گے، اُن پر ایمان لانا اور اُن (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کرنا بہت ضروری ہے۔ انہوں نے اس ضمن میں بہت سے اشعار بھی کہے اُن میں ایک یہ بھی ہے ؎

لیتنی شاھداً فحواء دعوته
اذا قریش تنفی الحق خذلانا

"اے کاش کہ میں حاضر ہوتا اُن کی اس دعوت میں کہ جب
قریش اپنی پستی کی وجہ سے حق کا انکار کریں گے۔"

جناب مرہ بن کعب کے تین بیٹے تھے: حکیم عُرف کلاب[1]، تیم[2] اور یقظہ[3]۔ حکیم عُرف کلاب کی والدہ کا نام ہند بنت سُریر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک (عمودِ نبوی میں بارھواں نام) تھا۔ حضرت صدیق اکبر و خالد بن ولید کے علاوہ حضرات طلحہ بن عبیداللہ، ارقم بن ابی ارقم، ابوسلمہ عبداللہ (حضرت ام سلمہ کے پہلے خاوند)، عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام، ام المؤمنین ام سلمہ، ہشام بن ابی حذیفہ، عبداللہ بن ابی ربیعہ، مسیّب (والدِ ماجد حضرت سعید ابن مسیّب) رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، سب جناب مُرہ بن کعب کی اولاد سے ہیں۔

۱۶۔ کلاب: (۶)

ان کا نام حکیم اور کنیت ابوزہرہ تھی۔ انہوں نے بہت سے شکاری کُتے پال رکھے تھے، اس لئے یہ کلاب کے عرف سے مشہور ہو گئے۔ ان کے دو صاحبزادے قصی[1] اور زہرہ[2] تھے۔ میرے آقا رسُولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ آمنہ خاتون (اُن پر میرا جسم و جان قربان ہو) جناب زہرہ کی پڑپوتی ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب شریفہ یوں ہے : آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب۔ عشرہ مبشرہ کے مشہور صحابی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بنو زہرہ سے ہیں۔ ان کا نسب یوں ہے : سعد بن ابی وقاص بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ۔ اس طرح رشتہ کے اعتبار سے یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ماموں کے بیٹے بنتے ہیں۔ مشہور ہے کہ روزِ احد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت میں کفار کی طرف سب سے پہلا تیر چلانے کا شرف بھی ان ہی کو حاصل ہے (واللہ تعالیٰ اعلم) روز بدر ان کے پاس تیر ختم ہو گئے، تو رسولِ اکرم شفیع معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو میدان بدر سے تنکے اٹھا اٹھا کر پکڑانے لگے اور فرماتے جاتے تھے :

ارم یا سعد فداک امی وابی۔

یعنی اے سعد! (یہ لو) تیر اندازی کرو، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔"

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تنکا دستِ اقدس سے لے کر کمان میں رکھ کر چلاتا تو معاً وہ تنکا تیر بن جاتا۔ (سبحان اللہ تعالیٰ)

مقامِ حیرت و استعجاب ہے کہ ان ہی سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیٹا عمرو بن سعد میدانِ کربلا میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل فوج لئے کھڑا تھا اور ایک سے بڑھ کر ایک ظلم کر رہا تھا۔ اللہ اکبر! کس قدر بے نیاز ہے ذاتِ خدائے لم یزل۔

۷۔ قصی : (۵)

ان کا صحیح نام زید تھا۔ قصی نام کا سبب مدارج النبوۃ یہ نقل فرماتے ہیں کہ جب اُن کی ولادت ہوئی، تو ان کی والدہ فاطمہ بنت سعد بن سیل اپنے قبیلے سے بہت دُور بلادِ قضاعہ میں ٹھہری ہوئی تھیں۔ چونکہ قصی کا معنی بعید یعنی دُور ہے، اس لئے ان کو قصی کہا جانے لگا اور یہ بھی منقول ہے کہ زید ابھی آغوشِ مادری میں تھے

کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت سعد نے دُوسرا نکاح ربیعہ بن حرام سے کرلیا۔ ربیعہ کا قبیلہ ملک شام کی سرحد پر رہتا تھا، اس لئے فاطمہ بھی وہیں رہنے لگیں اور جناب قصیّ اسی قبیلہ میں پل کر جوان ہوئے۔ عالم شباب میں یہ اپنے بھائی زہرہ سے ملے۔ زہرہ اگرچہ نابینا ہوچکے تھے، مگر آواز سے اپنے بھائی کو پہچان گئے۔ چونکہ آپ دُور سے چل کر آئے تھے، اس لئے اُن کو قصیّ کہا جانے لگا۔ قُصیّ جب مکّہ مکرّمہ آئے، تو حُلیل خزاعی حاکم مکّہ نے اپنی بیٹی کا نکاح قصیّ سے کردیا اور جہیز میں کعبۃ اللہ شریف کی تولیت اپنی بیٹی حُبیٰ زوجہ قصیّ کو عطا کردی، اور بیٹی کا وکیل ابو عبشان کو مقرر کردیا۔ حُلیل کی وفات کے بعد معمولی قیمت پر ابو عبشان نے حق وکالت قصیّ کے ہاتھ فروخت کردیا۔ حُلیل کے خاندان بنو خزاعہ نے اس فروخت کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ نتیجتاً جنگ چھڑ گئی اور مکّہ مکرّمہ کے گلی کوچے خون میں نہا گئے۔ دونوں اطراف کے دانا لوگوں نے آتش جنگ کو بجھانے کے لئے یعمر بن عوف کو اپنا ثالث تسلیم کرلیا۔ یعمر بن عوف نے فیصلہ دیا کہ بنو خزاعہ کے تمام مقتولوں کا خون بہا قُصیّ ادا کرے، جبکہ بنو خزاعہ شہر مکہ کی حکومت چھوڑ کر چلے جائیں اور آئندہ حکومت قصیّ کرے۔ ابن ہشام کے مطابق یعمر بن عوف نے بنو خزاعہ کا خون بہا بھی ساقط کردیا تھا۔ اس کے بعد بیت اللہ شریف، امور مکّہ اور اپنی قوم کے گھروں، نیز مکّہ مکرّمہ کے تمام انتظامی امور کا سرپرست جناب قصیّ ہی بن گئے۔ دوسرے لفظوں میں جناب قصیّ پورے شہر مکّہ مکرّمہ کے بادشاہ بن گئے۔ چونکہ جناب قصیّ نے قریش کو دوبارہ ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا تھا اور بہت سی خوبیوں کے جامع تھے، اس لئے قریش نے ان کا نام "مجمع" رکھ دیا۔ بنی کعب بن لوی میں جناب قصیّ پہلے شخص تھے، جن کو ایسی شاندار حکومت حاصل ہوئی۔ پوری قوم نے اس کی اطاعت کی، چنانچہ قدر و منزلت کے عظیم عہدے مثلاً "حجابہ" یعنی خدمت

پردہ کعبۃ اللہ" سقایہ" (یعنی حاجیوں کو زمزم کا پانی پلانے کی خدمت) "رفادہ" (یعنی حاجیوں کی ضیافت) "ندوہ" (یعنی مجلس شوریٰ یا کمیٹی گھر) اور "لواء" (یعنی بوقت جنگ پرچم باندھنے کی خدمت) وغیرہ سب کے سب قصیّ کے پاس تھے۔ جناب قصیّ نے مکہ مکرمہ کو انتظامی امور میں) چار حصوں میں تقسیم کر کے اپنی قوم میں بانٹ دیا اور قریش کے ہر قبیلہ کو قدر و منزلت دی۔ لوگوں نے ان کی حکومت کو نہایت مبارک پایا اور جناب قصیّ کی مذہبی انداز میں عزت و توقیر قریش کے قلوب میں یوں بیٹھ گئی کہ ان کے کسی مرد و عورت کی شادی، مشکل معاملات میں مشورہ قصیّ کے گھر ہی میں ہوتا، انہوں نے اس مقصد کے لیے ایک بڑا سا گھر بنا رکھا تھا، جس کا دروازہ بیت اللہ شریف کی طرف کھلتا تھا۔ اسی کو دارالندوہ کہتے ہیں۔ اسی جگہ قریش کی عدالت لگتی اور اسی جگہ مشورے کیے جاتے۔ قریش کسی جنگ کی تیاری کرتے تو پرچم جناب قصیّ کے گھر باندھا جاتا اور پرچم خود قصیّ یا اُن کا بیٹا باندھتا۔ غرضیکہ بہت سے دیگر احکامات میں بھی قریش قصیّ کو ان کی زندگی میں بھی واجب الاتباع سمجھتے تھے اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کے اقوال مذہبی احکام کی طرح سمجھے جاتے رہے اور اُن کے خلاف ہرگز نہ کیا جاتا۔

قصیّ کی اولاد

علامہ ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالہ سے نقل فرمایا کہ جناب قصیّ کے چار بیٹے تھے، عبدمناف، عبداللہ، عبدالعزیٰ اور عبدالدار اور دو بیٹیاں تخمر اور برّہ تھیں، جبکہ علامہ ابن خلدون نے فرمایا کہ تین بیٹے تھے، انہوں نے عبداللہ کا نام نہیں لکھا۔ حضرت امّ المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب شریفہ بھی قصیّ سے جا ملتا ہے۔ یعنی حضرت سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیّ بن کلاب۔ اسی طرح حضرت عثمان بن طلحہ (کعبۃ اللہ کے کلید بردار) حضرت زبیر بن عوام، حضرت ورقہ بن نوفل، حضرت ابوالسائب، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عبداللہ بن

زمعہ اور حضرت حکیم بن حزام بن خویلد وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب تمام جناب قصی کی نسل سے ہیں۔

ابن اسحاق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب قصی بہت بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو بلوایا۔ اگرچہ عبدمناف بن قصی نے باپ کی زندگی میں ہی بڑی قدر و منزلت اور شرف و فضیلت کے ساتھ ساتھ بہت سے تجربات حاصل کر لئے تھے، مگر قصی نے دیگر بیٹوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف عبدالدار کو بلایا اور اور کہا: اے میرے لختِ جگر سُن! خدا تعالیٰ کی قسم! میں تجھے ان لوگوں سے پیچھے نہ رہنے دوں گا۔ اگرچہ انہوں نے تجھ پر برتری حاصل کر لی ہے۔ ان میں سے کوئی شخص کعبۃ اللہ شریف میں داخل نہ ہو سکے گا، جب تک تو خود اس کے لئے دروازہ نہ کھولے۔ قریش کی کسی جنگ کا پرچم نہ باندھا جائے گا، جب تک تو اپنے ہاتھ سے نہ باندھے۔ مکہ مکرمہ میں کوئی تیرے پیالے کے بغیر زم زم نہ پیئے گا اور نہ حاجیوں میں سے کوئی شخص تیرے سوا کسی دوسرے کے ہاں کھانا کھا سکے گا۔ قریش اپنے تمام معاملات کا فیصلہ صرف تیرے ہی گھر کریں گے۔ اس طرح قصی نے دارالندوہ، سقایہ، لواء، رفادہ سب کچھ اسی کے حوالہ کر دیا۔ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ رفادہ ایک طرح کا خراج تھا جو ہر موسمِ حج میں قریش جمع کر کے قصی کے حوالہ کیا کرتے تھے تاکہ قصی اس رقم سے اُن حاجیوں کے لئے کھانا تیار کروا سکے کہ جن کے پاس زادِ راہ نہ ہو اور یہ چندہ قصی نے ہی قریش پر لاگو کیا تھا، جسے وہ پابندی سے ہر سال ادا کرتے رہے، حتیٰ کہ اسلام کے بعد بھی یہ ہی طریقہ جاری رہا کہ شاہانِ وقت حجاج کے لئے منیٰ میں کھانا تیار کرواتے رہے۔

۱۸۔ عبدمناف (۴)

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ جنابِ قصی کی زندگی میں ہی جناب عبدمناف

کی عزت وعظمت کا شہرہ ہوگیا تھا۔ لامحالہ اس عظمت کی وجہ تو خصوصاً میرے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا وہ نورِ مقدس تھا جو کہ اُن کی پُشتِ اقدس میں جلوہ گر تھا۔ جناب عبدمناف اس قدر حسین وجمیل تھے کہ ان کا لقب قمر البطحا (یعنی بطحا کا چاند) پڑگیا۔ ان کا صحیح نام مغیرہ اور کنیت ابوالشمس تھی۔ مناف ایک بُت کا نام تھا کہ جسے منات بھی کہتے ہیں۔ اسی کی طرف منسوب کر کے لوگ ان کو عبدمناف کہنے لگے۔ یہ بڑے ہی کریم النفس تھے۔ ان کی سخاوت، خدا ترسی اور حق شناسی کا زمانہ معترف تھا۔ وہ تنگ دست ونادار لوگوں کے ساتھ بڑی فیاضی کا سلوک کرتے، اور فیصلہ کرنے میں عدل وانصاف سے کام لیتے۔ اپنی سرداری کے زمانے میں قریش کو بھی اس بات کی تاکید کرتے رہتے۔

جناب مغیرہ (عبدمناف) نے علامہ سُلیمان منصور پوری کے مطابق تین شادیاں کیں۔ ان کی ایک شادی عاتکہ الکبریٰ بنتِ مرّہ بن ہلال سے ہوئی، جن کے بطن سے مطلب[۱]، ہاشم[۲] اور عبدالشمس[۳]، تین بیٹے اور عاضر[۱]، برہ[۲]، رحنہ[۳]، ہالہ[۴] قلابہ[۵] پانچ بیٹیاں پیدا ہوئیں، جبکہ دوسری شادی واقدہ بنتِ عامر بن عبد سے ہوئی جس کے بطن سے نوفل، ابوعمرو اور ابو عبید تین بیٹے پیدا ہوئے۔ ان کی تیسری بیوی ثقیفہ سے ایک لڑکی ریطہ پیدا ہوئی۔ اس طرح مغیرہ (عبدمناف) کے چھ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ بنو عبدمناف میں ان کے چار لڑکوں مطلب[۱] ہاشم[۲]، عبدالشمس[۳] اور نوفل[۴] کو شہرت ملی۔

(۱) **مطلب**: یہ عبدمناف کے سب سے بڑے فرزند ہیں، ان کی اولاد مُطلبی کہلاتی ہے۔ جناب مطلب نے اپنے بھتیجے جنابِ عامر کی پرورش نہایت محبت سے کی۔ اسی احسان وشفقت کی وجہ سے جنابِ عامر اپنے آپ کو پوری زندگی عبدالمطلب کہتے رہے۔ (تفصیل آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ)

جنابِ مطلب کے تین پوتے تھے عُبیدہ بن الحارث بن مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو میدانِ بدر میں حضرت علی و حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ کفارِ مکہ عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کے مقابلہ میں نکلے، اس وقت ان کی عمر اسّی برس کی تھی اور یہ اس معرکہ میں مرتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے تھے) حضرت طفیل اور حضرت حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دونوں کی رحلت ۳۲ھ میں ہوئی۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سلسلۂ نسب بھی جناب مطلب سے ملتا ہے۔

(۲) **ہاشم بن عبد مناف :** یہ ہمارے آقا رسُولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدِ ماجد حضرت عبداللہ کے دادا ہیں۔ اِن کا تفصیلی ذکر بفضلہٖ تعالیٰ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

(۳) **عبدالشمس بن عبد مناف :** اربابِ سیر بیان کرتے ہیں ہاشم اور عبدشمس دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے، اِن دونوں کی پیشانیاں یا کمریں آپس میں جڑی ہوئی تھیں ان دونوں کو جُدا کرنے کی بڑی کوشش کی گئی، لیکن ناکامی ہوئی۔ بالآخر تلوار کے ساتھ کاٹ کر ان کو ایک دوسرے سے جدا کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیں کہ ان دونوں بھائیوں کی اولاد کے درمیان طویل عرصہ تک دشمنی اور تلوار چلتی رہی۔ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اور آلِ اطہار کی دشمنی میں عبدالشمس کے بیٹے اُمیہ کی نسل نے جس قدر شہرت حاصل کی ہے، وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسی نسل سے بعض ایسی نابغۂ روزگار ہستیوں نے بھی جنم لیا کہ جن پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے، بلکہ جن کو آسمانِ ہدایت کے تیرتاباں کہا جائے، تو غلط نہ ہوگا، مثلاً حضرت ذوالنورین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شجرہ نسب بھی امیہ بن عبدالشمس سے جا ملتا ہے۔ علاوہ ازیں نامور بدری صحابی حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ام المؤمنین حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابوسفیان (جو فتحِ مکہ کے وقت ایمان لائے) حضرت

خالد بن سعید، حضرت سعید ابن العاص (قدیم الاسلام تھے) حضرت[1] معاویہ حضرت عتابؓ بن اسید، حضرت ابو العاصؓ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ سب کے سب بنو امیہ بن عبد الشمس کی نسل سے تھے۔

(۴) **نوفل بن عبد مناف**، اُن کی نسل سے مشہور صحابی جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوئے (یہ غزوۂ بدر کے بعد مسلمان ہوئے تھے) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کا چچا طعیمہ بن عدی جنگ بدر میں بحالتِ کفر مارا گیا۔ اسی طعیمہ کے آزاد کردہ غلام وحشی نے میرے آقا و مولیٰ رسُولِ عربی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے محبوب چچا اسد اللہ و رسُولہٗ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میدانِ احد میں شہید کر دیا تھا۔

(۱۹) ہاشم (۳)

جناب ہاشم بن عبد مناف کا صحیح نام عمرو ہے اور یہ عمرو العلاء کے لقب سے مشہور تھے۔ یہ بھی بہت خوبصورت اور صاحبِ جاہ و جلال تھے۔ ان کا نام عمرو کے بجائے ہاشم مشہور ہونے کا سبب یہ بنا کہ ایک مرتبہ یہ ملکِ شام کو تجارت کے لئے گئے ہوتے تھے۔ وہاں ان کو پتہ چلا کہ شہرِ مکہ میں قحط پڑ گیا ہے اور لوگ بھوک کے ہاتھوں سخت پریشان ہیں۔ یہ ایسا موقع ہوتا ہے کہ کوئی بھی تاجر اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جنابِ ہاشم کی عادت اس کے برعکس تھی، وہ تجارتی مال خریدنے

---

[1] ان کو حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فتح مکہ کے وقت عاملِ مکہ مقرر کیا تھا اور یہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اسی عہدے پر فائز انتقال فرما گئے (ابن خلدون)

[2] یہ حضور نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر تھے، جنگِ بدر کے بعد بڑی مردانگی سے مسلمان ہوئے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلتِ مبارکہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی صاحبزادی سے شادی کی تھی۔ (ابن خلدون)

کی بجائے تمام رقم سے آٹا اور روٹیاں خرید کر اونٹوں پر لاد لائے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر بہت شوربہ تیار کروا کر روٹیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے شوربہ میں بھگو دیئے۔ (اس کھانے کو اہلِ عرب ثرید بھی کہتے ہیں اور بہت شوق سے کھاتے ہیں) اس کام سے فارغ ہو کر جنابِ ہاشم نے مکہ معظمہ میں اعلان کروا دیا کہ سب اہلِ شہر آئیں اور کھانا کھائیں۔ چنانچہ یہ سلسلہ کئی روز تک یونہی چلتا رہا، یہاں تک کہ آپ نے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اہلِ مکہ پر لٹا دیا، چونکہ جنابِ ہاشم نے اپنے ہاتھوں سے روٹیوں کو توڑ کر گوشت کے شوربے میں ڈالا تھا[1] اس لئے ان کو ہاشم (یعنی ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والا) کہا جانے لگا۔ جنابِ ہاشم نے اسی پر اکتفاء نہ کیا، بلکہ ہر سال حج بیت اللہ شریف کے لئے آنے والوں کو خود بھی ثرید کھلاتے اور اپنی قوم کو بھی نصیحت فرماتے کہ: اے قریش! تم بھی اللہ تعالیٰ کے ہمسائے ہو اور اس گھر والے ہو۔ زمانہ حج میں تمہارے پاس بیت اللہ شریف کے حجاج اور زائر آتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اور تمام مہمانوں میں سب سے زیادہ تعظیم کے مستحق ہیں، لہٰذا تم چندہ جمع کرو، جس سے ان کے لئے تم اتنے دنوں کا کھانا تیار کر سکو کہ جتنے دن انہوں نے یہاں رہنا ہے۔ خدا تعالیٰ کی قسم اگر میری آمدنی اس مقصد کے لئے کافی ہوتی تو میں تم پر بوجھ نہ ڈالتا۔ چنانچہ قریش کا ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق اس کارِ خیر میں حصہ لیتا۔ (سیرتِ ابنِ ہشام)

جنابِ ہاشم کا بڑا بھائی عبد الشمس چونکہ طبعاً سیاح تھا اور مکہ مکرمہ میں بہت کم ٹھہرتا تھا، اس لئے مکہ مکرمہ کی سرداری بھی جنابِ ہاشم کے حصہ میں ہی آئی۔

اولادِ ہاشم

جنابِ ہاشم کے چار بیٹے تھے، یعنی شیبہ[2] (ان ہی کو عبد المطلب کہا جاتا ہے، یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دادا ہیں)

---

[1] بعض سیرت نگار روٹیوں کے ٹکڑے بنانے کا سبب یہ بھی بتاتے ہیں کہ جنابِ ہاشم چاہتے تھے کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ کس نے کتنی روٹی کھائی ہے تاکہ کوئی کسی کے سامنے شرمندہ نہ ہو۔

ابو ضیفی[1]، فضلہ[2]، اور اسد[3] (یہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد ماجد ہیں) جبکہ لڑکیوں کی تعداد پانچ ہے: یعنی رقیہ[1]، شفاء[2]، ضعیفہ[3]، خالدہ[4] اور حنہ[5]۔

۲۰۔ عبدالمطلب: (۲)

جناب عبدالمطلب کا صحیح نام عامر اور لقب شیبہ تھا۔ شیبہ کا معنیٰ بوڑھے کے ہیں، چونکہ بوقتِ ولادت ان کے سر میں سفید بال تھے، اس لئے ان کو "شیبہ" کہا جانے لگا۔ چونکہ ان کا کردار بھی شاندار اور قابلِ تعریف تھا، اس لئے ان کو "شیبۃ الحمد" بھی کہا جاتا تھا۔

عبدالمطلب کی وجہ تسمیہ حضرت عبدالمطلب کے والد ماجد جناب ہاشم مدینہ منورہ (اس وقت یثرب) میں آئے تو انہوں نے بنو نجار کی ایک نہایت باوقار خاتون سلمیٰ[1] بنت عمرو کے ساتھ شادی کی۔ ان کے بطن سے شیبہ یعنی عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ معاہدہ کے مطابق سلمیٰ مدینہ منورہ میں ہی رہی اور جناب ہاشم اپنے بیٹے شیبہ کو اس کی والدہ کی نگرانی میں چھوڑ کر واپس مکہ مکرمہ آ گئے۔ جناب ہاشم کی وفات کے بعد اُن کے بھائی مطلب بن عبد مناف اپنے بھتیجے کو لینے کے لئے مدینہ منورہ میں آئے، پہلے تو سلمیٰ نے شیبہ کو ان کے چچا کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا، پھر کچھ بحث و تمحیص کے بعد آمادہ ہو گئیں اور شیبہ کو چچا کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ جب مطلب واپس مکہ مکرمہ میں آئے تو شیبہ سواری پر ان کے پیچھے سوار تھے۔ لوگوں نے سمجھا کہ شاید مطلب غلام خرید کر لائے ہیں، اس لئے انہوں نے جناب شیبہ کو "عبدالمطلب" (مطلب کا غلام) کہنا شروع کر دیا۔

---

[1] علامہ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ بعض کے نزدیک اس عورت کا نام "الحریس" اور نسب یوں ہے، الحریس بنت جحجبی بن کلفۃ بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن الاوس۔ (ابن ہشام)

چچا کی محبت کی وجہ سے جناب عامر عرف شیبہ نے عبدالمطلب کہلانا زیادہ پسند کیا چنانچہ یہی نام ان کی پہچان بن گیا۔

فضائل عبدالمطلب

حضرت عبدالمطلب کے فضائل میں عظیم تر فضیلت یہ ہے کہ وہ میرے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (میرے ماں باپ اُن پر قربان ہوں) کے جدِ محترم یعنی حامل نورِ نبوی تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کمال درجہ کی محبت اور شفقت کا مظاہرہ فرمایا۔ "سیرت ابن ہشام" میں ہے کہ جنابِ مطلب کی وفات کے بعد کعبہ کی دربانی اور حاجیوں کو زمزم کا پانی پلانے کے عہدوں کے ساتھ ساتھ قوم کے باقی تمام معاملات کے انتظامات بھی عبدالمطلب ہی کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی قوم میں اتنا بلند مرتبہ حاصل کر لیا تھا کہ ان کے باپ دادا میں کوئی اس مرتبہ کو نہ پہنچا تھا۔ اہلِ مکہ ان کا بیحد احترام کرتے تھے اور ان کو سیدِ قریش کہا جاتا تھا۔

صاحب مدارج النبوۃ فرماتے ہیں کہ تمام اہلِ مکہ اُن کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے اور ان کی حد درجہ تعظیم و تکریم کرنے لگے۔ حضرت عبدالمطلب کے جسم سے مشک و عنبر جیسی خوشبو کی لپٹیں آیا کرتی تھیں۔ آپ کی پیشانی مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نورِ اقدس روشن و تاباں تھا اور جب بھی اہلِ مکہ کو کوئی حادثہ درپیش ہوتا، تو وہ ان کو جبلِ ثبیر پر لے جاتے اور ان کے وسیلہ سے بارگاہِ ربّ العزت میں دعا کرتے، تو اس نورِ محمدی کی برکت سے جو ان کی پیشانی میں تاباں تھا مشکلیں آسان ہو جاتیں (مدارج النبوۃ جلد ۲)

واقعہ اصحابِ فیل

چونکہ اصحابِ فیل کا واقعہ حضرت عبدالمطلب کے زمانہ برکت نشان میں پیش آیا، اس لئے یہاں اس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ یہ واقعہ عظیمہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پچاس یا باون روز قبل ماہِ محرم الحرام میں پیش آیا۔ مؤرخین نے اس کا سبب یہ

بیان کیا کہ یمن کے بادشاہ ابرہہ بن شباح اشرم نے یمن کے دارالسلطنت "صنعا" میں ایک بڑا خوبصورت گرجا بنوایا، اس کی تعمیر سنگِ مرمر سے کروائی اور اس میں جو لکڑی استعمال ہوئی، اس میں سونے کی پچی کاری کی گئی تھی، گویا منوں کے حساب سے اس پر سونا جڑ دیا گیا تھا۔ ابرہہ نے اس کا نام "قلیس" رکھا۔ اس تعمیر سے اس کا منشا یہ تھا کہ دُنیا کو حج بیت اللہ شریف سے روک کر اس کی طرف متوجہ کرے اور کعبہ کی مذہبی حیثیت ختم کر دے، جب بنو کنانہ[1] کے ایک شخص نے اس بات کو سُنا، تو اس نے کمرِ ہمت باندھی اور "صنعا" پہنچ کر رات کے اندھیرے میں اس گرجا کو نجاست سے بھر دیا اور واپس چلا آیا۔ گرجا کی اس توہین نے ابرہہ کے تن بدن میں آگ لگا دی، اس نے غصہ میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے قسم اٹھائی کہ وہ خانہ کعبہ کو (معاذ اللہ) ضرور برباد کر دے گا، طاقت کے نشے میں اندھا ابرہہ ایک عظیم فوج اور ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ راستے میں حائل ہونے والے عرب قبائل کو کچلتا ہوا بپھرے ہوئے طوفان کی طرح مکہ مکرمہ پہنچا اور آتے ہی مکہ معظمہ کی چراگاہوں پر دھاوا بول دیا اور ان سب جانوروں کو لوٹ کر لے گیا، جن کو غریب چرواہے چرا رہے تھے، شاید وہ اہلِ مکہ پر اپنی دھاک بٹھانا چاہتا تھا۔ ان جانوروں میں حضرت عبدالمطلب کے سو اونٹ بھی تھے۔ پھر ابرہہ نے حناطہ حمیری کو سردارِ مکہ حضرت عبدالمطلب کے پاس بھیجا تاکہ وہ سردارِ مکہ کو ابرہہ کے آنے کے مقصد سے مطلع کرے۔ صورتِ حال سے مطلع ہو کر حضرت عبدالمطلب نے کہا: "خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اُس کے پیارے خلیل کا بنایا ہوا، اگر وہ خود اُس کی حفاظت کرنا چاہے تو اس کی قدرت رکھتا ہے، ورنہ خدا تعالیٰ کی قسم، ہم اس کے دفاع کی طاقت نہیں رکھتے" یہ کہا اور خود سردارِ مکہ ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے۔ ابرہہ حضرت عبدالمطلب کی رعب دار شخصیت سے بڑا متاثر ہوا، اُس نے خود آگے بڑھ کر استقبال کیا اور تخت پر بیٹھنے کی بجائے

---

[1] کنانہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چودھویں پشت میں جدِ اعلیٰ ہیں، اُن کی نسل کو بنو کنانہ کہتے ہیں۔

فرش پر ہی اُن کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی، تو ابرہہ نے پوچھا کہ "فرمائیے! آپ کیا چاہتے ہیں، کوئی ضرورت ہو تو بتائیے؟" جواباً سردارِ مکہ نے فرمایا "تیرے ملازم میرے اونٹ پکڑ لائے ہیں، وہ مجھے واپس دے دو۔" یہ سُن کر ابرہہ بولا پہلے میری نظر میں تم بڑی عزت والے تھے، مگر تمہاری اس گفتگو نے تمہاری عزت گرا دی ہے، میں تو تمہارے مذہبی مرکز کو منہدم کرنا چاہتا ہوں لیکن تمہیں بس اپنے اونٹوں کی فکر ہے؟" حضرت عبدالمطلب نے فرمایا: "میں بس اپنے اونٹوں کا مالک ہوں، اس لئے ان کی فکر کرتا ہوں، باقی جو اس گھر کا مالک ہے، اس کی حفاظت وہی کرے گا۔"
سردارِ مکہ اپنے اونٹ لے کر واپس آگئے اور اہلِ شہر کو حکم دیا کہ پہاڑوں، دروں اور گھاٹیوں میں چھپ جاؤ تاکہ تم لشکرِ ابرہہ سے اپنے جان و مال کو بچا سکو۔ پھر حضرت عبدالمطلب چند معزز افراد کے ساتھ حرم کعبہ میں آئے اور زنجیرِ درِ کعبہ پکڑ کر بارگاہِ قدس رب العزت میں یوں گزارش کی:

لاھم انّ العبد یمنع رحلہ فامنع حلالك

"اے اللہ تعالیٰ! ناچیز بندہ اپنے قافلہ کی حفاظت کر رہا ہے۔ اب تو اپنے (عزت والے) گھر کی حفاظت فرما۔"

لا یغلبنّ صلیبھم ومحالھم غدواً محالك

"کہیں ایسے نہ ہو کہ ان کی صلیب (خانہ کعبہ پر) بلند ہو جائے اور ان کی تدبیر تیری تدبیر پر غالب آجائے۔"

اِن کنت تارکھم وقبلتنا فامر ما بدالك

"اور اگر تو ہمارے قبلہ (کی بربادی) پر اُن کو چھوڑنے والا ہے، تو پھر تیری رضا ہے تو جو چاہے سو کر۔"

حضرت عبدالمطلب یہ دعائیہ اشعار پڑھ کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک پہاڑی درہ

میں پناہ گزیں ہوئے۔ بوقتِ صبح ابرہہ نے کعبۃ اللہ شریف کو منہدم کرنے کے لئے فوج کو پیش قدمی کرنے کا حکم دے دیا۔ ربِ ذوالجلال کی قدرت کہ ابرہہ کے سب سے بڑے اور قوی ہاتھی (کہ جس کو محمود کہا جاتا ہے) نے حملہ کرنے سے انکار کر دیا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ فیل بان نے ہر ممکن کوشش کی، اس ہاتھی کے سر پر کدال برسائے، اس کی آنکھوں میں سوتے مارے، مگر ناکامی ہوئی۔ پھر اس ہاتھی کا منہ دوسری طرف کیا گیا تو فوراً کھڑا ہو گیا، اور تیز تیز چلنے لگا، جونہی اس کو خانہ کعبہ کی طرف گھمایا تو وہ یک بیک بیٹھ گیا، اسی طرح کئی مرتبہ ہوا۔ پورا لشکر اس صورتِ حال سے سخت متعجب اور بےچین تھا، ابرہہ اور اس کے ساتھی اسی کشمکش میں تھے کہ معاً سمندر کی طرف سے غول در غول اڑتے ہوئے کچھ پرندے نظر آئے اور وہ آنِ واحد میں پوری فوج پر چھا گئے۔ ہر پرندے کے پاس تین تین کنکریاں تھیں، یعنی ایک چونچ اور دو پنجوں میں۔ پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے سنگباری شروع ہو گئی۔ بظاہر یہ کنکریاں چنے اور مسور کے برابر تھیں مگر اس قدر ہولناک اور تباہ کن کہ سوار کو ہاتھی سمیت اڑا دیتی تھیں۔ اس خوفناک فضائی حملہ سے صرف چند افراد ہی بچ کر بھاگ سکے باقی لوگوں کا جو حشر ہوا اُسے قرآن کریم سورۂ فیل میں کَعَصۡفٍ مَّاکُوۡل (یعنی جانور کے کھائے بھوسے کی طرح ریزہ ریزہ) سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ بچ رہنے والے چند افراد ابرہہ کی سرکردگی میں اپنے وطن یمن کی طرف سرپٹ دوڑ رہے تھے کہ راستے میں اُن کو چیچک سے ملتی جلتی ایک خبیث مرض نے آن گھیرا۔ خود ابرہہ کا یہ حال تھا کہ وہ خوفزدہ ہو کر دوڑ رہا تھا اور اُس کے اعضائے بدن کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں ابرہہ چڑیا کے اس بچے کی طرح ہو گیا کہ جس کے بال و پر نوچ دیئے گئے ہوں، بالآخر اُس کا سینہ پھٹ گیا اور یوں بیت اللہ شریف کو برباد کرنے کا عزم رکھنے والا خود تباہ و برباد ہو گیا۔

لَا رَیۡبَ فِیۡہِ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ

فضائلِ حضرت عبد المطلب میں زمزم کے کنوئیں
چاہِ زمزم کی کھُدائی
کی دریافت بھی ہے۔ پسِ منظر اس کا یوں ہے:
حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رحلت مبارکہ کے بعد چاہِ زمزم آپ کی اولاد، یعنی بنو اسماعیل کے قبضہ میں رہا۔ ان کے بعد بنو جرہم نے اس پر قبضہ جما لیا اور یہی قبیلہ مکہ کا حاکم بن گیا۔ کچھ عرصہ تک یہی صورتِ حال رہی۔ پھر جب قوم جرہم سے عمرو بن حارث بادشاہ بنا، تو اس نے ظلم و ستم کی بنا ڈالی، وہ نہ صرف مسافروں کو تنگ کرتا، بلکہ حرم کعبہ کی توہین سے بھی گریز نہ کرتا۔ یہ دیکھ کر مختلف قبائل عرب نے بنو جرہم پر حملہ کر دیا۔ عمرو بن حارث کو شکست نظر آئی تو اس نے بھاگنے سے پہلے کعبۃ اللہ شریف پر چڑھائے جانے والے ہدایہ، مثلاً سونے کے دو ہرن اور ہتھیار و جواہرات وغیرہ اور عند البعض رُکنِ کعبہ سے حجرِ اسود کو بھی اکھاڑا، پھر سب کو زمزم کے کنوئیں میں ڈال کر اس طرح پاٹ دیا کہ زمزم کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ اس کے بعد اگرچہ حکومتِ مکہ تو بنو اسماعیل کے ہاتھ آگئی، مگر زمزم اسی طرح گم اور بے نشان رہا، یہاں تک کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے جدِ محترم حضرت عبد المطلب کا زمانہ آیا۔
ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت عبد المطلب بیت اللہ میں سو رہے تھے کہ کسی نے خواب میں کہا کہ "برّہ" کھودو۔ آپ نے پوچھا کہ "برّہ" کیا ہے؟ یہ سُن کر وہ چلا گیا۔ اگلے دن پھر خواب میں پھر آیا اور کہا کہ "طیّبہ" کھودو۔ آپ نے پوچھا کہ "طیّبہ" کیا ہے؟ وہ پھر چلا گیا۔ اگلے روز خواب میں وہ پھر آیا اور صاف صاف کہا کہ زمزم کھودو اور ساتھ ہی اس کی جگہ کی نشان دہی کر دی۔ صبح کو حضرت عبد المطلب اٹھے اور کھُدائی شروع کر دی۔ (خصائصِ کبریٰ، بیہقی، سیرتِ ابن ہشام، مدارج النبوۃ)
ابھی تھوڑی سی کھدائی ہوئی تھی کہ چاہِ زمزم کے آثار نظر آنے لگے پھر وہ سونے کے ہرن اور ہتھیار وغیرہ سب کچھ برآمد ہو گیا، یوں چاہِ زمزم ایک مرتبہ پھر

جاری ہوگیا۔ اب قریش کے دوسرے قبائل بھی اس پر اپنا حق جتانے لگے۔
جب جھگڑے نے طول پکڑا، تو ثالث کے فیصلہ پر سب متفق ہوگئے۔ ثالث سمجھے
لیے قریشِ مکہ نے بنی سعد بن ہذیم کی ایک دانا عورت کو تجویز کیا۔ حضرت عبدالمطلب
مان گئے۔ یہ عورت ملک شام میں رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب اپنے رفقاء اور
قریش کے دوسرے سرداروں کے ساتھ ملک شام کی طرف روانہ ہوگئے۔ اثنائے سفر
میں حضرت عبدالمطلب اور آپ کے اور رفقاء کے مشکیزوں سے پانی ختم ہوگیا۔ پیاس
کی شدت سے جاں بلب ہوگئے۔ دوسرے سردارانِ قریش کے پاس پانی تھا، مگر
انہوں نے پانی دینے سے صاف انکار کردیا۔ ناچار حضرت عبدالمطلب نے اپنے ساتھیوں
کو حکم دیا کہ ہر ایک اپنے لیے قبر کا ایک گڑھا کھودے تاکہ موت کی صورت میں اسے دفن کیا
جاسکے، یہاں تک کہ آخری شخص اپنے ساتھی کو دفن کردے۔ ایک آدمی کا بے گوروکفن رہ
جانا اس سے بہتر ہے کہ سب لوگ بے لحد مرجائیں۔ چنانچہ سب نے قبریں کھود لیں۔ پھر
حضرت عبدالمطلب بولے، قسم بخدا! اس طرح تو ہم نے خود کو موت کے حوالے کردیا ہے
کیوں نہ ہو کہ ہم کوشش کریں، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی سبیل پیدا کردے یہ کہہ کر آپ
اپنی اونٹنی پر سوار ہوگئے۔ اونٹنی اٹھی تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ اونٹنی کے قدموں کے
قریب ہی ٹھنڈے اور شیریں پانی کا چشمہ اُبل رہا ہے۔ حضرت عبدالمطلب اور آپ کے
رفقاء کی خوشی کی انتہا نہ تھی، سب نے خود بھی پانی پیا، اپنے جانوروں کو بھی پلایا اور
قریش کے ان سرداروں کو بھی اپنے پاس بلایا کہ جنہوں نے پانی دینے سے انکار کردیا تھا،
سب لوگوں نے پانی پیا، مشکیزے بھرے اور کہنے لگے: اے عبدالمطلب! اب
فیصلہ کے لیے کسی ثالث کی ضرورت نہیں ہے، خود خدا تعالیٰ نے تمہارے حق
میں فیصلہ فرمادیا ہے۔ اگر اس بے آب وگیاہ میدان میں تمہیں پانی مل سکتا ہے، تو
یقیناً آبِ زمزم بھی تمہارا ہی ہے۔ (خصائص کبریٰ)

اولادِ عبدالمطلب: بقولِ ابن ہشام حضرت عبدالمطلب کے ہاں پانچ بیویوں سے دس بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ صاحب کتاب "رحمۃ للعالمین" نے پندرہ لڑکوں کے نام گنوائے ہیں اور فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ چھ بیویوں سے بارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ آپ کی اولاد کا نقشہ درج ذیل ہے:

آپ کی زوجہ کا نام	بیٹوں کے نام	بیٹیوں کے نام
(۱) صفیہ[1] بنت خبدب (یہ عمودِ نبوی میں جناب نضر کی نسل سے ہیں)	حارث[1]،	
(۲) فاطمہ بنت عمرو (یہ عمودِ نبوی میں جناب مرہ کی نسل سے ہیں)	حضرت عبداللہ[2]، زبیر[3]، ابوطالب[4]، عبدالکعبہ[5] یا مقوم	ام حکیم بیضاء[1]، امیمہ[2]، اروی[3]، برہ[4]، عاتکہ[5]،
(۳) لبنیٰ بنت ہاجر (از بنو خزاعہ)	عبدالعزیٰ معروف بہ ابولہب[6]	
(۴) ہالہ بنت وہیب (یہ عمودِ نبوی میں جناب کلاب کی نسل سے ہیں)	حجل[7] - مغیرہ[8] حمزہ[9]	صفیہ[6]
(۵) نتیلہ بن خباب (یہ عمودِ نبوی میں جناب نزار کی نسل سے ہیں)	عباس[10] ضرار[11]	
(۶) منعمہ بنت عمرو (از بنو خزاعہ)	مصعب[12]	

لہ ابنِ ہشام نے ان کا نام سمرہ بنت جندب، واقدی نے صفیہ بنت خبدب اور قاضی سلیمان منصور پوری نے صفیہ بنت جنیدب تحریر فرمایا۔ ۱۲

یہ بندۂ ناچیز اس جگہ حضرت عبدالمطلب کی صرف اُس اولاد یعنی اپنے آقا رسُولِ عربی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم (فِداہ رُوحی وجسدی) کے صرف چچاؤں اور پھوپھیوں کا ذکر کرے گا کہ جن کا تذکرہ ضروری ہے اور آخر میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکرِ مبارکہ ہوگا۔

(۱) عمّ النبیّ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم حارث

رسُولِ محترم نبیٔ مکرّم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے یہ عمِ محترم حضرت عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے ہیں اور حضرت عبدالمطلب کی کنیت ابوالحارث ان کی وجہ سے ہے۔ یہ اپنے والدِ ماجد کی حیات میں ہی فوت ہوگئے تھے، لیکن ان کے چار بیٹے حضرت نوفل[۱]، حضرت عبداللہ[۲]، حضرت ربیعہ[۳] اور حضرت مغیرہ[۴] رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے صحابہ میں شامل ہیں۔ ان صاحبزادوں کے حالات و واقعات اختصاراً سپردِ قلم کئے جاتے ہیں:

۱۔ حضرتِ نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت نوفل بن حارث (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی قسمت میں خلّاقِ عالم جلّ شانہٗ نے دولتِ ایمان سے مشرف ہونا تحریر فرما دیا تھا، یہی سبب ہے کہ اسلام و کفر کے سب سے پہلے باقاعدہ معرکہ غزوۂ بدر میں کفارِ مکہ کی طرف سے جنگ میں شامل ہونے کے باوجود یہ اہلِ ایمان کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گئے۔ بعض سیرت نگار حضرات کے نزدیک آپ غزوۂ احزاب کے بعد اور بعض کے نزدیک آپ فتحِ مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ غزوۂ حنین میں انہوں نے بارگاہِ رسالت مآب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم میں تین ہزار نیزے پیش کئے تھے تاکہ اہلِ ایمان ان کو میدانِ جنگ میں استعمال کر سکیں۔ حضور اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے یہ چچازاد بھائی ۲۵ھ کو مدینہ منوّرہ میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

حضرت نوفل بن حارث کے تین بیٹے حضرت مغیرہ[1]، حضرت عبداللہ[2] اور حضرت حارث[3] تھے یہ سب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی صحابی ہیں، ان میں سے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مدینۂ طیبہ کا قاضی بنا دیا تھا۔ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر جامع مسجد کوفہ میں حملہ کرنے والے خبیث ترین شخص ابن ملجم کو آپ ہی نے گرفتار کیا تھا، جبکہ وہ فرار ہو رہا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق سیدہ امامہ بنتِ زینب بنت رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا نکاح بھی آپ ہی کے ساتھ ہوا تھا جن سے یحییٰ بن مغیرہ پیدا ہوتے۔

حضرت نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے بیٹے حضرت عبداللہ[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرۂ اقدس کسی قدر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا جلتا تھا، گویا آپ کا دیدار کرنے والے کو رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یاد آجایا کرتے تھے۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو حاکمِ کوفہ مقرر فرما دیا تھا، جبکہ حضرت نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تیسرے[3] صاحبزادے حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ مکرمہ کا حاکم بنا دیا تھا۔ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

---

[1] حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بوقتِ رحلت شریفہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو وصیت کی تھی کہ وہ میری بھانجی سیدہ امامہ بنت سیدہ زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے نکاح کرلیں۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ان سے نکاح فرمالیا، اور ان محمد اوسط بن علی پیدا ہوئے۔ ۱۲

۸ھ کو غزوۂ طائف میں مرتبۂ شہادت پایا۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو آپ سے کمال درجے کی محبت تھی۔ دربارِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپ کو "سعید" یعنی نیک بخت کا خطاب بھی عطا ہوا۔

حضرت ربیعہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوارویٰ تھی۔ انہوں نے اپنے دو بیٹوں کے نام دادا عبدالمطلب[1] اور مطلب[2] کے نام پر رکھے حضرت عبدالمطلب صحابہ کرام میں شامل ہیں۔ حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک بیٹے کا نام ایاس تھا، اس ہی کا ذکر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں یُوں ارشاد فرمایا تھا کہ:۔

اِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُہٗ دَمُ ابْنِ رَبِیْعَۃَ بْنِ الْحَارِثِ۔

"یعنی پہلا مطالبۂ خون جسے میں ضائع اور ملیامیٹ کرتا ہوں وہ خون ابن ربیعہ بن حارث (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا ہے۔"

تفصیل اس اجمال کی یُوں ہے کہ ایاس بن ربیعہ رواجِ عرب کے مطابق قبیلۂ بنو سعد میں ایک دایہ کے ہاں دودھ پیتا تھا (جس طرح کہ ہمارے آقا رسُولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں دُودھ نوش فرمایا) قبیلۂ بنو سعد اور بنو ہذیل میں جنگ ہوئی تو ایک پتھر اس شیرخوار ایاس بن ربیعہ کے آلگا، جس سے وہ فوت ہوگیا۔ بنی عبدالمطلب اسی خون کے دعویدار تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں اس قسم کا واقعہ ایک طویل جنگ کا پیش خیمہ ہوا کرتا تھا۔ اس قسم کے متصادم قبائل کو جب بھی موقع ملتا، وہ اپنے دشمن کے کسی بھی فرد کو اپنے مقتول کے بدلے میں قتل کردیتے اور یوں یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہتا۔ اسی ہولناک تباہی سے بچانے کے لئے رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ (مفہومِ حدیث) "زمانۂ جاہلیت کے سب خون ضائع اور ملیا میٹ ہیں، یعنی جس کسی پر خون کا دعویٰ ہے جو کہ زمانۂ جاہلیت میں واقع ہوا تھا، میں اس دعویٰ کو برطرف کر کے ضائع قرار دیتا ہوں، اور اوّل دعویٰ خون جو ہمارے دعوؤں میں سے جسے میں برطرف اور رائیگاں قرار دیتا ہوں، وہ ربیعہ بن حارث (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بیٹے کا خون ہے۔"

حضرت مغیرہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوسفیان تھی، ان کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دوہرا رشتہ ہے، یعنی ایک تو یہ کہ چچا زاد بھائی ہیں، اور یہ کہ انہوں نے بھی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دودھ پیا ہے، اس طرح رضاعی بھائی بھی ہوئے۔ ابتدائے اسلام میں اُن کا شمار رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں میں ہوتا تھا، مگر فتحِ مکہ سے چند یوم قبل یہ بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو کر شرفِ ایمان سے مشرف ہو گئے۔

واقعہ یوں ہوا کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دس ہزار صحابہ کے عظیم الشان لشکر کے ساتھ فتحِ مکہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، تو یہ ابوسفیان (مغیرہ) اور عبداللہ بن امیہ راستہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملے چونکہ یہ زمانۂ جاہلیت میں بدترین دشمنانِ اسلام میں سے تھے اور انہوں نے اسلام کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی، اس لئے ان کو دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا رُخِ انور دوسری طرف پھیر لیا۔ حضرت ام المومنین سیدہ ام سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! ابوسفیان آپ کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے اور عبداللہ آپ کی حقیقی پھوپھی عاتکہ کا لختِ جگر ہے، اس لئے اتنے قریبی آپ کی رحمت سے محروم نہ رہنے چاہئیں۔ ادھر

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ان دونوں کو یہ ترکیب بتائی کہ جن الفاظ میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے معافی مانگی تھی اور درگزر فرمانے کی درخواست کی تھی، تم بھی وہی الفاظ استعمال کرو، یقیناً حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شانِ کریمی سے کام لے کر تم کو معاف فرما دیں گے۔
چنانچہ انہوں نے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر یہ آیہ کریمہ پڑھی:

تَاللّٰہِ لَقَدْ اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَاِنْ کُنَّا لَخٰطِئِیْنَ ۝

"یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم! اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت عطا فرمائی ہے، اور بے شک ہم ہی قصوروار تھے۔"

یہ سن کر حضور رحمت عالم، نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوں گویا ہوئے:

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

(سورۃ یوسف، ۹۲) "یعنی آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے (تم جاؤ) اللہ تعالیٰ تم کو معاف کرے، اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔"

حضرت ابوسفیان مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زبان رسالت مآب (صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وسلم) سے اعلانِ معافی سُنا، تو اُن پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی، وہ بڑے پُرجوش انداز میں فی البدیہہ اشعار پڑھنے لگے:

(ترجمہ اشعار) "مجھے قسم ہے آپ کی مبارک زندگی کی کہ جن دنوں میں اس لیے جنگ کا جھنڈا بلند کیا کرتا تھا کہ (میرے بُت) لات کا لشکر حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے لشکر پر غالب آجائے۔ ان دنوں میں اس خارپشت کی طرح تھا جو اندھیری رات میں حیران و سرگردان، دربدر کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہو۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں ہدایت پا جاؤں اور صراطِ مستقیم پر آجاؤں۔ یہ ہدایت مجھے میرے نفس (میرے فہم و شعور) نے نہیں دی، بلکہ

مجھے اللہ تعالیٰ کا رستہ تو اُس مبارک ہستی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دکھایا کہ جس کو میں نے ترک کر دیا اور چھوڑ دیا تھا۔" رسولِ مکرم، رحمتِ عالم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُن کی یہ باتیں سُن کر محظوظ ہو رہے تھے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بعد کبھی بھی شرم وحیا کی وجہ سے حضور اکرم نبی محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سر نہ اٹھایا۔ وفات حسرت آیات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جدائی میں دردِ دل لئے اس انداز سے پرسوز اشعار پڑھتے کہ سننے والوں کی آنکھیں بھی ڈبڈبا جاتیں۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان سے غایت درجہ کی محبت تھی۔ حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۲۰ھ میں ہوئی۔ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ اور جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں صحابی ہیں بلکہ حضرت جعفر تو اپنے والد ماجد حضرت ابوسفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے ساتھ غزوہ حنین میں بھی شامل ہوئے۔

④ عم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطالب

حضرت ابوطالب کا نام عبد مناف تھا، مگر اصل نام پر کنیت ابوطالب غالب آ گئی۔ ان کو تاجدارِ عرب وعجم، شافع امم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کمالِ درجہ کی محبت تھی۔ حضرت سیدنا عبدالمطلب کی رحلتِ مبارکہ کے بعد حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف آپ ہی کے حصہ میں آیا۔ دیگر کئی اسباب کے علاوہ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ حضرت ابوطالب، حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا ہیں۔ مشہور ہے کہ حضرت ابوطالب اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ جب کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھتے تو اُس وقت تک کسی کو کھانا کھانے کی اجازت نہ دیتے، جب تک ان کے محبوب بھتیجے حضرت

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دسترخوان پر جلوہ گر ہو کر کھانا شروع نہ فرما دیتے۔
آپ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے ماقبل اور مابعد جس قدر جاں نثاری، محبت اور ایثار و قربانی کا نمونہ پیش فرمایا ہے، قیامت تک اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

سات سنِ نبوی کو جبکہ اسد اللہ و رسولہ حضرت امیر حمزہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسی باکمال ہستیاں بھی شرفِ ایمان سے مشرف ہو گئیں، اسلام قبائل عرب میں پھیلنے لگا۔ صحابہ کرام ملکِ حبشہ کی طرف جانے لگے، تو کفارِ مکہ کے تن بدن میں حسد و عداوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ وہ سب کے سب (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے یعنی نورِ خدا کو پھونکوں سے بجھانے پر کمربستہ ہو گئے، تو حضرت ابو طالب ان کے راستے کی دیوار بن گئے۔ پھر آپ نے بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہو کر کچھ گزارشات پیش کیں، تو عزم و ہمتِ نبوی دیکھ کر پُرجوش انداز میں بولے:

ترجمہ: "خدا تعالیٰ کی قسم کوئی بدخواہ آپ کی طرف میلی آنکھ سے دیکھ بھی نہیں سکتا، جب تک کہ میں زندہ ہوں، آپ اپنے دین کو علی الاعلان پھیلائیے، کوئی اندیشہ نہ کیجیے، خوش رہیے، تبلیغِ دینِ اسلام سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیجیے۔"

پھر آپ اپنے خاندان کے دیگر افراد ابولہب کے سوا کے ساتھ شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور رہے۔ اس دوران قریشِ مکہ نے خاندانِ بنو ہاشم کے ساتھ شادی بیاہ، خرید و فروخت، ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، گفت و شنید ختم کر دی، گویا ہر لحاظ سے مکمل مقاطعہ اور بائیکاٹ کر دیا۔ حضرت ابو طالب نے ان تمام کانٹوں کو میرے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (فداہ روحی وجسدی) کی محبت میں پھول سمجھ کر آنکھوں پر سجا لیا۔
حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے چچا بزرگوار کا بیحد احترام اور محبت فرماتے۔
حضرت سیدہ زاہدہ طیبہ طاہرہ اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ فیضدرجت میں پیامِ نکاح بھیجا، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چچا جان حضرت ابوطالب کی اجازت کے بغیر پیغامِ نکاح قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ خود حضرت ابوطالب نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کر دیا۔

وفات

"مدارج النبوۃ" میں ہے: دس سن نبوی میں حضرت ابوطالب نے وفات پائی۔ "مواہب لدنیہ" میں ہے کہ جب حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمرِ شریفہ کے انچاس سال آٹھ ماہ اور گیارہ دن گزرے تو حضرت ابوطالب کی وفات ہوئی، جبکہ بعض مؤرخین نے نصف ماہِ شوال نقل کیا ہے۔ مدارج النبوۃ کے مطابق اس وقت حضرت ابوطالب کی عمر ستاسی ۸۷ سال کی تھی۔

رَبِّ ذوالجلال کی قدرت کہ حضرت ابوطالب کی وفات کے صرف تین یا پانچ دن بعد پیکرِ صبر و رضا، منبعِ جود و سخا، مجسمۂ مہر و وفا رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی غایت درجہ غمگسار اور وفا شعار رفیقۂ حیات حضرۃ سیدہ اُمّ المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (میرے ماں باپ اُن پر قربان ہوں) کی رحلتِ مبارکہ ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اِس سال کو عَامُ الْحُزْن یعنی غم کا سال فرمایا کرتے تھے۔ (مدارج النبوۃ)

اولاد

حضرت ابوطالب کے چار بیٹے، حضرت طالب[۱]، حضرت عقیل[۲]، حضرت جعفر طیار[۳] اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اور دو بیٹیاں حضرت اُمِّ ہانی اور حضرت جمانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، ان میں سوائے طالب کے سب کے سب صحابہ کرام میں شامل ہیں۔

ذیل میں آپ کے صاحبزادگان حضرت عقیل، حضرت جعفر طیار اور حضرت اسد اللہ الغالب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تذکرہ کیا جاتا ہے، رب کریم شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین!

(الف) حضرت عقیل بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو یزید تھی۔ یہ اپنے بڑے بھائی طالب سے دس سال چھوٹے اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دس سال بڑے تھے حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ کے لئے آئے تھے۔ میدانِ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہونے والے مشرکین میں یہ بھی شامل تھے۔ ان کا فدیہ حضرت عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ادا کیا تھا۔ (خیال رہے کہ حضرت عباس بھی قیدیوں میں شامل تھے)، حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلح حدیبیہ سے قبل اسلام لائے اور غزوہ موتہ میں شرکت فرمائی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بڑی محبت تھی۔ قبولِ اسلام کے ساتھ ساتھ اسبابِ محبت کا تذکرہ خود زبانِ رسالتمآب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے یوں ہوتا ہے:

یَا اَبَا یَزِیْد اِنِّیْ اُحِبُّكَ حُبَّیْنِ حُبًّا لِقَرَابَتِكَ وَحُبًّا
لِمَا كُنْتُ اَعْلَمُ مِنْ حُبِّ عَمِّیْ اِیَّاكَ۔

"ابو یزید (عقیل)، میں تجھ سے (عام ایمان والوں کے مقابلہ میں) دو محبتیں (زیادہ) رکھتا ہوں، ایک تو قرابت کی (وجہ سے) محبت ہے (کہ تم میرے چچا زاد بھائی ہو) اور دوسری محبت یہ کہ میں جانتا ہوں میرے چچا (ابو طالب) کو تم سے خصوصی محبت تھی۔"

آپ کا انتقال حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے دورِ حکومت میں ہوا۔ آپ کی اولاد میں حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سانحہ کربلا کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔

حضرت مُسلم بن عقیل

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں سیدہ رقیہ بنتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھیں۔ اس اعتبار آپ حضرت سیدنا امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہنوئی بھی ہیں۔ یزید پلید کے دَورِ ظلم جب اہلِ کوفہ نے ہزاروں کی تعداد میں اپنے عریضے حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمتِ اقدس میں بایں مقصد ارسال کئے کہ ان کو کسی ہادیٔ و راہنما کی ضرورت ہے اس لئے آپ تشریف لائیں، تو امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو اپنا نائب بنا کر کوفہ روانہ کیا۔ اہلِ کوفہ نے آپ کا والہانہ استقبال کیا۔ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ کوفہ کو حضرت امام حُسین علیہ السّلام کا خطِ مبارک سُنایا، تو وہ بلک بلک کر رونے لگے اور نامۂ اقدس کو چومتے تھے۔ چند ہی یوم میں بہت سے کوفیوں نے آپ کے ہاتھ پر سیدنا امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بیعت کی۔ جب بیعت کنندگان کی تعداد بارہ ہزار بروایتِ دیگر اٹھارہ یا تیس یا چالیس ہزار ہو گئی، تو حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مطمئن شہزادۂ کونین حضرت سیدنا امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں عریضہ روانہ کر دیا جس میں اہلِ کوفہ کی پُرجوش عقیدت اور بیعت کے تذکروں کے ساتھ ساتھ تشریف لانے کی گزارش بھی کی گئی تھی۔ اِدھر مسلم بن یزید حضرمی اور عمارہ بن ولید نے پوری صُورتِ حال سے یزید پلید کو مطلع کر دیا۔ یزید نے فوراً ابنِ زیاد بدنہاد والیٔ بصرہ کو اس مہم پر روانہ ابن زیاد نہایت مکاری اور عیاری کے ساتھ حجازی لباس پہنے اپنے چہرہ کو نقاب سے چھپائے رات کے وقت کوفہ میں داخل ہوا۔ اہل کوفہ نے سیدنا امام حُسین علیہ السّلام سمجھ کر اس کا استقبال کیا، لیکن جب پتہ چلا کہ یہ تو عبیداللہ ابن زیاد ہے تو سب پر مُردنی چھا گئی علی الصبح ابن زیاد نے کوفیوں کو جامع مسجد میں جمع کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اتنا ہجوم ہو گیا کہ تِل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ اس وقت یہ لعین منبر پر چڑھا اور لوگوں کو سخت و سُست کہ

لشکرِ یزید سے ڈرانے لگا۔ کوفی لائوفی کانپ گئے اور اپنے سب عہد و پیمان بھلا بیٹھے۔ مختصر یہ کہ بوقتِ عصر حضرت امام مسلم مسجد میں تشریف لائے تو کسی نے بھی آپ کے ساتھ نماز نہ پڑھی۔ بعد نماز آپ دروازۂ مسجد پر آئے تو ایک لڑکے کی زبانی حالات اہلِ کوفہ سے مطلع ہوئے، تو لاحول پڑھی، پھر ذہنِ مبارک میں آیا کہ مجھے اپنی جان کی تو پرواہ نہیں، مگر میں تو جانِ جاناں شہزادۂ کونین حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی تاکیداً بلا چکا ہوں، یقیناً میرا خط دیکھتے ہی وہ تشریف لے آئیں گے اور یہاں کے تو حالات ہی بدل گئے ہیں۔ اسی ششش و پنج میں تھے کہ یکایک اکابر کوفہ میں سے حضرت ہانی بن عروہ کا خیال آیا جو بیمار ہونے کے سبب مسجد میں نہ آئے تھے، سوچا اُن سے مشورہ کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ دروازۂ ہانی بن عروہ پر جلوہ گر ہوئے حضرت ہانی نے نہایت تعظیم و تکریم سے استقبال کیا اور سب واقعہ سُن کر ایک سرد آہ بھری، پھر عرض کیا کہ حضور! آپ فکر نہ کریں، ابن زیاد میرا دوست ہے، میری بیماری کا سُن کر میرے ہاں ضرور آئے گا۔ آپ مسلح ہو کر ایک گوشہ میں چھپ جائیں۔ اول تو میں اسے زبانی سمجھاؤں گا۔ اگر وہ نہ مانا، تو میں اپنا عمامہ اتار کر زمین پر رکھ دوں گا، بس آپ اشارہ پاتے ہی اسے قتل کر دیں۔ دوسری طرف ابن زیاد نے ایک دو روز میں تمام رؤسا و اکابرینِ کوفہ کو اپنے قبضے میں لے لیا اور حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی گرفتاری پر انعام کا اعلان کر دیا۔ پھر اُسے اپنے دیرینہ دوست ہانی بن عروہ کا خیال آیا۔ اُسے بتایا گیا کہ وہ بیمار ہیں۔ یہ خبیث فوراً عیادت کے لئے چلا آیا۔ حضرت ہانی نے اسے عزت سے بٹھایا اور سمجھایا کہ حضرت امام حسین ابنِ رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہیں اور حضرت مسلم اُن کے نمائندے ہیں، ان کو سزا دینے کے درپے نہ ہو۔ ابن زیاد بولا: "حاکمِ وقت کی مخالفت کرنے والا واجب القتل ہے خواہ کوئی بھی ہو"۔ حضرت ہانی سمجھ گئے کہ اس کا ایمان نکل چکا ہے۔ حسبِ پروگرام

حضرت ہانی نے اپنا عمامہ اُتار کر زمین پر رکھا، لیکن حضرت مسلم گوشہ سے باہر نہ آئے
اُس نے سمجھا کہ شاید دیکھا نہ ہو، دوبارہ پھر یہی عمل کیا، تب بھی آپ تشریف نہ
لائے، تو حضرت ہانی نے بُلند آواز میں یہ اشعار پڑھے:

حَيِّ سَلْمٰى وَ حَيِّ مَنْ يُحِبُّهَا
مَا الْاِنْتِظَارُ بِسَلْمٰى اَنْ تُحِبُّهَا
فَاخْرُجْ اِلَيْهَا وَلَا تَاَخَّرْ فَفِيْهَا
اِنْ كَانَ فِي الْكَاسِ مَاءَ الْعِنَبِ فَاسْقِهَا

ترجمہ: "آ بھی جاؤ کہ تمہاری محبوبہ جس سے تمہیں شدید محبت تھی آگئی ہے،
اگر واقعی تم اسے محبوب رکھتے تھے، تو اب کس کا انتظار ہے؟
جلدی اُس کی طرف آؤ، اُس کے ساتھ فیصلہ کرنے میں دیر نہ کرو،
اگر تمہارے جام میں انگوروں کا پانی ہے، تو اسے آکر پلاؤ۔"

حضرت ہانی نے یہ رُباعی حضرت مسلم کو برانگیختہ کرنے کے لیے پڑھی تھی ــــ
ابنِ زیاد نے حیران ہو کر پوچھا، ہانی! یہ کیا کہہ رہے ہو؟ آپ تو خاموش رہے اور
آپ کے تیمارداروں نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ حالتِ بیماری میں کبھی کبھی یہ ایسی
ہی عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ ابن زیاد افسوس کرتا ہوا اٹھا اور روانہ
ہو گیا ـــ ابن زیاد کے دفع ہوتے ہی حضرت مُسلم گوشہ سے نکل آئے۔ حضرت ہانی
نے متعجبانہ عرض کیا کہ حضور! آپ نے یہ کیا کیا؟ اللہ تعالیٰ کی قسم ابھی سب بلائیں
رفع ہو چکی تھیں، مجھے اُس خبیث کے زندہ نکلنے کا بڑا صدمہ ہے ــــ آپ نے جواباً
حضرت ہانی سے فرمایا "جو کچھ ہم نے پروگرام بنایا، وہ ہمارا تھا، مگر معلوم ہوتا ہے
کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور ہے۔ میں تمہارے ہر اشارہ پر پوری طاقت سے اُٹھا،
مگر ہر مرتبہ نادیدہ ہاتھ نے مجھے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ یوں محسوس ہوا کہ جیسے کوئی

کہہ رہا ہو مسلم! ابھی اس کا پیمانۂ عمر لبریز نہیں ہوا۔ آرام سے بیٹھے رہو۔" بس پھر میرے جسم میں طاقت ہی نہ رہی۔ حضرت ہانی سن کر عرض کیا کہ مجالِ بندہ کچھ نہیں، اختیار کا مالک بس ربِّ ذوالجلال ہے۔ بہرحال آپ اس گھر سے باہر نہ جائیں، مجھ پر جو مصیبت آئے گی، برداشت کرلوں گا۔

ادھر حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاش میں شہر کا کونہ کونہ چھانا جارہا تھا، بالآخر ابن زیاد نے معقل نامی ایک نہایت مکار، عیار اور تجربہ کار جاسوس کے ذریعے حضرت مسلم کو ڈھونڈھ لیا۔ حضرت ہانی کو دربار میں طلب کرلیا گیا، اور ابن زیاد نے بڑے درشت لہجے میں آپ کو مخاطب کرکے کہا: ہانی! تم نے دوستی کے پردے میں میرے ساتھ غداری کی ہے۔ اگر کوئی اور ہوتا، تو اب تک قتل کردیا گیا ہوتا، مگر میں تمہیں صرف اتنا کہتا ہوں کہ مسلم کو میرے حوالے کردو، ورنہ میرے غصہ سے تم خوب واقف ہو۔ آپ نے جواباً فرمایا: ابن زیاد سُن! ہانی اپنی جان تو دے سکتا ہے، مگر حضرت مسلم کو تیرے حوالے نہیں کرسکتا، چنانچہ ابن زیاد لعین کے حکم پر حضرت ہانی کو شہید کردیا گیا۔

عمرو بن الحجاج دنیاری تے جو ابن زیاد کی طرف سے حضرت ہانی کو بُلانے گئے تھے۔ جب حضرت ہانی کی شہادت کی خبر سُنی، تو فوراً بہت سے کوفیوں کو ساتھ لے کر ابن زیاد کے محل کو آگھیرا۔ اس خبیث نے قاضیٔ شہر کو حکم دیا کہ باہر جاکر کہہ دو کہ ہانی کے قتل کی خبر غلط ہے، وہ محفوظ و سالم ہیں۔ قاضی نے ابن زیاد کے ڈر سے یہ ہی کہہ دیا اور یوں مجمع منتشر ہوگیا۔ حضرت مسلم نے جب ہانی کی شہادت کی خبر سُنی، تو خانۂ ہانی سے باہر آئے۔ ابن زیاد کے سپاہیوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا۔ آپ نے مردانہ وار اُن کا مقابلہ کیا۔ بالآخر زخمی ہوکر گرفتار ہوئے، اور پھر اخبث الناس ابن زیاد بدنہاد کے حکم پر مورخہ ۳ ذوالحجہ

بروز جمعرات حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک بُلند عمارت کے اوپر سے نیچے پھینک کر شہید کر دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

شہزادگانِ مُسلم بن عقیل (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرت سیدنا مُسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ روانہ ہوتے وقت اپنے دو چھوٹے شہزادوں یعنی حضرت ابراہیم و حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی ساتھ ہی لے آتے تھے۔ آپ اِن بچّوں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ان کی عمریں بمشکل تمام سات آٹھ برس کی تھیں۔ محبوب باپ کی دردناک شہادت پر ان معصوم بچّوں کا جو حال ہوا ہوگا، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ چمنستانِ رسالت مآب کے یہ دو ننھے ننھے پھول اس وقت قاضی شریح کے گھر پر تھے۔ پہلے حضرت قاضی شریح نے پھر مشکور نامی ایک محبِ اہلِ بیت داروغہ جیل نے ان کو اس ظالم کے پنجۂ استبداد سے بچانے کی بھرپور کوششیں کیں، مگر تقدیر کا لکھا کون مٹا سکتا ہے؟ یہ دونوں شہزادے حارث نام کے ایک کمینہ خصلت بدبخت کُوفی کے ہتھّے چڑھ گئے۔ اس بدکردار تلکار نے ان دونوں کو ابن زیاد کی خوشنودی اور انعام کے لالچ میں برلبِ فرات بڑی بیدردی سے شہید کر کے لاشہ ہائے مقدس کو فرات میں بہا دیا۔

حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تیسرے لختِ جگر حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) میدانِ کربلا میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے منصبِ شہادت پر فائز ہوئے۔

ؔ چہ خوش رسمے بنا کردند، بخاک و خون غلطیدن
خُدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت محمد بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بعض کتب میں ان کا نام عبداللہ بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ درج ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) ان کی زوجیت میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی شہزادی حضرت زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا تھیں۔ حضرت محمد بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدانِ کربلا میں جفاکارانِ اُمت کے ہاتھوں درجۂ شہادت پر فائز ہوتے۔ ان کے دو صاحبزادے حضرت قاسم اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہما شہید کربلا ہیں۔ ان کے تیسرے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کثیر اولاد ہوئی، جو اطرافِ عالم میں خوب پھیلی۔

حضرت جعفر بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں میدانِ کربلا میں موجود تھے۔ آپ نے ایمان فروشانِ کوفہ و شام کے مقابلہ میں خوب جوہرِ تیغِ ہاشمیت دکھا کر شہادت کا جامہ زیبِ تن فرمایا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ صاحبزادے بھی جاں نثارانِ امام حسین علیہ السلام میں شامل تھے اور بڑی بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے کربلا میں عبداللہ بن عروہ خبیث کے ہاتھوں تیر لگنے سے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

حضرت جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا زاد ہونے کے ساتھ ساتھ رضاعی بھائی بھی ہیں، یعنی انہوں نے بھی حضرت ثُویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دودھ پیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

ا۔ حضرت ثویبہ ابولہب لعین کی کنیز تھیں۔ انہوں نے ہی ابولہب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی خوشخبری سنائی، تو اس نے بھتیجے (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی ولادت کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا اور کہا تھا کہ جا کر میرے نومولود بھتیجے کو دودھ پلاؤ، رب کریم نے ولادتِ نبوی پر خوشی منانے کی اس نیکی کو باوجود کفرِ ابولہب کے ضائع نہیں فرمایا، بلکہ اسے اجر عطا فرمایا۔

علیہ وآلہ وسلم نے بھی۔

آپ قدیم الاسلام ہیں۔ جب مکہ مکرمہ میں کفار کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تو حضور پُر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے دیگر صحابہ کرام کی معیت میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ساتھ لے کر ملکِ حبشہ روانہ ہو گئے۔

علامہ ابن ہشام نے اُمّ المومنین حضرۃ اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت درج کی کہ انہوں نے فرمایا: جب ہم سرزمینِ حبشہ میں پہنچے[1] تو ہمیں امن و سکون میسّر آگیا ہمیں کوئی ستاتا نہ تھا اور نہ ہی ہم بُری باتیں سنتے تھے۔ جب اس حالت کی اطلاع قریشِ مکہ کو ہوئی، تو انہوں نے باہم مشورہ کرکے دو مستقل مزاج اور تجربہ کار آدمیوں یعنی عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو ابن العاص[2] کو نجاشی شاہِ حبشہ کے ہر وزیر کے لئے تحائف دے کر روانہ کیا اور کہا کہ نجاشی شاہِ حبشہ سے مسلمانوں کے بارے میں گفتگو کرنے سے پہلے ہر وزیر کو اس کا تحفہ دے دینا تاکہ وہ تمہاری ہمنوائی کرے۔ بعد ازاں شاہ نجاشی کی خدمت میں تحائف پیش کرکے مسلمانوں کے بارے میں گفتگو کرنا۔ (گویا یہ ایک قسم کی رشوت تھی، جو کہ پیش کی جا رہی تھی)

یہ دونوں مُلکِ حبشہ پہنچے اور پروگرام کے مطابق شاہ نجاشی کے سب وزراء کے پاس فرداً فرداً گئے، تحائف پیش کرکے اُن سے کہا کہ "ہمارے خاندان کے چند بے وقوف افراد نے نہ تو اپنی قوم کا دین اختیار کیا اور نہ ہی تمہارا، بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا، جس سے نہ ہم واقف ہیں نہ تم۔ انہوں نے تمہارے ملک میں پناہ لی ہے

---

[1] اُمّ المومنین اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ ہجرت اپنے پہلے خاوند ابو سلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں کی تھی۔ [2] یہ وہی عمرو ابن العاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں، جنہوں نے مسلمان ہو کر اتنے بڑے بڑے معرکے سرانجام دیئے، جو تاریخِ اسلام کا ایک روشن باب ہیں۔

ڈر ہے کہ وہ یہاں بھی فتنہ پھیلائیں گے۔ ہماری قوم نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ تمہیں اِس فتنہ سے بچانے کے لئے، ہم اُن کو واپس لے جائیں، تو جب ہم ان کی واپسی کے لئے بادشاہ سے درخواست کریں، تو براہِ کرم! آپ ہماری حمایت کر دیں۔ سب وزراء نے وعدہ کر لیا۔

سفیرانِ مکہ دربارِ نجاشی میں پھر ان دونوں نے بہت سے تحائف شاہ نجاشی کو اہلِ مکہ کی طرف سے پیش کیے، جو قبول کر لیے گئے، بعد ازاں عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص نے گفتگو شروع کی اور مسلمانوں پر بہت سے الزامات لگا کر مطالبہ کیا کہ سب مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ انہیں اپنے وطن لے جائیں۔ رشوت خور وزراء نے بھی پُرجوش انداز میں اس مطالبے کی حمایت کی اور کہا جتنی جلد ہو سکے، اُن شرپسندوں کو ملک سے باہر نکال دیا جائے، اور ان کی کوئی بات نہ سُنی جائے۔

نجاشی کی دانائی حضرت نجاشی اس بات پر سخت ناراض ہو کر بولے نہیں، خدا تعالیٰ کی قسم! ایسے نہیں ہو سکتا، جن لوگوں نے دوسروں کو چھوڑ کر مجھ کو منتخب کیا ہے، میری سرزمین پر میرے مہمان بن کر آئے ہیں اور پڑوسی ملک سے یہاں پہنچے ہیں، میں ان کو ایسے ہی واپس نہ کروں گا، بلکہ تحقیق و تصدیق کروں گا اگر ان دونوں کے الزامات درست ہوتے، تو ان سب کو میں خود اُن کے حوالہ کروں گا اور انہیں اُن کی قوم کی طرف واپس لوٹاؤں گا، اور اگر یہ جھوٹے ثابت ہوئے، تو میں مسلمانوں کی حفاظت کروں گا اور اُن کے پڑوس کا پوری طرح حق ادا کروں گا۔

اس کے بعد شاہ نجاشی نے مسلمانوں کے سب افراد کو اپنے دربار میں طلب کر لیا۔

چنانچہ سب مہاجرین حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دربارِ نجاشی میں بڑے وقار سے تشریف لے آئے۔ جب یہ دربار میں پہنچے تو دیکھا

کہ شاہ نجاشیؓ نے اپنے علماء کو بھی بُلا رکھا ہے اور وہ اُس کے گرد اپنے صحائف و کُتب کھولے بیٹھے ہیں۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر

بادشاہ نے سوال کیا کہ اس دین کی حقیقت کیا ہے جس میں داخل ہو کر تم نے اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر رکھی ہے؟ تم نہ تو میرے دین میں داخل ہوئے نہ موجودہ دینوں میں کسی اور میں، بلکہ ایک نیا دین بنا لیا ہے؟

جواباً حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: "اے بادشاہ! ہماری قوم کی حالت یہ تھی کہ ہم سب جاہل تھے، بتوں کی پُوجا کرتے، مُردار کھاتے، بُرے کاموں کے مرتکب ہوتے، رشتے ناطے توڑ دیتے، پڑوسیوں سے بُرا سلوک کرتے اور ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ہماری یہ ناگفتہ بہ حالت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم ہی میں سے ایک برگزیدہ شخصیت کو رحم دل بنا کر مبعوث فرمایا، جس کے حسب و نسب، سچائی و دیانتداری، تقویٰ، پاکیزگی اور پاکدامنی سے ہم خوب واقف تھے۔ انہوں نے ہم کو توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے ساتھ کسی کو معبود نہ مانیں، صرف اسی کی عبادت کریں۔ اُس نے ہم کو پتھروں اور بتوں کی پوجا سے روکا کہ جسے ہمارے آباؤ اجداد نے اختیار کر رکھا تھا۔ اس بزرگ ہستی نے ہمیں حکم دیا کہ ہمیشہ سچ بولا کریں، وعدہ کی خلاف ورزی نہ کریں، امانت میں خیانت نہ کریں، رشتہ داروں سے تعلقات قائم کریں، پڑوسیوں سے نیک سلوک کریں، حرام باتوں سے اور ناحق قتل و خون ریزی سے باز رہیں، گناہوں سے پرہیز رکھیں، یتیم کا مال نہ کھائیں،

لہ اُس وقت حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب نسطوری عیسائی تھا، بعد میں آپ دولتِ ایمان سے سرفراز ہوئے۔ ان کی نمازِ جنازہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ادا فرمائی۔ (ملاحظہ ہو کتبِ احادیث و سیرت)

پاکدامن عورتوں پر تہمت نہ لگائیں، نماز ادا کریں، روزہ رکھیں، غریبوں میں صدقات تقسیم کرتے رہا کریں ۔ غرض کہ انہوں نے نجاشی کے سامنے اسلام کے تمام احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا اے بادشاہ! ہم نے اس رسُول کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لے آئے ۔ وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے لے کر آئے ہم نے قبول کرلیا۔ اس پر ہماری قوم بگڑ گئی۔ ہم پر بہت سے ظلم اور زیادتیاں ہوئیں ۔ ہمیں شدید ترین تکالیف اور مصائب میں مبتلا کردیا۔ ہماری قوم نے ہمیں ہر ممکن طور پر مجبور کیا کہ ہم دوبارہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بجائے لکڑی اور پتھروں کی پوجا شروع کردیں، اُن تمام بُرائیوں کو پھر سے اپنا لیں، جن کو حرام سمجھتے ہوئے ہم نے چھوڑ دیا ہے جب ہماری قوم کا ظلم وستم حد سے بڑھ گیا اور ہماری زندگی کا میدان تنگ ہوگیا، تو ہم مجبور ہو کر آپ کے ملک میں پناہ گزیں ہوگئے۔ ہم نے آپ کو دوسروں پر اس لئے ترجیح دی ہے کہ ہمیں اُمید ہے کہ آپ کے ملک میں ہم پر ظلم نہ ہوگا ۔

قرآنِ کریم کی تلاوت دربارِ نجاشی میں

شاہ نجاشی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باتوں سے متاثر ہو کر بولا، تمہارا رسُول جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آیا ہے، وہ تمہیں بھی کچھ یاد ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں! شاہِ نجاشی نے کہا، وہ مجھے پڑھ کر سُناؤ۔ چنانچہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سُورۃ مریم کی ابتدائی آیاتِ مبارکہ کی تلاوت شروع فرمادی۔

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، پھر تو خدا تعالیٰ کی قسم! شاہِ نجاشی رو پڑا اور اتنا رویا کہ اُس کی داڑھی آنسوؤں سے تر بتر ہوگئی۔ دربارِ نجاشی کے علمائے نصاریٰ پر بھی ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ وہ بھی اتنا روئے کہ اُن کے گریبان بھیگ گئے ۔

جب تلاوتِ قرآنِ پاک ختم ہوئی، تو حضرت نجاشی نے فرمایا "بے شک یہ چیز اور وہ چیز جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے، یہ دونوں ایک ہی طاق سے نکلی ہوئی روشنیاں ہیں۔" پھر قریشِ مکہ کے ان دونوں سفیروں سے فرمایا "میرے دربار سے نکل جاؤ، مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم، میں کبھی بھی ان کو تمہارے حوالے نہ کروں گا" اور حکم دیا کہ ان سب کے ہدیے بھی ان کو واپس کر دو، ہمیں ان کی کوئی بھی شے قبول نہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی ربیع اور عمرو بن العاص نامراد ہو کر دربار سے نکل گئے۔ دوسرے روز عمرو بن العاص نے نجاشی کو پھر بھڑکایا اور کہا کہ اے بادشاہ! یہ لوگ تمہارے یسوع مسیح کے بارے میں بُرا عقیدہ رکھتے ہیں (یعنی عیسائی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں جبکہ مسلمان اس کا انکار کرتے ہیں۔ عمرو بن العاص نے یہ بات شاہِ نجاشی کو غصہ دلانے کے لئے کہی تھی) بہر حال نجاشی نے مسلمانوں کو دوبارہ دربار میں طلب کر لیا۔ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ اتنی بڑی آفت تھی کہ ہم سب لرز گئے اور سوچنے لگے کہ ہم اس کو

لہ مفسرینِ کرام کے مطابق قرآن کریم کے ساتویں پارے کی ابتدائی آیاتِ مبارکہ میں حضرت نجاشی اور ان کے دیگر متلاشیانِ حق ہی کا تذکرہ ہے۔ آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے "اور جب انہوں نے وہ سُنا جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا، تو دیکھو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے اُبل رہی ہیں، اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے اور وہ یوں عرض کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، ہمیں بھی حق کی گواہی دینے والوں میں تحریر فرمالے اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ تعالیٰ پر اور اس حق پر جو ہمارے پاس آگیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیکوں میں داخل فرمائے، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس اقرار پر ان کو جنت کا حق دار بنا دیا کہ جن باغات کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی بدلہ ہے نیکی کرنے والوں کا۔" (سورۃ مائدہ، آیات ۸۳ تا ۸۵)

یسیٰ ابنِ مریم علیہ السّلام کے بارے میں کیا کہیں گے۔ پھر سب اس بات پر متفق ہو گئے
۔ واللہ! ہم وہی کچھ کہیں گے، جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جو ہمارے نبی نے ہمیں
یا ہے، چاہے نجاشی ہمارے ساتھ کوئی بھی سلوک کرے، ہم حق کا اعلان کر دیں گے۔
پھر جب مسلمان نجاشی کے دربار میں گئے تو اُس نے کہا: "تم لوگ یسوع مسیح کے بارے
ں کیا کہتے ہو؟" تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: "ہم یسوع مسیح (حضرت
یسیٰ علیہ السّلام) کے بارے میں وہی کچھ کہتے ہیں جو ہمارے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے
مایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اُس کے برگزیدہ رسُول ہیں، نیز کلمۃ اللہ اور
وح اللہ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے کنواری مریم (علیہا السّلام) کی طرف القا فرما دیا تھا۔"
سُن کر حضرت نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اُٹھایا اور فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ کی
سم! جو کچھ تم نے کہا ہے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السّلام) اس تنکے کے برابر بھی اِس
ے زیادہ نہیں ہیں۔ قریشِ مکّہ کے سفیروں کو ایک مرتبہ پھر مُنہ کی کھانی پڑی۔
ور مسلمان حبشہ میں پُرسکون و پُرامن رہے مسلمانوں کے اعلیٰ کردار اور تبلیغ کی بدولت
بشہ میں اسلام پھیلا اور حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شرفِ اسلام سے
شرف ہو گئے۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حبشہ سے واپسی

۷ھ کو فتحِ خیبر کے بعد ابھی حضور اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم
یبر میں ہی جلوہ فرما تھے کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ سے واپس آ گئے
ور سیدھے خیبر پہنچے اور دربارِ رسالت مآب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم میں حاضر ہو گئے۔
ان کو دیکھتے ہی رسُولِ اکرم نبیٔ محتشم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کھڑے ہو گئے اور بڑے
پُرجوش انداز میں استقبال فرماتے ہوئے ان کی پیشانی کو چوم کر گلے لگا لیا اور فرمایا
"میں نہیں کہہ سکتا کہ ان دونوں خوشیوں میں زیادہ خوشی کونسی ہے؟ خیبر کے فتح ہونے کی یا

جعفر کے آنے کی۔" نیز سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جعفر! تم جسمانی اور اخلاقی طور پر (دونوں حیثیت سے) میرے مشابہ ہو۔" اس خطاب پر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے حد مسرور ہوئے اور فرطِ جذبات سے اُچھل پڑے۔

جنگ مؤتہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت

۸ھ کو حضور نبی معظم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بصریٰ کے حاکم حارث بن ابی شمر کے نام ایک گرامی نامہ دے کر روانہ کیا۔ راستہ میں شرجیل بن عمرو غسانی ملا جو قیصر کی طرف سے شام کا حاکم تھا۔ اُس نے حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے بتادیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہوں یہ سنتے ہی اس بدبخت نے آپ کو شہید کردیا۔ جب یہ خبر دربارِ اقدس میں پہنچی تو حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت پریشان ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حاکمِ شام کو سزا دینے کے لئے اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ قیادت تین ہزار صحابہ کرام پر مشتمل ایک جہادی دستہ روانہ فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا: اگر اس جنگ میں زید شہید ہو جائیں، تو جعفر بن ابی طالب سپہ سالار ہوں گے، اگر وہ بھی شہید ہو جائیں، تو پھر عبداللہ بن رواحہ سپہ سالار ہوں گے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اگر وہ بھی شہید ہو جائیں، تو پھر اہلِ ایمان جس کو چاہیں سپہ سالار مقرر کرلیں۔ اس وقت نعمان نامی ایک یہودی حاضرِ خدمت تھا، اُس نے عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب آپ نے متعدد سپہ سالاروں کو نامزد فرمادیا ہے، تو وہ سب کے سب شہید ہو جائیں گے؟ کیونکہ آپ سچے نبی ہیں، تو نبی کی زبان سے جو بات نکلے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ بہرکیف حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سفید

رنگ کا جھنڈا حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ پہلے وہاں جا کر لوگوں کو دعوتِ اسلام دینا، اگر وہ قبول کر لیں، تو ٹھیک ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جہاد شروع کر دیں اور مزید ارشاد فرمایا: ساتھیوں سے حُسنِ سلوک کریں کسی سے عہد شکنی نہ کریں، نہ کسی قسم کی زیادتی کریں، نہ کسی عورت، نہ بچے، بوڑھے اور عبادت گاہوں میں گوشہ نشین افراد کو قتل کریں، اور نہ ہی باغات کو اُجاڑیں، نہ لُوٹ مار کریں اور نہ ہی مکانات گرائیں۔ ؎

جب اسلامی لشکر مدینہ طیبہ سے روانہ ہو گیا اور دشمن کو خبر ملی تو شرجیل بن عمر نے فوراً ہرقل روم اور دیگر دشمنانِ اسلام کی طرف قاصد دوڑائے اور تقریباً دو لاکھ کا لشکرِ جرار جمع کر لیا۔ ایک روایت کے مطابق مشرکینِ عرب نے بھی اس جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور اس طرح لشکر کے افراد کی تعداد تین لاکھ تک جا پہنچی "مُعان" نامی مقام پر مسلمانوں کو اس حقیقت کی خبر ہوئی کہ تین ہزار مجاہدین کے مقابلہ میں تقریباً تین لاکھ کفّار جمع ہو چکے ہیں، تو مسلمان آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اس صورتِ حال سے رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو مطلع کر دینا چاہیئے پھر جو حکم ہو، اس پر عمل کر لیں۔ اِس پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھنے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا، جس بات کو تم آج ناپسند کر رہے ہو، یعنی مرتبۂ شہادت، یہ وہی تو ہے جس کے لئے تم نے یہ سفر کیا، ہم اپنے مخالفین سے فوج کی تعداد اور طاقت کے بل بوتے پر جہاد نہیں کرتے، بلکہ ہم تو صرف اس دین کی سربلندی کے لئے لڑتے ہیں، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزّت و شہرت اور سربلندی عطا فرمائی ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فتح عطا فرما دے گا اور اگر ایسے نہ بھی ہو تو دوسری صورت شہادت کی ہے۔ ان ہر دو صورتوں میں کوئی صورت بھی بُری نہیں۔"

؎ سُبحان اللہ! اسلام کتنا عظیم مذہب ہے جو اپنے دشمنوں سے بھی حُسنِ سلوک کا درس دیتا ہے

اس پر جاں نثارانِ اسلام بول اُٹھے کہ اے عبداللہ! تم نے بالکل صحیح فرمایا۔ چنانچہ مجاہدینِ اسلام کا یہ مختصر سا لشکر موتہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہاں پہنچتے ہی کفار کی فوج سے مقابلہ شروع ہوگیا۔ مسلمانوں نے آج تک اتنی بڑی فوج سے مقابلہ نہ کیا تھا۔ پہلے ہی دن تینوں سپہ سالارانِ اسلام پیدل نبرد آزما ہوئے۔

اوّل حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی بے جگری سے لڑتے ہوئے دشمن کے نیزہ کے وار سے شہید ہوئے۔ پھر علم حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تھام لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر مقابلہ جاری رکھا۔ جنگ کے شدید شعلوں میں گھر گئے، تو گھوڑے سے چھلانگ لگا کر نیچے آئے۔ پہلے تو زخمی گھوڑے کو قتل کیا تاکہ دشمنوں کے ہاتھ نہ آئے۔ پھر بپھرے ہوئے شیر کی طرح دشمنوں کی صفوں پر جھپٹ پڑے۔ لڑتے لڑتے آپ کا دایاں بازو کٹ گیا، تو آپ نے جھنڈا فوراً بائیں ہاتھ سے پکڑ لیا۔ جب وہ بھی کٹ گیا، تو آپ نے کٹے ہوئے بازوؤں کے ساتھ علم کو سینے سے چمٹا کر بلند رکھا، یہاں تک کہ آپ مرتبہ شہادت پر فائز ہوگئے۔ آپ کے جسم اقدس پر نوّے سے زیادہ زخم تلواروں اور نیزوں کے پائے گئے۔ پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ سپہ سالار بنے۔ اُن کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ قیادت لشکرِ اسلام فتح و نصرت سے ہمکنار ہوا۔

(تفصیلی واقعہ ۸ھ غزوۂ موتہ کے تحت ملاحظہ ہو)

حضرت جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے لئے طیّار کا لقب

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، "میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرشتوں کے ساتھ اڑتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ ان ہی سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میرے پاس سے جعفر بن ابی طالب ملاءِ اعلیٰ میں فرشتوں کے ساتھ اس حال میں اڑتے ہوئے گزرے کہ ان کے دونوں بازو رنگین

تھے۔ (مدارج النبوۃ) یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ نے میدانِ جنگ میں کٹنے والے دونوں بازوؤں کے بدلہ میں اُن کو ایسے بازو عطا فرما دیئے جن سے وہ جنت میں جہاں چاہیں اُڑ رہے ہیں۔ اسی دن سے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "طیار" یعنی اُڑنے والے کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

خانۂ جعفر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد

حضرت سیدنا جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ حضرۃ اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس دن حضرت جعفر اور اُن کے دوسرے ساتھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) شہید ہوئے، تو رسولِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور فرمایا، جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ، میں نے انہیں حاضر کر دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ان سے پیار فرمانے اور رونے لگے۔ آنسو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ریش مبارکہ پر بہہ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کیا آپ کو جعفر اور اُن کے ساتھیوں کے بارے میں کچھ معلوم ہوا ہے؟ فرمایا، ہاں! وہ شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی میری چیخ نکل گئی اور میں بے تحاشا رونے لگی اور محلہ کی عورتیں بھی میرے گرد جمع ہو کر رونے لگیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے مجھے سمجھایا کہ اے اسماء! واویلا مت کرو اور بے صبری کے کلمات نہ کہو اور نہ ہی اپنے چہرے کو پیٹو۔ مجھے منع فرمانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دُعا فرمائی کہ "اے اللہ تعالیٰ! جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو بہترین اجر و ثواب عطا فرما اور ان کی اولاد کو ان کا بہترین جانشین بنا جیسا کہ تو نے اپنے بندوں میں سے کسی کو خلف الصدق اولاد چھوڑی ہو۔"

پھر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے اور اہلِ خانہ

سے فرمایا: تم پوری توجہ سے جعفر کے متعلقین کے لئے کھانا تیار کرو، کیونکہ وہ اُن کے غم میں مبتلا ہیں۔" اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے۔ شہادت کی خبر سن کر آپ بھی چچا جعفر کو یاد کر کے زار و قطار رونے لگیں، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "بیشک جعفر جیسی شخصیت پر سب کو رونا ہی چاہیے۔" پھر ان سے بھی فرمایا، (اپنے چچا) جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے متعلقین کے لیے (تم بھی) کھانا تیار کرو، کیونکہ آج شدتِ غم کی وجہ سے اُن کو کوئی ہوش نہیں ہے۔

اہلِ میت کے لئے کھانا

اربابِ سِیَر نقل فرماتے ہیں، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلقین کے لئے جو کھانا تیار کیا گیا تھا، وہی تعزیت کے کھانے کی اصل بنیاد ہے۔ اہلِ عرب اس کھانے کو وَضِیمَہ (یعنی میت کا کھانا) کہتے ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

حضرت جعفر طیار کی اولاد

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بوقتِ شہادت آپ کی عمر اکتالیس برس[۱] کی تھی۔ ہجرتِ حبشہ کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلے ان ہی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ عبداللہ بڑے عابد اور سخی تھے، اس لئے ان کا لقب بحرالجود اور جواد ہو گیا۔ ان کی زوجیت میں حضرت سیدہ زینب کبریٰ بنتِ علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تھیں (جو کہ میدانِ کربلا میں موجود تھیں) حضرت عبداللہ الجواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے علاوہ خوصا بنتِ حفصہ اور جمانہ بنتِ مسیب سے بھی نکاح فرمایا۔ جن سے آپ کی اولاد بھی ہوئی۔ آپ نے ۸۰ھ کو بعمر نوّے سال مدینہ طیبہ میں وفات پائی اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کو ایک نقشہ کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔
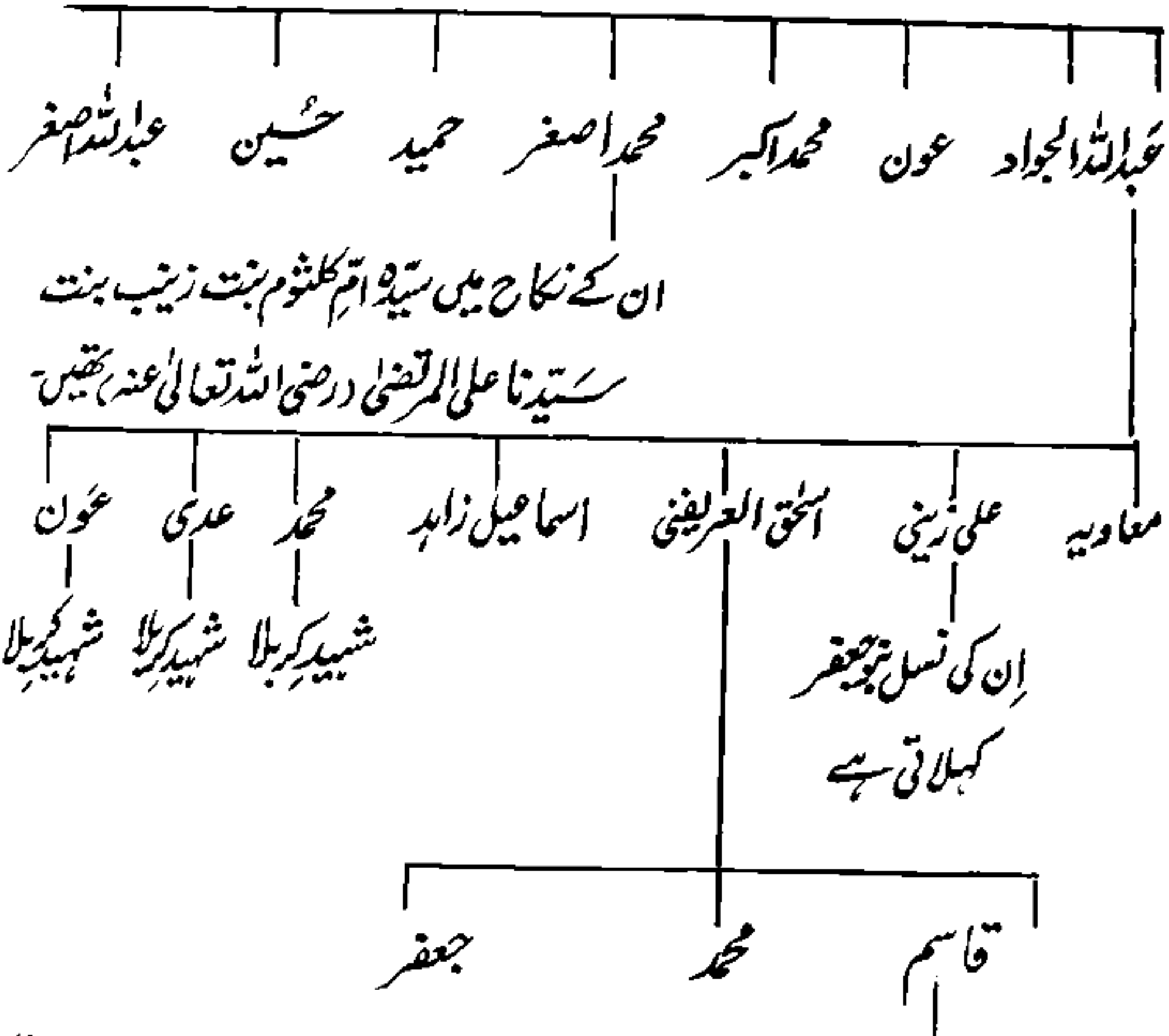
ان کی والدہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق ہیں۔ قاسم اور سیدنا حضرت امام جعفر صادق (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم

امیر المومنین، امام المتقین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم عزت و عظمت کی اس قدر بلندی پر ہیں کہ ان کی گردِ راہ تک رسائی بھی ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے برادرِ عم زاد، داماد، باب مدینۃ العلم، مشہور شجاع، بے بدل زاہد، زبردست خطیب، عظیم منصف اور حیدرِ کرار تھے

بنو ہاشم میں سب سے پہلے آپ ہی خلیفہ بنے، یعنی باقی خلفائے راشدین، قریشی تو ضرور تھے، مگر ہاشمی نہیں تھے۔ آپ قدیم الاسلام تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بلکہ حضرات ابنِ عباس، زید بن ارقم، سلمان فارسی اور حضرت انس سمیت بہت سے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اِن کی اس فضیلت پر متفق ہیں کہ اول آپ ہی اسلام لائے تھے۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت ابویعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پیر کے دن اعلانِ نبوت فرمایا اور میں منگل کے دن حلقہ بگوشِ اسلام ہوا۔" اس وقت آپ کی عمر شریف باختلافِ روایات دس، نو یا آٹھ سال تھی، جبکہ بعض نے اس سے بھی کم عمر تحریر فرمائی ہے۔ حسن بن زید سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے صغر سنی میں بھی کبھی بُت پرستی نہیں کی۔ (ابن سعد۔ تاریخ الخلفاء)

والدۂ محترمہ

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی والدہ ماجدہ کا اسمِ مبارکہ حضرۃ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھا اور آپ ہی وہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں کہ جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ حضرۃ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے نامدار خاوند حضرت ابوطالب کی طرح رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نہایت جاں نثاری اور محبت کے ساتھ خدمت کی، خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کا ازحد احترام فرماتے اور اکثر فرمایا کرتے تھے: حضرت ابوطالب کے بعد فاطمہ بنت اسد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے بڑھ کر میرے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا کوئی نہ تھا۔ حضرۃ سیدہ فاطمہ بنتِ اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلتِ مبارکہ کے وقت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کفن کے لیے اپنا کرتہ شریف عطا فرمایا اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لحد میں رکھا گیا، تو

حضور سیدِ عالم شفیعِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی تھوڑی دیر کے لئے چچی محترمہ کی لحد مبارک میں لیٹ گئے۔ پھر ارشاد فرمایا، میں نے ان کے کفن کے لئے اپنا کرتہ اس لئے دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کا اعلیٰ لباس پہنائے اور لحد میں اس لئے لیٹا کہ ان کی قبر سے وحشت دُور ہو جائے۔ (یعنی لحد نور سے بھر جائے اور رحمتوں کا نزول ہو، زہے قسمت)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت

ولادت باسعادت

مکہ مکرمہ پر اصحاب فیل کے حملہ کے تیسویں برس اور تیرہ رجب المرجب کو جمعۃ المبارک کے دن ہوئی۔ (نورالابصار)

آپ کی ولادتِ مبارک کا واقعہ کتب سیرت میں یوں مرقوم ہے:۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنتِ اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ولادتِ علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے پہلے طوافِ کعبہ میں مشغول تھی۔ ابھی طواف کے تین شوط ہی مکمل ہوئے تھے کہ دردِ زہ محسوس ہونے لگا۔ حضور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے چہرے کے تغیر سے مجھے پہچانا اور فرمایا: کیا بات ہے؟ میں آپ کے چہرے پر کرب کے اثرات محسوس کر رہا ہوں۔ میں نے ہچکچاتے ہوئے اصل صورتِ حال عرض کر دی، تو فرمایا: "کیا آپ طواف پورا کر چکی ہیں؟" میں نے عرض کیا، نہیں! تو آپ نے ارشاد فرمایا: طواف پورا کر لو۔ اگر اس دوران درد بڑھ جائے، تو خانہ کعبہ کے اندر چلی جانا، اس میں کوئی حکمت الٰہی ہے۔"

مرقوم ہے کہ چوتھے شوط میں دردِ زہ بڑھ جانے پر حضرت فاطمہ بنتِ اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئیں اور پھر جب کعبۃ اللہ سے باہر آئیں، تو اُن کی گود مبارک میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ صاحبِ "روضۃ الشہدا" اسی واقعہ سے متعلق امام ابوداؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ مشہور شعر نقل فرماتے ہیں ؎

ولدتہٗ فی الحرم المعظم امّہٗ   طالب وطالب ولیدہا والمولد

حضرت ابوطالب کو جب اس نومولودِ مسعود کی خبر ہوئی، تو آپ بیحد خوش ہوئے اور اپنے لختِ جگر کو گود میں لے کر پیار کیا اور نام "زید" رکھا۔ اس خوش کن خبر سے مطلع ہو کر خواجۂ کونین سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم بھی جلوہ گر ہوئے اور چچا محترم کو مبارک باد پیش فرماتے ہوئے سوال فرمایا کہ نومولود کا نام کیا رکھا ہے؟ حضرت ابوطالب نے بتایا کہ میں نے اس کا نام "زید" رکھا ہے اور ان کی والدہ نے "اسد" رکھا ہے۔ حضور سیدِ عالم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا: اس کا نام "علی" رکھو، جو عالی ہمتی کی خبر دے۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا گویا ہوئیں: "خدا تعالیٰ کی قسم! مجھے غیب سے یہ آوازیں آتی تھیں کہ فاطمہ! اس کا نام علی رکھو، مگر میں نے اس بات کو چھپایا تھا۔" بہرکیف رسولِ مکرم شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مبارک زبان وحی ترجمان سے اسمِ ذی شان "علی" رکھ دیا گیا۔

پھر تاجدارِ مدینہ سُرورِ قلب و سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو اپنی گود میں لے کر تحنیک فرمائی۔ تحنیک کا مسنون طریقہ تو یہی ہے کہ کوئی سعادت مند شخص اپنے منہ میں کھجور یا چھوہارہ چباتے اور پھر نومولود کے منہ میں ڈال دے، مگر علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحنیک اس شان سے ہوئی کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی زبانِ مقدس ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ میں ڈال دی اور آپ نے زبانِ اقدس کو چوسا اور یوں دُنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے جو شئے شکمِ علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم میں پہنچی، وہ لعابِ دہن تیرالوریٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم تھا۔ "زہے قسمت، زہے نصیب"۔ اسی لیے

۱؎ نصیریہ عقیدہ میں: "اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ" سے استناد کرکے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو "خدا" کہا جاتا ہے، جو کہ بدترین شرک ہے — حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ایسے لوگوں کو "رافضی" یعنی دین سے خارج قرار دیا۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم عموماً بطورِ تحدیثِ نعمت فرمایا کرتے تھے۔
فِی فمی لعاب رسُول اللہِ (صلیّ اللہ تعالیٰ عَلیہ وآلہٖ وسَلم)
"یعنی میرے منہ میں حضور خواجۂ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا لعابِ دہن ہے۔"

تربیتِ نبوی میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت کے چھٹے برس قبیلہ قریش ایک قحط عظیم کا شکار ہوا تو حضور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ "ابوطالب کے افرادِ خانہ زیادہ اور اموالِ خانہ کم ہیں، اس لیے ان کو قحط سالی نے زیادہ پریشان کر رکھا ہے، چلو ان کی اولاد کی کفالت کریں۔ چنانچہ حضور نبیٔ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خانۂ ابوطالب میں جلوہ گر ہوئے اور اظہارِ ارادہ فرمایا۔ حضرت ابوطالب نے عرض کی کہ عقیل کو میرے پاس رہنے دو۔ باقی اولاد میں جس کو چاہو لے لو۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے لیا۔ اس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت بھی آغوشِ نبوی میں ہوئی۔

سیرۃ ابن ہشام اور ترمذی شریف میں ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی عمر کے کسی بھی حصہ میں کبھی بھی کفر و شرک کا ارتکاب نہ کیا۔ آپ اوائلِ ایام میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ مکہ مکرمہ کے پہاڑی غاروں میں چھپ چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت ابوطالب نے انہیں دیکھا تو پوچھا کہ "تم کیا کر رہے ہو؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جواباً ارشاد فرمایا، چچا! یہ طریقہ مذہبِ الٰہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سب فرشتوں، انبیائے کرام اور ہمارے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ہے، مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لیے مبعوث

فرمایا ہے کہ میں اُس کے بندوں کو راہِ ہدایت کی طرف بُلاؤں اور حق تو یہ ہے کہ سب سے اوّل آپ ہی یہ دینِ متین قبول کرتے۔ حضرت ابوطالب نے جواب دیا، میں تو ابھی اِس امر کے لئے تیار نہیں ہوں مگر تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ بخوشی اپنا کام کئے جاؤ۔ میں زندگی میں تمہارا محافظ ہوں اور اپنے ہوتے ہوئے تم کو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچنے دوں گا۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا تم اپنے ابنِ عمّ کی پیروی کرتے رہو، یہ تم کو بُرائی کی طرف نہیں لے جائیں گے۔"

(تاریخ ابوالفداء اور ابن اثیر میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ)

القابات

دربارِ رسالت مآب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے آپ کو بہت سے القابات ملے، اُن میں سے چند ایک یہ ہیں:

امیر النحل، بابِ مدینۃ العلم، امام الاولیاء، اسد اللہ الغالب، مولی المؤمنین، ولی المتقین، یعسوب الدین، بیضۃ البلد، حیدرِ کرار، سیّد العرب، امام البررہ، قاتل الفجرہ، امام المتقین وغیرہم (کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم)

کُنّیت

آپ کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب تھی۔ ابوالحسن یعنی "حسن کے باپ" کی وجہ تو عیاں ہے، جبکہ کنیت ابوتراب کے بارے میں امام بخاری علیہ الرحمہ نے ادب میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو اپنا نام (یعنی کنیت) ابوتراب بہت پسند تھی، اور جب کوئی آپ کو اس نام سے پکارتا، تو آپ بہت خوش ہوتے تھے۔ اس مسرت وشادمانی کا سبب یہ تھا کہ یہ کنیت آپ کو حضور سیّد المرسلین رحمۃ للعالمین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دربارِ اقدس واطہر سے عطا ہوئی تھی۔ سبب اس کا یہ بنا کہ ایک مرتبہ آپ حضرت سیّدہ زاہدہ عابدہ طیبہ طاہرہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی بات پر ملولِ خاطر ہو کر مسجدِ نبوی شریف میں آ کر لیٹ گئے۔

جب اس بات کی اطلاع سرورِ کون و مکان، محبوبِ ربِ دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہوئی تو خود بنفسِ نفیس مسجدِ نبوی میں تشریف لائے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسمِ اقدس پر (زمین پر لیٹنے کی وجہ سے) مٹی لگی ہوئی تھی، حضور نبی اکرم، رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے قریب بیٹھ گئے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے گردآلود جسم سے مٹی جھاڑتے ہوئے پیار بھرے انداز میں فرمانے لگے:

قُمْ يَا اَبَا تُرَاب۔ "یعنی اے مٹی کے باپ اُٹھیے!"

اسی دن سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوتراب ہوگئی۔

(تاریخ الخلفاء، مدارج النبوۃ)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس قدر احادیث مبارکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں وارد ہیں کسی اور صحابی کی فضیلت میں وارد نہیں ہوئی۔ (حاکم۔ تاریخ الخلفاء)

اِس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہ اس بندۂ ناچیز (مؤلفِ کتاب ہٰذا) کے لئے فضائلِ مرتضوی کا کما حقہٗ احاطہ غیر ممکن ہے۔ چند ایک احادیثِ مبارکہ نقل کی جاتی ہیں:

بخاری و مسلم شریف میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں جب آپ کو مدینہ طیبہ میں رہنے کا حکم دیا اور دیگر صحابہ کرام کو رفاقت کے ساتھ اپنی معیت میں روانہ ہونے کی اجازت نہ دی، تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: "یارسُول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) آپ مجھے یہاں عورتوں اور بچوں پر اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑے جا رہے ہیں؟" (یعنی مجھے ساتھ لے جانے سے کیوں گریز فرما رہے ہیں؟) تو رسُول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے جواباً ارشاد فرمایا: کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہیں میں اسی طرح چھوڑے جا رہا ہوں، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السّلام، حضرت ہارون علیہ السّلام کو چھوڑ گئے تھے۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا

بخاری و مسلم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنگِ خیبر کے دوران ایک دن رسُولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "کل میں اسلامی پرچم اس شخص کے حوالے کروں گا، جس کے ہاتھ پر انشاء اللہ تعالیٰ خیبر فتح ہو جائے گا۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول سے محبت کرنے والا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسُول بھی اُس سے راضی ہے۔"

صحابہ کرام رات کو بہت دیر تک اس بات پر غور و خوض کرتے رہے کہ دیکھیں کل کس خوش قسمت کو علَم عنایت ہو۔ صبح ہوئی تو بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم میں حاضر ہر شخص اس بات کا شدّت سے متمنّی تھا کہ یہ شرف مجھے ہی حاصل ہو جائے۔ جب صحابہ کرام جمع ہو گئے، تو رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: "علی کہاں ہیں؟" عرض کیا گیا کہ وہ آشوبِ چشم میں مبتلا ہیں، اس لئے حاضرِ خدمت نہیں ہو سکے۔ اِس پر آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے حکم دیا کہ اُن کو جلد بُلایا جائے۔ چنانچہ دُکھتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم حاضر ہو گئے۔ حضور رحمتِ عالم، شفیعِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے آپ کی آنکھوں پر لعابِ دہن لگایا، تو آپ کی آنکھیں اسی وقت اچھی ہو گئیں۔ پھر کبھی بھی دُکھنے نہیں آئیں) اس کے بعد حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے علَمِ لشکر آپ ہی کو عطا فرما دیا۔ (اور خیبر آپ ہی کے مبارک ہاتھوں پر فتح ہوا۔)

حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔"
(ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب ہجرتِ مدینہ منورہ کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے درمیان رشتۂ مواخات[1] قائم فرمایا، تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنکھوں میں آنسو لیے بارگاہِ رسالت مآب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضر ہوتے اور عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آپ نے تمام صحابہ کرام میں رشتۂ مواخات قائم فرما دیا ہے، مگر میں یُوں ہی رہ گیا۔ (یعنی آپ نے مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا) اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "(اے علی المرتضیٰ!) تم دُنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔" (ترمذی شریف)

امام ترمذی نے ابوسریحہ اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔" (اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی نے بھی ذکر فرمایا)

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا: "اے اللہ تعالیٰ! جو علی سے محبت کرتا ہے، تو بھی اس سے محبت فرما اور جو علی (علیہ السلام) سے بُغض رکھے، تو بھی اُس سے دشمنی رکھ۔" (تاریخ الخلفاء للسیوطی)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا یعنی میں علم کا شہر ہوں، علی اس کے دروازہ ہیں۔"

(ترمذی، حاکم، طبرانی عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

---

[1] مہاجر صحابہ کرام مدینہ طیبہ پہنچے، تو ظاہر اُن کا کوئی رشتہ دار وہاں نہ تھا۔ اس پر حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک مہاجر صحابی اور ایک ایک انصاری صحابی (یعنی مدینہ طیبہ کے پرانے باشندے) کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا، اسی عمل کو رشتۂ مواخات کہتے ہیں۔ ۱۲

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا:
"مجھے اس ذاتِ اقدس کی قسم ہے کہ جس نے دانہ اُگایا اور جان پیدا کی کہ مجھ کو رسولِ خدا حبیبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مومن تم سے محبت رکھے گا اور منافق تم سے بُغض رکھے گا۔" (صحیح مسلم شریف)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن کی طرف (قاضی بناکر) بھیجنا چاہا، تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (علیک الصلوٰۃ والسلام) میں تو ابھی نوعمر اور ناتجربہ کار ہوں، کما حقہٗ مقدمات کا فیصلہ کرنا نہیں جانتا اور آپ مجھے یمن بھیج رہے ہیں۔ یہ سُن کر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور دُعا کی "اے اللہ تعالیٰ! اس کے دل کو روشن فرمادے، اس کی زبان کو تاثیر عطا فرمادے" مجھے قسم ہے اُس ربِّ ذوالجلال کی کہ جس کے حکم سے تخم سے درخت اُگتے ہیں، اس دُعا کے بعد پھر کبھی بھی مجھے مقدمہ کے فیصلے میں کوئی دغدغہ یا تردّد پیدا نہ ہوا۔ بغیر کسی شک و شبہ کے میں نے ہر مقدمہ میں درست فیصلہ دیا۔ (حاکم)

حضور نبیِ محترم رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس مبارک دُعا نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے سینۂ اقدس کو اس قدر فراخ و روشن فرمادیا تھا کہ مشکل ترین فیصلہ آپ چند لمحوں میں فرمادیتے تھے۔ آپ کے فیصلے حیران کُن اور اس قدر جچے تلے انداز میں ہوتے کہ کسی کو چوُن وچرا کی گنجائش ہی نہ ملتی۔ بطورِ مثال ایک فیصلہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

فیصلہ کا انداز زر بن جبیش سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ علی الصبح دو آدمی کھانا کھانے کے لئے بیٹھے، ان میں سے ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں۔ اتنے میں

ایک آدمی اِدھر آنکلا اور اُس نے السلام علیکم کہا۔ انہوں نے اس نو وارد کو بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرلیا۔ ان تینوں نے مشترکہ طور پر وہ سب، یعنی آٹھ روٹیاں کھالیں۔ اس نو وارد نے جاتے وقت آٹھ درہم ان دونوں کو یہ کہہ کر دے دیئے کہ میں نے تمہارے ساتھ کھانا کھایا ہے، یہ اُس کی قیمت ہے، تم آپس میں تقسیم کرلینا۔ اِن دونوں میں اِس رقم کی تقسیم پر جھگڑا ہوگیا۔ پانچ روٹیوں والے نے کہا: پانچ درہم میں لوُں گا اور تین تم۔ کیونکہ تمہاری صرف تین روٹیاں تھیں، لیکن تین روٹیوں والے نے یہ فیصلہ ماننے سے انکار کردیا اور آدھی رقم یعنی چار درہم کا مطالبہ کردیا۔ یہ دونوں اپنا قضیہ لے کر حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے مقدمہ سُن کر تین روٹیوں والے سے فرمایا: "تمہارا ساتھی جو کہہ رہا ہے، اسے قبول کرلو، یہ ہی بات تمہارے حق میں بہتر ہے کہ تم تین درہم لے لو۔" وہ شخص بولا: یہ فیصلہ غیر منصفانہ ہے، مجھے قبول نہیں۔" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ تیرے ساتھی کی عطا ہے، اگر انصاف چاہتے ہو تو تم کو ایک اور تمہارے ساتھی کو سات درہم ملیں گے۔ یہ سُن کر تین روٹیوں والے نے کہا: "سبحان اللہ! یہ کیسا فیصلہ ہوا؟ مجھے سمجھا دیجئے! میں قبول کرلوں گا۔ تو حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: دیکھ تمہاری کل آٹھ روٹیاں تھیں اور کھانے والے تین تھے۔ ہر روٹی کو تین حصّوں میں تقسیم کرو، تو کُل چوبیس[24] ٹکڑے بنے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ کس نے روٹی زیادہ کھائی اور کس نے کم۔ اگر برابر حساب کرو، تو فی کس آٹھ ٹکڑے حصہ میں آئے۔ تمہاری تین روٹیوں کے کُل نوُ[9] ٹکڑے بنے، مذکورہ اعتبار سے تم نے آٹھ ٹکڑے خود کھالئے، صرف ایک ٹکڑا نو وارد کو دیا، جبکہ تمہارے ساتھی کی پانچ روٹیوں کے پندرہ ٹکڑے ہوئے

جن میں سے مذکورہ اعتبار سے آٹھ اس نے کھائے اور سات نووارد نے، اس لحاظ سے تمہیں ایک ٹکڑے کی قیمت ایک درہم ملے گا، اور تمہارے ساتھی کو سات درہم۔ یہ تفصیل سننے کے بعد جھگڑنے والے نے خاموشی سے آپ کے فیصلے کو قبول کر لیا۔ (تاریخ الخلفاء)

فیصلہ کرنے میں فہم و شعور کی معراج کا ہی سبب تھا کہ حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس، جب بھی مشکل یا پیچیدہ قضیہ آجاتا اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم محفلِ مبارکہ میں موجود نہ ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیصلہ کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور قبل ازیں خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے، کہیں فیصلہ غلط نہ ہو جائے۔ (مذکورہ)

حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ان کے سامنے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہوا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: "حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے زیادہ علمِ سُنّت کا جاننے والا اور کوئی نہیں۔" (تاریخ الخلفاء)

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حضرت (علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) کے چہرے کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔" (طبرانی فی الاوسط)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم میں علم کی قوت، ارادے کی پختگی، مضبوطی اور استقلال موجود تھا۔ خاندان (کیا زمانے بھر) میں آپ کی بہادری مشہور و مسلّم تھی۔ آپ پہلے اسلام لائے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے داماد تھے۔ احکامِ فقہ و سنت میں ماہر تھے۔ جنگی شجاعت اور مال و دولت کی بخشش

میں سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ (تاریخ الخلفاء)

ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں جو کچھ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوا، وہ کسی اور کی شان میں نازل نہیں ہوا۔ ان ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شانِ اقدس میں قرآنِ کریم کی تین سو آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں۔ (تاریخ الخلفاء)

عربی زبان کے قواعد

ابوالقاسم زجاجی امالیہ میں ناقل ہیں کہ ابی الاسود نے اپنے والد سے روایت کیا کہ میں ایک روز امیرالمؤمنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ سر جھکائے کچھ سوچ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین! آپ کس فکر میں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: "میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں لغات کے اندر تغیر و تبدل کیا جا رہا ہے (یعنی لوگ عربی زبان صحیح انداز میں نہیں بول رہے، الفاظ بگڑ رہے ہیں) اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ عربی زبان کے کچھ اصول و قواعد مرتب کر دوں تاکہ عربی زبان کی اصل حیثیت برقرار رہے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر آپ ایسا کر دیں گے، تو ہم پر بڑا احسان ہوگا اور وہ اصول ہمیشہ قائم اور باقی رہیں گے۔ اس واقعہ کے تین دن بعد میں پھر حاضر ہوا، تو آپ نے میرے سامنے ایک تحریر رکھی۔ اس میں بسم اللہ شریف کے بعد لکھا تھا: کلام کی تین قسمیں ہیں: اسم، فعل اور حرف۔ اسم وہ ہے جو اپنے مسمیٰ کی نشان دہی کرے۔ فعل وہ ہے جو اس کی حرکت کو ظاہر کرے اور حرف وہ ہے جو اسم و فعل تو نہ ہو، لیکن ظہورِ معنیٰ میں مدد دے۔" امیرالمؤمنین علیہ السلام نے یہ تحریر مجھے عطا فرما کر فرمایا: "تم اپنی معلومات کے ذریعے اس میں اضافہ کر سکتے ہو"

یاد رکھو ہر چیز کی تین حالتیں ہوتی ہیں: ظاہری، باطنی اور درمیانی۔ (یعنی جو نہ تو مکمل طور پر ظاہر ہو اور نہ ہی مکمل طور پر پوشیدہ) اس تیسری حالت پر علماء کرام نے تفصیل سے بہت کچھ لکھا ہے۔ آپ سے یہ تفصیل سن کر میں گھر آگیا اور حروف کی اقسام میں سے حروفِ ناصبہ (یعنی جو اسم کو نصب "زبر" دیتے ہیں) اِنَّ، اَنَّ، لَیتَ، لَعَلَّ، کَاَنَّ لکھ کر پیشِ خدمت کیا، تو آپ نے ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا: تم نے حروفِ ناصبہ میں 'لٰکِنَّ' کیوں نہیں لکھا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے 'لٰکِنَّ' کو اس میں شمار نہیں کیا۔ ارشاد ہوا کہ "اس کا اضافہ کرو 'لٰکِنَّ' بھی حروفِ ناصبہ میں شامل ہے۔" (تاریخ الخلفاء از امام سیوطی علیہ الرحمہ)

بلاشبہ حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا پوری امت پر احسانِ عظیم ہے کہ عربی زبان کے قواعد کو جمع فرما دیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی محبت نشانِ ایمان ہے اور آپ سے دشمنی رکھنا منافقت کی علامت ہے (جیساکہ حدیث مبارکہ گزر چکی ہے)

ابو یعلیٰ اور البزار نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "جس نے علی کو اذیت دی، اُس نے مجھے اذیت دی۔" حضرت سیدہ اُمِ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا: جس نے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دوست رکھا، اُس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے مجھے دوست رکھا، اُس نے گویا اللہ تعالیٰ کو دوست رکھا ہے اور جس نے (حضرت) علی (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) سے دشمنی رکھی اُس نے مجھ سے دشمنی رکھی اور جس نے مجھ سے دشمنی رکھی، گویا اُس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی رکھی۔ (رواہ طبرانی۔ تاریخ الخلفاء)

امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے محبت کا معیار کیا ہونا چاہیے' اس کا فیصلہ خود باب مدینۃ العلم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' جیساکہ حاکم، البزار اور ابویعلیٰ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے طلب فرماکر ارشاد فرمایاکہ تمہاری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے کہ یہودیوں نے اُن سے اس قدر بغض و عداوت رکھی کہ اُن کی والدہ محترمہ (حضرت مریم) پر بہتان لگایا اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی، تو اتنی کی کہ جس کے وہ لائق نہ تھے (یعنی خدا یا خدا کا بیٹا سمجھنے لگے۔ یاد رکھو انسان کو دو چیزیں تباہ و برباد کردیتی ہیں۔ ایک تو محبوب سے اتنی محبت کہ محبوب میں وہ باتیں سمجھنے لگے جو درحقیقت اس میں موجود نہ ہوں اور دوسرے اس قدر شدید عداوت و بغض کہ بُرا کہتے ہوئے تہمت لگانے سے بھی گریز نہ کرے۔ (تاریخ الخلفاء)

اسی طرح تفسیر صافی ص۸۷ پر بحوالہ عیون اخبار الرضا لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایاکہ جو کچھ میرا رتبہ ہے' اس سے مجھے نہ بڑھاؤ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنانے سے پہلے اپنا "عبد" قرار دیا تھا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہی آیت (مَا کَانَ لِبَشَرٍ۔۔۔ آخر تک) تلاوت فرمائی' اور اسی طرح حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے، حالانکہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ ایک تو وہ محب (محبت کرنے والے) جو میرا رتبہ حد سے زیادہ بڑھا دیں گے اور دوسرے وہ دشمن جو میرا رتبہ گھٹانے کے درپے رہیں گے اور جو لوگ ہمارے بارے میں غلو کریں گے' اور ہمارا رتبہ ہماری حد سے بڑھائیں گے' ہم اللہ تعالیٰ کے حضور میں ان سے اپنی برأت اسی طرح ظاہر کریں گے جس طرح حضرت عیسیٰ ابن مریم

(علیہما السلام) نصاریٰ سے اپنی براءت[1] ظاہر کریں گے۔ (تفسیر المتقین ص۷۶، سورۃ آل عمران، آیت ۷۹، شائع کردہ: شیعہ جنرل بک ایجنسی انصاف پریس لاہور)

شہادتِ مقدسہ: امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں چونکہ مسلمانوں کی باہمی چپقلش عروج پر تھی۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد اختلاف و تفریق کی جو خلیج پیدا ہو چکی تھی، وہ دن بدن مزید گہری ہوتی جا رہی تھی۔ خلافتِ اصحابِ ثلاثہ کے دور میں فتوحاتِ اسلامیہ کا جو سنہری باب رقم ہو رہا تھا، وہ تعطل کا شکار ہو چکا تھا۔ اہلِ اسلام کی تمام تر توانائیاں آپس میں ہی ایک دوسرے کے خلاف صرف ہو رہی تھیں کہ اسی دوران ۳۷ھ کو جنگِ صفین کے اختتام پر صلح کے لئے "تحکیم" کے تقرر پر اختلاف کرتے ہوئے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی جماعت سے کچھ لوگ "لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ" (یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حکم (فیصلہ کرنے والا نہیں ہے) کا نعرہ لگاتے ہوئے آپ کی جماعت سے الگ یعنی خارج ہو گئے۔ اِن خارجیوں نے آپ کی شان میں بدترین گستاخیاں کیں۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے سمجھانے سے بہت سے خوش نصیب توبہ کر کے دوبارہ لشکرِ علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں واپس آ گئے، مگر بعض سیاہ باطن اور بدبختِ ازلی ایسے تھے کہ جو اپنے بدعقیدہ پر جمے رہے۔

---

[1] براءت کہتے ہیں بے زاری ظاہر کرنے کو، یعنی بری الذمہ ہونے کو مراد یہ ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا وغیرہ کہنے والے عیسائیوں کے بارے میں عرض کریں گے کہ اے اللہ تعالیٰ! میں ان سے اظہارِ بے زاری کرتا ہوں اور ان سے نفرت کرتا ہوں، تو ان کو جہنم میں ڈال دے، میں اِن سے بری الذمہ ہوں۔ اسی طرح حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم حد سے بڑھنے والوں کے حق میں بھی یہی کچھ کہیں گے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

۳۸ھ میں نہروان میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان خارجیوں کا زبردست مقابلہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشگوئی کے عین مطابق ربِّ کریم نے چند ایک کے سوا باقی سب خارجیوں کو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ہاتھوں ذلت و رسوائی کی موت سلا دیا۔ اسی بدبخت گروہ خوارج کے تین افراد عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی، برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکیر تمیمی مکہ مکرمہ میں جمع ہوئے اور عظمائے اسلام پر الزام تراشی کے ساتھ ساتھ نہروان کے مقتولوں پر اظہارِ افسوس کیا اور بہت دیر تک خاموش و مغموم بیٹھے رہے۔ پھر ان میں سے ایک بولا:
"اے ہم اپنی جانوں پر کھیل کر علی، معاویہ اور عمرو بن العاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو قتل کر ڈالتے، تو بہت اچھا ہوتا تاکہ مسلمان ان کے ظلم کے ہاتھوں سے نجات پاتے۔ اس پر ابنِ ملجم بولا" (یہ مصر کا رہنے والا تھا) علی کے لئے میں کافی ہوں۔ برک نے کہا، معاویہ کا کام میں تمام کر دوں گا۔ عمرو بن بکیر نے عمرو بن العاص کے قتل کی ذمہ داری قبول کر لی۔ اس کے بعد سب نے عہد و پیمان کیا کہ وہ یا تو اپنے وعدے کے مطابق ان کو قتل کر دے گا یا خود مارا جائے گا، واپس ہرگز نہ آئے گا اور یہ کام یکبارگی یعنی سترہ رمضان المبارک کو بوقتِ نمازِ فجر انجام دیا جائے گا۔"
اِس مذموم مشورہ کے بعد اجلاس برخاست ہوا اور ہر کوئی اپنی اپنی کوششوں میں مصروف کار ہوا — نامراد ابنِ ملجم کوفہ میں آیا، مگر اپنے کسی دوست پر راز افشاء نہ کیا، البتہ شبیب بن شجرہ اشجعی کو اپنے ارادۂ بد سے مطلع کیا اور تعاون کی درخواست کی۔
شبیب نے کہا: "تیری ماں مر جائے، تو کس طرح ان کو شہید کرنے پر قادر ہو گا —؟
ابنِ ملجم لعین نے کہا، نمازِ فجر سے قبل مسجد میں چھپ کر بیٹھ جاؤں گا اور جب وہ نماز کے لئے آئیں گے، میں اچانک اُن پر حملہ کر دوں گا۔ پھر اگر میں علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو قتل کر کے بچ نکلا، تو بہت بہتر، ورنہ مجھے شہادت نصیب ہو گی اور مسلمان اُن کے ظلم

سے نجات پائیں گے (معاذاللہ تعالیٰ) شبیب بولا: "افسوس ہو تجھ پر کیا تو ایسے شخص کو قتل کرنے کے لئے آیا ہے کہ جو سابق الاسلام اور سب لوگوں سے افضل و اعلیٰ ہے"۔
ابن ملجم نامراد بولا: کیا خوب! کیا انہوں نے جنگ نہروان میں نیک بندوں کو قتل نہ کیا؟ شبیب نے کہا: "ہاں"! پھر ابن ملجم نامراد بولا: ہم ان کو انہیں مقتولوں کے عوض قتل کرنا چاہتے ہیں۔ سیاہ بخت شبیب اس کی باتوں میں آگیا اور اس کا ہم آہنگ بن گیا۔
اسی دوران نامراد ابن ملجم کی ملاقات قبیلہ تیم رباب کی ایک نہایت خوبصورت عورت قطامہ کے ساتھ ہوئی۔ اس عورت کے بھائی اور باپ نہروان کی جنگ میں مارے گئے تھے۔ ابن ملجم نامراد اس پرکشش حسینہ کے فتنۂ حسن میں مبتلا ہو گیا اور پیام نکاح دے دیا۔ اس خبیثہ لعینہ نے اس شرط پر نکاح منظور کیا کہ ابن ملجم حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو شہید کرے گا۔ گویا کہ اس نابکار کے ارادہ بد کو مزید مہمیز مل گئی۔ خبیثہ قطامہ نے اپنے قبیلہ کے ایک شخص وردان کو ابن ملجم نامراد کا معاون بنا دیا، چنانچہ پروگرام کے مطابق سترہ رمضان المبارک، شب جمعہ کو ابن ملجم نامراد اپنے ساتھیوں شبیب اور وردان کے ہمراہ مسجد کوفہ میں آیا اور چھپ کر بیٹھ گیا۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر حملہ

تھوڑی دیر بعد شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تشریف لائے اور اَیُّهَا النَّاسُ اَلصَّلٰوۃ۔ اَلصَّلٰوۃ کا اعلان فرماتے ہوئے داخل مسجد ہوئے۔ شبیب نے لپک کر تلوار چلائی مگر وار خالی گیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھ گئے۔ دوسرے ہی لمحے دشمن خدا ابن ملجم لعین نے آگے بڑھ کر پوری قوت سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پُرنور پیشانی پر وار کیا، اور ساتھ ہی چلا کر کہا، اَلْحُکْمُ لِلّٰہِ وَلَا لَکَ یَا عَلِیُّ وَلَا لِاَصْحَابِکَ۔

"یعنی اے علی! حکم صرف اللہ تعالیٰ ہے، تو یا تیرے دوستوں کے لئے نہیں"[1]
تلوار کا زخم بہت گہرا تھا اور اسی جگہ لگا تھا کہ جہاں روزِ خندق عمرو بن عبدود
کی تلوار کا زخم آیا تھا۔ اس واقعہ عظیمہ کے بعد وردان بھاگ کر اپنے گھر آ گیا اور
اپنے بعض احباب سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے اس کو قتل کر ڈالا۔ شبیب فرار ہونے
میں کامیاب ہو گیا، جبکہ ابنِ ملجم نامراد گرفتار ہو گیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم
نے زخمی ہونے کے بعد (اپنی ہمشیرہ اُمِّ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے) جُعدہ بن ہبیرہ
کو نماز پڑھانے پر مامور فرمایا۔ بعد از نمازِ فجر آپ[2] کو اٹھا کر گھر لایا گیا۔ اب تک
سورج نکل آیا تھا۔ ابنِ ملجم کو مشکیں باندھ کر پیش کیا گیا۔ حضرت امیر المومنین سیدنا
علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے دریافت فرمایا: اے دشمنِ خدا! تجھ کو
کس چیز نے میرے قتل پر آمادہ کیا؟ جواباً ابن ملجم لعین نے کہا: میں نے اس تلوار کو

---

[1] وہ بدبخت یہ سمجھتا تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے غیرِ خدا کو حَکم یعنی
فیصلہ کرنے والا مان کر زبردست گناہ بلکہ شرک کیا ہے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) بالکل اسی طرح
آج بھی بہت سے لوگ بات بات پر فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی مسلمان نے حضور رحمتِ عالم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا وسیلہ طلب کر لیا، اس پر بھی فتویٰ شرک۔ اگر کسی نے حضور
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بعطائے خداوندِ کریم مالک و مختار مان لیا، اس پر بھی فتویٰ
شرک۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ یہی وہ غلط فہمی تھی جس نے ابن ملجم نامراد کو قتلِ شیرِ خدا
رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آمادہ کیا۔ اور یہی غلط فہمی آج بھی فرقہ بندی کا سبب بن گئی۔
اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین!

[2] اللہ اکبر! شدید زخمی حالت میں بھی نماز نہ چھوڑی، حکمِ خدا پر عمل اسی کا نام ہے۔

چالیس روز تک تیز کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تھی کہ اس سے وہ شخص مارا جائے، جو شرِ خلق ہے۔" یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا: "میں دیکھ رہا ہوں کہ تو بھی اسی سے قتل کیا جائے گا۔ پھر حاضرین سے فرمایا: اگر میں جانبر نہ ہو سکوں، تو میرے قاتل کو مار ڈالنا، جیسا کہ اس نے مجھے قتل کر دیا اور اگر میں بچ گیا تو جیسا مناسب سمجھوں گا، ویسا کروں گا۔" پھر فرمایا "اے بنی عبد المطلب! لوگوں کو مسلمانوں کی خون ریزی کی ترغیب نہ دینا اور یہ حیلہ نہ اٹھانا کہ امیر المومنین قتل کر دیئے گئے ہیں، بلکہ صرف میرے قاتل کو قتل کرنا۔" حاضرینِ مجلس پر گریہ طاری تھا۔

پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خصوصاً اپنے شہزادے حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: "اے حسن! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اگر اس زخم سے میں مر جاؤں، تو تم بھی اسی (بدبخت) کی تلوار سے ایسا ہی ایک وار کرنا، مثلہ نہ کرنا (یعنی ہاتھ، پاؤں، ناک اور کان وغیرہ کاٹ کر اسے تکلیف نہ دینا) کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے: "اِیَّاکُمْ وَالْمُثْلَہ" پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اہل خانہ اور خصوصاً حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو وصیتیں فرمائیں، دیگر حاضرین کو بھی نصیحتیں فرمائیں اور ایک عام وصیت تحریر کروائی۔ بالآخر ۲۰ رمضان المبارک اور عند البعض ۲۱ رمضان المبارک کو آپ کی روحِ مبارک قفسِ عنصری سے ملاء الاعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۰

آخری کلام جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا، وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تھا۔

خارجی ابنِ ملجم کا قتل امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد تیرہ بخت خارجی ابن ملجم کو حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور پیش کیا گیا، تو اس نے کہا کہ اگر

حرج نہ ہو تو مجھے چند یوم زندہ رکھیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ معاویہ اور علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو مار ڈالوں گا۔ چنانچہ ایک کا کام تمام کر دیا، اور دُوسرا باقی ہے۔ تم مجھے صرف اتنی مہلت دے دو کہ میں اپنا عہد پورا کر سکوں اگر میں نے معاویہ کو مار ڈالا اور خود زندہ بچ گیا، تو اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر حاضر و ناظر جانتا ہوا عہد کرتا ہوں کہ میں تمہارے پاس چلا آؤں گا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "نہیں! اللہ تعالیٰ کی قسم! اب تو دوزخ کی سیر کرے گا۔" یہ کہہ کر آپ نے تلوار اُٹھائی اور ایک ہی وار میں اُس کو قتل کر دیا۔ (ملخصاً)

(تاریخ ابن خلدون، ابن اثیر، تاریخ الخلفاء، نورُالابصار وغیرہ)

مضمون کا یہ حصّہ اگرچہ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق تو نہیں، مگر تکمیلِ واقعہ کے لئے اس کا درج کرنا بھی ضروری ہے تاکہ ابن ملجم کے دوسرے ساتھیوں بُرک بن عبداللہ اور عمرو بن بکیر کے بارے میں تجسّس باقی نہ رہے۔

ابنِ ملجم کا دُوسرا ساتھی بُرک بن عبداللہ کہ جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ پروگرام کے مطابق شام کی طرف روانہ ہوا اور سترہ رمضان المبارک کو فجر کے وقت آپ پر حملہ کر دیا۔ اتفاق سے زخم کاری نہ پڑا، یعنی جسم کے نچلے حصّہ پر معمولی زخم آیا تھا۔ آپ نے فوراً پلٹ کر اُسے پکڑ لیا۔ برک نے خوفزدہ ہو کر کہا: میں تم کو ایک خوشخبری سناتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس کے عوض مجھے کچھ فائدہ پہنچاؤ (یعنی رہا کر دو) اور وہ یہ ہے کہ آج ہی کی شب میرے ایک بھائی نے (حضرت) علی (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) کو قتل کر ڈالا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حیران ہو کر کہا کہ "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی اُن پر قدرت پالے۔" برک نے کہا کہ علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ کوئی محافظ نہیں ہوتا، اِس لئے اُن کا قتل کچھ مشکل نہیں"۔ اِس سلسلۂ کلام کے

تمام ہوتے ہی آپ کے حکم سے بُرک کو قتل کر دیا گیا۔ بعض کتب میں یہ بھی ہے کہ برک کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور وہ زیاد کے زمانے تک زندہ رہا۔ زیاد نے اسے بصرہ میں قتل کر دیا۔

ابنِ ملجم کا تیسرا ساتھی

ابن ملجم کا تیسرا رفیق عمرو بن بکیر بھی اسی شب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے چُھپ کر بیٹھ گیا۔ اتفاق سے اُس رات علالت کی وجہ سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود نماز پڑھانے مسجد میں نہ آئے، بلکہ اپنے ایک فوجی افسر خارجہ بن ابی حبیبہ بن عامر کو نماز پڑھانے کے لئے بھیج دیا۔ عمرو بن بکیر نے اس بے چارے پر حضرت عمرو بن العاص کے شبہ میں تلوار چلائی اور ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔ فوراً ہی لوگوں نے اِس کو گرفتار کر لیا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کر دیا۔ بُرک نے متعجبانہ انداز میں پوچھا "قتل کون ہوا؟" لوگوں نے کہا کہ "خارجہ بن ابی حبیبہ"۔ اِس پر برک چونک کر بولا: "افسوس صد افسوس کہ اے عمرو بن العاص! میں نے اسے تمہارے شبہ میں مار ڈالا"۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً فرمایا "تم نے میرے قتل کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے خارجہ کے قتل کا"۔ یہ کہہ کر آپ نے اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ (ابن خلدون وغیرہ)

اس طرح یہ تینوں بدکردار خارجی اپنے انجام کو پہنچ گئے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار پُر انوار

امیر المومنین مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے مرقدِ اقدس میں اختلاف ہے۔ طبقاتِ ابنِ سعد میں ہے کہ جب اتوار کی شب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رُوح بارگاہِ قدس میں پرواز کر گئی، تو

حضرت حسن، حضرت حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کو غسل دیا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور دارالامارت کوفہ میں رات کے وقت آپ کو دفن کر دیا۔ (ابنِ سعد)

حضرت ابو بکر بن عیاش فرماتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی قبر انور کو اس لئے ظاہر نہیں کیا گیا تھا کہ کہیں بدبخت خارجی اس کی بھی بے حرمتی نہ کریں۔ حضرت شریک فرماتے ہیں کہ آپ کے فرزند ارجمند حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے جسدِ انور کو دارالامارت کوفہ سے مدینہ منورہ منتقل کر دیا تھا۔ مبرد نے محمد بن حبیب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل ہونے والی پہلی نعش مبارک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی۔ ابنِ عساکر سعید بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسدِ مبارک کو مدینہ طیبہ لے جانے کی تیاری کی گئی تاکہ انہیں رسولِ مکرم نبیٔ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو ئے مقدس میں دفن کیا جائے۔ نعشِ مبارک ایک اونٹ پر رکھی ہوئی تھی۔ رات کا وقت تھا اونٹ راستہ میں کسی اور طرف کو بھاگ گیا۔ تلاشِ بسیار کے باوجود اُس کا کوئی سُراغ نہ ملا۔ اسی لئے (بعض) جاہل اہلِ عراق کہتے ہیں کہ آپ بادلوں میں تشریف رکھتے ہیں، اور یہ بھی منقول ہے کہ تلاش و جستجو پر وہ اونٹ سرزمین بنو طے میں مل گیا اور آپ کی نعشِ مبارک کو اسی سرزمین میں دفن کر دیا گیا۔

(تاریخ الخلفاء للعلامہ جلال الدین سیوطی)

مشہور یہ ہے کہ آپ کا مزار پُر انوار نجف اشرف میں ہے، اور مرجع خلائق ہے۔ (وَاللہُ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی مدت تین ماہ کم پانچ برس ہے۔ تاریخ ابن خلدون)

حُلیہ مُبارک حضرت امیر المومنین شیرِ خدا حیدرِ کرار سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا رنگ گندمی، قد درمیانہ مائل بہ پستی، آنکھیں بڑی، ہنس مُکھ اور نہایت درجہ خوبصورت تھے، جسم انور قدرے فربہ تھا۔ داڑھی مبارک گھنی اور دراز تھی۔ سینۂ انور پر بکثرت اور تمام جسم پر عموماً بال تھے، البتہ کثرتِ خود کے استعمال کی وجہ سے سر کے بال اُڑ گئے تھے۔ آپ کے بازو اور پنڈلیاں پُر گوشت تھیں اور یوں ہی دونوں کندھوں کا درمیانی حصّہ، یہ سب شجاعت و بہادری کی دلیل ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً ترسیٹھ برس کی عمر پائی۔ (ابن خلدون، تاریخ الخلفاء، کامل ابن اثیر)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی اولاد و ازواج

۱۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلا نکاح حضرت سیدہ زاہدہ عابدہ طیبہ طاہرہ خاتونِ جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ہوا۔ ربِ ذوالجلال نے ان کے بطنِ اقدس سے چار اولادیں عطا فرمائیں یعنی حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ، حضرت سیدنا امام حسین، حضرت سیدہ زینب الکبریٰ اور حضرۃ سیدہ اُمِ کلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) عند البعض حضرت سیدنا محسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بطنِ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا ہوئے، مگر بچپنے میں ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدد شادیاں فرمائیں، جن کا اختصاراً ذکر کیا جاتا ہے: (۲) اُمّ البنین بنت حرام بن خالد کلابیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ان کے بطنِ اطہر سے چار صاحبزادے: ۱۔ حضرت عباس (علمدار)، ۲۔ حضرت جعفر،

۳- حضرت عبداللہ یا عبیداللہ، ۴- حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم پیدا ہوئے
عند البعض پانچویں شہزادے حضرت عمر بن علی بھی ان ہی کے شکم سے پیدا ہوئے،
اور یہ سب اپنے برادرِ بزرگوار حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ میدانِ کربلا میں
مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

(۳) لیلیٰ بنتِ مسعود بن خالد نہشلیہ تمیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا - ان سے
دو بیٹے حضرت عبداللہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے —
انہوں نے بھی معرکۂ کربلا میں شربتِ شہادت نوش فرمایا۔

(۴) اسماء بنت عمیس خثعمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا - اِن کی پہلی شادی حضرت
جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی تھی اور انہوں نے ہجرت حبشہ بھی کی
حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکر
صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شادی کی - حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی وفات کے بعد ان کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ہوا۔
ان کے بطنِ اطہر سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو بیٹے حضرت محمد الاصغر
اور حضرت یحییٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے - یہ بھی معرکۂ کربلا میں مرتبۂ شہادت
پر فائز ہوئے - بعض کے نزدیک ان کے بطن سے آپ کے لڑکے حضرت عون
رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پیدا ہوئے - (ابن خلدون)

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عون کو حضرت جعفر طیار (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)
کا بیٹا تحریر کیا گیا ہے - (واللہ تعالیٰ اعلم)

(۵) حضرت امامہ بنت ابی العاص بن ربیع، رضی اللہ تعالیٰ عنہا - یہ
امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی
حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی لختِ جگر ہیں، یعنی حضرت سیدہ

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حقیقی بھانجی تھیں۔ ان کے بطن اقدس سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے محمد بن الاوسط پیدا ہوئے، یہ بھی میدانِ کربلا میں ہمرکابِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور وہاں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

(۶) **خولہ** بنتِ جعفر حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ان کے بطنِ اطہر سے محمد بن الاکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ اِن ہی کو حضرت امام حنیف کہا جاتا ہے۔

(۷) اُمِّ حبیبہ صہبا بنت ربیعہ التغلبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ان سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وجود میں آئے۔

(۸) **سعد** یا اُمِّ سعید بنتِ عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ان کے شکمِ مبارک سے امّ الحسن، رملۃ الکبریٰ اور اُمِّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن پیدا ہوئیں۔

(۹) **محبتہ** یا امیاۃ بنت امراء القیس بن عدی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ان کے شکمِ اقدس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام حارثہ تھا، یہ بچپن ہی میں فوت ہوگئیں۔

علاوہ ازیں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیس کنیزیں تھیں، جن سے بارہ ۱۲ صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ بطورِ اختصار اس جگہ صرف ان بارہ صاحبزادیوں کے اسمائے گرامی ہی درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ حضرت زینب صغریٰ، ۲۔ حضرت ام ہانی، ۳۔ حضرت میمونہ، ۴۔ حضرت رملۃ الصغریٰ، ۵۔ حضرت فاطمہ، ۶۔ حضرت امامہ، ۷۔ حضرت خدیجہ، ۸۔ حضرت امّ الکرام، ۹۔ حضرت امّ سلمہ، ۱۰۔ حضرت جمانہ، ۱۱۔ حضرت نفیسہ، ۱۲۔ حضرت امّ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہن (تاریخ ابن خلدون، تاریخ طبری)

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی اولاد کی تعداد میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن خلدون کے مطابق آپ کے چودہ لڑکے اور سترہ لڑکیاں تھیں۔

تاریخ طبری کے مطابق پندرہ[۱۵] بیٹے اور اُنیس[۱۹] صاحبزادیاں تھیں اور بعض کتب میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادوں کی تعداد اٹھارہ اور صاحبزادیوں کی تعداد بیس[۲۰] درج ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

تاریخ طبری میں آپ کے صاحبزادوں کے اسمائے گرامی اس طرح درج کیے گئے ہیں:- (۱) حضرت سیدنا امام حسن (۲) حضرت سیدنا امام حسین، (۳) حضرت عمر (۴) حضرت عثمان (۵) حضرت جعفر (۶) حضرت ابوبکر[۱] (۷) حضرت عباس (۸) حضرت عبید اللہ (۹) حضرت عبداللہ (۱۰) حضرت عون (۱۱) حضرت یحییٰ (۱۲) حضرت محمدؒ الاصغر (۱۳) حضرت محمدؒ الاوسط۔ (۱۴) حضرت محمدؒ الاکبر (امام حنیف) (۱۵) حضرت عمر اطراف رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا نسلی سلسلہ صرف (پانچ صاحبزادوں) حضرت سیدنا امام حسن، حضرت سیدنا امام حسین، حضرت عباس (علمدار) حضرت محمدؒ الاکبر، (امام حنیف) اور حضرت عمر اطراف (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے چلا۔ باقی سے سلسلۂ نسل نہ چلا۔ حضراتِ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ باقی صاحبزادوں یعنی حضرت عباس، حضرت محمدؒ الاکبر (حضرت امام حنیف) اور حضرت عمر اطراف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نسلی سلسلہ کا اختصاراً ذکر کیا جاتا ہے جبکہ حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تحت آئے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

لہ سبحان اللہ تعالیٰ! صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آپس میں کس قدر پیار تھا کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنے صاحبزادوں کے نام ابوبکر، عمر، اور عثمان رکھے یہ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ کی کتنی بڑی دلیل ہے۔ ۱۲

۱۔ حضرت عباس بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

میدان کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کے علمدار آپ ہی تھے۔ آپ کی بہادری اور جاں نثاری ضرب المثل ہے۔ ان کی ولادت باسعادت ۲۶ھ میں، اور ۶۱ھ ماہ محرم الحرام میں دریائے فرات کے کنارے تین دن کے پیاسے اہل بیت اطہار کو پانی پلانے کی کوششوں کے دوران ہی مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ ان کی اولاد کی تفصیل ایک نقشہ میں پیش کی جاتی ہے:۔

حضرت عباس بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

حضرت عبداللہ
|
حضرت حسن
|
عبیداللہ قاضی الحرمین — عبداللہ
عباس الفصیح الشاعر — عبیداللہ
حمزۃ الاکبر (شبیہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) — علی
ابراہیم (ادیب امام اور فقیہ تھے) — جعفر، محمد، حسن، علی
فضل — جعفر، عباس، محمد
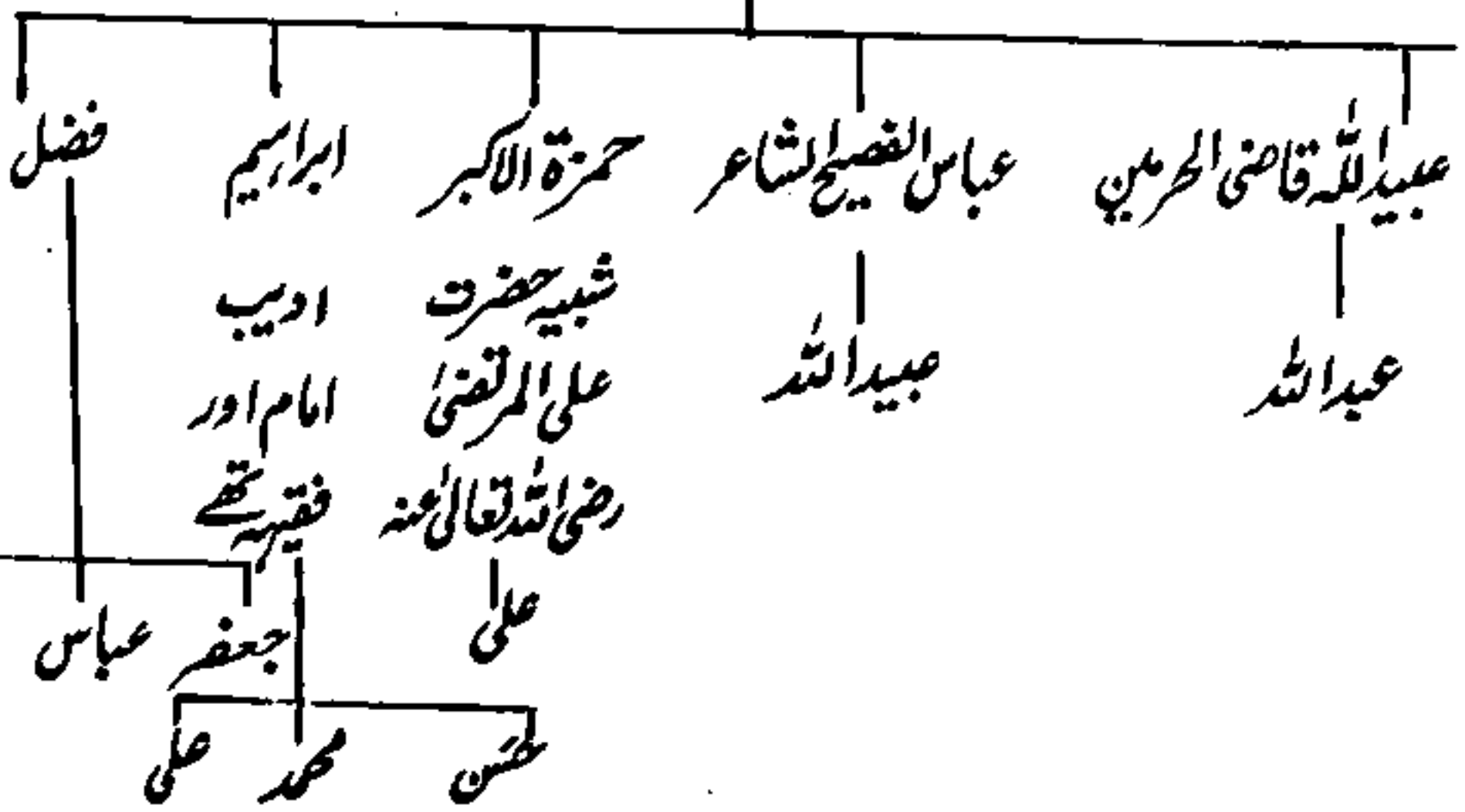
۲۔ حضرت عمر (اطراف)، بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ حضرت عباس علمدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی بھائی ہیں۔ ۷۷ برس کی عمر میں رحلت فرمائی۔ یہ بھی مرقوم ہے کہ آپ مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے

مختار ثقفی کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔
سلسلہ اولاد یوں ہے :۔

حضرت عمر بن سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

محمد

عبداللہ — عبیداللہ — عمر — جعفر

یہ تینوں حضرت خدیجہ بنت زین العابدین سے پیدا ہوئے اور ان کی نسل آگے چلی۔

ان کی والدہ ام ولد تھی
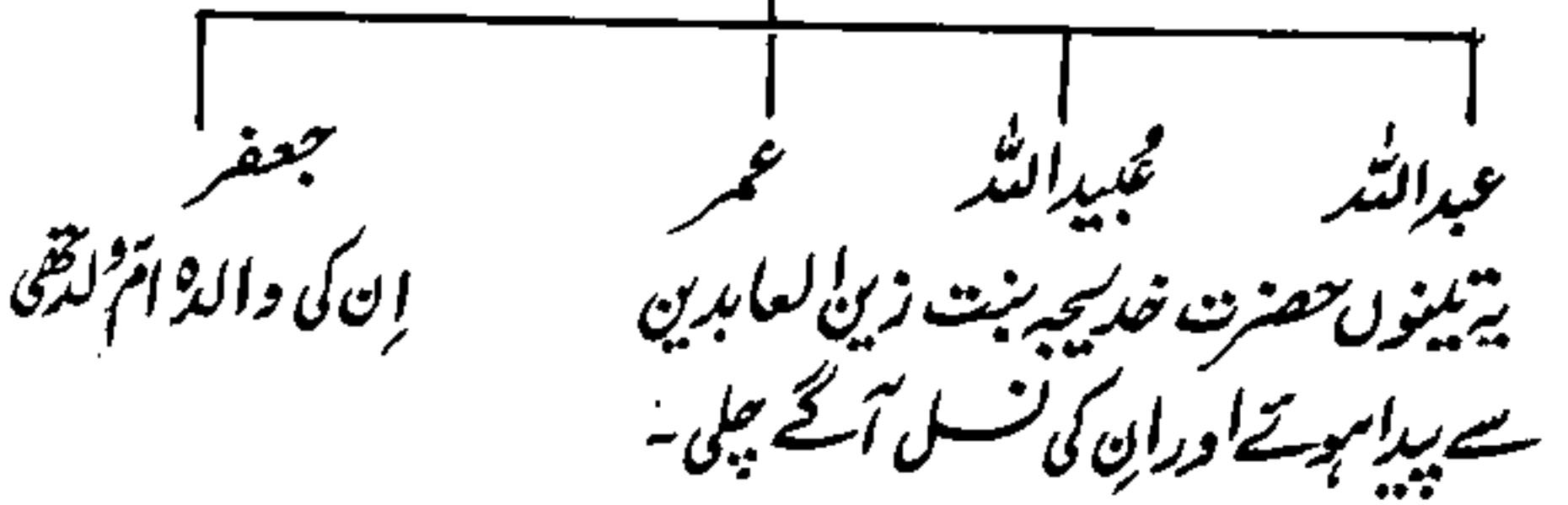
حضرت ابوالقاسم محمد اکبر بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

یہ حضرت امام حنیف کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی والدہ محترمہ حضرت خولہ بنت جعفر بن قیس قبیلہ بنو حنیف بن لجیم سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس قبیلہ نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ارتداد اختیار کیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ جنگ فرمائی اور بحکم خدا تعالیٰ فتح پائی۔ یہ خولہ بنت جعفر گرفتار ہو کر مال غنیمت کے طور پر آئیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ان کو اپنے حرم پاک میں شامل فرمالیا۔ حضرت محمد بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۱ھ کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں پیدا ہوئے اور یکم محرم الحرام ۸۱ھ کو انتقال فرمایا۔ یہ بڑے عابد و زاہد و متقی و پرہیز گار ہونے کے ساتھ عظیم بہادر اور صاحب قوت بازو بھی تھے

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے لشکر کے عموماً علمبردار بھی یہی ہوا کرتے تھے۔آپ میدانِ جنگ میں جانبازی اور شہسواری کے ایسے جوہر دکھاتے کہ حاضرین عش عش کر اٹھتے۔ ان کی طرف بعض بے سروپا کہانیاں اور افسانے منسوب کئے جاتے ہیں۔بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما عرف حضرت امام حنیف کوہِ رضوی پر رہتے ہیں اور قربِ قیامت میں یہی امام مہدی علیہ السلام بن کر ظہور فرمائیں گے۔

حضرت محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما (امام حنیف) کو اللہ تعالیٰ نے دس۱۰ بیٹیاں اور چودہ۱۴ بیٹے عطا فرمائے۔ان میں سے صرف تین صاحبزادوں یعنی ابوہاشم، جعفر اور علی سے نسل چلی۔خیال رہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہزادوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا باقی بیٹوں کی اولاد "علوی" کہلاتی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کی ہمشیرگان گرامی قدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۱۔حضرت امِّ ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے کہ حضرت ابوطالب کی اولاد چار۴ بیٹے یعنی طالب، عقیل، جعفر اور علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور دو۲ بیٹیاں ہند اور جمانہ تھیں۔یہ سب ایک ہی بیوی یعنی حضرت فاطمہ بنت اسد کے شکمِ اقدس سے پیدا ہوئے اور سوائے طالب کے سب کے سب شرفِ ایمان سے مشرف ہوئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرت ہند کی کنیت ام ہانی تھی اور یہ اسی نام سے مشہور ہوئیں۔بعض نے ان کا نام فاطمہ بھی تحریر کیا ہے۔ان کا نکاح ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی کے ساتھ ہوا۔ ان کے شکمِ اطہر سے ہانی، عمرو، یوسف، اور جعدہ پیدا ہوئے۔(جب نامراد ابن ملجم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو زخمی کیا تھا، تو آپ نے اپنی ہمشیرہ

اُمِ ہانی کے بیٹے جعدہ بن ہبیرہ ہی کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ (ابنِ خلدون)

فتحِ مکہ کے موقع پر حضرت اُمِ ہانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) شرفِ اسلام سے مشرف ہوگئیں، جبکہ آپ کا خاوند ہبیرہ کفر کی حالت میں نجران کی طرف بھاگ گیا۔ حضرت اُمِ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ فتحِ مکہ کے موقع پر حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں جلوہ گر ہوئے اور کھانے کے لئے کچھ طلب کیا۔ میں شرم وحیا سے زمین میں گڑ گئی، کیونکہ اُس وقت گھر میں سوائے سُوکھی جَو کی رُوٹی کے کچھ بھی نہیں تھا۔ (دراصل حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا اپنائیت ظاہر فرمانے کے لئے طلب فرمایا تھا) میں نے ہچکچاتے ہوئے وہی سوکھی روٹی پیشِ خدمت کردی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "سالن ہے۔" میں نے عرض کیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان، سالن نہیں، البتہ سرکہ موجود ہے۔" تو ارشاد ہوا: "سرکہ ہی لے آؤ، جس گھر میں سرکہ ہو، وہ گھر سالن سے خالی نہیں ہے۔" چنانچہ سرکہ حاضرِ خدمت فیضِ درجت کردیا، تو محبوبِ خدا سرورِ انبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جَو کی سُوکھی روٹی کو پانی کے ساتھ نرم کیا اور سرکہ کے ساتھ تناول فرما کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا (سُبحان اللہ تعالیٰ وبحمدہٖ)

۲۔ حضرت جمانہ بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

: باوجود تلاشِ بسیار کے آپ کے زیادہ حالات نہ مل سکے۔ صاحب کتاب "رحمۃ للعالمین" نقل فرماتے ہیں:

"ابنِ اسحاق امامِ اہل السیر نے لکھا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پیداوارِ خیبر سے تیس ۳۰ وسق خرما حضرت جمانہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) دُختِ ابی طالب کے لئے مقرر فرمائے تھے۔" اِس فقرہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ خلعتِ اسلام سے مشرف تھیں اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ فتحِ خیبر تک وہ حیات تھیں۔ (رحمۃ للعالمین جلد۲)

③ عمّ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا محترم حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو عمارہ اور لقب سید الشہداء اور اسد اللہ و رسولہٗ ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ہالہ بنت وہیب ہے۔ "مدارج النبوۃ" میں بحوالہ معجم بغوی منقول ہے کہ حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مجھے قسم ہے اس خدائے ذوالجلال کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، ساتوں آسمانوں میں لکھا ہوا ہے کہ: حَمْزَۃُ اَسَدُ اللّٰہِ وَاَسَدُ رَسُوْلِہٖ۔

"یعنی حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول کے شیر ہیں"

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی ہیں۔ انہوں نے بھی حضرت ثویبہ کا دُودھ پیا تھا۔ علاوہ ازیں ان کی والدہ ماجدہ ہالہ بنت وہیب ہمارے آقا رسُولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ بنت وہب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی حقیقی ہمشیرہ ہیں۔ اس اعتبار سے آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خالہ زاد بھائی بھی ہیں۔ مزید برآں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ امّ عمارہ حضرت زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اُمّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ تھیں۔ آپ اعلانِ نبوّت کے دوسرے یا بعد البعض چھٹے سال سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے سے تین دن پہلے اسلام لائے۔ آپ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عمر میں صرف دو برس بڑے ہیں۔

حضرت حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا اسلام لانا

اَرباب سِیَر بیان کرتے ہیں کہ قریش مکہ حضورِ نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شانِ اقدس میں عموماً گستاخیاں تو کیا ہی کرتے تھے، مگر ایک دن بدبختِ ازلی ابوجہل لعین نے سرِراہ حضورِ نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو روک کر بہت زیادہ ایذا دی اور سخت دُشنام طرازی کی۔ حضورِ نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُسے کوئی جواب نہ دیا، تحمّل و بُردباری سے اپنے جسمِ نازنین پر اس کی ہرگستاخی کو برداشت کرلیا۔ اِس دردناک منظر کو عبداللہ بن جدعان کی باندی کوہِ صفا کی بُلندی پر اپنے مکان میں کھڑی دیکھ رہی تھی اور ابوجہل کی دشنام طرازی سُن رہی تھی۔ اِس کے بعد ابوجہل آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو چھوڑ کر قریش کی مجلسِ شوریٰ کی طرف روانہ ہوگیا اور اُن میں جاکر بیٹھ گیا اور حضورِ نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم بھی اپنے کاشانۂ نور کی طرف روانہ ہوگئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کمان گلے میں لٹکائے شکارگاہ سے واپس لوٹے، آپ کی اپنی شکارگاہ تھی جہاں آپ شکار کے لئے جایا کرتے تھے اور آپ کا معمول تھا کہ جب شکار سے واپس آتے، تو پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرتے، پھر گھر جاتے۔ طوافِ کعبہ کے بعد عموماً قریش کے دارالشوریٰ میں جاتے، وہاں حاضرین کو سلام کرتے، تھوڑی دیر وہاں ٹھہرتے، باتیں کرتے، پھر واپس چلے آتے۔ یہ قریش میں بڑے معزز، باوقار اور خوددار مانے جاتے تھے۔ اس وقت تک آپ اپنے سابقہ دین پر ہی قائم تھے۔

جب آپ طوافِ کعبہ کے لئے جاتے ہوئے اِس باندی کے قریب سے گزرے تو وہ ان کو دیکھ کر رو پڑی۔ حضرت حمزہ نے رونے کا سبب پوچھا، تو بولی: "اے ابوعمارہ! (یہ آپ کی کنیت ہے) کاش! کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ آج آپ کے مظلوم بھتیجے محمد (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم) کے ساتھ ابوالحکم (یہ ابوجہل کی

کُنیت تھی) نے کیسا ناقابلِ برداشت سلوک کیا۔ ابوالحکم نے ان کو بہت تکلیف دی، اور گالیاں بکیں، مگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) نے بہت صبر و ضبط کیا، نظریں جھکائے اُس کے ظلم کو برداشت کرتے رہے، زبان سے ایک لفظ تک نہیں بولے۔ باندی نے بھرائی ہوئی آواز میں یہ داستانِ ظلم سُنائی تو حضرت حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ غصہ میں بھرے ہوئے حرمِ کعبہ میں داخل ہوئے۔ خلافِ معمول طواف کئے بغیر ہی سیدھے ابوجہل کے پاس جا پہنچے جو کہ حرم میں قریش کی مجلسِ شوریٰ میں صدرنشین بنا بیٹھا تھا، جاتے ہی جھپٹ کر اتنے زور سے کمان اُس کے سر پر دے ماری کہ اُس خبیث کا سر پھٹ گیا۔

قریش کے قبیلہ بنو مخزوم کے افراد جو کہ مجلسِ شوریٰ میں موجود تھے، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اُلجھ پڑے اور بولے: "اے حمزہ! معلوم ہوتا ہے کہ تم نے قریش کے دین کو چھوڑ دیا ہے۔" آپ نے جواب دیا: "بے شک مجھ پر حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی حقانیت عیاں ہو گئی، تو پھر مجھے قبولِ حق سے کونسی چیز روک سکتی ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سچے رسُول ہیں، آپ جو فرماتے ہیں، وہ بالکل حق ہے اور ربِّ ذوالجلال کی قسم! میں اس دینِ اسلام کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اگر تم میں ہمت ہے، تو مجھے روک کر دکھاؤ۔"

اللہ تعالیٰ کے اِس بپھرے ہوئے شیر نے قریشِ مکّہ کو مقابلے کا چیلنج دے دیا۔ کفارِ مکّہ نے آج تک ہر نو مسلم کو جی بھر کر ستایا تھا۔ بعض کو طعنے دیئے اور بعض پر اتنے مظالم کئے کہ سُن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے، مگر آج اُن کا پالا ایسی ہستی سے پڑا تھا جو اُن کے دانت توڑنے کے لئے تیار تھا۔ صورتِ حال کو بگڑتے ہوئے دیکھ کر خود ابوجہل کھڑا ہو گیا اور اپنے حمایتوں سے بولا: "ابوعمارہ (حمزہ) کو چھوڑ دو، ان سے کوئی جھگڑا نہ کرو، دراصل آج میں نے ان کے بھتیجے کو بہت ستایا ہے اس لیے یہ غصّے میں ہیں۔"

اس کے بعد حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) آپ خوش ہو جائیے کہ میں نے ابو جہل سے آپ کا بدلہ لے لیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً فرمایا: "چچا! مجھے خوشی بدلہ لینے سے نہیں، بلکہ آپ کے ایمان سے ہے۔" یہ سُن کر حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے "آپ اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیجیے۔ میں کہتا ہوں "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ"۔ یہ سُنتے ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرطِ محبت سے گلے لگا لیا۔ [1]

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے طاقتور، جنگجو، بہادر، نہایت غیرتمند، خوددار اور قدآور تھے۔ ان کے اسلام لانے سے قریش کی ایذاؤں میں کسی حد تک کمی آگئی تھی۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب مسلمانوں کا آپس میں بھائی چارہ قائم فرمایا، تو اپنے نہایت محبوب صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی قرار دیا تھا۔

پہلے سپہ سالار

اکثر مؤرخین کے نزدیک حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے پہلے اسلامی لشکر کا امیر ہونے کا

---

[1] حضرت سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشرف تین دن بعد رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش اور دلی دُعا سے قریشِ مکہ کے ایک نامور بہادر نوجوان حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرفِ ایمان سے مشرف ہوگئے اور ان کی گزارش پر حضور نبی اکرم رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانیہ حرم پاک میں نماز ادا فرمائی۔ وللہ الحمد۔

شرف[1] بھی حاصل ہے۔ یہ تیس[30] مہاجرین کا لشکر تھا جو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ قیادت ساحلِ سمندر کی طرف ابوجہل لعین کے مقابلہ میں بھیجا گیا تھا۔ تاریخ میں اس مقابلہ جنگ کا نام "سریہ حمزہ بن عبد المطلب" یا "سریہ سیف البحر" ہے۔ یہ سریہ ہجرتِ نبوی کے پہلے سال ماہِ رمضان المبارک میں واقع ہوا۔ اس میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے دستِ اقدس سے سفید رنگ کا علمِ جہاد باندھ کر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا تھا، جسے آپ کی قیادت میں حضرت ابو مرثد کناز بن حصین غنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تھام رکھا تھا۔

---

[1] بعض مؤرخین و سیرت نگار اس بات سے اختلاف فرماتے ہیں۔ سیرت ابن ہشام اور روضۃ الاحباب، مواہب لدنیہ وغیرہ میں اس پر کافی بحث کی گئی ہے کہ پہلا سریہ یعنی وہ لشکرِ اسلام جس پر کسی صحابی کو امیر بنایا گیا ہو، حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سریہ ہے یا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ مواہب میں ہے کہ دونوں لشکر ساتھ ساتھ ہی بھیجے گئے تھے، اس لئے شک ہوا تھا۔ اس میں شبہ نہیں پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر ہی روانہ ہوا۔ علامہ ابن ہشام نقل فرماتے ہیں دونوں لشکر ایک ہی ساتھ بھیجے گئے تھے۔ ہمیں اہلِ علم نے بتایا کہ پہلا جھنڈا حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے باندھا گیا تھا لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پہلا جھنڈا ان ہی کے لئے باندھا گیا ہے۔ اگر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا ہی کہا ہے تو انہوں نے سچ کہا ہے، کیونکہ وہ سچ کے سوا دوسری بات کہہ ہی نہیں سکتے۔ علامہ ابن ہشام نے اس جگہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب اشعار نقل فرماتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ کئی علمائے شعر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ان کی نسبت کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ان اشعار میں جس شعر میں جھنڈے کا ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ،

اَمْرُ رَسُوْلِ اللّٰہِ اَوَّلُ خَافِقٍ　　عَلَیْہِ لِوَاءٌ لَمْ یَکُنْ لَاحَ مِنْ قَبْلِیْ

"وہ (جنگ) ایسی چیز تھی کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے اس کا پہلا پرچم باندھا تھا۔ ایسا پرچم میرے واقعہ سے پہلے کبھی ظاہر نہ ہوا تھا۔" (واللہ تعالیٰ اعلم)

مجاہدینِ اسلام کا یہ لشکر ساحلِ سمندر پر ابوجہل کی زیرِ قیادت ۳۰۰ کفار پر مشتمل فوج سے مقابل ہوا۔ قریب تھا کہ آتشِ جنگ بھڑک اٹھتی مگر مجدی بن عمرو جہنی جو دونوں جماعتوں کا حلیف تھا، درمیان میں حائل ہو گیا اور سمجھا بجھا کر ابوجہل کو مکہ مکرمہ کو روانہ کر دیا، چنانچہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغیر جنگ کئے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ طیبہ لوٹ آتے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علمبردار

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے پہلا غزوہ، غزوۂ ابواء ہے، اس کا دوسرا نام غزوۂ ودّان بھی ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ ابواء اور ودّان دو بستیوں کے نام ہیں، جو قریب قریب واقع ہیں۔ اس جگہ یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ اصطلاح میں غزوہ اس جہاد کو کہتے ہیں کہ جس میں تاجدارِ [illegible] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنفسِ نفیس جلوہ گر ہوں، اس کی جمع مغازی اور [illegible] ہے، جبکہ سریہ وہ جہادی لشکر ہے کہ جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآ[illegible]م بذاتِ خود شامل نہ ہوں، بلکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی صحابی کو سپہ سالار مقرر فرما کر روانہ فرما دیں۔ سریہ کی جمع سرایا ہے۔

غزوۂ ابواء ۲ھ ماہِ صفر المظفر میں واقع ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا خلیفہ بنایا اور لشکرِ صحابہ کے ساتھ مقامِ ابواء کی طرف عزمِ روانگی فرمایا۔ ظاہر ہے کہ ہر صحابی کی خواہش ہو گی کہ اس پہلے غزوہ کا علمبردار میں بنوں، مگر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے غزوہ میں علمبرداری کا شرف بھی حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی عطا فرمایا۔ مزید برآں کفر و اسلام کے عظیم معرکہ غزوۂ بدر میں جن عظیم فرزندانِ توحید اور شیرانِ اسلام نے کفار سے پنجہ آزمائی فرمائی تھی، وہ حضرت امیر حمزہ، حضرت علی المرتضیٰ

اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی تھے۔[1] حضرت امیر حمزہ اور حضرت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے مقابل کفار کو جہنم واصل کرنے کے بعد حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل کو بھی تہ تیغ کر دیا تھا پھر گھمسان کی جنگ میں بہادری و جانبازی کے ایسے کارنامے دکھائے کہ کتب سیرت و تواریخ میں سنہری حروف سے درج ہیں۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کے تیسرے سال ماہ شوال المکرم کو میدانِ اُحد میں مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ روزِ اُحد حضرت امیر حمزہ نے دیگر مجاہدین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیر قیادت میدانِ جنگ میں بہادری کے خوب جوہر دکھائے اور سخت ترین جنگ کی۔ آپ بیک وقت دو تلواروں سے لڑائی کرتے رہے۔ سب سے آخر میں جس شخص کو قتل کیا، وہ سباع بن عبدالعزّیٰ خزاعی تھا، اس کے قتل سے ابھی فارغ ہوئے ہی تھے کہ مالک بن جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کے ہاتھوں حربہ لگنے سے شہید ہو گئے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ میدانِ بدر میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شمشیرِ برّاں سے جن کافروں کو جہنم رسید کیا تھا، اُن میں طعیمہ بن عدی بھی تھا۔ اِس پر اُس کے بھتیجے جبیر بن مطعم بن عدی نے اپنے غلام وحشی کو کہا کہ اگر تو میرے چچا طعیمہ بن عدی کے قتل کے بدلہ میں (حضرت) حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو قتل کر دے تو تو آزاد ہے۔ جنگِ اُحد کے دن وحشی میدانِ اُحد میں اپنے مذموم ارادے سے حربہ لیکر

---

[1] اِن بندگوں میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا محترم ہیں، جبکہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں۔

آیا۔ اسے حربہ[1] چلانے میں بہت مہارت تھی۔ وہاں اس کو ہند زوجہ ابی سفیان (مادرِ معاویہ) ملی، اس نے بھی اسے بڑی ترغیب دی اور کہا کہ جب تک تو ہماری خاطرداری نہیں کرے گا، تجھے آزادی نصیب نہ ہوگی۔ اگر تو نے (حضرت) حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو قتل کر دیا تو میں بھی تجھے انعام سے مالا مال کر دوں گی، کیونکہ روزِ بدر امیر حمزہ ہی نے میرے باپ عتبہ کو قتل کیا تھا۔ وحشی کا بیان ہے کہ میں میدان میں حضرت حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی تلاش میں نکلا، تو دیکھا کہ وہ شیرِ مست کی طرح تابڑ توڑ حملے کر رہے ہیں اور جس طرف رخ کرتے ہیں صفوں کی صفیں اُلٹ دیتے ہیں۔ اُن کے دونوں ہاتھوں میں خون آشام تلواریں تھیں۔ میں ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں چھپ گیا، اتنے میں اچانک سباع بن عبدالعزیٰ خزاعی عزور سے چلاتا ہوا نکلا کہ ہے کوئی میرا مقابلہ کرنے والا؟ یہ سُن کر حضرت حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اسے للکارا کہ اے بدبخت! رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے مقابلہ میں جنگ کرتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس قدر بھرپور وار کیا کہ سباع بن عبدالعزیٰ کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کو قتل کر کے حضرت حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) واپس پلٹے ہی تھے کہ میں نے تاک کر حربہ اُن کی طرف پھینکا، میرا نشانہ بہت کم خطا ہوتا تھا۔ حربہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ناف کے قریب لگا، جو پشت مبارک سے پار ہو گیا۔ حضرت امیر حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میری طرف بڑھے تو میں دوڑ گیا۔ آپ چند قدم چلے ہوں گے کہ گر گئے۔ کچھ دیر بعد مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کے قریب سے گزری، تو آپ کو گرے ہوئے دیکھ کر آواز دی لیکن اُن کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا، تو میں نے جان لیا کہ حمزہ شہید ہو چکے ہیں۔ مسلمان ان کے گرد اگرد جمع تھے جب وہ چلے گئے، تو میں آپ کے قریب آیا اور اپنے خنجر سے آپ کا شکم اطہر چیر کر جگر نکالا اور ہند بنت عتبہ کے پاس لے آیا اور کہا، یہ ہے تیرے باپ کے قاتل حمزہ کا جگر۔

---

[1] حربہ، چھوٹا نیزہ ہوتا ہے، جسے ماہر جنگجو دُور کھڑا ہو کر پوری قوت سے اپنے دشمن پر پھینکتا ہے۔

(ہو سکتا ہے کہ ہند نے وحشی سے کہہ رکھا ہو کہ جب تو حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو شہید کرلے، تو اُن کا جگر میرے پاس لے آنا یا پھر یہ قاسی القلب از خود اس کے پاس لے گیا) الغرض وحشی کا بیان ہے کہ ہند بنت عتبہ نے مجھ سے جگر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لے کر دانتوں سے چبایا، مگر نگل نہ سکی اور تھوک دیا۔ پھر اپنے کپڑے اور سونے چاندی کے تمام زیورات مجھے دے دیئے اور وعدہ کیا کہ جب مکہ پہنچوں گی تو تجھے سُرخ سونے کی دس اشرفیاں مزید دوں گی۔ ہند نے مجھ سے کہا کہ مجھے وہ جگہ دکھاؤ جہاں (حضرت) حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی لاش ہے۔ میں اُسے وہاں لے گیا تو اُس (سیاہ قلب) نے آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ہاتھ، پاؤں، ناک اور کان وغیرہ کاٹ لئے اور اپنے ساتھ مکہ لے آئی۔ [۱]

---

[۱] فتحِ مکہ سے پہلے وحشی طائف کی طرف بھاگ گیا جبکہ ہند بنت عتبہ فتحِ مکہ کے بعد مسلمان ہو گئی۔ بعد ازاں وحشی ایک وفد کے ہمراہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شانِ کریمی سے کام لیتے ہوئے وحشی کے اسلام کو قبول فرما لیا اور فرمایا اگر تجھ سے ہو سکے، تو میرے سامنے نہ بیٹھو (یعنی تم سامنے آتے ہو تو چچا یاد آجاتے ہیں)۔ وحشی کا بیان ہے کہ میں ہمیشہ اس جرم کو دھونے کی کوشش میں رہا، حتّٰی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی اور مسیلمہ کذّاب نے نبوّت کا جھوٹا دعوٰی کر دیا تو میں مسیلمہ کذّاب کی طرف چلا کہ شاید میں اسے ہلاک کر سکوں (تاکہ سابقہ جرم کا کفارہ ادا ہو) ادھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھیجا ہوا لشکرِ اسلام بھی پہنچ چکا تھا اور گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو دیوار کے درمیان کھڑا تھا، گویا وہ ایک سیاہ وسپید اونٹ تھا، جس کے بال بکھرے ہوئے تھے میں نے تاک کر حربہ اس کے سینے پر دے مارا، جو اس کے آر پار ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے ایک مسلمان مجاہد نے اس پر چھلانگ لگا کر اُس کی گردن اڑا دی۔ اس کے بعد ایک عورت جو چھت کے اُوپر کھڑی تھی، چیخ اٹھی کہ امیر المومنین (مسیلمہ کذّاب) کو ایک کالے کلوٹے غلام (مُراد وحشی) نے قتل کر دیا ہے۔ (بخاری شریف)

مروی ہے کہ آتشِ جنگ سرد ہو جانے کے بعد مسلمان میدانِ جنگ میں اپنے شہدا
کو تلاش کرنے لگے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "میرے چچا حمزہؓ
کو ڈھونڈو، وہ کہاں ہیں؟" بالآخر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے آپ کو تلاش
کر لیا۔ اس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ناک، کان، ہاتھ پاؤں وغیرہ
کاٹنے کے علاوہ آپ کے مبارک جبڑہ کو توڑ کر ظالموں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
روئے انور کو بری طرح مسخ کر رکھا تھا۔ نیز آپ کا پیٹ مبارک چیر کر جگر اور انتڑیاں
وغیرہ باہر نکالی ہوئی تھیں۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اس کربناک منظر کی
تاب نہ لا سکے اور روتے ہوئے واپس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں
پہنچے اور احوالِ واقعی سے مطلع کیا۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم
بنفسِ نفیس حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی لاش پر آئے اور حالت دیکھ کر اس قدر غمزدہ اور اندوہگین ہوئے کہ اتنا رنج آپ نے
کبھی نہ فرمایا تھا۔ آپ کی مبارک آنکھوں سے برابر آنسو رواں تھے۔ اسی دوران حضرت
صفیہ بنت عبدالمطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپھی جان)
دور سے آتی ہوئی نظر آئیں، تو حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم
نے ان کے بیٹے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اپنی والدہ صاحبہ
کو واپس لے جاؤ، کیونکہ انہوں نے اپنے محبوب بھائی کو اس حال میں دیکھا تو برداشت
نہ کر سکیں گی۔ حضرت زبیر نے دور ہی سے حضرت صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو روکا تو
آپ نے جواب دیا: "بیٹے! مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کی لاش بگاڑ دی گئی ہے اور اس
کی سخت بے حرمتی کی گئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! میں صبر کا دامن نہیں چھوڑوں گی،
مجھے میرے بھائی کی زیارت کر لینے دو۔" حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم
نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لاش پر آنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لاش مبارک کو دیکھا تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے لیکن آپ نے بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آپ کے پاس کھڑی زار و قطار رو رہی تھیں۔ خود حضور انور سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی گریہ کناں تھے اور صحابہ کرام بھی آنسو بہا رہے تھے ۔ بلکہ مدارج النبوۃ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رونے کی مانند کبھی روتے نہیں دیکھا، حتّٰی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کے جنازے پر بھی کھڑے رو رہے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، حمزہ کو ساتویں آسمان والوں میں "اسد اللہ" اور "اسد رسولہ" لکھا گیا ہے۔ نیز فرمایا حضرت حمزہ بن عبد المطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سید الشہدا ہیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدفن

چونکہ غزوۂ اُحد میں ستر صحابہ کرام نے جامِ شہادت نوش فرمایا تھا، اس لئے رسولِ مکرّم نبیٔ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ جن شہداء کرام کے درمیان اُلفت و محبت زیادہ تھی، اُن کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیں، چنانچہ حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ مدینہ طیبہ میں جبلِ اُحد کے دامن میں سید الشہداء اسد اللہ و رسولہ، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار پُرانوار آج بھی مرجع خلائق ہے

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو فرزند تھے حضرت علیٰ اور یعلیٰ حضرت عمارہ کی وجہ سے ہی حضرت حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی کنیت ابو عمارہ تھی حضرت عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں ایک بیٹا ہوا، جس کا نام انہوں نے حمزہ رکھا

اور دوسرے فرزند حضرت یعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پانچ بیٹے ہوئے مگر نسل نہ چلی، جبکہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو بیٹیاں تھیں: حضرت ام الفضل اور امامہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ان میں سے حضرت امامہ کی پرورش کے لئے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت زید، حضرت جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اپنے اپنے حق جتا رہے تھے، مثلاً حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہہ رہے تھے کہ ان کی پرورش میں کروں گا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہیں۔ نیز انہوں نے بوقتِ ہجرت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ایک اونٹ پر سفر کیا ہے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دعویٰ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میرا بھائی قرار دیا تھا، اس لئے پرورش کرنا میرا حق بنتا ہے جبکہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دلیل پیش کر رہے تھے کہ امامہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ نیز میری بیوی اس کی خالہ ہے (خالہ بمنزلِ ماں ہے) اس لئے حقِ پرورش مجھے ملنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔

(بخاری شریف، سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری، ابن خلدون، مدارج النبوۃ، مواہب لدنیہ)

مدارج النبوۃ میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی "فاطمہ" کا ذکر موجود ہے۔ عین ممکن ہے کہ حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام فاطمہ ہو (واللہ تعالیٰ اعلم)

مدارج النبوۃ میں یہ تذکرہ یوں درج ہے کہ جنگِ اُحد کے بعد جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف چلے اور اہلِ مدینہ استقبال کو نکلے تو ان میں حضرت فاطمہ دختر حضرت حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بھی تھیں جو راستہ کے کنارے کھڑے ہو کر گزرتے ہوئے لشکر سے اپنے والد حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلاش کر رہی تھیں، اتنے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب سے گزرے

تو فاطمہ بنت امیر حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے اُن سے پوچھا کہ میرے والد کہاں ہیں؟
وہ مجھے اس لشکر میں نظر نہیں آتے۔" یہ بات سُن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کا دل بھر آیا اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپ نے بات ٹالتے ہوئے جواب دیا:۔
تھوڑی دیر میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لارہے ہیں، انہیں پتہ ہے۔
اتنے میں رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے، تو حضرت فاطمہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آگے بڑھ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کی
لگام تھام کر عرض کیا: "یا رسُول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) میرے اباجان
کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا: "میں تمہارا باپ ہوں۔" انہوں نے کہا: "معلوم ہوتا
ہے میرے ابا شہید ہوگئے ہیں!" یہ کہتے ہوئے وہ رونے لگیں۔ صحابہ کی آنکھوں
میں آنسو آگئے۔ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے عرض کیا: "یا رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیک وسلم، میرے ابا شہید ہوگئے ہیں، تو اُن کی شہادت کی کیفیت بتائیے"
فرمایا: "بیٹی اگر کیفیت بیان کروں، تو تمہارا دل قابو میں نہ رہے گا۔ یہ سُن کر
حضرت فاطمہ دختر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چیخ نکل گئی۔ (مدارج النبوۃ جلد ثانی)

(۴) عمّ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابولہب بن عبدالمطلب

رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمنوں میں ایک نمایاں نام
ابولہب لعین کا بھی ہے۔ اِسی کی تردید و تذلیل میں ربِ کریم نے قرآنِ کریم میں
سُورۃ "تبّت یدا ابی لہب" کا نزول فرمایا۔ اِس جگہ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ
ہوگی کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمان برکت نشان کے کافروں
میں واحد یہ وہ شخص تھا، جس کا نام قرآن مجید میں آیا ہے۔

اس کا نام عبد العزّٰی تھا اور کنیت ابولہب ۔ لیکن یہ کنیت اس قدر غالب آگئی کہ اصل نام ہی بن گئی ۔ اس کی ماں کا نام لبنیٰ بنت ہاجر تھا ۔ شعب ابی طالب کے زمانے میں بنو ہاشم و بنو مطلب نے (باوجود اسلام قبول نہ کرنے کے خاندانی قرابت کی وجہ سے) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ساتھ دیا تھا، لیکن ابولہب نے انکار کرکے دیگر قریش مکہ کی ہمنوائی کی تھی ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اگر کسی طرف تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے، تو یہ خبیث، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے وہاں چلا جاتا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت پر لوگوں کو اُبھارتا ۔ اہلِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو ظلم و ستم کا نشانہ بنانے اور ستانے کے لئے باقاعدہ ایک کمیٹی ترتیب دے رکھی تھی ۔ مکہ مکرمہ کے پچیس نامی گرامی سردار اس کمیٹی کے ممبر اور ابولہب اِس کا سربراہ تھا ۔ ظلم و ستم کی ہر قرارداد اس کمیٹی میں پاس ہوتی تھی ۔ اس کی بیوی اُمِّ جمیل بنت حرب بن امیہ بھی پرلے درجے کی گستاخ، دریدہ دہن اور دشمن اسلام تھی ۔ باوجود امیرزادی ہونے کے یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں بچھانے کے لئے کانٹے خود اٹھا کر لاتی ۔ اسے ربّ ذوالجلال نے حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (لکڑیوں کا گٹھا اُٹھانے والی) قرار دے کر کھجور کی رسّی سے پھانسی کا حکم سُنایا ہے ۔ سُورۃ "تبت یدا ابی لہب" کے نزول کے بعد یہ ایک بہت بڑا سا پتھر اُٹھا کر گستاخی کی نیت سے حرم کعبہ میں آئی ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ صحنِ کعبہ میں تشریف فرما تھے اسے دیکھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ گستاخی کی نیت سے آرہی ہے، مبادا نقصان نہ پہنچا دے؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوبکر! غم نہ کرو، یہ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی ۔ یہ فرما کر آپ نے نماز پڑھنا شروع فرما دی ۔ یہ نابکار

سیدھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور درشت لہجے میں پوچھا تمہارا آقا کہاں ہے؟ حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قریب ہی کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے، مگر اُسے نظر نہ آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: "تجھے کیا کام ہے؟" وہ بولی، اُس نے مجھے اور میرے خاوند کو بُرا بھلا کہا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی کو گالیاں نہیں دیتے، اُن کی شان اس سے بلند ہے۔ وہ یہ کہتی ہوئی واپس چلی گئی کہ ربِ کعبہ کی قسم! اگر وہ آج مجھے مل جاتے، تو میں اُن کو سخت ایذا دیتی۔ نماز کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ابوبکر! دیکھا اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں کو اندھا کر دیا تھا، وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

بھینگا ابولہب

ابن ہشام فرماتے ہیں کہ مجھ سے حسین بن عبداللہ نے بیان کیا کہ میں نے ربیعہ بن عباد سے سُنا، جس سے میرے والد بیان کر رہے تھے کہ میں نوجوان تھا اور والد کے ساتھ میدانِ منیٰ میں موجود تھا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (حج کے لئے آتے ہوئے) مختلف قبائل کے پاس جا کر فرما رہے تھے: "اے فلاں قبیلے والو! میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں، جو تمہیں یہ حکم دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں جن کی تم پوجا کرتے ہو چھوڑ دو، مجھ پر ایمان لاؤ اور مجھے سچا جانو اور میری حفاظت کرو تاکہ میں ان احکامات کو خوب بیان کروں جن کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔" راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سُرخ و سفید رنگ والا بھینگا شخص تھا، جس کے بال دو حصوں میں بٹے ہوئے تھے، اُس نے عدن کا قیمتی لباس

پہن رکھا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی تبلیغ ختم فرماتے تو وہ کہنے لگتا: اے فلاں قبیلے والو! یہ شخص تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ تم اپنی گردنوں سے لات و عزّیٰ کا جوا نکال پھینکو (یعنی اُن کی عبادت نہ کرو) ۔ اور بنی اقیش کے جن جو تمہارے حلیف (دوست) ہیں، اُن سے الگ ہو جاؤ اور جو بدعت اور گمراہی یہ شخص لے کر آیا ہے، اُس کو قبول کر لو، تو (میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ) تم نہ اس کی اطاعت کرو اور نہ ہی اس کی بات سُنو۔" راوی نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا "یہ کون شخص ہے جو سابقہ آدمی کے پیچھے پیچھے اس کی تردید کرتا جاتا ہے" (اور لوگوں کو مخالفت پر اُبھارتا ہے) میرے باپ نے جواب دیا: "یہ شخص اُس کا چچا ابولہب عبدالعزّیٰ بن عبدالمطلب ہے۔" (سیرتِ ابن ہشام)

ابولہب کی موت

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام تھا۔ جنگِ بدر سے پہلے ہی ہم اہل خانہ، یعنی حضرت عباس اُن کی بیوی اُم الفضل اور میں (رضی اللہ عنہم) مسلمان ہو چکے تھے، لیکن اپنی قوم سے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا۔ جب جنگِ بدر کے لیے کفار نے لشکر ترتیب دیا۔ ابولہب بدر نہ جا سکا۔ اُس نے اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو روانہ کر دیا تھا۔ جب بدر کے آفت زدہ کفار کی خبر ابولہب کو ملی، تو اللہ تعالیٰ نے اسے خوب ذلیل و رسوا کیا (یعنی وہ بڑا اسٹ پٹایا) اور ہم نے بڑی خوشی اور قوت و اعزاز محسوس کیا۔ میں بڑا کمزور تھا اور زمزم کے پاس خیمے میں بیٹھا تیر بنایا کرتا تھا۔ اس دن بھی میں خیمے میں بیٹھا تیر چھیل رہا تھا اور حضرت اُمّ الفضل (زوجہ عباس) میرے پاس بیٹھی تھیں اور بدر کی باتوں پر ہم مسرور ہو رہے تھے کہ یکایک ابولہب بڑی بُری حالت میں

گرتا پڑتا آیا اور خیمہ کے قریب میری طرف پشت کر کے بیٹھ گیا (پورے مکہ مکرمہ میں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی اور ہر گھر سے آوازِ نوحہ بلند ہو رہی تھی) وہ بیٹھا ہی تھا کہ لوگوں نے کہا: "یہ لو ابوسفیان[1] بن حارث آ گیا، اس سے پوچھ لو۔" ابولہب نے اُسے کہا "میرے بھتیجے میرے پاس آؤ، تجھے سب کچھ معلوم ہے مجھے بتاؤ وہاں کیا ہوا؟" تو اس نے کہا: "(چچا) بخدا کوئی حال نہیں تھا، ہم اُن کے سامنے اس طرح بے بس تھے کہ گویا ہمارے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں، وہ (مسلمان) جس طرح چاہیں ہمیں قتل کریں اور جس طرح چاہیں قید کریں، اس کے باوجود میں اپنے ساتھیوں کو قابلِ ملامت نہیں سمجھتا، اس لئے کہ اللہ کی قسم ہمارا مقابلہ ایسے لوگوں سے تھا، جو نہایت خوبصورت اور چمکدار رنگ والے تھے اور وہ ابلق گھوڑوں پر سوار زمین و آسمان کے درمیان اُڑتے پھر رہے تھے۔ واللہ! وہ کوئی چیز نہ چھوڑتے تھے، کوئی اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

ابورافع (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا کہ میں نے خیمے کا پردہ اٹھا کر کہا: "اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ تو فرشتے تھے۔" یہ سنتے ہی ابولہب نے میرے منہ پر زور سے تھپڑ مارا۔ میں نے بھی اس کا بدلہ لے لیا، تو ابولہب لعین نے مجھے اُٹھا کر زمین پر دے مارا، پھر میرے اوپر بیٹھ کر مجھے زدوکوب کرنے لگا۔ میں کمزور تھا۔ ام الفضل خیمے کی ایک لکڑی لے کر اس کی طرف بڑھیں اور یہ کہتے ہوئے کہ اس کا آقا یہاں نہیں ہے، تو نے اسے کمزور سمجھ لیا؟ لکڑی اتنے زور سے اس کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ وہ ذلیل ہو کر اُٹھا اور اپنے گھر چلا گیا۔ اس کے بعد ایک ہفتہ کے اندر اندر اللہ تعالیٰ نے اسے مرض عدسہ میں مبتلا فرما کر ہلاک کر دیا۔ (ابن ہشام)

---

[1] یہ ابوسفیان المغیرہ بن حارث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے ہیں، ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ کفار کی طرف سے بدر میں شریک تھے۔

ارباب سِیَر بیان کرتے ہیں کہ عدسہ (چیچک کی ایک قسم) نے اس کے پورے بدن کو اپنی لپیٹ میں لے کر بدبودار ناسُور کی طرح بنا دیا تھا۔ کوئی شخص اس کے قریب تک نہ جاتا تھا۔ مرنے کے بعد بھی تین دن تک اس کی لاش ایسے ہی پڑی رہی۔ جب بدبو اور عفونت میں اضافہ ہوگیا، تو لوگوں نے دُور سے پتھر پھینک پھینک کر اس کی لاش کو چھپا دیا۔

ابولہب کی اولاد

ابولہب کے چار بیٹے تھے ؛ عتبہ[1]، عتیبہ[2]، عقبہ[3] اور معقب[4]۔ ان میں آخر الذکر دونوں لڑکے یعنی عقبہ اور معقب رضی اللہ تعالیٰ عنہما شرفِ ایمان سے مشرف ہو کر صحابہ کرام میں شامل ہوتے اور غزوہ حنین میں ہمرکابِ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام رہے۔ ابولہب کی ایک بیٹی کا ذکر ملتا ہے، اس کا نام درّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا، یہ مسلمان ہوئیں ان کا نکاح حضور اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے چچازاد بھائی نوفل کے بیٹے حارث (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے ہوا۔ ان کے تین بیٹے تھے؛ عقبہ[1]، ولید[2] اور ابو مسلم[3] یہ تینوں صحابی تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

ابولہب کے اوّل الذکر لڑکوں عتبہ اور عتیبہ[ل] کے ساتھ حضور نبی اکرم سرورِ عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی دو صاحبزادیوں یعنی سیّدہ امِّ کلثوم اور سیّدہ رقیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نکاح اعلان نبوّت سے پہلے فرما دیا تھا۔ عرب میں رواج تھا کہ چھوٹی عمر میں ہی نکاح کر دیئے جاتے اور جب وہ بڑی ہو جاتیں تو رخصتی کر دی جاتی۔ اسی طرح ابولہب کے لڑکوں سے بھی صرف نکاح ہی ہوتے تھے، ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی کہ آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے اعلانِ نبوّت فرمایا۔ سُورۃ اللّہب کے نزول کے بعد ابولہب نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ صاحبزادیوں کو طلاق دے دو۔ ان میں عتیبہ نے تو محض طلاق پر ہی اکتفا کیا، مگر عتبہ نے

لہ عتیبہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ بھی مسلمان ہوا تھا یا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

حد سے زیادہ بدبختی دکھائی۔ وہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا اور حضور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کرتہ مبارکہ کو پھاڑ دیا اور زبان سے بہت کچھ بکواس بکی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ اقدس سے اس منہ پھٹ گستاخ کے لئے نکل گیا: اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْبًا مِّنْ کِلَابِکَ۔

"اے اللہ تعالیٰ! اِس (ملعون) پر اپنے کتوں میں سے ایک کتّا مسلط فرما دے۔"

کچھ عرصہ بعد یہ ملعون اور ابولہب ایک قافلہ کے ساتھ تجارت کی غرض سے جا رہے تھے، راستہ میں رات کے وقت ایک جنگل میں ٹھہرے۔ ابولہب نے اہلِ قافلہ سے کہا کہ آج رات ہماری مدد کرو، کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی دعا کہیں آج رات میرے بیٹے کے حق میں اثر نہ کر جائے۔[1] اس پر سب اہلِ قافلہ نے اپنا سامان اکٹھا کیا اور اُسے اوپر نیچے چن کر ایک اونچا سا چبوترہ بنا دیا اور اس کے اوپر عتبہ کے سونے کے لئے جگہ بنا دی اور خود حفاظت کے لئے اس کے چاروں طرف گھیر اڈال کر بیٹھ گئے۔ جب رات گہری ہوئی، تو اللہ تعالیٰ نے ان سب پر نیند کو مسلط کر دیا۔ پھر ایک شیر آیا اور اس نے ایک ایک کے منہ کو سونگھا اور کسی کو کچھ نہ کہا (گویا اُن کو معلوم تو ہو رہا تھا کہ ان کو سونگھا جا رہا ہے، مگر وہ حرکت نہ کر سکتے تھے) پھر شیر نے جست لگائی اور سامان پر چڑھ گیا اور ملعون عتبہ کو چیر پھاڑ ڈالا۔ ایک روایت میں ہے کہ عتبہ کی گردن کو دبوچ کر لے گیا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

---

[1] سبحان اللہ تعالیٰ! ایک بدترین کافر بھی یہ جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو فرماتے ہیں، بحکمِ خداوندی وہی ہو جاتا ہے۔

⑤ عمّ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوالفضل تھی۔ ان کی ولادت عام الفیل سے عند البعض تین سال پہلے ہوئی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عمر میں دو تین سال بڑے تھے۔ ان کی والدہ کا نام قتیلہ بنت خباب تھا۔ یہ وہ پہلی عربی خاتون ہیں کہ جنہوں نے خانہ کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھایا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت عباس بچپنے میں گم ہو گئے تھے۔ کافی تلاش کے باوجود نہ ملے تو ان کی والدہ نے نذر مانی کہ وہ مل جائیں، تو بیت اللہ شریف پر غلاف چڑھائیں گی۔

حضرتِ عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بڑے حسین وجمیل دو گیسو والے اور طویل القامت تھے۔ منقول ہے کہ عام لوگوں کا قد ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھوں تک پہنچتا تھا اور ابنِ عباس کا قد حضرتِ عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے کندھوں کے برابر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ روزِ بدر پورے مدینہ طیبہ میں سوائے عبداللہ بن ابی کے کسی کا کرتہ حضرت عباس کے پورا نہ آیا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں سردارانِ قریش میں سے ایک تھے۔ مسجدِ بیت الحرام کی تولیت یعنی بیت اللہ کو لوگوں کے شور و غل سے بچانا اور تعمیر و دیکھ بھال کرنا۔ نیز حاجیوں کو زم زم پلانے کے عہدے ان ہی کے پاس تھے۔

ابتدائے اسلام میں حضرت عباس اسلام نہ لانے کے باوجود بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نرمی اور محبت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب بیعتِ عقبہ ثانیہ کے موقع پر اہلِ مدینہ کی ایک بڑی جماعت قریشِ مکہ سے پوشیدہ طور پر منیٰ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں بیعت کے لئے حاضر ہوئی، تو سرکارِ مدینہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عباس ہی کو ساتھ لے کر گئے تھے اور جب آنے والے یہ اہل مدینہ بیعتِ اسلام سے مشرف ہوگئے، تو حضرت عباس نے ان کو فرمایا "اے قوم والو! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہم لوگوں میں صدر درجہ عزت، شرافت اور عظمت رکھتے ہیں۔ اب اگر تم ان کے ساتھ وفائے عہد کا مصمم اور مضبوط عزم رکھتے ہو اور تم اپنی جانوں پر مکمل اعتماد اور بھروسہ رکھتے ہوئے اپنی جاں نثاری کا پختہ وعدہ کرتے ہو کہ خواہ حالات کیسے ہی ہو جائیں تم ان سے (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ وفا کرو گے۔ انکے ساتھ ساتھ رہو گے، ان کا ساتھ نہ چھوڑو گے، تو ٹھیک ہے، ورنہ بہتر ہے کہ ابھی جواب دے دو تاکہ کل تمہیں پریشانی نہ اُٹھانی پڑے اور تمہیں دشمنی کا نشانہ نہ بننا پڑے" انصارِ مدینہ نے جواباً کہا: "اے عباس! تم نے جو کچھ کہا ہے، ہم نے سُن لیا ہے۔ ہم حاضر ہیں یارسُول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم)، ہمیں حکم دیجیے ہم آپ کے قدموں پر جان قربان کرنے کے لئے بھی تیار ہیں۔" پھر حضور نبی اکرم شفیعِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ مدینہ کے درمیان کچھ عہد و پیمان ہوئے، جن کی تفصیل کتبِ سیرت میں موجود ہے۔

روزِ بدر حضرت عباس مشرکینِ مکہ کے ساتھ مل کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں آئے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا تھا کہ اگر کسی کا عباس سے آمنا سامنا ہو تو وہ اُن کو قتل نہ کرے، کیونکہ وہ خوشی سے اس لشکر میں شامل نہیں ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک کمزور سے صحابی حضرت ابوالیسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ مرقوم ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یارسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، میں نے عباس کو گرفتار کیا ہے اور میری مدد ایک ایسے جوانمرد نے کی جسے میں نے کبھی نہیں دیکھا، وہ بڑی ہیبت

اور عظمت والا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "وہ اللہ تعالیٰ کا معزز فرشتہ تھا' جس نے حضرت عباس کو پکڑ کر تیرے سامنے کر دیا۔"

اسیرانِ بدر کو رسیوں سے باندھا گیا تھا۔ رات کو سخت بندش کی وجہ سے حضرت عباس کراہنے لگے' تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بے چین ہو گئے۔ یہ دیکھ کر صحابہ نے حضرت عباس کی بندش کو ڈھیلا کر دیا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کا پتہ چلا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ سب قیدیوں کی بندشوں کو ڈھیلا کر دیا جائے۔ کہ سب کو برابر کی تکلیف ہے۔ سبحان اللہ تعالیٰ آپ رحمتِ عالم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو ہوتے)

حضرت عباس نے بدر کی طرف روانہ ہوتے وقت اپنی زوجہ حضرت ام الفضل کو بہت سا سونا دے کر کہا تھا کہ اسے سنبھال کر رکھو' کسی کو خبر نہ ہونے دو۔ اگر جنگ سے سلامت واپس آگیا' تو تم سے واپس لے لوں گا، لیکن اگر میں قتل ہو گیا' تو میں نے تمہیں عمر بھر کے لئے دولت مند بنا دیا ہے۔ اس میں سے اتنا میرے بیٹوں فضل، قثم اور عبد اللہ کا ہے۔ علاوہ ازیں بیس[۲۰] اوقیہ[۱] سونا ساتھ لے لیا تاکہ لشکر کو کھانا کھلا سکیں۔

حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا اعلانِ اسلام

جب رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے اسیرانِ بدر سے رہائی کے بدلہ میں فدیہ طلب فرمایا' تو حضرت عباس نے عرض کیا کہ "میرے پاس بیس[۲۰] اوقیہ سونا تھا' جو آپ کے صحابہ نے لے لیا ہے' وہ میرے فدیہ میں رکھ لو"۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وہ مالِ غنیمت ہے' فدیہ الگ دینا ہو گا۔" بلکہ تم اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبد المطلب اور

---

[۱] ایک اوقیہ تقریباً اڑھائی تولہ کے برابر ہوتا ہے۔

اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ بھی ادا کرو۔ عتبہ کا سو[1] اوقیہ، باقی سب کا چالیس[2] چالیس[3] اوقیہ فی کس ہے۔" حضرت عباس نے کہا "میرے پاس تو اور کوئی بھی مال نہیں ہے، آپ کیا چاہتے ہیں کہ آپ کا چچا لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگتا پھرے؟" تو رسول مکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسکرا کر ارشاد فرمایا "تو چچا! وہ سونا کہاں گیا جو مکہ سے آتے وقت تم چچی ام الفضل کو دے آئے تھے؟ اور کہہ رہے تھے کہ مجھے کچھ ہو گیا تو یہ تیرا ہے، یہ فضل کا ہے، یہ قثم کا ہے، یہ عبداللہ کا ہے اور کہہ رہے تھے کہ میں نے تم کو دولت مند بنا دیا ہے۔"

یہ سنتے ہی حضرت عباس پکار اٹھے: اللہ کی قسم! یہ میرے اور ام الفضل کے درمیان ایسا راز تھا کہ جس کا کسی کو علم نہ تھا۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔" اور کہا: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اِنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ (مختلف کتب سیرت)

فتح مکہ کے وقت جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ کی طرف تشریف لا رہے تھے، تو راستے میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا رہے تھے۔ رسول اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اہل و عیال کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا، جبکہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خصوصی کرم

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کے بعد حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کا بڑا اعزاز و اکرام فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے چچا عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بمنزلہ میرے والد

[1-3] یہ سب قیدی تھے۔

کے ہیں، جس نے ان کو ایذا دی، اُس نے مجھے ایذا دی۔"

ایک دن جو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے، اور آگے بڑھ کر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ پھر ان کو اپنی داہنی طرف بٹھایا اور (صحابہ کرام سے) فرمایا: یہ میرے چچا ہیں، ہر ایک کو یہ خواہش ہوتی ہے کہ اپنے چچا پر فخر کرے" (یعنی مجھے اپنے چچا پر فخر ہے) اس پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، آپ کتنی خوش کُن بات فرما رہے ہیں۔" حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیوں نہ کہوں، حالانکہ آپ میرے چچا ہیں، اور بمنزلہ والد کے ہیں اور میرے اجداد کے بقیہ اور وارث ہیں اور وہ بہترین شخص ہیں جسے مَیں اپنے اہل میں چھوڑے جاتا ہوں۔"

"مدارج النبوۃ" میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "میرے چچا! کل اپنے گھر رہنا اپنے بچوں کو بھی باہر نہ بھیجنا، میں تمہارے ہاں آؤں گا، مجھے تم سے ضروری کام ہے" پھر دُوسرے روز نبیِ محترم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُن کے ہاں رونق افروز ہوئے، تو ان سب کو اپنی چادرِ مُبارکہ میں ڈھانپ لیا اور دُعا کی کہ اے خُدا! یہ میرے چچا، میرے والد کے قائم مقام ہیں، یہ اِن کے فرزندان میرے اہل بیت ہیں، ان سب کو آتشِ دوزخ سے ایسے ہی چھُپا لے، جس طرح میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپا لیا ہے۔" اس پر سب نے آمین کہا، حتیٰ کہ گھر کے درو دیوار نے بھی آمین کہا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم)

وفات حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلتِ مبارکہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ماہِ رجب اور

عہد البعث ماہ رمضان المبارک میں ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہوئی۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ آپ کو جنۃ البقیع میں دفن کیا گیا اور آپ کو قبر میں آپ کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُتارا۔

اولاد

آپ کے دس لڑکے تھے، جن میں فضل، عبداللہ، عبیداللہ، معبد، قثم اور عبدالرحمٰن یہ سب حضرت ام الفضل کے بطن سے تھے۔ نیز ایک صاحبزادی حضرت اُم حبیب بھی ان ہی کے بطن سے تھیں، جبکہ عون ایک اور زوجہ سے، حارث اور زوجہ سے، جبکہ تمام اور کثیر ایک اور زوجہ سے جو کہ رومیہ تھی، پیدا ہوئے۔ ان میں سب سے بڑے حضرت فضل تھے۔

۱۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان ہی کی وجہ سے ابوالفضل اور اوران کی والدہ (لبابۃ الصغریٰ) کو اُم الفضل کہا جاتا ہے۔ غزوۂ حنین اور حجۃ الوداع میں یہ ہمرکاب نبوی تھے۔ آپ حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز وتکفین اور غسل میں دیگر اہل بیت کے ساتھ شامل تھے اور جب حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قبر انور میں اُتارا گیا تو پہلے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عباس، حضرت قثم اور آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اُترے اور رحمت عالم شفیع اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سہارا دے کر لحد مبارک میں لٹایا۔ پھر آپ جہاد کی غرض سے ملک شام کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صرف اکیس ۲۱ برس کی عمر میں اردن کے علاقہ میں طاعون عمواس میں وفات پائی اور یہ بھی مرقوم ہے کہ آپ نے جنگ یرموک میں جام شہادت نوش فرمایا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ان کی صرف ایک صاحبزادی حضرۃ اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جن کا نکاح

اول حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوا، اور پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں آئیں۔

۲۔ **حضرت عبداللہ ابن عباس** (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) آپ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سب سے زیادہ مشہور و معروف ہیں۔ آپ کے اصل نام عبداللہ پر آپ کی کنیت "ابن عباس" غالب آگئی اور جہاں بھی تنہا لفظ "ابن عباس" لکھا ہو، آپ ہی مراد لیے جاتے ہیں۔ ان کی والدہ ماجدہ لبابہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ صاحبہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت نبوی سے تین سال قبل پیدا ہوئے اور مشہور روایت کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلتِ مبارکہ کے وقت آپ کی عمر شریفہ تیرہ برس کی تھی۔ آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں بہت بڑے عالم اور عظیم مفسرِ قرآن ہیں حدیث مبارکہ کے مطابق حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ "اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ الْحِکْمَةَ وَتَاوِیْلَ الْقُرْاٰنَ۔ اے اللہ تعالیٰ! ان کو حکمت (دانائی، فقہ، فہم و شعور کی دولت) اور تاویل (و تفسیر) قرآن سکھا دے۔" رسول اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا سے آپ بہت بلند مرتبہ پر فائز ہوئے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ آپ نے دو مرتبہ جبریلِ امین علیہ السلام کو دیکھا ہے۔

حضرت مسروق کہتے ہیں کہ جب میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتا، تو کہتا یہ ہی سب سے زیادہ حسین ہیں، جب وہ بات چیت کرتے تو کہتا یہ ہی سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہیں، اور جب وہ احادیثِ مبارکہ سناتے تو کہتا کہ یہ ہی سب سے عالم و فاضل ہیں۔

حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں یہ بہت مقرب تھے، باوجود صغر سنی کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اپنے قریب جگہ دیتے اور اکابر صحابہ کے ساتھ مشورہ کرتے وقت ان کو بھی شامل فرماتے۔ حضرت سیدنا علی المرتضےٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے آپ کو حاکم بصرہ مقرر کیا تھا۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں یہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں اپنے فرزندان حسن حسین اور محمد کے ساتھ حاضر رہے تھے۔ آخر عمر میں آپ کی بینائی جاتی رہی۔ طبیب نے کہا کہ میں اپریشن کر دوں گا، بینائی لوٹ آئے گی، لیکن چند روز آپ کو سجدہ کرنے سے ممانعت ہوگی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ مجھے اُن آنکھوں کی ضرورت نہیں کہ جن کے حصول کے لئے مجھے سجدہ چھوڑنا پڑے اور آپ نے نظر نہ بنوائی۔ آپ نے اپنی نابینائی پر یہ شعر کہا ؎

اِن یَاخذ اللہ مِن عَینی نورَ ھُما
فَفِی لِسانی وقلبی منھما نورٌ

"یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں کا نور واپس لے لیا ہے تو کیا پرواہ، ان کی وجہ سے (اللہ تعالیٰ نے) میرے قلب و زبان کو پُر نور فرما دیا ہے۔"

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بمقام طائف ۶۸ھ میں حضرت عبد اللہ ابنِ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ بعمر اکہتر سال وفات پائی۔ ان سے صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت روایت کرتی ہے ان سے مروی احادیثِ مبارکہ کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے زاید ہے۔ آپ گورے رنگ اور لانبے قد والے تھے، تناسب کے ساتھ فربہ اور حسین و خوش رُو تھے۔ سر کافی بال تھے، جن کو مہندی لگایا کرتے تھے۔ خلفائے بنو عباسیہ کہ جن کی حکومت ۱۳۲ھ سے ۶۵۰ھ تک رہی، آپ ہی کی نسل سے ہیں۔

۳۔ عُبیداللہ ابنِ عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) یہ اپنے بھائی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تقریباً ایک سال چھوٹے تھے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو یمن کا حاکم مقرر کیا تھا۔ بہت بڑے سخی تھے، اسی بنا پر اجود الناس کے نام سے مشہور ہوئے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے آپ کو دو مرتبہ یعنی ۳۶ھ اور ۳۷ھ میں امیر الحاج مقرر فرمایا، آپ نے ۵۸ھ میں وفات پائی۔

۴۔ مَعبد بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانِ برکت نشان میں پیدا ہوئے۔ اور خلافتِ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوران ۳۵ھ کو افریقہ میں جہاد کرتے ہوئے مرتبۂ شہادت پر فائز ہوتے۔

۵ حضرت قثم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ بڑے پائے کے صحابی ہیں، ان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ رسولِ کریم نبی عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تجہیز و تکفین اور غسل میں شامل رہے۔

"مدارج النبوۃ" میں ہے کہ حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو غسل دینے میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ معاونت کرنے والے، حضرت عباس اور ان کے بیٹے، حضرت فضل اور قثم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے، جو پانی بھی ڈالتے جاتے تھے، اور پہلو شریف بدلنے میں بھی مدد دیتے تھے، بلکہ مرقوم ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو لحد شریف میں لٹانے کے بعد سب سے آخر میں یہ ہی باہر نکلے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان کو مکہ مکرمہ اور طائف کا حاکم مقرر کر دیا تھا (ابن خلدون)، آپ کی سخاوت مشہور و معروف تھی۔ حضرت سیدنا قثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سعید بن عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ جہادِ سمرقند (روس) میں شامل ہوئے اور وہیں مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ (رحمۃً للعالمین)

۶۔ حضرت کثیر بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ حضور نبی کریم محبوبِ رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحلتِ مبارکہ سے چند ماہ قبل پیدا ہوئے۔ بڑے حسین و جمیل، ذکی الذہن، بلند پایہ فقیہہ اور عالم و فاضل تھے۔

۷۔ تمام بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت تمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اولادِ سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ یہ جنابِ کثیر کے حقیقی بھائی تھے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اِن کو مدینہ منورہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔

۸۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم کے زمان برکت نشان میں پیدا ہوئے اور حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں یہ اپنے بھائی معبد بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی ہمراہی میں جہادِ افریقہ کے دوران جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادوں حضرت عون اور حارث کے حالات نہ مل سکے، البتہ آپ کی صاحبزادی کی شادی اسود بن سفیان کے ساتھ ہوئی، جو کہ اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔

⑥ حضرت زبیر (عم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

جنابِ زبیر بن عبدالمطلب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت فرمانے سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ اِن کی رحلت کے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارکہ ۳۴ برس کی تھی۔ جنابِ زبیر نہایت ہی رحم دل اور پاکیزہ خیالات کے حامل تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلانِ نبوت سے قبل جب حجازِ مقدس کو امن و امان کا گہوارہ بنانے کے لئے معاہدہ حلف الفضول کی تحریک اٹھی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت زبیر بن عبدالمطلب نے بھی اس تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ معاہدہ حلف الفضول کے ممبر زیہ عہد کرتے تھے کہ:

(۱) "ہم اِس ملک سے بدامنی دُور کریں گے (۲) ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے (یعنی قافلے لُوٹنے والوں سے مقابلہ کریں گے) (۳) ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔ (۴) ہم طاقتور کو کمزور پر ظلم کرنے سے روکیں گے۔"

اِن باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنابِ زبیر کس قدر انسان دوست اور بلند اخلاق تھے۔ ان کا ایک بیٹا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دو لڑکیاں حضرت اُمِ حکیم اور حضرت ضباعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحابہ کرام میں شامل ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمّاتِ محترم (یعنی پھوپھیاں)

① **حضرت اُمِ حکیم بیضاء** یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ، حضرت ابوطالب اور

حضرت زبیر کی حقیقی بہن ہیں، (یعنی یہ سب ایک ہی والدہ کے شکم سے تھے) اِن کا نکاح کریز بن ربیعہ بن حبیب کے ساتھ ہوا تھا۔ اِن کا بیٹا حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پوتا حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں صحابی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاکمِ خراسان بنایا تھا۔ امِ حکیم کی صاحبزادی کا نام "اروٰی" تھا اور یہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ تھیں، گویا اِس اعتبار سے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنابِ رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی حقیقی پھوپھی کے نواسے تھے۔ (زرقانی)

۲ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

جنابِ رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی یہ پھوپھی محترمہ حضرت سید الشہدا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی ہمشیرہ ہیں۔ بہادری میں بے مثال تھیں۔ غزوہ خندق کے ایام میں مسلمان عورتیں ایک مقام پر قلعہ بند تھیں اور معدودے چند مسلمان حفاظت پر متعین تھے۔ مدینہ طیبہ کے یہودیوں نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، تو تحقیقِ حال کے لئے ایک یہودی کو روانہ کیا۔ جب وہ قلعہ کے پاس پہنچا تو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے دیکھ لیا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ جاؤ اور اُس یہودی کو قتل کردو تاکہ اہلِ ایمان اُس کے شر سے بچ جائیں، مگر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس یہودی کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی، لاچار حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود اٹھیں اور ان کے ہاتھ میں خیمہ کی لکڑی تھی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جاتے ہی اس قدر زور سے وہ لکڑی یہودی کے سر پر ماری کہ وہ چکرا کر گر پڑا، پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اُسی کی تلوار سے اُس کا سر کاٹ کر دیوارِ قلعہ کے اوپر سے پوری قوت کے ساتھ گروہِ یہود کی طرف پھینک دیا۔ جب انہوں نے اپنے ایک بہادر جوان کا کٹا ہوا سر اپنے درمیان دیکھا تو ڈر گئے اور سمجھے کہ قلعہ میں عورتیں نہیں، بلکہ مرد ہیں اور پھر اُن کو حملہ کرنے کی جراٴت نہ ہوئی۔

غزوۂ اُحد میں جب آپ کے برادرِ حقیقی سید الشہدا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے، تو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کمال صبر و استقلال اور ضبط کا مظاہرہ فرمایا۔ (ربِ کریم آپ پر اپنی بے شمار رحمتوں کا نزول فرمائے، آمین!)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نکاح حارث بن حرب بن امیہ سے ہوا۔ اُس کے مرجانے کے بعد دوسرا نکاح عوام بن خویلد بن اسد کے ساتھ ہوا۔ یہ عوام بن خویلد حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی بھائی ہیں۔ ان سے آپ کے بیٹے حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سائب بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پھوپھی زاد بھائی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے) عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ غزوۂ بدر میں ان کے شانہ پر نہایت گہرا زخم آیا تھا، باوجود شدتِ الم کے آپ کا مقابلہ ایک نامور اور مغرور قریشی پہلوان عبیدہ بن سعید بن العاص سے ہو گیا جو کہ سرتاپا لوہے کے لباس میں ڈھکا ہوا تھا اور سوا دونوں آنکھوں کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آتا تھا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ چکی تھی اور ایک برچھی ہاتھ میں تھی جونہی اُس نے آپ کو للکار آپ فوراً آمادۂ پیکار ہو گئے۔ حالانکہ عبیدہ بن سعید بڑا ماہر جنگجو تھا اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی، پھر بھی آپ نے نہایت ہنرمندی سے اُس کے مہلک ہتھیاروں سے بچتے ہوئے تاک کر برچھی اتنے زور سے اُس کی آنکھ میں ماری کہ اس کے سر کی کھوپڑی چکنا چور کر ڈالی اور برچھی اس خبیث کافر کے سر میں یوں پیوست ہو گئی کہ اُس کے مرنے پر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کی لاش پر کھڑے ہو کر پوری قوت سے برچھی کو کھینچا تو اُس کے فولادی پھل دونوں طرف سے مڑ گئے اور بمشکل تمام وہ باہر نکل سکی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہادری کی یوں قدر فرمائی یہ برچھی بطورِ یادگار اپنے پاس رکھ لی۔ پھر یکے بعد دیگرے یہی برچھی بطور آثارِ مبارک

(تبرکاً) چاروں خلفائے راشدین کے پاس رہی۔ آخر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عطا فرما دی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دوسرے بیٹے حضرت سائب بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی غزوۂ بدر و غزوۂ احزاب وغیرہ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ انہوں نے زمانۂ سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں جنگِ یمامہ میں بھی بھرپور انداز میں حصہ لیا۔ ۳۶ھ میں بعمر چونسٹھ برس وادیٔ سباغ میں عبداللہ بن جرموز نامی باغی نے بحالتِ سجدہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔

③ برّہ بنتِ عبد المطلب

ان کا نکاح عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم قرشی سے ہوا۔ ان کے بیٹے کا نام ابوسلمہ عبداللہ تھا۔ حضرت ابوسلمہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قدیم الاسلام مسلمان ہیں۔ مشہور روایت کے مطابق یہ گیارھویں مسلمان ہیں یعنی ان سے قبل صرف دس افراد نے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کا نام ہند تھا جو کہ ام سلمہ کے نام سے مشہور ہوئیں اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلتِ مبارکہ کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زوجیتِ مطہرہ میں آکر ام المومنین کے بلند مرتبہ پر فائز ہوئیں۔ حضرت ابوسلمہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح اسلام کی خاطر بہت تکالیف اٹھائیں، ان میں سے بعض کا ذکر "امہات المومنین" کے ذکرِ مبارکہ میں حضرت ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تحت ہوگا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

حضرت ابوسلمہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد دو بیٹے عمر اور سلمہ جبکہ دو بیٹیاں زینب اور درہ تھیں، یہ سب کے سب شرفِ ایمان سے مشرف ہوئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

④ عاتکہ بنتِ عبد المطلب

یہ وہی عاتکہ ہیں کہ جنہوں نے غزوۂ بدر سے قبل اور ابوسفیان کے قاصد ضمضم غفاری

کے مکہ مکرمہ پہنچنے کے تین یوم قبل خواب دیکھا اور بیان کیا کہ ایک اُونٹ سوار وادی البطح میں کھڑا چلاّ کر پکار رہا ہے کہ "اے بے وفاؤ! اپنے بچھڑنے کی جگہ کی طرف تین دن کے اندر جنگ کے لئے نکلو، لوگ اس کے گرد اگرد جمع ہو گئے۔ پھر وہ شخص مسجد میں داخل ہوا، لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ پھر وہ اچانک اپنے اونٹ پر سوار خانہ کعبہ کے اوپر نمودار ہوا، پھر اسی طرح پوری قوت سے چلاّیا کہ سنو! اے غدارو! اپنے مرگھٹ کی طرف تین دن کے اندر اندر جنگ کے لئے نکلو، پھر وہ اُونٹ پر سوار، کوہِ قبیس کی چوٹی پر نظر آیا، اور اسی طرح پھر چلاّیا، پھر اس نے ایک بہت بڑا پتھر اُٹھایا اور بڑے زور سے نیچے کی طرف پھینکا، دامنِ کوہ میں وہ پتھر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور پھر مکہ مکرمہ کا کوئی گھر ایسا نہ تھا اور نہ ہی کوئی حویلی ایسی تھی کہ جہاں اُس پتھر کا کوئی نہ کوئی ٹکڑا نہ پہنچا ہو۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سُن کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ خواب تو بہت اہم ہے، مگر تم کسی سے بیان نہ کرنا۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قریبی دوست ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے اس کا ذکر کیا اور یوں اس خواب کا چرچا پورے مکہ شہر میں ہو گیا۔ ابوجہل خبیث نے، دُوسرے کفار سے مل کر اس خواب کی خوب ہنسی اڑائی اور بولا: بنی عبدالمطلب کے لئے یہ کافی نہیں تھا کہ اُن کے مرد نبوت کا دعویٰ کریں؟ اب تو اُن کی عورتیں بھی نبوت کا دعویٰ کر رہی ہیں۔" پھر بولا: "ہم تین دن تک اس کی تعبیر کا انتظار کریں گے۔ اگر کچھ ظاہر ہوا تو ہم ایک تحریر لکھ کر لٹکا دیں گے کہ حرمِ مکہ میں سب سے جھوٹا خاندان عبدالمطلب کا خاندان ہے۔"

اِس خواب کے تیسرے دن علی الصبح ابوسُفیان کا قاصد ضمضم بن عمرو الغفاری عجیب و غریب ہیئت بنا کے چیختا ہوا شہرِ مکہ میں داخل ہوا۔ اُس نے اپنے اُونٹ کی ناک کاٹ ڈالی تھی جس سے اُونٹ کا چہرہ خون آلود اور ہیبت ناک ہو گیا تھا اُس نے اُونٹ کا کجاوا بھی اُلٹ دیا تھا اور اپنے کپڑے بھی پھاڑ رکھے تھے۔ وہ ماتم کرنے کے انداز میں چیختا ہوا کہہ رہا تھا، اے گروہِ قریش! فریاد، فریاد! ابوسُفیان کے قافلے

میں شامل تمہارا سامان لٹ گیا، اونٹ چھن گئے۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اور اُس کے ساتھی گھات لگائے حملہ کی تیاری کر رہے تھے۔ مجھے امید ہے کہ اب تک حملہ ہو چکا ہو گا۔ شاید تم اپنا مال نہ پا سکو، جلدی کرو، ہائے اونٹ، ہائے ہمارے اُونٹ، ہائے ہمارا سامان . . . ضمضم غفاری کی اِس چیخ و پکار نے پورے شہر مکہ میں ہلچل برپا کر دی اور سردارانِ قریش ابوجہل کی سرکردگی میں غیض و غضب سے بپھرے ہوئے میدانِ بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔ پھر وہاں، یعنی میدانِ بدر میں جو ہوا اُس سے زمانہ واقف ہے، یعنی عاتکہ بنتِ عبدالمطلب کے خواب کی تعبیر اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔

امیمہ بنتِ عبدالمطلب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس پھوپھی صاحبہ کی شادی جحش بن رباب سے ہوئی۔ اِن سے ایک بیٹا یعنی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ یہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدانِ اُحد میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے اور اپنے نامور ماموں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبرِ انور میں مدفون ہوتے۔ امیمہ بنت عبدالمطلب کی تین بیٹیاں تھیں، یعنی زینب، اُمِ حبیبہ اور حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں، یعنی ام المؤمنین کے درجہ پر فائز ہوئیں، ان کا پہلا نام برہ تھا۔ زینب نام جنابِ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا تھا، ان کا تفصیلی ذکر امہات المؤمنین کے ضمن میں آئے گا۔

دوسری بیٹی حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا، جبکہ تیسری بیٹی حضرت حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت

مُصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا، جبکہ عقدِ ثانی حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہوا اور دو بیٹے حضرت محمدؔ اور عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔

اروٰی بنتِ عبدالمطلب

یہ حضرت سیدنا عبداللہ یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدِ گرامی کی سگی ہمشیرہ ہیں، ان کا نکاح عمیر بن وہب بن عبد بن قصیؔ کے ساتھ ہوا تھا۔ اِن کے بیٹے طُلیب قدیم الاسلام ہیں، جب انہوں نے اپنی والدہ محترمہ اروٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے قبول اسلام کی خبر دی، تو آپ نے جواباً فرمایا: تیرے لئے تیرے ماموں کا بیٹا (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) سب سے بڑھ کر خدمت اور مدد کا حق دار ہے۔ خدا تعالیٰ کی قسم اگر ہم عورتوں کو مردوں کی طرح طاقت حاصل ہوتی، تو ہم پوری جاں نثاری سے اُن کے دشمنوں کا مقابلہ کرتیں اور اُن (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کا دفاع کرتیں طُلیب بن اروٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکمِ نبوی کے مطابق پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر مدینہ منورہ کی طرف مہاجر ہوئے، غزوۂ بدر میں شامل تھے۔ ابھی آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی نہ کی تھی، یعنی ابتدائے اسلام میں ایک مرتبہ عوف بن صبرہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی کی۔ یہ حضرت طُلیب برداشت نہ کر سکے اور عوف بن صبرہ کی داڑھی کو زور سے پکڑ کر اسے اتنا مارا کہ اُس کا سر پھٹ گیا اور یُوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت میں کسی کافر کو سزا دینے میں سب سے اوّل ہونے کا شرف آپ کے حصہ میں آیا۔ حضرت طُلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۱۵ھ میں غزوۂ تبوک کے دوران دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرما گئے

حضرت سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب (والد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اپنے والد حضرت عبدالمطلب کے بڑے

لاڈلے بیٹے تھے، چونکہ حامل نورِ محمدی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تھے، اس لئے حسن و جمال میں بے مثال تھے، ان کا لقب "ذبیح" تھا۔ پس منظر اس کا کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت عبد المطلب نے غیبی اشارہ پا کر چاہِ زمزم کھودنے کا ارادہ فرمایا (جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے) تو قریشِ مکہ نے سخت مخالفت کی اور ان کے بیوقوفوں نے آپ کو ایذائیں پہنچائیں۔ سبب اس کا یہ تھا کہ چاہِ زمزم کے مقام کے آس پاس دو بُت نصب تھے، ان کا نام اساف اور نائلہ[1] تھا۔ قریش نہیں چاہتے تھے کہ ان بُتوں کے درمیان کنوئیں کو کھودا جائے۔ اس وقت حضرت عبد المطلب کے ساتھ اُن کے بیٹے حارث کنوآں کھودنے میں مُعاون تھے۔ اس وقت حضرت عبد المطلب نے جبکہ زمزم ظاہر ہو گیا" نذر مانی کہ "اگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو دس[۱۰] فرزند عطا فرمائے اور وہ سب جوان ہو کر ان کے مُعاون و مددگار بنیں، تو وہ (عبد المطلب) ان میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیں گے۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دس[۱۰] فرزند عطا فرمائے اور وہ سب حدِ بلوغ کو پہنچ گئے۔

ایک شب حضرت عبد المطلب خانہ کعبہ کے قریب سوئے ہوئے تھے کہ انہیں کسی کہنے والے نے کہا، "اے عبد المطلب! اپنی نذر کو پورا کر، جو تو نے ربِ کعبہ کے لئے مانی تھی۔" وہ خواب سے بیدار ہوئے تو خوف سے لرز رہے تھے، انہوں نے فوراً ایک دُنبہ ذبح کر کے کھانا تیار کروایا اور فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد پھر خواب آیا

---

[1] یہ اساف اور نائلہ دراصل مرد و عورت کے نام ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں انہوں نے خانہ کعبہ کے اندر بدکاری کی، جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کو پتھر بنا دیا۔ سیرت ابنِ ہشام میں ہے کہ اساف، یعنی کا بیٹا تھا اور نائلہ کے باپ کا نام ذیک تھا۔ یہ قبیلہ بنو جرہم سے تعلق رکھتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم! کفار کی حالت اور جہالت قابلِ دید ہے کہ وہ اِن کو دیوتا سمجھ کر پوجنے لگے۔ ۱۲

اور کہا گیا کہ "اس سے بڑی قربانی کرو" پھر آپ بیدار ہوئے، تو اللہ کی راہ میں گائے کی قربانی دی، لیکن پھر خواب میں حکم ہوا کہ "اس سے بڑی قربانی دو" اس پر آپ نے اونٹ ذبح کر کے فقراء میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد خواب میں صاف صاف بتا دیا گیا کہ "تم نے اپنے فرزندوں میں سے ایک کو قربان کرنے کی منت مانی تھی؟" اس خواب پر آپ نہایت درجہ غمگین ہو گئے اور تمام فرزندوں کو اپنے خواب سے مطلع فرمایا تو تمام فرزندوں نے بیک زبان عرض کیا کہ اگر آپ ہم سب کی قربانی دینے پر راضی ہیں، تو ہم سب تیار ہیں، کوئی انکار نہیں۔ حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹوں کی اس اطاعت شعاری اور سعادتمندی پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: "قرعہ اندازی کر لو، جس کا نام قرعہ میں نکلے گا، اُسی کو قربان کروں گا"، جب قرعہ نکالا گیا، تو وہ حضرت عبداللہ کے نام کا نکلا۔ حضرت عبداللہ نہایت ہی حسین و جمیل اور بہادر تھے۔ حضرت عبدالمطلب کو ان سے غایت درجہ کی محبت بھی تھی، اس کے باوجود حضرت عبدالمطلب اٹھے اور حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر اساف و نائلہ کے قریب خانہ کعبہ سے متصل قریش کی قربان گاہ میں لے آئے (مدارج النبوۃ)

چنانچہ جب حضرت عبدالمطلب ایک ہاتھ میں چھری تھامے اور دوسرے ہاتھ سے اپنے لختِ جگر کا بازو پکڑے قربان گاہ میں داخل ہوئے، تو قریش اپنی مجلسوں سے اُٹھ کر تیزی کے ساتھ ان کی طرف آئے اور کہا، عبدالمطلب کیا کرنا چاہتے ہو؟ فرمایا میں اسے راہِ خدا میں ذبح کرنا چاہتا ہوں (اور خواب کے واقعہ سے مطلع کیا)، قریش نے کہا خدا تعالیٰ کی قسم ایسے نہیں ہو گا، جب تک آپ مجبور نہ ہو جائیں، اس کو ذبح نہ کریں اگر آپ ایسا کریں گے، تو پھر (آپ کی دیکھا دیکھی)، ہر شخص اپنا بچہ لایا کرے گا تاکہ اسے ذبح کرے۔ اِس طرح نسلِ انسانی ختم ہو جائے گی۔ مغیرہ بن عبداللہ نے کہا، "ایسا ہرگز نہ کیجئے، خدا کی قسم! جب تک آپ مجبور نہ ہو جائیں، اگر اس کا فدیہ ہمارے مال سے ہو سکتا ہے تو ہم دینے کے لئے تیار ہیں، حکم فرمایئے"۔ (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت عمرو مغیرہ بن عبداللہ کے خاندان سے تھیں، حضرت عبدالمطلب کے دوسرے بیٹوں نے بھی یہ ہی عرض کی کہ سردست ان کو ذبح نہ کیا جائے۔ پھر سب نے متفقہ طور پر اس قضیہ کا حل تلاش کیا کہ حجاز (مدینہ منورہ) میں ایک عرافہ (یعنی غیب کی باتیں بتانے والی) ہے، جس کے کوئی (شیطان یا مؤکل یا کوئی روح) تابع ہے، وہ حالات صحیح صحیح بتا دیتی ہے، اگر اس نے بھی ان کو ذبح کرنے کا کہہ دیا تو آپ کو اختیار ہے، ورنہ وہ جو کہے، اس کو قبول کریں۔

عرافہ سے سوال

چنانچہ یہ سب کے سب وہاں سے چلے اور یثرب (مدینہ منورہ) پہنچے، وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ عرافہ (کاہنہ) خیبر میں ہے، تو سب وہاں سے سوار ہو کر خیبر پہنچے اور حضرت عبدالمطلب نے اپنے اور اپنے بیٹے کے تمام حالات پوری تفصیل سے اُسے سُنائے۔ اس عورت نے کہا: آج تو میں کچھ نہیں بتا سکتی، کیونکہ میرا تابع میرے پاس نہیں ہے، تم پھر کسی دن آنا۔ میرا تابع میرے پاس آئے گا، تو میں اُس سے اس کا حل پوچھ لوں گی۔ یہ سن کر سب کے سب واپس (اپنے پڑاؤ پر) آ گئے۔ حضرت عبدالمطلب رات بھر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کرتے رہے، صبح ہوئی، تو یہ سب کے سب اسی عورت کے پاس گئے تو اُس نے کہا "مجھے تمہارے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں، تم بتاؤ کہ تمہارے ہاں دیت یعنی خون بہا کتنا ہے؟" لوگوں نے کہا کہ "دس اُونٹ"۔ وہ عورت بولی "تم لوگ اپنی بستی (مکہ مکرمہ) کی طرف واپس لوٹ جاؤ، اپنے بیٹے اور دس اونٹوں کو پاس پاس رکھو، پھر دونوں پر قرعہ اندازی کرو اور اگر تمہارے بیٹے کے نام نکلے تو اُونٹ اور بڑھا دو۔ یہ عمل اُس وقت تک کرتے رہو کہ تمہارا پروردگار راضی ہو جائے، یعنی قرعہ اونٹوں پر نکل آئے، تو پھر وہ سب اونٹ ذبح کر دیں، اس طرح تمہارا رب بھی راضی ہو جائے گا اور تمہارا بیٹا بھی بچ جائے گا۔" یہ سُن کر سب نہایت خوشی کے ساتھ واپس مکہ مکرمہ لوٹ آئے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فدیہ

مکہ مکرمہ پہنچ کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دس اونٹ خانہ کعبہ کے قریب قرعہ اندازی کے لیے لائے گئے۔ دیگر سرداران قریش تو قرعہ اندازی میں مشغول ہو گئے جبکہ حضرت عبدالمطلب بارگاہِ ربِّ ذوالجلال میں دستِ دُعا پھیلا کر کھڑے ہو گئے۔ قرعہ ڈالا تو حضرت عبداللہ کا نام ہی نکلا، اُونٹوں کی تعداد بیس کر دی گئی۔ پھر قرعہ ڈالا گیا مگر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی کا نکلا، اسی طرح قرعہ ڈالتے گئے اور اونٹوں کی تعداد میں دس، دس کا اضافہ کرتے گئے، اس تمام وقت میں حضرت عبدالمطلب مسلسل دُعا مانگتے رہے، یہاں تک کہ اُونٹوں کی تعداد ایک سو ہو گئی اور قرعہ اُونٹوں کے نام پر نکل آیا، بطورِ احتیاط پھر قرعہ ڈالا، تو اب بھی اونٹوں پر ہی نکلا، تو سب کو اطمینان ہو گیا۔ حضرت عبدالمطلب کھڑے دُعا مانگ رہے تھے۔ لوگوں نے کہا، اے عبدالمطلب! اب دُعا بس کرو، تمہارا رب تم سے راضی ہو گیا ہے قرعہ اونٹوں کے نام پر نکل آیا ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا، نہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا، جب تک کہ (میرے سامنے) تین مرتبہ قرعہ اونٹوں پر نہ نکلے، چنانچہ تین مرتبہ مسلسل قرعہ اندازی کی گئی اور ہر مرتبہ قرعہ اونٹوں کے نام پر ہی نکلا، تو حضرت عبدالمطلب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور تمام اونٹ ذبح کر دیئے گئے اور ان کے گوشت سے نہ تو کسی انسان کو روکا گیا اور نہ کسی درندے کو یعنی جس کا جتنا جی چاہا گوشت لے لیا کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ (سیرت ابن ہشام)

عظیم فائدہ

اس واقعہ سے پہلے عرب میں انسان کی دیت یعنی خون بہا کے لئے دس اونٹ مقرر تھے۔ دوسرے لفظوں میں انسانی خون کی قیمت دس اونٹ کے برابر تھی، لیکن اس واقعۂ عظیمہ کے بعد دیت (خون بہا) سو اونٹ مقرر ہو گیا۔ گویا حضرت عبدالمطلب کے خلوص اور حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اطاعت کے صدقہ سے انسانی خون کی قدر و قیمت بڑھ گئی اور یہ بات ناقابلِ تردید

حقیقت ہے کہ سزاؤں کے بڑھ جانے سے جرائم میں کمی ہو جاتی ہے کہ سخت سزا کا خوف جرم سے باز رکھتا ہے۔ پہلے تو یہ تھا کہ اگر مقتول کے ورثاء راضی ہوں، تو قاتل دس اونٹ دے کر اپنی جان بچا لیتا تھا، لیکن اب اونٹوں کی تعداد سو گئی جو ہر کسی کے بس کا روگ نہ تھا، اس طرح قتل و غارت گری میں نمایاں کمی کا ہو جانا یقینی تھا۔ پھر یوں کہیے کہ یہ واقعہ پوری نوعِ انسانی کے لئے باعثِ خیر و برکت ہو گیا اور ایسا ہونا چاہیے تھا کیونکہ انہی عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند پوری کائنات کے لئے سراپا رحمت بن کر تشریف لانے والے تھے۔

عفت مآب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس واقعہ کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ مکہ مکرمہ کی بہت سی نوجوان خوبصورت لڑکیوں اور عورتوں نے آپ کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر آپ کو ورغلانے کی بھرپور کوشش کی، حتیٰ کہ بعض نے بڑی دولت کی پیشکش بھی کی۔ جیسا کہ علامہ ابن ہشام، ابنِ اسحٰق علیہ الرحمہ کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ بنی اسد بن عبدالعزّیٰ کی ایک عورت (مدارج النبوۃ میں ہے کہ اُس کا نام رقیصہ یا قتیلہ بنت نوفل تھا جو کہ ورقہ بن نوفل کی بہن تھی) خانہ کعبہ کے پاس کھڑی تھی، جب اُس کی نظر حضرت عبداللہ پر پڑی، تو آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی اور بولی "اے عبداللہ! وہ سو اونٹ جو تم پر فدا کیے گئے، وہ میں تم کو دے دیتی ہوں، بشرطیکہ تم میرے ساتھ مباشرت کے لئے راضی ہو جاؤ۔" عفت مآب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس کی اس پیشکش کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور دامنِ عصمت کو بچا کر آگے بڑھ گئے۔ (سیرتِ ابنِ ہشام، مدارج النبوۃ)

اسی طرح حافظ ابو نعیم و خرائطی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ مکہ مکرمہ کی ایک نہایت حسین و جمیل عورت فاطمہ بنت مرالخشعیمہ نے

بڑے بھرپور انداز میں حضرت عبداللہ سے اظہار محبت کیا اور ایک سو اونٹ بطور تحفہ پیش کرنا چاہا تاکہ آپ اُس کی ناجائز خواہش پوری کر دیں، تو اس عورت کی اس درخواست کے جواب میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ؎

امّا الحرام فالممات دُونهٗ　　وَالحِلّ لاحلّ فاستبينهٗ

فكيف الىٰ الا الذي تبغينهٗ　　يحمى الكريم عرضهٗ ودينهٗ

"اس حرام فعل کے کرنے سے تو مر جانا ہی بہتر ہے۔ اگر اس کے سوا کوئی طریقہ ہو تو میں اس کو پسند کرتا ہوں، مگر اس کے لئے شرط ہے کہ اعلانیہ (نکاح) ہو۔ تم مجھے بہکاتی اور پھسلاتی ہو، مگر شریف انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنی عزت و عصمت اور اپنے دین کی حفاظت کرے۔"

سُبحان اللہ تعالیٰ! یہ بات اس زمانے کی ہے کہ جب بدکاری کرنا عیب کی بجائے فخر سمجھا جاتا تھا۔ جب مرد و عورت ننگے ہو کر طوافِ کعبہ کیا کرتے تھے، اس پُرآشوب دورِ جاہلیت میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے دامن عصمت کو داغدار ہونے سے بچا لینا یقیناً اس نورِ محمدی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا صدقہ تھا جو کہ اُن کے پاس امانت تھا۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ذی شان کا مفہوم ہے کہ میرے پورے نسب میں کہیں بھی (حضرت آدم علیہ السلام تک) سفاحِ جاہلیت (بدکاری) کا نام و نشان تک نہیں۔ (فالحمد للہ علیٰ ذالک)

حضرت سیدنا عبداللہ اور سیدہ آمنہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا نکاح

"مدارج النبوۃ" میں ہے کہ کچھ اہلِ کتاب بعض علامتوں اور نشانیوں میں سے پہچان گئے تھے کہ نبی آخرالزماں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وجودِ گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صلب میں ودیعت ہے، اس لئے اطراف و اکناف سے وہ اِن کو ہلاک کرنے کی نیت سے مکہ مکرمہ میں آنے لگے۔

ایک دن حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگل میں کسی کام کی غرض سے تشریف لے گئے، وہاں ملکِ شام کے کچھ اہلِ کتاب تلواروں سے آپ پر حملہ آور ہو گئے۔ اتفاقاً حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد ماجد حضرت وہب بن مناف بھی جنگل میں موجود تھے (وہ ان حملہ آوروں کو دیکھ کر فکر مند ہو گئے) پھر انہوں نے دیکھا کہ یکایک چند سوار غیب سے نمودار ہوئے اور ان کی شکل و صورت عام انسانوں جیسی نہیں تھی، انہوں نے اس حملہ آور جماعت کو مار بھگایا۔ وہب بن مناف اس واقعہ سے بڑے متاثر ہوئے اور گھر آ کر اپنے اہل خانہ سے فرمایا کہ میں اپنی لختِ جگر آمنہ خاتون (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شادی عبداللہ بن عبدالمطلب سے کرنا چاہتا ہوں۔ پھر انہوں نے اپنے دوستوں کے ذریعے حضرت عبدالمطلب کو اس بات سے مطلع کیا، وہ خود کسی ایسی عورت کی جستجو میں تھے جو کہ شرفِ حسب و نسب اور عزت و عفت میں ممتاز ہو۔ حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں یہ سب صفات بدرجہ اتم موجود تھیں، اس لئے حضرت عبدالمطلب نے اس رشتہ کو پسند کیا اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کر دیا۔ (مدارج النبوۃ جلد ثانی)

سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شجرہ

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شجرہ شریف کچھ اس طرح ہے:

سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مُرّہ۔ اسی جدِ محترم پر ان کا نسب رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے، یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نسب شریف یوں ہے: حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مُرّہ۔

حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ کا نام تھا برہ بنت عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصی بن کلاب بن مرہ (یہاں یہ بھی نسبِ نبوی میں شامل ہو گئیں)

حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نانی محترمہ کا نام تھا: اُمِ حبیب بنت اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مُرّہ (اس جگہ یہ بھی نسبِ نبوی میں شامل ہو گئیں)

حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ کا نام تھا: برّہ بنت عوف بن عبد عویج بن کعب بن لوی۔ ان کا نسب اس جگہ یعنی کعب پر جا کر نسبِ نبوی میں شامل ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ کعب بن لوی جناب کلاب بن مُرّہ کے دادا کا نام ہے۔

(ابنِ سعد۔ سیرت ابنِ ہشام وغیرہ)

نکتۂ عجیبہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ بزرگوار کا نام عبداللہ تھا، جس کا معنیٰ بنتا ہے اللہ تعالیٰ کا بندہ، اللہ تعالیٰ کا عبد، یعنی عبادت اور بندگی کی طرف معنیٰ جاتا ہے، جبکہ والدہ محترمہ کا اسمِ ذی شان آمنہ، جس کے معنیٰ امین سے امن و سکون اور پیار و محبت کی طرف اشارہ ملتا ہے، گویا ان دونوں ناموں کے معانی کو جمع کریں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور "امن و سکون" نتیجہ نکلتا ہے۔ پھر ان کے وجودِ گرامی قدر سے جس مولودِ مسعود محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، وہ پوری کائنات کے لئے خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت اور امن و سکون کا پیغام لے کر آئے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ تعالیٰ، یعنی سراپا رحمۃٌ للعالمین بن کر جلوہ گر ہوئے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات شادی کے چند ماہ بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تجارت کی غرض سے ملکِ شام کی طرف روانہ ہو گئے، واپسی پر بیمار ہونے کی وجہ سے مدینہ طیبہ میں اپنے عزیزوں "بنو نجار" کے پاس ٹھہر گئے۔ جب اس تجارتی قافلہ کے باقی لوگ مکہ مکرمہ پہنچے، تو حضرت عبد المطلب نے ان سے اپنے لاڈلے بیٹے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں دریافت کیا۔ اہلِ قافلہ نے بتایا کہ بیماری کی وجہ سے وہ مدینہ منورہ میں ٹھہر گئے تھے، اس پر حضرت عبد المطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو بھیجا تاکہ وہ اُن کو گھر لے آئیں۔

جب حارث مدینہ منورہ پہنچے، تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا، اور اُن کو "دارِ نابغہ" دفن کیا جا چکا تھا، جبکہ بعض کے نزدیک حضرت کا مدفن "مقام ابواء" ہے۔ (مدارج النبوۃ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارکہ بوقتِ رحلت صرف پچیس ۲۵ برس کی تھی، اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابھی شکمِ مادر میں ہی تھے، گویا ولادت با سعادت سے قبل ہی والدِ ذی وقار کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔

جسدِ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفینِ ثانی

مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۷۸ء کو پاکستان کے معروف قومی اخبار روزنامہ "نوائے وقت" میں ایک خبر شائع ہوئی جس کا متن درج ذیل ہے:

"کراچی، ۲۰ جنوری (ج، ک) یہاں پہنچنے والی ایک اطلاع کے مطابق مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کی توسیع کے سلسلہ میں کی جاتے والی کھدائی کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا جسدِ مبارک جس کو دفن ہوئے چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے، بالکل صحیح و سالم حالت میں برآمد ہوا۔ علاوہ ازیں صحابیٔ رسول حضرت مالک بن سنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کے جسدہائے مبارک بھی اصلی حالت میں پائے گئے، جنہیں جنت البقیع میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ دفنا دیا گیا۔ جن لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اُن کا کہنا ہے کہ مذکورہ صحابہ کرام کے جسم نہایت تر و تازہ اور اصلی حالت میں تھے۔"

اس خبر کی اشاعت کے بعد اس کی تردید میں کوئی خبر تا حال اس بندۂ ناچیز (مؤلف کتاب ہذا) کی نظر سے نہیں گزری، بلکہ اس کی تائید میں کچھ مضامین شائع ہوئے [1]

---

[1] ان مضامین کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں، اس ناچیز کی تالیف "سیرت امام الانبیاء قرآن اور بائبل کی روشنی میں"۔

مذکورہ بالا خبر سے ثابت ہوا کہ حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مدفن مقام "ابواء" نہیں، بلکہ "دارِ نابغہ" ہے، جبکہ مقامِ "ابواء" پر حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزارِ مقدس معروف ہے۔" (واللہ تعالیٰ اعلم)
یہ بھی ثابت ہوا کہ صالحین عظام وصحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی قبور میں اپنے اجسام کے ساتھ موجود ومحفوظ ہیں۔ زمانے کے نشیب و فراز اور صدیوں پر محیط مہ و سال اُن کی حیات پر اثر انداز نہیں ہوتے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت پر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اشعار

حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے شوہرِ نامدار کا سانحۂ ارتحال ناقابلِ برداشت تھا کہ ابھی شادی خانہ آبادی کو آخر عرصہ ہی کتنا گزرا تھا۔ آپ کے قلب انور پر اس صدمہ کا کس قدر اثر ہوا، اس کا اندازہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اِن اشعار سے ہوتا ہے ؎

۱۔ عفا جانب البطحاء من ابن ہاشم	وجاور لحدًا خارجا فی الغمام
۲۔ دعته المنایا دعوة فاجابها	وما ترکت فی الناس مثل ابن ہاشم
۳۔ عشیته راحوا یحملون سریرہ	تعاورہ اصحابه فی استراحم
۴۔ فان یك غالتہ المسایا وریبها	فقد کان معطاءً کثیرًا التراحم

(۱) "ہاشم کا ایک فرزند بطحا (مدینہ منورہ) کی جانب جا کر (چاند کی طرح چھپ گیا۔ وہ لحد میں بہادر جوانوں کے شور وغل (یعنی آہ وبکا) کے ساتھ جا کر سو گیا۔ (مراد یہ کہ لوگوں کو روتا چھوڑ کر) (۲) موت نے جُوں ہی اُس کو پکارا، اُس نے فوراً لبیک کہہ دیا۔ افسوس کہ ہاشم کے اِس فرزند کی نظیر، موت نے اب دُنیا میں کوئی باقی نہیں چھوڑی (۳) اُس کے دوست شام کے وقت اُس کی لاش کو اُٹھائے چلے جا رہے تھے، اور وہ از راہِ محبت وعقیدت کاندھا بدلتے اور اُس کے اوصاف بیان کرتے چلے جا رہے تھے۔

(۴) اگرچہ موت نے اُن کو ہم سے دُور کر دیا ہے، مگر اس میں تو شک نہیں کہ وہ بہت زیادہ سخی اور غریبوں کے از حد ہمدرد تھے۔" (یعنی اِن کے دلوں سے اُن کی یاد تو نہیں نکل سکتی) (طبقاتِ ابنِ سعد)

اب حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اُمیدوں اور تمناؤں کا محور و مرکز وہ وجودِ مسعود تھا جو کہ شکمِ مادر میں جلوہ گر تھا۔ جب حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہیں تشریف لے جارہی ہوتیں، تو شجر و حجر اپنی زبانِ حال سے ان کی خدمتِ اقدس میں ہدیۂ سلام پیش کرتے، پھر وہ وقت آگیا کہ زمانہ بھر کی خوشیاں سمٹ کر آغوشِ آمنہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں سماگئیں۔ شوہر کی جدائی میں مرجھایا ہوا قلبِ حزیں گُلِ نوبہار کی طرح کھِل اُٹھا، یعنی وہ محبوبِ خالقِ دوجہاں (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جن کی خاطر ربّ العالمین نے اس کائناتِ ہستی کو شرفِ وجود بخشا تھا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں جلوہ گر ہوگئے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمدٍ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم)

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلتِ مبارکہ

ابھی محبوبِ کون و مکاں، سرورِ دوجہاں، شفیعِ عاصیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس جہانِ فانی کی زندگی کے چھٹے برس میں قدم رکھا ہی تھا کہ مادرِ مہربان سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ننھیال سے ملنے کے بہانے اپنے محبوب و مکرم مرحوم شوہر کی قبرِ اقدس کی مٹی کی زیارت کا شوق دل میں رچائے، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک کنیز حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اپنے نورِ نظر محبوبِ مکرم رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ساتھ لئے حضرت عبدالمطلب[1] سے اجازت لے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگئیں۔ وہاں ایک ماہ تک "دارِ نابغہ" میں قیام کیا، پھر رختِ سفر باندھا اور واپس مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگئیں، یہاں تک کہ

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عبدالمطلب اس سفر میں ان کے ہمراہ روانہ ہوئے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلہ پر مقام "ابواء" پر پہنچیں، تو انتقال فرما گئیں۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ غالباً پیارے شوہر کی جدائی کا وہ غم جس سے ابھی تک سینہ سُلگ رہا تھا، قبر کی زیارت نے اس کو مزید ہوا دے دی اور جب قبر سے بھی جدائی اختیار کرنا پڑی، تو غم کی وہ آتشِ سوزاں بھڑک اٹھی اور "ابواء" تک پہنچتے پہنچتے اپنا کام دکھا گئی اور یُوں وہ پیکرِ مہر و وفا شوہرِ نامدار کی محبت میں حیاتِ مستعار کی بازی ہار گئی۔

مادرِ محترم سے وابستہ یادیں

حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلتِ مبارکہ کے وقت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چھٹے برس میں تھے۔ والدِ ذی وقار کا سایہ پہلے ہی سر سے اُٹھ چکا تھا۔ اب والدہ محترمہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں اور خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس صدمہ سے نڈھال زار و قطار رو رہے تھے۔ حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حالت بھی قابلِ دید نی تھی، وہ خود بھی رو رہی تھیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دلاسہ دے رہی تھیں۔

حافظ ابی نعیم بسندِ زہری، اسماء بنت جرہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے وقت مَیں بھی حاضر تھی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پانچ سال کے بچے تھے اور والدہ ماجدہ کے سرہانے غمزدہ بیٹھے (رو رہے) تھے۔ (مدارج النبوۃ)

رحلتِ مبارکہ کے بعد حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دیگر احباب کے ساتھ اپنے ننھے ننھے مبارک ہاتھوں سے قبرِ انور کی مٹی برابر کی اور حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئیں اور مکہ پہنچ کر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دادا حضرت عبدالمطلب کے حوالہ کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ کریم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم عموماً اُن باتوں کو یاد فرمایا کرتے تھے جو والدہ ماجدہ سیّدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قیامِ مدینہ منورہ کے دوران دیکھی تھیں اور جب اس مکان کو ملاحظہ فرماتے کہ جس میں سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قیام فرمایا تھا تو فرماتے:

"یہ وہ مکان ہے جس میں میری والدہ محترمہ نے رہائش رکھی تھی اور مجھے دیکھ کر یہودی کہا کرتے تھے کہ یہ اس امت کا نبی ہے، اور یہ شہر آپ کی جائے ہجرت ہے" (مدارج النبوۃ)

شواہد النبوۃ میں ہے کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا: ایک دن ایک یہودی مجھے ملا اور بڑے غور کے ساتھ میری طرف دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے میری پشت کی طرف دیکھا۔ پھر حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے اُس نے پوچھا: اے لڑکے! تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے بتایا: "احمد" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) پھر اس نے میری پشت کی طرف دیکھ کر (جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں کندھوں کے درمیان مُہرِ نبوت تھی) کہا: آپ اس امت کے پیغمبر ہیں، پھر مجھ سے مختلف قسم کے سوالات کرنے لگا، اور لوگوں کو بھی بتانے لگا، میری والدہ محترمہ اِس واقعہ سے ڈر گئیں اور ہم مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ (شواہد النبوۃ)

حضور نبی کریم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنے بچپن میں قیامِ مدینہ کی یادوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کرتے، یہاں ایک بچی انیسہ نام کی ہوا کرتی تھی جو ہمارے ساتھ اکثر کھیلا کرتی تھی۔ اِس قلعے پر ایک پرندہ آکر بیٹھا کرتا تھا اور بچے اُسے اڑایا کرتے تھے، فلاں گھر میں میری والدہ ماجدہ تشریف رکھا کرتی تھیں۔ میرے والدِ محترم کی قبر مبارک فلاں مکان میں تھی، میں بنی نجار کے تالاب میں غسل کیا کرتا تھا، وغیرہ وغیرہ۔

غرضیکہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی سنتالیس ۴۷ سالہ پرانی یادوں کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔

سانحۂ عظیمہ

محترم قارئین کرام! مذکورۃ الذکر واقعات کو پڑھ کر آپ کو بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ رسولِ مکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی والدہ محترمہ سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کس قدر والہانہ محبت تھی۔ حضرت ابوطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہِ نبوی میں حاضر تھا اور حضور سرورِ کونین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عطا خدائے لم یزل سے ملنے والا مال صحابہ کرام میں تقسیم فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک نہایت ہی ضعیف العمر خاتون حاضرِ خدمت ہوئی، اُن کو دیکھتے ہی حضور سرورِ عالم شفیعِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوگئے، بہ نفسِ نفیس آگے بڑھ کر استقبال فرمایا۔ پھر اپنے سرِ اقدس سے چادر اتار کر زمین پر بچھائی اور بڑے احترام و محبت سے اس اماں جی کا ہاتھ پکڑ کر چادر پر بٹھا دیا اور خود دوزانو ہو کر اُن کے سامنے تشریف فرما ہوگئے۔ اماں جی آہستہ آہستہ بات کر رہی تھیں اور رسولِ مکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پوری توجہ اور محبت سے اُن کی بات سُن رہے تھے۔ پھر جب وہ بڑھیا جانے کے لئے کھڑی ہوئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی کھڑے ہوگئے اور اپنی جانب سے ان کو تحائف عطا فرما کر الوداع فرمایا۔

راوی فرماتے ہیں کہ میں نے حاضرین سے دریافت کیا کہ "یہ بڑھیا کون تھی کہ جس کا اس شان سے احترام خود امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے تھے؟" تو مجھے بتایا گیا کہ یہ وہ خوش قسمت اماں جی تھیں کہ جنہوں نے رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ سبحان اللہ تعالیٰ! جس ہستی کے دل میں دودھ کی ماں کا اس قدر احترام ہے، اُس کی نظر میں حقیقی والدہ کا کتنا احترام ہوگا؟

افسوس صد افسوس! اِسی نبی محترم رسولِ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہونے کا دعویٰ کرنے والے سعودی علماء اور سرکاری مفتیوں پر کہ جنہوں نے ۳ ربیع الاوّل ۱۴۱۹ھ کو فتویٰ جاری کیا کہ (حضرت سیدہ) آمنہ خاتون (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی قبرِ انور

کی زیارت کرنا جائز نہیں اور پھر اِسی سال یعنی ۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۹۹۹ء ماہِ رمضان المبارک میں حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبرِ انور کو بلڈوزر سے کھود کر آپ کی لاشِ مبارک یا ہڈیوں کو نامعلوم خفیہ مقام پر منتقل کر دیا اور قبرِ انور کی جگہ پر غلاظت کا ڈھیر لگا دیا۔ (معاذ اللہ تعالیٰ، ثم معاذ اللہ تعالیٰ!)

پھر مختلف فتاویٰ اور مضامین کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مشرکہ تھی۔ (معاذ اللہ تعالیٰ)

اگر اللہ تعالیٰ نے عقلِ سلیم عطا فرمائی ہو تو یہ جاننا مشکل نہیں کہ جس ماں کے شکمِ انور میں ربِ کائنات جل شانہ کے سب سے زیادہ عزت اور مرتبے والے رسول جلوہ گر رہے ہوں، جس ماں کا دودھ امام الانبیا محبوبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا جزوِ بدن بنا ہو، اُس ماں کا اپنا مرتبہ کتنا بلند ہوگا؟ سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو اُس وقت ایمان لائی تھیں کہ ابھی حضور سیدِ عالم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت بھی نہ ہوئی تھی۔

طبقاتِ ابنِ سعد میں ہے کہ نکاح کے پہلے ہی ہفتہ میں جب سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا حاملِ نورِ نبوی ہوگئیں، تو بوڑھی عورتوں نے سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ اپنے بازوؤں اور گردن میں کوئی لوہا وغیرہ لٹکا لو تاکہ تمہارا بچہ سلامت رہے۔ جنابِ سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا ہی کر لیا۔ چند ہی روز بعد لوہے کی وہ ساری اشیاء خود بخود میرے جسم سے گر گئیں، پھر میں نے کچھ نہ باندھا۔ پھر خواب میں سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتا دیا گیا کہ شکمِ اطہر میں موجود بچے کا نام "احمد" رکھنا۔ چنانچہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسمِ گرامی "احمد" رکھا، جبکہ دادا محترم نے اسمِ گرامی "محمد" رکھا۔ اِس خواب کے بعد جنابِ سیدہ آمنہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یقین ہو گیا کہ اُن کا لختِ جگر نہایت ہی مبارک اور مسعود ہو گا۔
یہی وجہ ہے کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئیں،
تو جناب سیدہ آمنہ نے حضرت حلیمہ سعدیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے فرمایا تھا:

یَاظِئرُ سَلِی عن ابنک فَاِنَّہٗ سیکون لہٗ شان ۔

"اے دایہ! تم مطمئن رہو، اس بچے کی بڑی شان ہو گی۔"

اور جب حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا الوداع ہونے لگیں تو سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا
نے یہ اشعار کہے ؎

اُعیذُ بِاللّٰہِ ذِی الجلالِ   من شرِّ مَا مرّعلی الجبالِ
حتّی اراہ حامل الحلالِ   ویفعل العرف الی الموالی
وغیرھم من حشوۃ الرّجال

"میں اپنے بچے کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی پناہ میں دیتی ہوں، اس شر سے جو پہاڑوں پر چلتا ہے
یہاں تک کہ میں خود اسے اُونٹ پر سوار دیکھوں اور دیکھ لوں کہ وہ (میرا لختِ جگر) غلاموں
اور نادار و غریب لوگوں سے احسان اور نیک سلوک کرنے والا ہے۔" (طبقات ابن سعد، رحمۃ للعالمین)

مواہب لدنیہ میں ہے کہ جب مقامِ ابوا میں سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وقتِ
رحلت آیا تو اُس وقت حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے بالکل قریب
بیٹھے ہوئے تھے۔ ماں نے اپنے جلیل القدر لختِ جگر کو جی بھر کر دیکھا اور چند اشعار کہے
جن کا مفہوم یہ ہے:۔ "اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ تجھ کو برکت دے، اے میرے بیٹے!
تُو اس نامور باپ کا بیٹا ہے کہ جس کا فدیہ ایک سو قیمتی اُونٹ تھے۔ اے میرے نورِ نظر! میں نے
جو تیری نبوت کا خواب دیکھا تھا وہ سچ ہے، تو جن و انس کی طرف مبعوث ہوا ہے۔
اے میرے لڑکے! ربِ ذوالجلال والاکرام نے تجھے حلال و حرام نافذ کرنے کے لئے بھیجا ہے۔
اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! اللہ تعالیٰ نے تجھے بتوں سے دُور رکھا اور تجھے تیرے باپ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کا مطیع بنایا اور تو حق کو باطل سے جدا کرنے کے لئے تشریف لایا ہے۔" پھر اپنے لختِ جگر کو تسلی دیتے ہوتے فرمایا:

"ہر زندہ ایک نہ ایک دن مرجائے گا، ہر نئی شے کی قسمت میں پرانا ہونا لکھا ہے، ہر ایک کی منزل فنا ہے، میں مرجاؤں گی، مگر میرا ذکر باقی رہے گا، اس لئے کہ میں نے خیرِ عظیم کو بطورِ نشانی چھوڑا ہے۔ میں نے ایک طیب و طاہر کو جنم دیا ہے۔" (مواہب لدنیہ للقسطلانی جلد)

قارئین! ایمان سے بتائیے کہ یہ گفتگو کسی موحدہ مومنہ کی ہے یا پھر معاذ اللہ تعالیٰ کسی مشرکہ کی — ؟

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا گزر مقامِ ابواء سے ہوا، تو صحابہ کرام سے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھ، محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اپنی والدہ کی قبرِ اطہر کی زیارت کی اجازت دے دی ہے۔" پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے ہاتھوں سے قبرِ انور کو درست فرمایا اور بے اختیار رو پڑے۔ منظر ایسا جذباتی تھا کہ صحابہ کرام بھی رونے لگے۔ کسی غلام کے گزارش کرنے پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مجھے میری ماں کی ممتا (محبت فرمانا) یاد آگئی تھی، اس لئے میں رو دیا۔"

(الوفا فی احوال المصطفےٰ از ابن جوزی مترجم، ص۱۵۰)

اللہ اکبر! جس قبرِ مقدس کو کل میرے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آنسو بہاتی آنکھوں اور فرطِ جذبات و محبت سے لرزتے ہاتھوں سے بنایا تھا اور دیر تک ماں کی قبرِ انور کو دیکھ کر روتے رہے تھے، آج اُسی قبرِ مقدس کو اسی نبی کے لمتی ہونے کے دعویداروں نے بلڈوزر سے کرچی کرچی کر دیا اور معلوم نہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ماں کی ہڈیاں کہاں پھینک دیں؟ ہائے افسوس۔ [1] ؎ "آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں"

---

[1] رسولِ کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ثبوتِ ایمان و عظمت پر ان شاء اللہ تعالیٰ مستقل اور مفصل کتاب تحریر کی جائے گی ۱۲ منہ

بابِ اوّل

ولادت باسعادت سے اعلانِ نبوت تک

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی اصلِ کائنات ہیں۔ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہٗ قرآن مجید میں اپنی کبریائی کا ذکر فرماتے ہوتے ارشاد فرماتا ہے:

ھُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَبِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

"یعنی وہی ذات (باری تعالیٰ) اوّل ہے، آخر ہے، ظاہر ہے، باطن ہے اور وہی ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔" (الحدید آیت ۳ پارہ ۲۷)

بلاشبہ یہ سب صفات حقیقتاً صرف اور صرف ذات رب ذوالجلال ہی کو زیبا اور لائق ہیں، کوئی مخلوق اِن صفات کی حقیقی طور پر متصف نہیں ہو سکتی۔ ہاں البتہ اللہ تبارک و تعالیٰ بعض صفات اپنے مقرب بندوں میں مجازی طور پر پیدا فرما دیتا ہے جیسا کہ شیخ محقق محدث دہلوی شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ "مدارج النبوۃ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"نور، علیم، حکیم، مومن، مہیمن، ولی، ہادی، رؤف، رحیم، باوجودیکہ (حقیقتاً) صفاتِ خداوندی ہیں، مگر ان سے (مجازاً) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی متصف فرمایا گیا۔ اسی طرح یہ چاروں صفات اوّل و آخر، ظاہر و باطن بھی اسی قبیل سے ہیں۔ (مفہوم "مدارج النبوۃ")

مُراد یہ ہے کہ علیم و حکیم یا سمیع و بصیر انسان بھی ہوتا ہے اور یہ صفات اللہ ربّ العزت جل شانہٗ کی بھی ہیں، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی یہ سب صفات حقیقی ہیں؛

ذاتی ہیں، غیر فانی ہیں، نہ تو کوئی چھین سکتا ہے، نہ ان کی ابتداء و انتہا ہے، جبکہ بندے کی سب صفات عارضی ہیں، مجازی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ ہیں، فانی ہیں اللہ تعالیٰ چاہے، تو چھین لے، ان کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔ اس لیے خالق اور مخلوق کی صفات میں موازنہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اسی بات کی وضاحت فرماتے ہوئے نامورِ عالمِ دین مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"پانی کے ایک قطرہ کے کروڑویں سے بھی چھوٹے حصے کو سمندر کے ساتھ جو نسبت ہوتی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علمِ پاک کو اللہ ربّ العزت کے علمِ مبارک کے ساتھ اتنی بھی نسبت نہیں ہو سکتی۔" (مفہوم تمہید ایمان)

پوری دنیائے جہان کو بھی اگر سمندر قرار دے دیا جائے اور دوسری طرف پانی کے ایک قطرے کے کروڑ سے زیادہ حصے کیے جائیں، تو آخری چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی سمندر سے کچھ نہ کچھ تو ضرور نسبت رکھتا ہے کہ اس کی بھی کوئی نہ کوئی حد ہے اور سمندر کی بھی کوئی نہ کوئی حد ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کی حد ہے ہی نہیں۔ اسی طرح اس قطرۂ آب کے نکلنے سے حقیقتاً تو سمندر کے پانی میں کمی ضرور ہوئی، اگرچہ یہ کمی محسوس نہیں ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کے علمِ مبارک میں اس قدر کمی کا تصور کرنا بھی شرک ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مخلوقات میں کوئی ہستی اگر عالمِ ماکان و مایکون بھی ہو، مالک و مختار بھی ہو، پھر بھی اس کا علم و اختیار محدود ہے اور متناہی ہے، مجازی ہے، جبکہ اللہ ربّ العزت کا علم و اختیار لامحدود ہے، لامتناہی ہے اور ذاتی ہے۔ بایں معنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوّل بھی ہیں آخر بھی ہیں، ظاہر بھی ہیں اور باطن بھی اور عطائے خدائے علیم و خبیر سے عالمِ کائنات بھی۔

اوّلیتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

خلقت میں اوّلیت

احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کائناتِ ہستی میں سب سے پہلے جس مخلوق کو پیدا

فرمایا، وہ ذاتِ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) تھی، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے، فرمایا:
اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ "اللہ تعالیٰ نے سب سے اوّل میرے نور کو تخلیق فرمایا۔"
اس جگہ ایک شُبہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک اور حدیث مبارکہ ہے:
اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ۔ "اللہ تعالیٰ نے سب سے اوّل عقل کو پیدا فرمایا۔"

پھر ایک اور حدیث پاک ہے:-
اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ۔ "اللہ تعالیٰ نے سب سے اوّل قلم کو پیدا فرمایا۔"

اِن روایات کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کہاں تک درست معلوم ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ ہر شے سے پہلے نورِ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم) ہی کو خلق فرمایا گیا تھا؛ اِس شبہ کو دُور کرنے کے لئے تھوڑے سے غور و تدبر کی ضرورت ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ سب شبہات دُور ہو جاتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ علمائے حق کے درجات بلند فرمائے کہ اُنھوں نے اس بارے میں بڑے واضح ثبوت فراہم فرماتے ہیں۔ قارئین کرام کی معلومات اور دلچسپی کے لئے چند ایک ثبوت نقل کئے جاتے ہیں:

یہ حدیث کہ "سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا گیا" محققین و محدثین کے نزدیک یہ درجہ صحت ہی کو نہیں پہنچتی، اُنہوں نے اس میں بہت کلام کیا۔ رہی دُوسری حدیث کہ "اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا" تو اُس میں یہ بھی ہے کہ قلم کو پیدا فرمانے کے بعد سب سے پہلے اسے حکم دیا "لکھ"۔ قلم نے عرض کیا، کیا لکھوں؟ تو ارشاد فرمایا لکھ مَا کَانَ وَمَا ھُوَ کَائِنٌ اِلَی الْاَبَدِ۔ یعنی "جو کچھ ہو گیا ہے اور جو کچھ آئندہ ابد تک ہو گا سب لکھ دے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ قلم کے پیدا ہونے سے پہلے کچھ نہ کچھ پیدا ہو چکا تھا، اِسی لئے تو حکم ہوا کہ "جو کچھ ہو گیا ہے، وہ لکھ"۔ (ترمذی شریف)

علمائے کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ حدیث مبارکہ میں یہ بھی ہے کہ:
کَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ (بخاری)، "عرشِ خداوندی پانی پر تھا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلیقِ قلم سے قبل پانی اور عرش کو بھی تخلیق کیا جا چکا تھا، البتہ لوحِ محفوظ کا ذکر نہیں فرمایا گیا کہ اُس کا وجود قلم سے پہلے ہے یا بعد (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم۔)

اِسی طرح "نشر الطیب" کے پہلے باب میں مولانا اشرف تھانوی نے اِسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے یہ حدیث پاک نقل فرمائی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلّم) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس شے کو پیدا فرمایا؟ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا:

یَا جَابِرُ اِنَّ اللہَ تَعَالیٰ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ ... الخ
یعنی "اے جابر! اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی تخلیق سے قبل تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔"

اِس حدیثِ پاک کو نقل کرنے کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی نے زبردست دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ سب سے اوّل حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا نورِ مقدس ہی پیدا کیا گیا۔ (ملاحظہ ہو نشر الطیب، باب اوّل)

نبوّت میں اوّلیت حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا: کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ "میں اُس وقت بھی نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السّلام رُوح اور جسم کے درمیان تھے۔ (یعنی ابھی اُن کے بدن میں رُوح داخل نہ ہوئی تھی)

ایک اور حدیث پاک میں ہے: اِنِّیْ عَبْدُ اللہِ وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاٰدَمُ الْمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ۔ یعنی "میں (اللہ تعالیٰ کے حضور) اللہ تعالیٰ کا بندہ اور آخری نبی اُس وقت بھی تھا، جبکہ حضرت آدم علیہ السّلام ابھی اپنے خمیر میں ہی تھے۔"
(مدارج النبوۃ۔ دارمی، مشکوٰۃ۔ تھوڑے فرق کے ساتھ)

بعض دیگر اوّلیات: بکثرت احادیثِ مبارکہ سے ثابت و عیاں ہے کہ قیامت کے

دن سب سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قبرِ انور سے باہر تشریف لائیں گے اور سب سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہی اِذنِ شفاعت ملے گا۔ سب سے اوّل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔ سب سے اوّل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہی جنت میں جائے گی۔ وغیرہ وغیرہ۔

شانِ آخر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہی اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین بنایا۔ یعنی سب نبیوں کے بعد بعثت شریفہ ہوئی۔ آپ کا دین سب ادیان کا خاتم اور قرآنِ کریم آخری کتاب بن کر آیا۔

شانِ ظاہر و باطن کوئی بھی مخلوق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کے ہم پلہ نہیں، نہ ہی کوئی جن و بشر کما حقہٗ اسرارِ نبوی سے مطلع ہو سکتا ہے، ارشادِ خداوندی، فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى (النجم) اس حقیقت پر شاہد عدل ہے۔ علاوہ ازیں اگر آپ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کریں، تو مختلف حالتیں نظر آتی ہیں، مثلاً کبھی تو عالم یہ ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر بھوک کی وجہ سے شکمِ انور پر پتھر باندھ رکھا ہے اور کبھی یہ حال ہے کہ کئی کئی دن تک صومِ وصال رکھتے ہیں، یعنی نہ کھانا کھاتے ہیں، نہ پانی پیتے ہیں۔ کبھی تو یہ حال ہے کہ میدانِ طائف میں سنگباری سے جسمِ انور لہولہان ہو گیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نڈھال ہو کر انگوروں کی بیل کے سائے میں جا بیٹھے، میدانِ اُحد میں پتھر لگنے سے اتنا خون بہا کہ لباسِ مقدس گل رنگ ہو گیا۔ صدمہ کی شدت سے ایک گڑھے میں تشریف لے گئے اور کبھی یہ حال کہ شقِ صدر کے وقت حلقِ مبارک سے لے کر نافِ مقدس تک سارا سینہ اور پیٹ چاک کیا گیا اور یہ عمل کئی مرتبہ ہوا، لیکن نہ تو خون کا ایک قطرہ بھی نکلا اور نہ ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بیہوشی طاری ہوئی نہ کوئی صدمہ، بلکہ تمام منظر کا خود بچشم سر جائزہ لیتے رہے، حالانکہ روحِ حیوانی کا اصل مستقر دل بھی باہر نکال کر چاک کر دیا گیا مگر احساس

تک نہ ہوا' یہ سب کیا ہے؟ لامحالہ اقرار کرنا پڑے گا" بس اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔" سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ يَا رَبَّنَا لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

اس جہانِ رنگ و بو میں حضورِ انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جلوہ گری

(سلہ عام الفیل ۵۷۰ء عند البعض ۵۷۱ء) وہ نورِ مقدس کہ جو تخلیقِ آدم علیہ السلام سے بہت پہلے خلق ہو چکا تھا' بطورِ امانت سپردِ آدم علیہ السلام ہوا۔ پھر ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام سے نسل در نسل اصلابِ طاہرہ اور بطونِ مقدس میں منتقل ہوتا ہوا حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جلوہ گر ہو گیا۔ اس وقت خطۂ عرب میں خصوصاً اور دوسرے علاقوں میں عموماً قحط سالی کا سماں تھا' طویل عرصے سے بارش رُکی ہوئی تھی' چراگاہیں خشک اور جانور لاغر و کمزور ہو کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکے تھے' باغات خزاں کا منظر پیش کر رہے تھے' پینے کا پانی بمشکل تمام میسر آتا تھا' تو جونہی اس نورِ مقدس نے شکمِ مادر میں تخلیقِ انسانی کے مراحل طے فرمانے شروع کیے' زمانے کی رنگینیوں پر بہار آنے لگی اور پھر بقولِ مشہور بارہ[۱۲] ربیع الاوّل بوقتِ صبح جبکہ رات اپنے سیاہ دامن میں زمانے بھر کی ظلمتیں سمیٹے جا رہی تھی' ستارۂ صبح آفتاب جہان تاب کی آمد کا ابھی اعلان کر رہا تھا کہ آغوشِ آمنہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں خورشیدِ رسالت' ماہِ نبوت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی جلوہ گری ہو گئی اور ربِّ ذُوالجلال نے اپنی بے پایاں رحمتوں کی بارش نازل فرما دی' جہان بھر کو سرسبز و شاداب کر دیا گیا۔ بے رونق پہاڑوں پر سبزے کی مخملی چادر نظر آنے لگی' غیر آباد اور ویران کھیتیاں آباد ہو گئیں' باغات کو نئے سرے سے زندگی مل گئی' پورے زمانے میں خوشی اور مسرت کی ایسی لہر دوڑی کہ قریش نے اس سال کا نام ہی "سنۃ الفتح والابتہاج" رکھ دیا۔

ولادت باسعادت ربیع الاوّل کو ہوئی۔ اہلِ عرب چہرے کو بھی ربیع کہتے ہیں۔

اور موسم بہار کو بھی "ربیع" کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ سب چیزیں یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جلوہ گری، ماہِ ربیع الاوّل اور موسم یکجا جمع ہو گئے۔ اس پر کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ربیعٌ فی ربیعٍ فی ربیعٍ ۔۔۔ نورٌ فوقَ نورٍ فوقَ نورٍ

اہلِ عرب عموماً لڑکیوں کی پیدائش پر غم مناتے تھے، جبکہ بعض تو زائیدہ بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، ربّ ذوالجلال نے ولادتِ باسعادت کے سال سب کو بیٹے ہی عطا فرمائے، تاکہ نہ تو کسی گھر میں غم ہو اور نہ ہی کسی بچی کو ظلماً دفن کیا جائے۔ یہ سب صدقہ تھا حضور رحمتِ عالم، نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا۔

بوقتِ ولادتِ باسعادت ظہورِ خوارق

خوارقِ عادات، یعنی ایسی باتیں جو عام عادات سے بہت ہٹ کر ظہور پذیر ہوئیں یہ اس قدر کثرت کے ساتھ ہیں کہ ان کا کما حقہٗ احاطہ نہیں ہو سکتا، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

حجابات کا اٹھنا

حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت میں گھر میں اکیلی تھی۔ حضرت عبدالمطلب طوافِ کعبہ میں مصروف تھے۔ میں نے لیٹے لیٹے جونہی اوپر کو دھیان کیا، تو دیکھا کہ کوئی بڑی شے چھت کے راستے سے گھر میں آ رہی ہے۔ اس سے مجھ پر ہیبت چھا گئی۔ معاً مجھے یوں معلوم ہوا کہ جیسے ایک سفید رنگ کے پرندے نے اپنے پر میرے جسم پر ملے ہوں، جس سے وہ خوف وہراس زائل ہو گیا۔ پھر دودھ کی طرح کی کوئی شے مجھے پینے کو دی گئی، جس سے مجھے مزید سکون و قرار مل گیا۔ پھر میں نے دراز قامت اور خوبصورت عورتیں دیکھیں جو کہ عبد المناف کی بیٹیوں سے ملتی جلتی تھیں، وہ میرے ارد گرد جمع ہو گئیں اور میرا حال پوچھنے لگیں۔ پھر میں نے ایک سفید رنگ کی چادر دیکھی جسے زمین سے لے کر آسمان تک آویزاں کر دیا گیا، پھر میں نے دیکھا کہ میرا کمرہ نہایت

خوشنما پرندوں سے بھر گیا، ان کی چونچیں یاقوت اور پر زمرد کی طرح معلوم ہو رہے تھے، پھر یکایک میری نگاہوں کے سامنے سے حجابات کو اٹھا لیا گیا اور میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا۔ میں نے دیکھا کہ تین جھنڈے لہرا رہے ہیں، ان میں سے ایک مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں جبکہ تیسرا خانہ کعبہ کی چھت پر نصب ہے۔ بعد ازاں بہت سی عورتیں میرے ارد گرد جمع ہو گئیں۔ اسی دوران حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ولادت باسعادت ہو گئی۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ولادت کے بعد آپ نے اپنا سر سجدے میں رکھا اور انگشتِ مقدس آسمان کی طرف اٹھائی۔

(مدارج النبوۃ۔ شواہد النبوۃ)

ولادت باسعادت کے وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بدن مقدس پر کسی بھی قسم کی کوئی آلائش نہ تھی، یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی ابھی غسل مبارک فرمایا ہے۔ جسم انور سے نہایت پاکیزہ اور نفیس ترین خوشبو آ رہی تھی، ناف[1] کٹی ہوئی تھی اور ختنہ کیے ہوئے تھے[2]، روئے تاباں چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور آنکھیں قدرتی طور پر سرمگیں تھیں، جبکہ دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت شریفہ تھی۔ (مدارج النبوۃ)

نور کا ظہور حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ولادتِ مقدسہ کے وقت میں نے ایسا عظیم الشان نور دیکھا جس سے سارا جہان روشن ہو گیا، یہاں تک کہ میں نے اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے ملکِ شام کے محلات دیکھے، میں تعجب کر رہی تھی، جبکہ نور کا منبع خود میرا جسم اور میرا اپنا وجود تھا۔ (مدارج النبوۃ)

---

[1] جب جنین رحمِ مادر میں تخلیقی مراحل طے کر رہا ہوتا ہے، تو اس کی خوراک ناف کے ذریعہ سے بہم پہنچائی جاتی ہے اور یہ خوراک ماں کا خون ہوتا ہے یعنی حیض بند ہو جاتا ہے اور وہ خون بچے کی پرورش میں صرف ہوتا ہے، مگر اس جگہ معلوم ہوتا ہے کہ ربّ ذوالجلال جل شانہ نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خون سے نہیں، بلکہ اپنی قدرت کاملہ سے پرورش فرمائی۔ (سبحان اللہ تعالیٰ)

[2] گویا کہ ہر اعتبار سے مکمل و اکمل پیدا فرمایا۔ دنیا میں کسی کی محتاجی نہ دی۔ ۱۲

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم، نورِ مجسم، رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور خاتم النبیین لکھا ہوا تھا، حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی اپنی گندھی ہوئی مٹی میں ہی تھے۔ (یعنی ابھی رُوح مبارک جسدِ انور میں داخل نہ ہوئی تھی) میں تم کو اپنے امر کی ابتداء سے مطلع کرتا ہوں: (اَنَا) دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَ بِشَارَةُ عِيْسٰى وَ رُؤْيَا اُمِّيَ الَّتِيْ رَأَتْ حِيْنَ وَضَعَتْنِيْ وَقَدْ خَرَجَ لَهَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ (مشکوٰۃ شریف)

فرمایا، "(میں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ محترمہ کا خواب ہوں۔ جب میری ولادت باسعادت ہوئی، تو میری والدہ محترمہ سے ایک نُور نکلا کہ جس سے مُلکِ شام کے محلات روشن ہو گئے۔" (نظر آ گئے)

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ فرمایا:

"حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت میں بھی حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ مقدس کے سامنے چراغ کی روشنی ماند پڑ گئی۔" (شواہد النبوۃ)

ستاروں کا جھکنا

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا: "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت میں حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر تھی۔ میں نے دیکھا کہ آسمان کے ستارے زمین کے نزدیک آ گئے ہیں۔ میں ڈر گئی گویا کہ وہ مجھ ہی پر گر پڑیں گے۔" (مدارج النبوۃ۔ شواہد النبوۃ)

اُمّ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما، بھی ان جیسے کئی عجائبات کا ذکر کر کے فرمانے لگیں "یہ بات ہمیشہ میرے دل میں جمی رہی" یہاں تک حضور رحمتِ عالم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا اور میں فوراً اسلام لاکر سابقین اوّلین (یعنی پہلے ایمان لانے والوں) میں شامل ہوگئی۔

آتشکدۂ فارس و قصرِ کسریٰ

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شبِ ولادت بادشاہِ ایران کسریٰ کے محل میں ایک بڑا زلزلہ آیا، جس سے اُس کے محل کے ۱۴ کنگرے گر گئے۔ کسریٰ محل کے یوں لرزنے اور کنگروں کے گرنے سے خوف زدہ ہوگیا۔ ہر چند کہ وہ اپنے خوف کو چھپاتا تھا، لیکن اطمینان خاطر جاتا رہا۔ صبح ہوئی تو تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے اپنے خاص وزراء اور داناؤں کو حالتِ گزشتہ سے مطلع کیا، ابھی اُس کی بات تمام نہ ہوئی تھی کہ اُسے آتشکدۂ ایران کے بجھنے کی خبر مل گئی۔ (یہ آتش کدہ تقریباً ایک ہزار سال سے مسلسل روشن تھا، چونکہ اہلِ فارس آتش پرست تھے، اس لئے انہوں نے اس آتش کدہ کو کسی بھی حالت میں بجھنے نہ دیا، اب وہ یک لخت بجھ گیا) تو یہ سُن کر بادشاہ کا غم مزید بڑھ گیا۔ اسی دوران اس کے سب سے بڑے قاضی (یعنی چیف جسٹس) اور عالم موبذان نے اپنا خواب بیان کیا کہ اس نے دیکھا، "بہت سے موٹے تازے، قوی ہیکل اونٹ اور سرکش چست و چالاک عربی گھوڑے سرپٹ دوڑے آرہے ہیں، اور انہوں نے دریائے دجلہ کو عبور کیا، اور سارے ملک میں پھیل گئے۔ بادشاہ نے بے چین ہوکر موبذان سے پوچھا کہ "اب کیا ہوگا؟" اُس نے کہا: "عرب کی جانب غالباً کوئی عظیم واقعہ پیش آنے والا ہے۔" پھر ان خبروں نے بادشاہ کو مزید ہیبت زدہ کر دیا کہ یکایک دریائے ساوہ کا سارا پانی زمین میں دھنس گیا اور دریا صحرا کا منظر پیش کرنے لگا۔ اس کے برعکس ایک ہزار سال سے خشک دریا "وادی سماوی" پانی سے لبالب بھر گیا۔

اِن حیران کُن لرزا دینے والی خبروں کی حقیقت جاننے کے لئے بادشاہ نے کاہنوں سے رابطہ کا حکم دیا۔ بادشاہ کا ایلچی اُس وقت کے سب سے بڑے کاہن سطیح کے

پاس پہنچا۔ اُس وقت سطیح قریب المرگ تھا اور اس پر بیہوشی طاری تھی۔ بادشاہ کے ایلچی عبدالمسیح نے سطیح کو بادشاہ کا سلام کہا، مگر اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر عبدالمسیح نے چند اشعار پڑھے، جنہیں سُن کر وہ ہنسا اور بولا، عبدالمسیح ایک تیز رفتار اُونٹ پر سطیح کے پاس آیا ہے، جس کی موت قریب ہے۔ (پھر بولا) "تجھے ساسانیوں کے بادشاہ نے بھیجا ہے کہ ایوان میں زلزلہ آگیا، نارِ فارس بجھ گئی اور موبذان نے خواب دیکھا کہ طاقتور اُونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچ رہے ہیں اور وہ دجلہ کو عبور کرکے سارے ملک میں پھیل گئے ہیں۔ اے عبدالمسیح! (یہ وقت ہے کہ) جب تلاوتِ (قرآن کریم) کی کثرت ہوگی اور حامل عصا۔ (یعنی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلّم) مبعوث ہوں گے، "وادیٔ سماوہ" پانی سے اُبلنے لگے گا اور بحیرۂ ساوہ خشک ہو جائے گا اور فارس کا آتش کدہ بجھ جائے گا۔ پس بادشاہ کے محل کے چودہ عدد گرنے والے کنگروں کے مطابق بادشاہ ہوں گے۔ پھر جو کچھ ہونا ہوگا ہو جائے گا۔ پس اب سطیح کی زندگی کا درخت دُنیا میں نہ رہے گا، یہ کہتے ہی سطیح مر گیا۔

کسریٰ کے ایلچی نے واپس آکر سب واقعہ بادشاہ کے گوش گزار کیا، چونکہ کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے گرے تھے۔ اِس لئے بادشاہ نے لاپرواہی سے کہا، جب تک ہمارے چودہ بادشاہ (یکے بعد دیگرے) گزریں گے تب تک نہ جانے کیا کچھ ہو جائے گا۔" وہ سمجھتا تھا کہ شاید چودہ بادشاہ کئی سو سال میں ہوں گے، مگر خدا تعالٰی کی قدرت کہ ان میں سے دس بادشاہ تو چار سال کے اندر اندر ہی نمٹ گئے اور باقی چار حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دورِ خلافت تک حکمران رہے اور یوں آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فارس کا آخری بادشاہ بھی جاتا رہا (خصائص کبریٰ، مدارج النبوۃ)

بُتوں کا اُوندھے مُنہ گرنا

خرائطی اور ابنِ عساکر، عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ قریش کے کچھ افراد جن میں ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو،

عُبیداللہ جحش اور عثمان بن الحویرث شامل تھے۔ ایک شب بُت خانہ کی طرف آئے تو دیکھا کہ بڑا بُت مُنہ کے بل گرا پڑا ہے۔ ان لوگوں نے بُت کی اِس حالت کو مناسب نہ جانا اور اُسے سیدھا کھڑا کر دیا، لیکن وہ پھر دھڑام سے زمین پر گر گیا۔ انہوں نے پھر سیدھا کیا، مگر تیسری مرتبہ پھر گر گیا۔ تو عثمان بن الحویرث بولا: آج ضرور کوئی نہ کوئی اہم بات ہوئی ہے اور یہ وہی شب تھی کہ جس شب کی صبح ولادتِ باسعادت ہوئی۔ اس موقع پر عثمان بن الحویرث نے کچھ اشعار کہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اے صنم! تیرے پاس دُور دراز سے سردارانِ عرب جمع ہو رہے ہیں اور تو اُلٹا گرا پڑا ہے؛ بتا تو کیا بات ہے کیا تو کھیل رہا ہے۔ اگر ہم سے کوئی گناہ ہوا ہے تو ہم اپنی خطا کا اقرار کرتے ہیں، اور آئندہ نہ کرنے کا وعدہ کرتے ہیں اور اگر تو ذلیل و مغلوب ہو کر جھک گیا ہے، تو پھر تُو (آج سے) نہ ہی بُتوں کا سردار ہے، اور نہ ہی (ہمارا) رب۔"

یہ کہہ کر (یا دُوسرے لفظوں میں وارننگ دے کر) بُت کو پھر کھڑا کر دیا، تو اُس میں سے آواز آئی:-

"یہ صنم تباہ ہو گیا اس نومولود کی وجہ سے جس کے نور سے ساری دُنیا روشن ہو گئی ہے۔ سارے ہی صنم اس کی آمد پر گر پڑے اور بادشاہوں کے دل اس کی ہیبت سے کانپنے لگے۔ نارِ فارس بُجھ گئی، جس کی وجہ سے شاہِ فارس غم سے بھر گیا۔ کاہنوں سے اُن کے جن بھاگ گئے۔ اب انہیں جھوٹی سچی خبر سُنانے والا نہ رہا۔ اے قُصَیّ کی اولاد! اپنی گمراہی سے باز آجاؤ اور اسلام کے کشادہ امن میں پناہ لے لو۔" (خصائص کُبریٰ جُزاوّل)

رَضاعَت باسعادت اور حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حاضری

حضور نبی کریم رحمت عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

کو کئی عورتوں نے دُودھ پلانے کی سعادت حاصل کی ہے۔ تعداد میں قدرے اختلاف ہے، "جامعہ الفواد" قاہرہ" کے سابق مدیر اپنی کتاب "محمد رسول اللہ" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں رقمطراز ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آٹھ عورتوں نے دُودھ پلانے کا شرف حاصل کیا، جبکہ بعض نے اس سے بھی زیادہ تعداد بتائی ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)

اِن عورتوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے علاوہ، خولہ بنت منذر، حضرت اُمّ ایمن، قبیلہ عوا کی تین خواتین، حضرت حلیمہ سعدیہ ایک اور سعدی نامی خاتون اور ابولہب کی لونڈی ثویبہ شامل ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) (کتبِ سِیَر)

مدارج النبوّۃ میں ہے کہ (سیّدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد) سب سے اوّل جس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دُودھ پلایا، وہ ابولہب کی لونڈی ثویبہ تھی۔ جس شب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی ثویبہ نے ابولہب کو خوشخبری سُناتے ہوئے کہا کہ تمہارے مرحوم بھائی عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے، اِس پر ابولہب نے خوش ہو کر بطورِ انعام ثویبہ کو آزاد کر دیا اور کہا کہ جاؤ اُس نومولود کو دُودھ پلاؤ۔ چنانچہ ثویبہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دُودھ پلانا شروع کر دیا۔

ابولہب کے لئے انعام

حدیث پاک میں ہے کہ ابولہب کے مرنے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے خواب میں دیکھا تو پوچھا "اے دُشمنِ خدا و رسول! تیرا کیا حال ہے؟" تو اُس نے کہا "تم سے جُدا ہو کر (یعنی مرنے کے بعد) مجھے سکون نہ ملا۔ سخت عذاب میں گرفتار ہوں، البتہ ثویبہ کو آزاد کرتے وقت جس اُنگلی سے اشارہ کیا تھا، ہر پیر کے دن اس اُنگلی سے مجھے ٹھنڈا اور شیریں پانی مِل جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس دن کے عذاب میں تخفیف محسوس کرتا ہوں"۔

صاحب "مدارج النبوۃ" فرماتے ہیں، باوجیکہ ابولہب کافر تھا اور اس کی مذمت

قرآنِ کریم میں نازل ہوچکی ہے۔ جب اُس نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کی خوشی میں اپنی باندی کو دُودھ پلانے کی خاطر آزاد کر دیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حق تعالیٰ جل شانہٗ نے اسے اس کا بدلہ عنایت فرما دیا تو پھر صاحبِ ایمان کو کیا کچھ نہ ملے گا۔)

ثویبہ کے اسلام لانے میں اختلاف ہے۔ بعض محدثین کرام ان کو صحابیات شمار کرتے ہیں۔ کتبِ سیرت میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رضاعی ماں ہونے کی نسبت سے ان کا بہت احترام فرماتے تھے اور مدینہ طیبہ سے ان کے لئے کپڑے اور انعامات ارسال فرماتے رہتے۔ حضرت ثویبہ کی وفات غزوۂ خیبر کے بعد ۸ھ کو ہوئی۔ ثویبہ نے سیّد الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی دُودھ پلایا تھا۔

منقول ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سات یوم سیّدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شیر مبارک نوشِ جاں فرمایا اور چند دن جناب ثویبہ کا دُودھ پیا اور سب سے آخر میں دُودھ پلانے کی سعادت قبیلہ بنو سعد کی خوش قسمت حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حاصل کی۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اپنا نام و نسب ہی حلم و وقار سے متصف تھا اور وہ اس نامور قبیلہ بنی سعد بن بکر سے تھیں کہ جن کی شیریں زبانی، اعتدالِ آب و ہوا اور فصاحت و بلاغت مشہور و معروف تھی۔ مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں اس لئے کہ میں قریشی ہوں اور میں نے قبیلہ بنو سعد بن بکر کا دُودھ پیا ہے۔

ذاتِ گرامی کی برکات حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دُودھ پلانے کے ضمن میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جس قدر فضائل و معجزات مروی ہیں، اُن کا احاطہ و شمار انسانی طاقت سے باہر ہے۔

تاہم اختصاراً کتبِ سیرت سے بعض ضبطِ تحریر میں لائے جاتے ہیں ؛

سیرت ابنِ ہشام، مواہب لدنیہ، ابویعلی، طبرانی، بیہقی اور ابونعیم و ابن عساکر بحوالہ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب، حلیمہ بنت ابی ذویب حارث السعدیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، مَیں اپنی بستی سے قبیلہ بنو سعد بن بکر کے ساتھ دُودھ پلانے کے لئے کسی بچّے کو لینے مکہ مکرّمہ آئی۔ یہ زمانہ شدید قحط سالی کا تھا۔ آسمان سے زمین پر پانی کا ایک قطرہ تک نہ برسا۔ میرے پاس ایک مادہ دراز گوش (گدھی) تھی جو لاغری اور کمزوری کی وجہ سے صحیح طور پر چل بھی نہ سکتی تھی۔ ایک اُونٹنی تھی جس کا دُودھ خشک ہو چکا تھا۔ میرے ساتھ میرے شوہر اور میرا بچّہ تھا۔ خود میری چھاتی میں اتنا دُودھ نہ تھا کہ بچہ پیٹ بھر کر پی سکے، بھُوک سے وہ بھی بلکتا رہتا۔ بیماری تنگی کا یہ عالم تھا کہ نہ تو ہم رات کو چین سے سو سکتے تھے' اور نہ دن کو سکون ہوتا۔ میرے ساتھ آنے والی سب عورتوں نے دُودھ پلانے کے لئے بچّوں کو لے لیا۔ حتیٰ کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے سوا کوئی بچّہ نہ رہا اور میرے سوا کوئی دایہ نہ تھی۔ مشہور تھا کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم یتیم ہیں۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ بخدا بچہ لئے بغیر مکہ مکرّمہ سے لَوٹنا مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا، میں جاتی ہوں' اور اسی یتیم بچّے کو لے آتی ہوں' ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اسی میں برکت دے دے۔ چنانچہ میں سیّدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حضور حاضر ہوئی تو دیکھا کہ حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لختِ جگر سیّد و سَرور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم) دُودھ سے زیادہ سفید رنگ کے اُونی کپڑے میں لپیٹے ہوئے ہیں' اور آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم) سے مشک و عنبر سے بھی نفیس خوشبوئیں لپٹیں مار رہی ہیں آپ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے نیچے سبز رنگ کا حریر (ریشمی کپڑا) بچھا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم محوِ خواب تھے۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے چاہا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو نیند سے بیدار

کردوں، مگر میں آپ کے حُسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی، میں نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے سینۂ اطہر پر رکھا، تو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے تبسم فرما کر اپنی چشمانِ مُبارک کھول دیں، اور میری طرف نظرِ انور اُٹھائی تو میں نے دیکھا کہ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی مُبارک آنکھوں کے درمیان سے ایک نور سا نکلا اور آسمان کی طرف پرواز کر گیا۔ میں نے دیوانہ وار آگے بڑھ کر آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی پیشانی مُقدس کو چُوم لیا۔ پھر میں نے گود میں اٹھایا، تو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے حسبِ خواہش میری چھاتیوں میں دُودھ اُتر آیا۔ میں نے دائیں جانب سے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو دُودھ پلایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حسبِ تمنا دُودھ نوشِ جاں فرمایا۔ میں نے بائیں جانب سے دُودھ پلانا چاہا، تو حضور رحمتِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہ پیا۔

حضرت سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: پروردگارِ عالم اللہ ربّ العزّت جل شانہٗ نے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو ابتدائی زمانہ (بچپن) ہی میں عدل و انصاف کو ملحوظِ خاطر رکھنے کا الہام فرما دیا تھا۔ اسی لئے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہمیشہ ایک ہی پستان سے دُودھ نوشِ جاں فرماتے اور دُوسرا پستان حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے یعنی اپنے رضاعی بھائی کے لئے چھوڑ دیتے۔ (بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دایاں پستان دُودھ سے خشک تھا صرف بائیں پستان میں ہی دُودھ اُترا کرتا تھا، لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو گود میں لیتے ہی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پستان میں دُودھ اُتر آیا جسے رسُولِ خدا حبیبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نوش فرمایا، گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہی مختص تھا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال)

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو لیکر

اپنے شوہر کے پاس آئی، تو حُسنِ مصطفٰے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کو دیکھتے ہی وہ دل و جان سے جمالِ مبارک کے عاشق ہو گئے اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ پھر وہ اپنی بوڑھی اونٹی کی طرف گئے، تو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اونٹی کے تھن دُودھ سے بھرے ہوئے تھے، حالانکہ اس سے قبل اُن میں ایک قطرۂ شِیر بھی نہ ہوتا تھا، میرے شوہر نے اُونٹی کا دُودھ دوہا، جسے انہوں نے بھی پیا، اور میں نے بھی پیا، یہاں تک کہ ہم دُودھ سے خوب خوب سیراب ہو گئے۔ اس رات ہم پورے آرام وسکون سے چین کی نیند سوئے، جبکہ اس سے قبل بھوک اور پریشانی کی وجہ سے نہ تو ہم میاں بیوی اچھی طرح سو سکتے تھے اور نہ ہی ہمارا بچہ۔ میرے شوہر نے مجھے کہا، "اے حلیمہ! تم کو مبارک و بشارت ہو کہ خدا کی قسم تم نے بہت ہی بابرکت بچہ لیا ہے، تم نہیں دیکھتیں کہ ہمیں اس بچے کی وجہ سے کس قدر خیر و برکت ملی ہے اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ اس بچے کی طفیل ہمیشہ خیر و برکت میں اضافہ ہی ہو گا۔" میں نے جواباً کہا، "خدا کی قسم مجھے بھی یہی اُمید ہے۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد ہم چند یوم تک مکّہ مکرمہ میں ٹھہرے۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ ایک نُور آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے گرد اگرد گھیرا ڈالے ہوئے ہے اور ایک شخص سبز رنگ کا لباس زیبِ تن کئے سرہانے کی طرف کھڑا ہے۔ میں نے اپنے شوہر کو جگا کر کہا، "اُٹھیے، اور دیکھیے یہ کیا ہے؟" جواباً انہوں نے کہا، "حلیمہ! خاموش رہو! اپنی اس حالت کو چھپا کے رکھو، کیونکہ (مجھے پتہ چلا ہے کہ) جب سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے، یہود کے علماء و احبار کا کھانا پینا چھوٹ گیا ہے اور انہیں چین و سکون نہیں ہے۔"

حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ~~جب جانے لگے~~ تو ہم دائیوں کو رخصت کیا اور مجھے بھی سیّدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے الوداع فرمایا، تو میں آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کو لیکر اپنی سواری (گدھی) پر سوار ہوئی، تو میری سواری خوب چُست و چالاک ہو گئی اور اپنی گردن تان کر چلنے لگی۔ جب ہم خانہ کعبہ کے پاس سے گزرے، تو میری سواری نے تین مرتبہ سجدہ کے انداز میں

خانہ کعبہ کی طرف سر جھکایا پھر جو سر اُٹھا کر چلی تو اس قدر تیزی کے ساتھ کہ پورے قبیلہ کی سواریوں سے آگے نکل گئی۔ قافلے والوں کی سواریاں اس کے مقابلہ میں عاجز آگئیں، تو میرے ساتھ والیاں مجھے کہنے لگیں "اے ذویب کی بیٹی! مہربانی کر اور ہماری خاطر ذرا درمیانی چال چل، کیا یہ وہ گدھی نہیں ہے جس پر تو سوار ہو کر ہمارے ساتھ مکہ کی طرف آئی تھی اور یہ نہ تو تیرا بوجھ صحیح طور پر اُٹھا سکتی تھی اور نہ ہی سیدھی چل پھر سکتی تھی۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم یہ وہی جانور ہے، مگر حق تعالیٰ نے اس فرزند کی برکت سے اسے قوی فرما دیا ہے۔ اس پر انہوں نے خدا تعالیٰ کی قسم اُٹھا کر کہا کہ اس کی تو حالت ہی بدل گئی ہے اور رنگ بھی نکھر آیا ہے۔ پھر ہم اپنے گھر پہنچے جو کہ بنی سعد کی بستیوں میں تھا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نہیں جانتی کہ اللہ تعالیٰ کی پوری زمین میں سے کوئی بھی جگہ ہماری بستیوں میں سے زیادہ قحط زدہ ہو (سب چراگاہیں سوکھ چکی تھیں، دُور دُور تک سرسبزی کا نشان تک نہ تھا) لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وجودِ مسعود کی برکت تھی کہ میری بکریاں شام کو چراگاہ سے واپس لوٹتیں تو شکم سیر اور دُودھ سے خوب بھری ہوئی ہوتیں۔ غرض ہم اور ہمارے جانور اس خیر و برکت سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہے تھے، جبکہ دُوسرے لوگوں کی بکریاں چراگاہوں سے بھوکی واپس آتیں اور ایک قطرہ بھی دُودھ نہ دیتیں۔ ہمارے آس پاس کے رہنے والے اپنے چرواہوں کو ڈانٹتے اور کہتے: ارے کم بختو! ابوذویب کی بیٹی کا چرواہا جس چراگاہ میں بکریاں چراتا ہے، تم بھی وہیں چرایا کرو، حالانکہ وہ نہ جانتے تھے کہ اس خیر و برکت کا سبب تو کوئی اور ہی ذاتِ اقدس ہے۔ ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خیر و برکت سے بحکم خدا تعالیٰ مسلسل فائدہ اُٹھاتے رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دو سال کے ہو گئے۔

حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نشو و نما کا انداز عام عادات سے ہٹ کر تھا۔ عام بچے ایک ماہ میں جس قدر بڑھتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف ایک دن

میں اس قدر پرورش پاتے تھے، حتیٰ کہ محض دس ماہ کی عمر شریفہ میں نہ صرف فصیح گفتگو فرمایا کرتے تھے، بلکہ تیر اندازی بھی فرمایا کرتے تھے، اس لیے دو برس کی عمر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خوب توانا ہو گئے۔ پھر ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ ہم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برکات دیکھ چکے تھے اور چاہتے تھے کہ خیر و برکت کے اس عظیم خزانے کو کچھ عرصہ مزید اپنے پاس رکھیں، اس لیے میں نے بہانہ بناتے ہوئے کہا: "مجھے خطرہ ہے کہ مکہ کی آب و ہوا اس بچے کو بیمار کر دے گی اس لیے کم از کم ایک سال کے لیے یہ بچہ مزید مجھے دے دو۔" میں نے اس بات پر اس قدر اصرار کیا کہ حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجبور ہو کر ہاں کر دی۔

شقِ صدر کا واقعہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں خوشی خوشی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر واپس اپنے قبیلہ میں آگئی۔ اب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے رضاعی بھائیوں اور بہن کے ساتھ چراگاہوں کی طرف تشریف لے جاتے۔ ایک دن سخت گرمی کے موسم میں باہر جانے سے میں نے منع کیا تو میری بیٹی "شیما" نے کہا: "امی جان! فکر نہ کریں میرے بھائی کو گرمی لگتی ہے، تو ان پر بادل سایہ کر دیتا ہے اور یہ جدھر جاتے ہیں، بادل ادھر ہی چلا جاتا ہے۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو واپس تشریف لائے۔ ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ ایک دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ ہمارے گھروں کی پچھلی طرف جہاں ہمارے جانور بندھتے تھے، تشریف لے گئے۔ (بعض روایتوں میں چراگاہ کا لفظ ہے) تھوڑی ہی دیر بعد میرا بیٹا ضمرہ خوفزدہ دوڑتا ہوا آیا، اس کی پیشانی عرق آلود تھی وہ رو رہا تھا اور چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا: اے ابا! اے اماں! جلدی کرو میرے قریشی بھائی محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی خبر لو، مجھے اُمید ہے کہ جب تک تم اُن تک پہنچو گے، وہ قتل ہو چکے ہوں گے، ہم نے پوچھا کیا ہوا ہے؟ اُس نے بتایا! "ہم کھڑے تھے کہ ایک شخص آیا اور وہ بھائی "محمد" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو اُٹھا کر پہاڑ کی چوٹی پر لے گیا اور وہاں آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا پیٹ چاک کر دیا، پھر مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔"

یہ سُن کر میں اور میرے شوہر پریشان حال دوڑتے ہوئے گئے، تو دیکھا کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) پہاڑ کی چوٹی پر جلوہ فرما آسمان کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی پیشانیٔ مقدس پر بوسہ دیا اور کہا، "میری جان! آپ پر قربان ہو، آپ کو کیا ہوا تھا؟" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اماں جان! کوئی فکر نہ کریں، بات صرف اتنی ہوئی کہ میں کھڑا تھا کہ تین آدمی میرے پاس آئے، جن میں سے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا لوٹا تھا، دُوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت تھا، جو برف سے بھرا ہوا تھا، وہ اپنے ساتھ مجھے پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے اور وہاں مجھے پہاڑ کی چوٹی پر ہی آہستہ سے لٹا دیا، پھر ان میں سے ایک نے سینے کے جوڑ سے ناف تک میرا پیٹ چاک کیا، اس کی مجھے کوئی بھی تکلیف نہ ہوئی اور اس منظر کو میں خود دیکھ رہا تھا، پھر انہوں نے میری آنتڑیوں کو باہر نکالا اور برف سے دھو کر واپس پیٹ میں رکھ دیا۔ پھر دُوسرا آگے بڑھا اور اُس نے میرے جوف میں ہاتھ ڈال کر میرا دل باہر نکالا، حالانکہ میں دیکھ رہا تھا، اُس نے میرے دل کو چیرا اور ایک سیاہ رنگ کا لوتھڑا سا نکال باہر کیا، پھر میرے دل میں کوئی نورانی شے بھر دی۔ اِس کے بعد میں نے دیکھا کہ اُس نے اپنے ساتھی سے ایک ایسی نورانی مُہر لی کہ جس کی روشنی سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں، اُس نے وہ مہر میرے دل پر ثبت کر دی، اس مُہر کی راحت اور ٹھنڈک اپنے سینے اور رگوں میں اب بھی محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد تیسرا شخص آگے بڑھا اور اس نے اپنا ہاتھ میرے سینے کے شگاف پر پھیرا تو وہ اسی وقت درست ہو گیا۔ پھر اُس نے

کہا کہ اِن کو اِن کی اُمت کے دس آدمیوں کے مقابلہ میں وزن کرو۔

انہوں نے مجھے دس آدمیوں کے مقابلہ میں وزن کیا تو

میں غالب آگیا۔ اس پر وہ بولا "بس رہنے دو، اگر تم ان کو پوری امت کے مقابلہ میں بھی وزن کرو گے، تو یہ ہی غالب آئیں گے"۔ پھر اُس نے میرا ہاتھ پکڑا اور بڑی نرمی کے ساتھ مجھے اٹھا کر بٹھا دیا، پھر وہ سب کے سب میری طرف جھکے۔ اُنہوں نے میرے سر اور پیشانی کو چوما اور کہا: "اے خُدا کے حبیب! (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) آپ کوئی خوف نہ کریں۔ اگر (ابھی) آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کا پروردگار آپ سے کس قدر بھلائی کا ارادہ فرما رہا ہے، تو یقیناً آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں"۔ اس کے بعد وہ مجھے بیٹھا چھوڑ کر آسمان کی طرف پرواز کر گئے۔

حلیہ شریف کے بیان میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ انور و شکم مبارک پر اس نشان کو سیدھی لکیر کی مانند دیکھا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر گھر پہنچی، تو لوگ اس خبر سے مطلع ہو کر مجھے کہنے لگے کہ ان کو کسی کاہن کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ دیکھ کر ان کا علاج کرے، شاید ان پر (جنات وغیرہ) کا کوئی اثر ہے۔ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا، مجھے چھوڑ دو، مجھے کچھ نہیں، میری جان بھی سلامت ہے اور دل بھی سلامت ہے۔ مگر لوگوں کا اصرار بڑھتا گیا، یہاں تک کہ میں مجبور ہو کر آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو ایک کاہن کے پاس لے گئی اور اُسے سارا واقعہ سنا دیا۔ کاہن بولا: میں خود اس بچے سے پوچھتا ہوں، کیونکہ یہ خود اپنے احوال سے زیادہ واقف ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری تفصیل کے ساتھ تمام واقعہ کہہ سنایا جسے سُنتے ہی وہ کاہن گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور زور زور سے چلانے لگا کہ اے اہلِ عرب ایک بُرائی (معاذ اللہ تعالیٰ) قریب آگئی ہے جلدی دوڑو اس لڑکے کو اور مجھے ایک ساتھ

قتل کر ڈالو۔ اگر تم نے اسے چھوڑ دیا اور یہ بڑا ہوگیا تو یہ بڑے بڑے داناؤں کی عقلوں کو ضبط کردے گا۔ یہ تمہارے دین کو جھٹلاتے گا تمہیں اُس رب کی طرف بُلاتے گا جسے تم نہیں پہچانتے اور یہ تم کو اس دین کی دعوت دے گا، جس سے تم ناآشنا ہو۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "میں نے اُس کی باتیں سُن کر اُس کے ہاتھوں سے آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کو چھین لیا اور کہا تُو تو کوئی پاگل اور خبطی معلوم ہوتا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تُو یہ کچھ کہے گا، تو میں تیرے پاس ہی نہ آتی، تو اپنے آپ کو قتل کرنے کے لیے خود ہی کسی کو بُلا لے، ہم تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کو قتل نہیں کرنے دیں گے۔

والدہ محترمہ سیدہ آمنہ خاتون کے پاس واپسی

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "اس واقعہ کے بعد ہم خوفزدہ ہوگئے۔ خود میرے شوہر اور دُوسرے لوگوں نے مجھے کہا کہ ان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی جان کو خطرہ ہے، اس لئے ان کو واپس ان کی والدہ کے پاس چھوڑ آؤ۔ چنانچہ میں آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کو لے کر عازم مکہ مکرمہ ہوئی اور آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کو سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد کر دیا۔ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے دادا حضرت عبدالمطلب نے مجھے انواع واقسام کے انعامات اور سونا چاندی سے مالا مال کر دیا۔"

(سیرت ابن ہشام، خصائص کبریٰ، مواہب لدنیہ، مدارج النبوۃ، شواہد النبوۃ وغیرہ)

سیدہ آمنہ خاتون کی رحلت، حضرت عبدالمطلب کی کفالت و رحلت اور حضرت ابوطالب کی خدمتگزاری

ارباب سیر فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر مبارکہ چھ برس کی تھی، تو سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوگیا[1] اور

---

[1] تفصیلی واقعہ حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تحت ملاحظہ فرمائیں ۱۲۰

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت و خدمت گزاری کی ذمہ داری حضرت عبدالمطلب نے بطریقِ احسن پوری فرمائی۔ حضرت عبدالمطلب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سب فرزندوں سے زیادہ محبوب جانتے تھے اور کبھی آپ کے بغیر دسترخوان نہ بچھاتے۔ خلوت و جلوت کے تمام اوقات میں دادا محترم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بہت یاد خیال و احساس فرماتے۔ حتیٰ کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس مستعار زندگی کے آٹھویں برس میں قدم رکھا، تو دادا جان اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت و خدمت کی ذمہ داری آپ کے محبوب چچا حضرت ابوطالب نے اٹھالی۔

حضرت ابوطالب بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ سفر و حضر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کبھی پسند نہ کرتے تھے۔ یہ بھی اپنے والدِ ذی وقار حضرت عبدالمطلب کی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر دسترخوان نہ بچھاتے۔ شواہد النبوۃ میں ہے کہ حضرت ابوطالب کے اہل و عیال جب تنہا کھانا کھاتے، تو پوری طرح سیر نہ ہوتے اور کھانا ختم ہو جاتا، لیکن جب دسترخوان پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم موجود ہوتے، تو اس قدر برکت ہوتی کہ سب سیر بھی ہو جاتے اور کھانا بھی باقی بچ جاتا۔ اسی طرح دودھ پینے وقت سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے، بعد ازاں خود نوش کرتے تو سب کے سب سیر ہو جاتے، حالانکہ مقدار کے لحاظ سے اس قدر ہوتا کہ ایک آدمی کا پیٹ بھی نہ بھر سکے۔ حضرت ابوطالب عموماً کہا کرتے تھے کہ "اے بیٹے! یہ سب تیری ہی برکت ہے۔"

حضرت ابوطالب کے ساتھ سفرِ شام

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس مستعار زندگی کے بارہ برس طے فرمائے تو حضرت ابوطالب کے ساتھ ملکِ شام کی طرف بغرضِ تجارت روانہ ہوئے۔ بصرے کے قریب

نصاریٰ کے جیّد عالمِ دین بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی۔ بحیرہ دین سماوی کے بہت بڑے عالم اور صاحبِ تقویٰ تھے۔ چونکہ انہوں نے سابقہ کتبِ سماویہ میں حضور نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نشانیاں اور حالات بڑی تفصیل کے ساتھ پڑھے تھے۔ وہ اِس لیئے دیدارِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حد درجہ مشتاق تھے۔ جب قافلۂ قریش میں بحیرہ نے رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعینہٖ اسی طرح پایا، جس طرح کہ انہوں نے پہلی آسمانی کتابوں میں پڑھا تھا۔ بحیرہ راہب نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان کر حد درجہ تعظیم و تکریم کی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بوسہ لیا اور ایمان لے آئے۔ صاحبِ مدارج النبوۃ فرماتے ہیں کہ بحیرہ اُن میں سے ایک ہیں جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اظہارِ نبوت سے پہلے ہی ایمان لے آئے تھے۔

الغرض حضرت بحیرہ نے حضرت ابو طالب کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خوب حفاظت کریں، کیونکہ یہ نبی آخر الزماں ہیں اور ان کا دین سابقہ تمام ادیان کا ناسخ ہے۔ یہود و نصاریٰ ان کے جانی دشمن ہیں، اس لیئے ان کو ملکِ شام نہ لے جایا جائے۔ اس پر حضرت ابو طالب نے اپنا سامان وہیں فروخت کیا اور واپس مکہ مکرمہ آ گئے۔

مُلکِ شام کی طرف ایک اور سفر

پچیس ۲۵ برس کی عمر شریفہ میں حضور نبیِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں مکہ مکرمہ کی ایک نہایت مالدار اور باوقار مجسمۂ عفت و طہارت خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیغام بھیجا کہ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو ان (حضرت خدیجہ) کا مالِ تجارت ملک شام کی طرف لے جائیں اور جو نفع حاصل ہو، اس سے جس قدر چاہیں خود رکھیں اور جس قدر چاہیں مجھے دے دیں۔

مکہ مکرمہ میں صادق و امین کے لقب سے شہرت کی بلندیوں کو پا لینے والے محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس پیش کش کو اپنے پیارے چچا حضرت ابو طالب کے مشورہ سے قبول فرمالیا۔ اس کے بعد حضرت سیدہ خدیجہ نے اپنے غلام "میسرہ" اور ایک اور آدمی "خزیمہ" کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کے لئے ساتھ روانہ کر دیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بصرہ پہنچے، تو وہاں ایک کلیسا کے نزدیک ایک درخت کے نیچے آرام فرما ہو گئے۔ یہ درخت پرانا اور سوکھا ہوا تھا، لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے وہ درخت یکایک سرسبز و شاداب ہو گیا اور اُس کو پھل بھی لگ گئے، اردگرد بھی سبزی پھیل گئی۔ یہ دیکھ کر اُس کلیسا کا نسطورا نامی راہب ایک کتاب ہاتھ میں پکڑے اپنے کلیسا سے باہر نکلا اور میسرہ سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ یہ کون ہیں؟ میسرہ نے بتایا کہ یہ شرفاء قریش اور سادات بنو ہاشم سے ہیں۔ پھر نسطورا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: "میں آپ کو لات و عزیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ بتائیے آپ کا نام کیا ہے؟" حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فکلتک اُمّک "میرے پاس سے دور ہو جا" کسی عرب نے اس سے زیادہ مکروہ و ناگوار اور شدید بات مجھ سے نہیں کی (یعنی آپ نے لات و عزیٰ سے سخت اظہارِ نفرت فرمایا) اس پر نسطورا نے اپنے ہاتھ والی کتاب کو کھول کر پڑھا اور بولا: مجھے اُس خدا کی قسم، جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی۔ یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں (جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی)

الغرض رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بصرہ میں اپنا مال فروخت کیا اور خوب نفع حاصل ہوا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خیر و برکت سے قافلہ کے دیگر افراد بھی مستفید ہوئے۔ پھر جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ واپس پہنچے، تو دوپہر کا وقت تھا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اپنی سہیلیوں کے ساتھ بالاخانہ

پر بیٹھی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ دو پرندے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ انور پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ (مواہب لدنیہ میں ہے کہ وہ دونوں فرشتے تھے۔)
حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام میسرہ اور دوسرے شخص خزیمہ نے بھی راہ میں پیش آنے والے خوارقِ عادات واقعات کا ذکر کیا، جس سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت متاثر ہوئیں۔

حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح

حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عقل و فراست میں نہایت کامل اور اَلنسب و اشرف تھیں اور بہت زیادہ مالدار تھیں۔ اگرچہ بیوہ تھیں، بایں ہمہ بنو قریش کے کئی مردوں نے ان کو پیغامِ نکاح دیا، مگر انہوں نے کسی کو قبول نہ فرمایا تھا، لیکن آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ اپنی ہمراز عورت کے ذریعے خود بارگاہِ اقدس میں نکاح کی درخواست پیش کی، جسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے محبوب چچا حضرت ابو طالب کے مشورہ سے قبول فرمالیا۔ اس پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازحد خوش ہوئیں اور اپنے چچا عمرو بن اسد کو پیغام بھیجا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عقد کے وقت موجود ہوں ادھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا حضرت ابو طالب، حضرت حمزہ اور دیگر چچاؤں کی معیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر رؤسا قریش کے ساتھ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے، جہاں تقریبِ سعید نکاح و عقد منعقد ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضرت ابو طالب نے ایک بلیغ خطبہ پڑھا اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل نے تائید و تصدیق میں خطبہ دیا۔ حق مہر بیس جوان اونٹنیاں تھیں۔ (مدارج النبوۃ۔ ابنِ ہشام)

تعمیر بیت اللہ ولادت باسعادت کے پینتیسویں ۳۵ برس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو میں حصّہ لیا۔

حرم کعبہ کی تعمیر کے وقت جب دیواریں اس حد کو پہنچیں کہ جہاں حجرِ اسود کو نصب کیا جاتا تھا، تو ہر قبیلہ کی انا نے سر اٹھایا اور ہر کوئی یہ اعزاز تنہا ہی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کشیدگی بڑھی تو تلواریں نکل آئیں۔ قریب تھا کہ زمینِ حرم خود معماروں کے خون سے رنگین ہو جاتی۔ چند روز کے لئے تعمیر حرم پاک رک گئی۔ پھر بوڑھے تجربہ کار اُمیّہ بن مغیرہ نے مشورہ دیا کہ کل صبح سورج نکلنے کے بعد جو شخص سب سے پہلے بابِ بنی شیبہ سے حرمِ پاک میں داخل ہو، اُسے ثالث مان لو۔ اس پر سب قبیلے متفق ہو گئے۔ اگلی صبح سب قبائل کے سردار جمع ہوئے اور نظریں بابِ بنی شیبہ پر جم گئیں۔ اِدھر تو پہاڑوں کے پیچھے سے آفتابِ زمانہ نے سر نکالا اور اُدھر بابِ بنی شیبہ سے خورشیدِ رسالت، ماہتابِ نبوّت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تشریف لے آئے، تو بے اختیار سب پکار اُٹھے :۔

جَاءَ الْاَمِیْن جَاءَ الْاَمِیْن۔ "یہ تو امین آرہا ہے، یہ تو امین آرہا ہے"

ہم راضی ہیں، ہم راضی ہیں۔ رسُولِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فیصلہ کے لئے اپنی چادر مبارک زمین پر بچھادی، حجرِ اسود اٹھایا اور چادر مبارک پر رکھ دیا۔ پھر ہر قبیلہ کے سردار کو فرمایا کہ "چادر کے کونوں کو پکڑ کر اٹھاؤ"۔ سب نے باہمی مل کر چادر کو اُٹھایا۔ جب حجرِ اسود مقامِ نصب تک پہنچا تو آپ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا: "اب تم سب مجھے اپنا نمائندہ چن لو"۔ سب راضی ہو گئے ــــ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حجرِ اسود اُٹھایا اور سب کی طرف سے حرمِ کعبہ کی دیوار میں نصب فرما دیا۔ یہ فیصلہ اس قدر دانشمندانہ تھا کہ زمانہ عش عش کر اٹھا۔ ـــــ اور قریشِ مکہ خون کی ہولی کھیلنے سے بچ گئے۔

بابِ دوم

اعلانِ نبوّت سے ہجرتِ مدینہ منوّرہ تک

اعلانِ نبوّت حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی عمر شریف چالیس برس کی ہوئی تو وحی و بشارت کا ظہور ہوا، جس سے آفاقِ عالم منور ہو گیا۔
مدارج النبوۃ کے مطابق اِس نورِ وحی کا ظہور پیر کے دن ۴۱ عام الفیل ماہِ ربیع الاوّل کی آٹھ یا تین تاریخ کو ہوا۔ بعض علماء کرام نے آیاتِ مبارکہ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ کے حوالہ سے ثابت فرمایا کہ نزولِ وحی کی ابتداء ماہِ رمضان المبارک میں ہوئی۔ سیرۃ ابن ہشام میں محمد بن اسحٰق المطلبی کے حوالہ سے منقول ہے کہ نزولِ قرآنِ کریم کی ابتداء رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک کو ہوئی لیکن علماء سیر و تواریخ کے نزدیک ماہِ ربیع الاوّل اور پیر کے دن کی روایات زیادہ قابلِ اعتماد ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہٗ اعلم)
منقول ہے کہ جب ظہورِ نبوّت کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی خلوت نشینی میں اضافہ ہو گیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم تھوڑی سی کھجوریں، ستو اور پانی لے کر مکّہ مکرمہ کے قریبی پہاڑ (جسے جبل النور کہا جاتا ہے) پر تشریف لے جاتے اور اُس کی چوٹی کے قریب واقع غارِ حرا میں کئی کئی روز تک عبادت میں مصروف رہتے۔ پھر جب کبھی جی میں خواہش پیدا ہوتی، تو پہاڑ سے نیچے تشریف لاتے، جی بھر کر طوافِ کعبہ فرماتے۔ پھر اپنے اہلِ خانہ سے ملاقات کرتے اور توشہ لے کر دوبارہ غارِ حرا میں جلوہ گر ہو جاتے۔
پہلی وحی کی حالت علامہ ابن ہشام نے یوں نقل فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا، فَجَآءَنِیْ جِبْرِیْلُ وَاَنَا نَائِمٌ بِنَمَطٍ مِّنْ دِیْبَاجٍ

فِيْهِ كِتَابٌ اِقْرَاْ قَالَ قُلْتُ مَا اَقْرَءُ .... الخ یعنی فرمایا کہ میں محو استراحت تھا کہ میرے پاس حضرت جبریل امین (علیہ السلام) آئے، اُن کے پاس ریشمی کپڑا تھا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے مجھے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) پڑھیے۔ میں نے کہا، میں کیا پڑھوں؟ (یعنی میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں) چنانچہ جبریل امین (علیہ السلام) نے مجھے اپنی آغوش میں لے کر خوب بھینچا، پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے۔ میں نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ انہوں نے پھر مجھے بڑی قوت سے بھینچا اور چھوڑ کر کہا کہ پڑھیے۔ میں نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ انہوں نے تیسری مرتبہ پھر پوری قوت سے بھینچا اور چھوڑ کر کہا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○ (سورۃ العلق ۱ تا ۵)

"آپ پڑھیے! اپنے رب کے اسمِ گرامی قدر کے ساتھ جس نے پیدا فرمایا، پیدا فرمایا انسان کو جمے ہوئے خون سے، پڑھیے! آپ کا رب بہت ہی کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم کے ذریعے سے، اُسی نے سکھایا انسان کو، جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میں نے اسی طرح پڑھا، جب قرأت ختم ہو گئی، تو وہ میرے پاس سے چلے گئے۔ اس واقعۂ عظیمہ سے مجھ پر ایک ہیبت سی طاری ہو گئی۔ میں گھر آنے کے ارادہ سے پہاڑ سے نیچے اُترنے لگا، حَتّٰى اِذَا كُنْتُ فِيْ وَسَطٍ مِّنَ الْجَبَلِ سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَآءِ يَقُوْلُ يَا مُحَمَّدُ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَا جِبْرِيْلُ قَالَ فَرَفَعْتُ رَاْسِيْ اِلَى السَّمَآءِ اَنْظُرُ فَاِذَا جِبْرِيْلُ فِيْ صُوْرَةِ رَجُلٍ صَافٍّ قَدَمَيْهِ فِيْ اُفُقِ السَّمَآءِ (ابنِ ھشام)

"ابھی میں پہاڑ کے درمیان میں ہی تھا کہ میں نے آسمان کی جانب سے ایک آواز سُنی کہ کوئی کہہ رہا تھا "اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور

میں جبریل ہوں" فرمایا، میں نے آسمان کی طرف جو نظر اُٹھا کر دیکھا تو اُفقِ آسمانی میں جبریل (علیہ السلام) بشکلِ بشر نظر آتے ۔" جو یہ کہہ رہے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔ پھر میں نے آسمان کی جس جانب بھی دیکھا مجھے جبریل ہی نظر آئے ۔ میں سخت ہیبت زدہ حالت میں گھر آیا۔ (سیرت ابن ہشام)

مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ارشاد فرمایا، زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ یعنی مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔" اُمّ المومنین حضرت سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جلدی سے ایک کمبل جسمِ انور پر ڈالا اور دلاسا دیتے ہوئے طبیعتِ اقدس کے بارے میں پوچھا، تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے واقعہ گزشتہ کہہ سنایا اور فرمایا کہ "اے خدیجہ! مجھے تو اپنی جان کی فکر ہے۔" غم خوار اور وفا شعار رفیقۂ حیات سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہایت محبت بھرے انداز میں ڈھارس بندھاتے ہوئے عرض کیا، آپ غم نہ کھائیے، خوش رہیے، اللہ تعالیٰ آپ کو کسی خطرے میں نہیں ڈالے گا اور نہ ہی آپ کو کسی کے سامنے رسوا ہونے دے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ بھلائی ہی فرمائے گا، کیونکہ آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں، عیال کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ ریاضت و مجاہدہ کرتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں، محتاجوں اور مجبوروں کی دستگیری کرتے ہیں۔ بیکسوں اور غریبوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں، سب کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آتے اور سچائی کا حکم دیتے اور بُرائی سے روکتے ہیں، سچ بولتے، یتیموں کو پناہ دیتے اور اعلیٰ درجے کے امانت دار ہیں۔ (مدارج النبوۃ)

اِس کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں۔ ورقہ بن نوفل بہت ضعیف العمر ہو چکے تھے۔ آپ نے قریش کے اندازِ جاہلیت کو چھوڑ کر دینِ مسیحی قبول کر لیا تھا

سابقہ کتب سماوی کے ایک بہت بڑے عالم تھے اور انجیل کو عبرانی زبان سے ترجمہ کر کے عربی میں لکھا کرتے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احوالِ گزشتہ بیان کئے۔ ورقہ بن نوفل نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے چند ایک سوالات کئے اور جوابات پاکر خوشی سے جھوم اٹھے اور بولے "اللہ تعالیٰ کی قسم یہ تو وہی ناموس (فرشتہ یا کلام) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پہ نازل ہوا تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور وہی ہیں کہ جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی، عنقریب آپ کفار سے قتال و جدال فرمائیں گے۔ اے کاش کہ میں اُس وقت زندہ رہتا اور میرے قویٰ مضبوط ہوتے، تو میں ہر ممکن آپ پر جاں نثاری کرتا، جبکہ آپ کی قوم آپ کو اس شہر سے باہر نکال دے گی۔" اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا وہ مجھے اِس شہر سے نکال دیں گے؟" ورقہ بن نوفل نے عرض کیا "جی ہاں! سُنّتِ الٰہیہ اسی طرح جاری ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کفار و مشرکین نے ایسا ہی سلوک کیا۔ اگر میں زندہ رہا، تو آپ کی پوری پوری نصرت و مدد کروں گا۔" اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت ورقہ بن نوفل وفات پا گئے۔ (مدارج النبوۃ وغیرہ)

دعوت و تبلیغ (۱ تا ۳ سنِ نبوت)

حضرت سیدہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو اسی وقت ایمان لے آئی تھیں، جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غارِ حرا سے تشریف لائے ہی تھے اور حالاتِ وحی ذکر فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں شجر و حجر سے سُنتا ہوں کہ وہ مجھے "یا محمد" "یا رسول اللہ" کہہ کر سلام عرض کرتے ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی دن دل و جان سے ایمان لے آئی تھیں، اس کے بعد ہی ورقہ بن نوفل کے پاس گئے تھے اِس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ، حضرت صدیق اکبر، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

بھی شرفِ ایمان سے مشرف ہو گئے۔ پھر روز بروز غلامانِ مصطفےٰ میں اضافہ ہوتا گیا۔
اسی طرح تین سال کا عرصہ گزر گیا۔ پھر ربِ کریم جلّ شانہٗ کی طرف سے حکم ہوا کہ:
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ اور یہ کہ وَاَنْذِرْ
عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے
اعلانیہ طور پر تبلیغِ اسلام شروع فرما دی۔

مصائب و آلام

اسی اعلان کے ساتھ ہی خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے غلاموں پر کفارِ مکہ نے عرصۂ حیات
تنگ کر دیا اور اس قدر شدید تکالیف دیں کہ جن کے تصور سے ہی روحِ انسانیت کانپ
اُٹھتی ہے۔ بطورِ تمثیل چند ایک واقعات سپردِ قلم ہیں تاکہ فہمِ مضمون میں آسانی ہو:

○ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ آپ بدبخت ترین
کافر اُمیہ بن خلف لعین کے زر خرید غلام تھے۔ اسلام قبول کرنے کے جرم میں امیہ
آپ کو شدید ترین ایذائیں دیتا، سخت گرمی میں دوپہر کے وقت آپ کو دھوپ میں
آگ اگلتی ریت پر چت لٹا دیتا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ انور پر بھاری بھرکم
پتھر رکھ دیتا تاکہ نہ تو وہ آسانی سے سانس لے سکیں اور نہ ہی حرکت کر سکیں۔ پھر کہتا:
یا تو دینِ اسلام کو چھوڑ دو یا اسی طرح تڑپ تڑپ کر مر جاؤ۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اس حال میں بھی اَحَدٌ اَحَدٌ (یعنی اللہ ایک ہے، اللہ تعالیٰ ایک ہے) کی صدا بلند
کرتے رہے۔ دن بھر کے بھوکے اور ستائے ہوئے اس عاشقِ صادق کو رات کے وقت
زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا اور اس قدر کوڑے برسائے جاتے کہ جسم لہولہان ہو جاتا۔
دوسرے دن پھر زخمی بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دھوپ میں ڈال دیا جاتا، کبھی ان کی
گردن میں رسی باندھ کر نوعمر لڑکوں کو تھما دی جاتی تاکہ وہ ان کو پتھریلی زمین پر گھسیٹیں کبھی تو
امیہ بن خلف ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا اور کبھی ابوجہل لعین کی باری آجاتی۔ ظلم کرنے والے

تشدد کرتے کرتے تھک جاتے، مگر عزم و استقلال کے کوہ گراں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ زبانِ حال سے یہی فرماتے کہ جان تو قربان کر سکتا ہوں، مگر اپنے آقا مصطفےٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دامنِ اطہر کو چھوڑ نہیں سکتا۔ بالآخر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اس ظلم سے نجات دلائی، یعنی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کے لئے آزاد کر دیا۔

○ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں، جو بالکل شروع میں ہی شرفِ ایمان سے مشرف ہو گئے تھے۔ ان سے قبل تقریباً پانچ چھ آدمی ہی مسلمان ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک عورت کے غلام تھے۔ جب اسے پتہ چلا کہ یہ مسلمان ہو گئے ہیں، تو اُس نے آپ کو بے تحاشا تکالیف دیں، وہ لوہے کو آگ میں گرم کر کے ان کے سر کو داغ دیتی، کبھی ننگے بدن لوہے کی زرہ پہنا کر اور ہاتھ پاؤں بندھوا کر گرم ریت پر دھوپ میں ڈال دیتی۔ مکّہ کے شدید گرم موسم میں لوہے کی زرہ دھوپ میں تپ کر آگ بن جاتی۔ بدن سے نکل کر زرہ کے اندر رک جانے والا پسینہ گرم پانی کی طرح اُبلنے لگتا جس کی وجہ سے آپ کے جسمِ انور کا گوشت گل گیا، مگر پروردگارِ عالم جل شانہٗ کی کروڑہا رحمتوں کا نزول ہو اُن پاکباز ہستیوں پر کہ ہر قسم کا ظلم و تشدد برداشت کر لیا مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا پٹہ گردن سے نہ اتارا۔

حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایک مرتبہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قمیص اتارے بیٹھے تھے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی نظر اُن کی کمر پر پڑی تو لرز اُٹھے اور فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم، اس قسم کی کمر میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ اس پر حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، امیر المومنین! آپ کیا جانیں کہ ہمارے ساتھ کیسا بہیمانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ اسلام قبول کرنے کی پاداش میں مجھے دہکتے کوئلوں پر چت لِٹا دیا جاتا، اور میرے سینے پر پتھر رکھ دیا جاتا۔ جب میرے جسم سے نکلنے

والا خون اور چربی اُن کوئلوں کو بجھا دیتے، تو ظالم نئے سرے سے کوئلے بجھا کر مجھے اُن پر لٹا دیتے۔ میری کمر کے یہ نشانات اُسی ظلم و تشدد کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

○ حضرت سیدنا یاسر ان کی زوجہ حضرت سیدہ سمیہ اور اُن کے بیٹے حضرت سیدنا عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی قدیم الاسلام صحابہ کرام میں سے ہیں۔ اُن کے مسلمان ہونے کے وقت مسلمانوں کی تعداد تینتیس کے قریب تھی۔ کفارِ مکہ ان حضرات ذی وقار کو دوپہر کے وقت مکہ سے باہر پہاڑوں میں لے جاتے، سخت نوکیلے پتھروں اور گرم ریت پر لٹا کر اِن کو بے تحاشا مارتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو صبر کی تلقین فرماتے ہوئے خوشخبری دی کہ اِصْبِرُوْا یَا آلَ یَاسِرٍ اِنَّ مَوْعِدَ کُمُ الْجَنَّۃ۔

"اے آلِ یاسر! صبر کرو، بے شک تمہارا ٹھکانہ جنت ہے۔"

ایک دن سنگلاخ زمین پر لٹا کر بدبخت ترین ظالم ابوجہل لعین نے حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس قدر تشدد کیا کہ تڑپ تڑپ کر آپ مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بھی اگرچہ تشدد ہو رہا تھا، لیکن اپنے محبوب خاوند کو یوں تڑپ تڑپ کر موت کے منہ میں جاتے ہوئے دیکھا، تو برداشت نہ کر سکیں اور اپنی تکلیف کو بھول کر عالمِ خود رفتگی میں ابوجہل لعین کو کوسنے لگیں۔ تشدد پسند ابوجہل نے حضرت سیدہ سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سزا دینے کا نہایت بھیانک ناپاک منصوبہ بنایا۔ چند لمحوں کے لئے اُس نے مار پیٹ کا سلسلہ بند کرنے اور دو اونٹ لانے کا حکم دیا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ ابوجہل لعین کا شیطانی ذہن کیسا ظالمانہ پلان تیار کر رہا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں دو اونٹ آ گئے۔ ظالم ابوجہل کے حکم سے حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک پاؤں ایک اونٹ اور دوسرا پاؤں دوسرے اونٹ سے باندھ دیا گیا اور خود ابوجہل نیزہ لے کر کھڑا ہو گیا اور حضرت سیدہ سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ یا تو وہ دینِ اسلام کو ترک کر دیں یا پھر عبرتناک موت کے لئے تیار ہو جائیں۔ حضرت سیدہ سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے

دو ٹکڑوں کے الفاظ میں ابوجہل لعین کو فرمایا کہ میں دامنِ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو نہیں چھوڑوں گی، خواہ اس کے بدلہ میں مجھے کتنی بھی بڑی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ اس پر ظالم ابوجہل نے ایک اونٹ کو دائیں طرف اور دوسرے کو بائیں طرف چلانے کا حکم دیا۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دونوں ٹانگوں کے درمیان اتنی زور سے نیزہ مارا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جسمِ انور دو حصوں میں چر کر اونٹوں کے پیچھے گھسٹنے لگا۔

اللہ اکبر! کس قدر استقامت ہے دینِ متین پر ؎

چہ خوش رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ننھے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے شفیق و مہربان والدین کریمین کی شہادت کا یہ اندوہناک منظر اپنی نگاہوں سے دیکھ چکے تھے۔ اگرچہ رو رو کر بے حال ہو گئے تھے مگر کچھ بھی نہیں سکتے تھے۔ اب انہوں نے ان ظالم جلادوں کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو خوف کے مارے سہم گئے۔ ابوجہل نے حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈانٹ کر کہا کہ او لڑکے! تو ہمارا کہنا مانتا ہے یا پھر تجھے بھی تیرے ماں باپ کے پاس پہنچا دیا جائے۔ ظالموں کی قہر آلود نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ ان سے جان بچا کر حضرت سیدنا عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدھے بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوئے اور رو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ان ظالموں نے مجھ سے زبردستی کفریہ کلمہ کہلوایا ہے، اب میرا کیا بنے گا؟ اس پر خالقِ کائنات جل شانہ نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کی گواہی دیتے ہوئے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی کہ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ط "مگر وہ شخص قابلِ گرفت نہیں ہے جس پر جبر کیا گیا ہے، حالانکہ اس کا دل اپنے ایمان پر مطمئن ہے۔"

رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تسلی دی اور اپنی خصوصی غلامی میں قبول فرمالیا۔ خیال رہے کہ حضرت یاسر و حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسلام کے سب سے پہلے شہید ہیں۔

کتب سیر و تواریخ میں اس قسم کے بہت سے کربناک واقعات مذکور ہیں۔ یہ ہی وہ حالات تھے کہ رسُولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلاموں کو جان بچانے کے لئے ہجرتِ حبشہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔

صحابہ کا جانب حبشہ ہجرت کرنا ۵ نبوی جب صحابہ کرام پر کفار کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ ہجرت ماہِ رجب المرجب نبوت کے پانچویں سال ہوئی تھی۔ اس وقت ایک روایت کے مطابق گیارہ مرد، جبکہ دوسری روایت کے مطابق بارہ مرد، چار یا پانچ عورتوں نے ہجرت کی ان میں بعض بمعہ اہل وعیال تھے اور بعض بغیر اہل وعیال کے یہ ہجرت پوشیدہ طور پر کی گئی تھی۔ یہ لوگ کنارہ سمندر تک تو پیدل گئے، پھر وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر جانب حبشہ روانہ ہوگئے۔ سب سے اوّل جس نے حکمِ نبوی کے مطابق اپنے اہل وعیال سمیت ہجرت کی، وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، جنہوں نے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنتِ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ بے شک عثمان بن عفان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ ہجرتِ حبشہ کرنے والے صحابہ کرام کے سربراہ حضرت سیدنا جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آپ نے ہی دربارِ نجاشی میں اپنے ساتھیوں کی نمائندگی کی۔ (تفصیل کے لئے اسی کتاب میں حضرت جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات ملاحظہ فرمائیں)

اعلانِ نبوت کے چھٹے سال

اعلانِ نبوت کے چھٹے برس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے چچا حضرت سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرفِ ایمان سے مشرف ہو گئے۔ آپ قریش میں مشہور غیرت مند، بڑے شہ زور، اور عظیم بہادر تھے۔ ان کے اسلام لانے کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت قوت و حوصلہ میسر آیا۔ (تفصیلی واقعہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات کے تحت ملاحظہ ہو۔)

اسی سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی شدید خواہش اور دعا کے صدقہ سے رب کریم جل شانہٗ نے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دولتِ ایمان عطا فرمائی۔ حضور نبی کریم، صاحب خلقِ عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان کس قدر محبوب تھا، اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوتا ہے کہ جب دارِ ارقم میں حاضر ہو کر بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں شہادتِ ایمان دیتے ہوئے عرض کیا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ط تو حضور نبی کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے نہایت خوش ہو کر بلند آواز میں اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا: اس پر صحابہ نے بھی خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ چنانچہ اس نعرہ کی گونج کفارِ مکہ کے مجمع میں بھی پہنچی۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کفار تو لات و عزیٰ کی عبادت علی الاعلان کرتے ہیں۔ ہم اپنے معبودِ حقیقی کی عبادت چھپ کر کیوں کریں؟ ہم بھی علانیہ طور پر عبادت کریں گے۔ اس گزارش پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم حضرت ابوبکر، حضرت حمزہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف چل دیئے، آگے آگے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ننگی تلوار ہاتھ میں پکڑے یہ اعلان کرتے جا رہے تھے کہ جو چاہتا ہو کہ اس کی ماں اس کو روئے جو چاہتا ہو کہ اس کے بچے یتیم اور اس کی عورت بیوہ ہو جائے، وہ آئے اور میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا راستہ

روکے" مگر کسی کی ہمت نہ تھی کہ آگے بڑھتا، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خانہ کعبہ تشریف لائے اور صحابہ کرام کے ساتھ دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

مفسّرین کرام فرماتے ہیں کہ آیہ مبارکہ:

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

"اے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اللہ تعالیٰ حامی ہے اور وہ مومنین جو آپ کی پیروی کرتے ہیں" اسی وقت نازل ہوئی۔ (کتب سیرت)

حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے منقول ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے، تو حضرت جبریل امین علیہ السلام نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "اے آسمان والے آپ کے حضور، حضرت عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے اسلام لانے پر مبارکباد عرض کرتے ہیں اور اظہارِ مسرّت و شادمانی کرتے ہیں۔ (رواہ ابن ماجہ)

نبوّت کے ساتویں برس شعبِ ابی طالب میں مقید ہونا

جب قریشِ مکہ نے دیکھا کہ حضرت حمزہ و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اسلام لانے سے اہلِ اسلام کی قوّت و شوکت میں اضافہ ہو گیا ہے اور کچھ عرصہ سے ہجرت کر کے حبشہ میں آرام و چین کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کی سازشیں ناکام ہوئیں اور دینِ اسلام قبائل عرب میں تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے، تو ان کی آتشِ حسد و عداوت خوب بھڑک اٹھی اور وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے پر تُل گئے، لیکن حضرت ابو طالب کی حمایت و کفالت کی وجہ سے اُن کفار کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ دست درازی کرتے، اس لئے وہ حضرت ابو طالب کے پاس آئے، اور کہا کہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ وہ ہمارے خداؤں کو بُرا نہ کہے، اگر وہ نہ مانے تو اُس کی ذمّہ داری سے ہاتھ اٹھا لیجئے، بصورتِ دیگر ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے

تیار ہو جائیے۔ یہ سُن کر حضرت ابو طالب نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی اور قوم قریش نے جو کہا تھا، بیان کیا اور عرض کیا کہ ہم میں جنگ کرنے کی قوت نہیں ہے، اس لئے آپ اپنی جان پر رحم فرمائیے۔ اس پر نبیِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت پُر مغز خطبہ ارشاد فرمایا اور یہاں تک فرما دیا کہ "چچا! اگر آپ میرا ساتھ دیں، تو ٹھیک ہے، ورنہ مجھے قطعاً پرواہ نہیں، کیونکہ میرا حامی و ناصر اللہ تعالیٰ ہے، میں اس کام سے ہرگز ہرگز باز نہیں رہ سکتا، خواہ کچھ بھی ہو جائے۔"

یہ سُن کر حضرت ابو طالب نہایت جوش میں بولے "آپ اپنا کام بخوشی کریں، ربِ کعبہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں، آپ کی طرف کوئی میلی آنکھ سے دیکھ بھی نہیں سکے گا، اپنے دین کو علی الاعلان پھیلائیے گا اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیجئے گا۔"

جب قریشِ مکہ ان حالات پر مطلع ہوئے، تو انہوں نے باہمی مل کر ایک عہدنامہ تحریر کیا اور حلف اٹھایا کہ "وہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے مکمل طور پر سماجی اور معاشی بائیکاٹ کریں گے اور ان سے کسی قسم کا لین دین نہ تو خود کریں گے اور نہ کسی دوسرے کو کرنے دیں گے۔" معاہدے کا کاغذ لکھ کر حرمِ کعبہ میں لٹکا دیا گیا اور سوائے ابولہب لعین کے، خاندان بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب (خواہ وہ مسلمان تھے یا ابھی مشرک، سب کے سب) ایک گھاٹی میں محصور ہو گئے۔ اس گھاٹی کو شعب ابی طالب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

تین سال کا طویل عرصہ اسی طرح گزر گیا، بھوک، پیاس اور ناداری کے ساتھ بلکتے ہوئے بچوں کی آہ و بکا سے راتوں کی نیند اور دن کا سکون برباد ہو گیا تھا، مگر اس قدر کٹھن حالات میں بھی نبیِ محترم رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے فرائض تبلیغِ رسالت سرانجام دیتے رہے۔ بالآخر تین سال بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا محترم حضرت ابو طالب کو بتایا کہ "قریش کے مذکورہ ظالمانہ عہدنامہ کو بحکمِ خدا تعالیٰ، دیمک نے کھا لیا ہے اور اس پر صرف اللہ تعالیٰ کا نام باقی ہے، اس کے سوا سب تحریر دیمک چاٹ چکی ہے۔"

حضرت ابو طالب بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کے دیگر افراد کے ساتھ قریش مکہ کے پاس تشریف لائے اور کہا "اے قریش مکہ! مجھے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے خبر دی ہے کہ تمہارے معاہدہ جور و ظلم کو دیمک کھا گئی ہے، صرف لفظ "اللہ" باقی ہے۔ اس کے سوا کچھ بھی نہیں بچا، تم اسے کھول کر دیکھو، اگر یہ بات سچ ہے تو خوفِ خدا کرو اور اس ظلم و ستم سے باز آجاؤ اور اگر یہ بات جھوٹ ہو تو میں ان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو تمہارے حوالے کرنے کو تیار رہوں۔"

قریشِ مکہ بولے "ٹھیک ہے، یہ فیصلہ ہمیں منظور ہے"۔ چنانچہ کپڑے میں لپٹے ہوئے اس عہد نامہ کو کھول کر دیکھا تو اس پر سوائے لفظ اللہ کے کوئی شے باقی نہ تھی۔ قریشِ مکہ کی ندامت و شرمندگی سے گردنیں جھک گئیں اور یوں نبی محترم رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے خاندان کے ساتھ فاتحانہ انداز میں گھاٹی سے باہر تشریف لائے، اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف تقریباً پچاس برس اور اعلانِ نبوت کو دس سال ہو چکے تھے۔

دس۱۰ سنِ نبوت (عام الحزن)

حضرت ابو طالب کی وفات

اس سال حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار چچا حضرت ابو طالب نے وفات پائی۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت ابو طالب کی رحلت کے وقت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس مستعار زندگی مبارکہ کے انچاس ۴۹ سال آٹھ ماہ اور گیارہ دن گزر چکے تھے، جبکہ اس وقت حضرت ابو طالب کی عمر ستاسی ۸۷ سال کی تھی۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات

حضرت ابو طالب کی وفات حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کے لئے ایک سانحۂ عظیمہ تھی، کیونکہ حضرت ابو طالب نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بھی رسُولِ خُدا محبوبِ کبریا، سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کا حق ادا کرنے کی کوشش کی تھی۔ ابھی قلبِ انور اسی غم میں نڈھال تھا کہ وفاتِ ابوطالب کے تین یا پانچ روز بعد ہی رسُولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی انتہائی وفا شعار و جاں نثار غمگسار رفیقۂ حیات حضرت سیّدہ زاہدہ طیبہ طاہرہ اُمّ المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (میری رُوح و جان اُن کے قدموں پر قربان ہو) اس جہانِ فانی سے انتقال فرما کر فردوسِ اعلیٰ کی طرف سدھاریں۔ حضرت سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رفاقت و خدمتِ نبوی میں پچیس سال گزارے اور پینسٹھ ۶۵ سال کی عمر میں رحلت فرما گئیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس سال کو "عام الحزن" کا سال فرمایا کرتے تھے، اور خانۂ اطہر سے بہت کم باہر تشریف لاتے تھے۔

سفرِ طائف

حضرت ابو طالب و سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سانحۂ ارتحال کے ساتھ ساتھ مصائب و آلام کے مزید پہاڑ یہ ٹوٹے کہ کفارِ مکہ جو ابھی تک حضرت ابو طالب کی وجہ سے براہِ راست ایذا دینے سے گریزاں تھے۔ اب اُن کے ظلم و ستم میں شدت آگئی۔ اسی دوران حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اہلِ طائف کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ ان کو صراطِ مستقیم کی طرف آمادہ فرمائیں، مگر اُن بدنصیبوں نے حضور سیّد الکونین ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر ان سیاہ بختوں نے اس قدر سنگباری کی کہ تمام جسمِ انور لہولہان ہو گیا اور خون بہہ کر جوتوں میں جم گیا۔ اس وقت صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اہلِ طائف کے لئے بددُعا کرنے کا عرض کیا اور جبریل امین علیہ السلام کی معیت میں آنے والے فرشتے ملک الجبال نے اہلِ طائف کو تباہ کرنے کی اجازت مانگی، مگر حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اہلِ طائف کے حق میں دُعائے رحمت و

ہدایت ہی مانگی اور ارشاد فرمایا: "میں نہیں چاہتا کہ ان کو نیست و نابود کر دیا جائے بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو اس کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں گے۔" (بخاری مسلم۔ مدارج النبوۃ)

۱۰ سنہ نبوت کے مزید واقعات

اسی سال رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے رحلت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد حضرت ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ قریشیہ اور حضرت سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اس وقت حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر صرف چھ برس کی تھی، جبکہ زفاف مدینہ طیبہ میں جا کر ہوا۔ بعض سیرت نگار تحریر فرماتے ہیں کہ اسی سال رسولِ کریم شفیع عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم شرف معراج سے نوازے گئے۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے معراج شریف کا واقعہ پانچ سن نبوت تحریر فرمایا ہے، جبکہ بعض نے ایک۱ یا دو۲ سن نبوت بھی تحریر فرمایا ہے۔ مدارج النبوۃ میں بارہ سن نبوت درج ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسی سال جبکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم طائف سے واپس مکہ مکرمہ تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں (وادیٔ بطنِ نخلہ میں) جنوں کی جماعت نے قرآن کریم کی تلاوت سن کر رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ اقدس پر اسلام قبول کیا۔

نبوت کا گیارھواں سال، بیعتِ عقبہ اولیٰ

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ جونہی خبر ملتی کہ کسی دوسرے شہر سے کوئی قافلہ مکہ مکرمہ میں آیا ہے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فوراً اُن کے پاس تشریف لے جاتے اور نہایت احسن طریقہ سے دعوتِ اسلام دیتے۔

نبوت کے گیارھویں برس زمانۂ حج میں میدانِ منیٰ کے اندر حضور سرورِ کائنات

فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات بنو خزرج کے ایک قافلہ کے ساتھ ہوئی جو کہ مدینہ طیبہ کا رہنے والا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دینِ اسلام کی طرف بُلایا اور فرمایا: "حق تعالیٰ نے مجھے منصبِ رسالت عطا فرمایا ہے، اگر تم میری تابعت کرو گے تو دُنیا و آخرت میں نیک اور سعادت مند رہو گے۔"

انہوں نے چونکہ مدینہ منورہ کے یہودیوں سے سُن رکھا تھا کہ "نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ کا زمانہ قریب آ گیا ہے" اس لیے جب انہوں نے حضور نبی اکرم، رحمتِ عالم، نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان وحیٔ ترجمان سے قرآن کریم کی تلاوت سُنی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جمال با کمال کا مشاہدہ کیا، تو ایک دوسرے سے کہنے لگے: خدا تعالیٰ کی قسم! یہ وہی نبی ہیں کہ یہود جن کے بارے میں کہا کرتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لا کر تمہیں قومِ عاد کی طرح قتل کر دیں گے" اس وقت کو غنیمت جانو اور ان پر ایمان لے آؤ تاکہ مدینہ والوں میں سے کوئی تم پر سبقت نہ لے جائے،

چنانچہ انہوں نے رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعتِ اسلام کی یعنی سب کے سب مسلمان ہو گئے، ان کی تعداد چھ تھی۔ یہ بیعت منیٰ کی پہاڑی میں اُس عقبہ کے قریب ہوئی جسے "جمرۃ العقبہ" کہتے ہیں۔ (مدارج النبوۃ)

سیرت ابنِ ہشام کے مطابق بیعتِ عقبہ اُولیٰ میں بارہ اصحاب شامل تھے (سیرت ابنِ ہشام)

نبوت کا بارھواں سال، بیعتِ عقبہ ثانی

بیعتِ عقبہ اُولیٰ کے بعد مدینہ منورہ میں حضور نبی اکرم رسُولِ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خوب چرچا ہوا، بلکہ یوں کہیے کہ مدینہ طیبہ کے گلی کوچہ و بازار سب کے سب ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے منور ہو گئے۔ چنانچہ آئندہ برس موسمِ حج میں قبیلہ اوس و خزرج کے بارہ افراد مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے اور فیضانِ نبوت

سے مالا مال ہو کر واپس لوٹے۔ ان صحابہ کرام نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ان باتوں پر بیعت کی:۔

(۱) ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

(۲) ہم چوری اور زناکاری نہیں کریں گے۔

(۳) ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔

(۴) ہم نہ تو کسی پر جھوٹی تہمت لگائیں گے اور نہ ہی چغلی کریں گے۔

(۵) ہم ہر اچھی بات میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں گے۔

مُبلّغِ اسلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جب یہ لوگ واپس جانے لگے، تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اِن کو دینِ اسلام کی تعلیم دینے کے لئے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ روانہ کر دیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک امیر گھرانے کے لاڈلے چشم و چراغ تھے۔ نہایت قیمتی لباس زیبِ تن فرماتے اور جب گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے، تو ان کے آگے پیچھے غلام چلا کرتے تھے، یہ بڑی ٹھاٹھ سے شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے، لیکن انہوں نے ایمان و اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ مدینہ طیبہ میں عموماً ان کے کندھوں پر کمبل کا ایک پرانا ٹکڑا ہوتا جسے وہ اگلی طرف سے کیکر وغیرہ کے کانٹوں سے اٹکا لیا کرتے تھے۔

اعلانِ نبوت کا تیرھواں سال

حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر جا کر اُترے تھے۔ اہلِ مدینہ ان کو "المُقرِی" یعنی "پڑھانے والا" کہا کرتے تھے۔ لوگ ان کی کوششوں سے دینِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ جب قبیلہ بنو ظفر کے سردار اُسید بن حضیر اور قبیلہ بنو عبدالاشہل کے سردار سعد بن معاذ کو پتہ چلا کہ شہر مدینہ میں ایک نئے مذہب کا

پرچار ہو رہا ہے، تو دونوں سردار غصہ سے بھڑ گئے۔ سعد بن معاذ، حضرت اسعد بن زرارہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ماموں کے بیٹے تھے، انہوں نے اُسید بن حضیر سے کہا کہ پہلے تم جاؤ اسعد بن زرارہ اور نو واردسے کہہ دو کہ اس نئے دین کی اشاعت سے باز آجائیں، اگر وہ نہ مانیں، تو مجھے آکر بتانا، میں خود ہی نمٹ لوں گا۔ اُسید بن حضیر اپنے ہاتھ میں نیزہ پکڑے حضرت اسعد بن زرارہ اور حضرت مصعب بن عمیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے پاس باغ میں پہنچے اور ان دونوں کو بہت سی گالیاں دیں اور کہا کہ تم ہمارے احمق اور نادان لوگوں کو پھنسانے کے لئے آئے ہو۔ جواباً حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، آپ تھوڑی دیر بیٹھ کر میری بات سُن لیں۔ اگر پسند آئے تو قبول کر لیں، اگر ناپسند ہو تو رد کر دیں۔" یہ سُن کر اُسید بن حضیر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو قرآن کریم سُنایا تو ان پر اس قدر اثر ہوا کہ اسی وقت مسلمان ہو گئے اور فرمایا: میں تمہارے پاس سعد بن معاذ کو بھیجتا ہوں، اگر وہ مسلمان ہو گیا، تو سمجھ لو سب رکاوٹ دُور ہو گئی۔ یہ کہہ کر اسید، سعد بن معاذ کے پاس پہنچے اور کہا کہ میں نے ان کو سمجھا دیا ہے، البتہ تم خود بھی جا کر اُن کو سمجھا دو، چنانچہ سعد بن معاذ بھی نیزہ لے کر ان دونوں بزرگوں کے پاس پہنچے اور اُن کو بہت سخت و سُست کہا، ان کی تُرش رُوئی کے جواب میں حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت نرم رویہ اختیار کیا اور کہا کہ تھوڑی دیر تشریف رکھیں، میری بات تو سُن لیں، اگر میں غلط کہوں تو انکار فرما دیں اور اگر صحیح کہوں، تو قبول فرمالیں۔ حضرت سعد نے بھی اس بات کی تائید کی۔ اس پر سعد بن معاذ بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے سامنے اسلام کے محاسن بیان کئے اور قرآن کریم کی تلاوت بھی کی۔ خوش بخت سعد بن معاذ بھی اُسی گھڑی دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے۔ پھر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلے کے سب مرد و زن اکٹھے کئے اور پوچھا: "اے ابن عبدالاشہل بتاؤ تم لوگوں کی میرے بارے میں کیا رائے ہے؟" سب نے کہا، تم ہمارے سردار ہو تمہارا فیصلہ ور

تمہاری رائے ہم سے بہتر اور افضل ہے۔"

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، "تو پھر غور سے سنو، خواہ کوئی مرد ہو یا عورت، میں اُس سے بات کرنا بھی حرام سمجھتا ہوں، جب تک وہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اُس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لائے۔"

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوششوں سے مدینہ طیبہ میں اسلام کا خوب چرچا ہوا۔ چنانچہ ۱۳ سن نبوی کو مدینہ منورہ سے ایک روایت کے مطابق ۷۲ مرد اور دو عورتوں پر مشتمل راست بازوں کا قافلہ ایام تشریق میں اُسی متبرک مقام پر پہنچا جہاں قبل ازیں غلامانِ حضور سرورِ کونین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) شرف بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔

رات کے اندھیرے میں حضور سید عالم شفیعِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا حضرت عباس کو ساتھ لے کر ان کے پاس تشریف لائے۔ اگرچہ حضرت عباس ابھی تک ایمان نہ لائے تھے مگر وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔

حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے انصارِ مدینہ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اے قوم! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے اندر نسب، شرافت اور عظمت کے اعتبار سے بہت بلند درجہ رکھتے ہیں۔ ہم نے ان کو اس نئے دین سے ہر چند باز رہنے کو کہا، لیکن یہ نہ مانے اب تم نے ان کی حمایت کا پروگرام بنایا ہے اگر تم وفائے عہد کا مصمم اور مضبوط عزم رکھتے ہو اور تمہیں اپنی جانوں پر مکمل اعتماد اور بھروسہ ہے۔ اگر تم شدید ترین حالات میں بھی وفاداری اور موافقت کرو گے تو ٹھیک ہے، ورنہ ابھی کہہ دو تاکہ بعد میں تمہیں یا ان کو کوئی پریشانی نہ ہو۔

راست بازوں کی اس جماعت نے حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی باتیں بڑے غور سے سُنیں اور پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ "آپ فرمایئے، آپ ہم سے جو بھی عہد لینا چاہیں، ہم حاضر ہیں" اور یہ گزارش کرتے ہیں کہ

آپ ہمارے شہر (مدینہ طیبہ) میں تشریف لے آئیں۔" اس پر حضور نبیِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآنِ کریم کی چند آیاتِ مبارکہ تلاوت فرمائیں اور ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا عہد یہ ہے کہ صرف اُسی کی عبادت کی جائے اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے اور میرا عہد یہ ہے کہ تبلیغِ رسالت میں میری مدد کی جائے، خواہ اِس مقصد کے لیے جہاد و قتال بھی کرنا پڑے۔ مجھ سے بیعت و عہد کرو کہ جو میں کہوں گا تم اسے مانو گے اور اپنا مال و جان ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے تیار رہو گے، حق بات کہنے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرو گے، اور جب تک میں تمہارے پاس رہوں، تم اپنے مال و جان اور اولاد کی طرح میری حفاظت کرو گے۔" (مفہوم و خلاصہ از سیرت ابنِ ہشام)

انصار نے عرض کیا کہ ہم سب قوموں سے اپنے سابقہ معاہدے ختم کرکے آپ سے عہدِ وفا باندھتے ہیں، لیکن کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو فتح و نصرت اور غلبہ عطا فرمائے، تو آپ ہمیں تنہا چھوڑکر واپس اپنی قوم کی طرف تشریف لے آئیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے تبسم کناں ہوکر ارشاد فرمایا: "(مفہوم) ایسا نہ ہوگا میرا جینا اور مرنا تمہارے ساتھ ہوگا، میری وفات بھی تم میں ہی ہوگی، میں تمہارے ہی گھروں میں رہوں گا، جو تم سے جنگ کرے گا، میں اُس کے ساتھ جنگ کروں گا، اور جو تم سے صلح کرے گا، میں تمہارے ساتھ اُس سے صلح کروں گا۔"

خوش نصیب انصارِ مدینہ نے محبت و عقیدت سے عرض کیا: ہم اپنا مال و جان آپ پر قربان کرنے کو تیار ہیں، فرمایئے آخرت میں اس کا کیا بدلہ ملے گا؟ تو ارشادِ ذی شان ہوا، جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ۔ "(وہ جنتیں کہ جن کے نیچے نہریں رواں ہیں)"

یہ سُن کر انصارِ مدینہ خوشی سے جھوم اُٹھے اور کہنے لگے:

رَبِحَ الۡبَیۡعُ بِسۡمِ اللّٰهِ یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ اُبۡسُطۡ یَدَكَ فَقَدۡ بَایَعۡنَاكَ۔

"یعنی یہ تو بڑے نفع کا سودا ہے بسم اللہ، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اپنا دستِ اقدس بڑھائیے اور ہماری بیعت قبول فرمائیے۔"

چنانچہ وہ سب کے سب دستِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر شرفِ بیعت سے مشرف ہو گئے، اس وقت سب سے اوّل بیعت کرنے والے خوش نصیب حضرت براء بن معرورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہ واقعہ نبوّت کے تیرھویں سال ماہِ ذوالحجہ میں ہجرت سے تقریباً تین ماہ قبل پیش آیا۔

بارہ نقیبوں کا تقرر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے بارہ خوش نصیبوں کا انتخاب فرماتے ہوئے فرمایا:

"جس طرح حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) نے اپنے لئے بارہ شخصوں کو چن لیا تھا، اسی طرح میں بھی تمہارا انتخاب کرتا ہوں تاکہ تم اہلِ یثرب میں اشاعتِ اسلام کرو، اہلِ مکہ میں یہ کام میں خود کروں گا۔"

منصبِ نقابت پر درج ذیل صحابہ کرام کا تقرر ہوا:

قبیلۂ بنو خزرج سے نو حضرات:۔ (۱) حضرت اسعد بن زرارہ (۲) حضرت رافع بن مالک (۳) حضرت عبادہ بن صامت (یہ تینوں حضرات بیعتِ عقبہ اولیٰ میں بھی شامل تھے) (۴) حضرت سعد بن ربیع (۵) حضرت منذر بن عمرو (۶) حضرت عبداللہ بن رواحہ (۷) حضرت براء بن معرورہ (۸) حضرت عبداللہ بن عمرو (۹) حضرت سعد بن عبادہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

جبکہ قبیلۂ اوس سے تین حضرات:۔ (۱) حضرت اُسید بن حُضیر (۲) حضرت سعد بن خثیمہ (۳) حضرت ابو الہیثم بن تیہان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

باب سوم

ہجرت مدینہ منوّرہ سے وصالِ مُبارک تک

ترکِ وطن کی اجازت اس عقبۂ ثانیہ[1] کی بیعت کے بعد نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مجبور اور مظلوم مسلمانوں کو ترکِ وطن کرکے مدینہ منوّرہ جانے کی اجازت مرحمت فرمادی - ہجرت کرنے والوں کو اہل مکہ (کفار) کی سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، بہت تکالیف اُٹھائیں، سخت مصائب و آلام برداشت کرنا پڑے - اللہ تعالیٰ کی کروڑہا رحمتوں کا نزول ہو اُن نفوسِ قدسیہ پر کہ انہوں نے ظلم و ستم برداشت کیے، اپنے اہل و عیال، اپنے مال و دولت کو قربان کیا، اپنے پیارے وطن کو خیر باد کہا، خانماں برباد ہوئے، چوری چھپے بھاگ کر مکہ مکرّمہ سے مدینہ منوّرہ تک کئی سو میل کا نہایت دشوار گزار سفر طے کیا، مقصد صرف یہ پیش نظر تھا کہ مدینہ منوّرہ جاکر خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت پوری آزادی سے کرسکیں - ع "خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"

ہجرت رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اجازت سے جب اکثر مسلمان ہجرت کرکے مدینہ طیبہ میں جا بسے اور مکہ مکرّمہ میں گنتی کے چند مسلمان رہ گئے، یعنی مشہور صحابہ میں صرف حضرت ابوبکر صدیق اور علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی باقی رہ گئے، تو قریش اس صورتِ حال پر مشورہ کرنے کے لئے "دارالندوہ" میں جمع ہوئے - اس اجلاس میں شیطان لعین بھی تجربہ کار بوڑھے نجدی (شیخ نجدی) کی صورت میں شامل گفتگو ہوگیا - اس اجلاس میں مکہ مکرمہ کے مشہور و نامور سردار شامل تھے، گفتگو شروع ہوئی، تو ایک نے کہا، "اگر تم

---

[1] سیرت نگار و مؤرخین حضرات نے اس کا نام عقبۂ ثانیہ رکھا ہے، جبکہ واقعاتی اعتبار سے یہ تیسرا واقعہ ہے - (واللہ تعالیٰ اعلم) ۱۲ منہ

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے جان چھڑانا چاہتے ہو تو یوں کرو کہ اُن کو ایک ایک کمرے میں قید کر دو اور وہیں تڑپ تڑپ کر مر جائے۔"

اس تجویز کو بوڑھے نجدی نے رد کر دیا اور بولا "نہیں، یہ ٹھیک نہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قید ہونے کی خبر ضرور پھیل جائے گی اور اُن کے ساتھی نہ صرف یہ کہ ان کو چھڑا کر لے جائیں گے، بلکہ طاقت پا کر تمہیں بھی فنا کر دیں گے۔"

اس پر ایک کافر بولا، ہم اسے کسی تند خُو اور سرکش اُونٹ پر بٹھا کر اپنے شہر مکہ سے نکال دیتے ہیں یا تو وہ پہاڑوں میں گر کر مر جائے گا یا پھر کسی طرف نکل جائے گا، پھر ہم سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

بوڑھا نجدی بولا "یہ رائے بھی درست نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے ڈر ہے کہ اگر تم نے ایسے کیا، تو وہ عرب کے جس قبیلہ میں بھی ٹھہرے گا، اپنی شیریں گفتار اور خوبی کلام سے اُس قبیلہ کو اپنا گرویدہ بنا لے گا، پھر اُن کے ساتھ تم پر حملہ کر دے گا کوئی اور بات سوچو۔

بالآخر ابوجہل لعین کی تجویز کو بوڑھے نجدی سمیت سب اہل جلسہ نے منظور کر لیا اور وہ تجویز یہ تھی "ہر قبیلہ میں سے ایک ایک جوان مرد، نوعمر، قوی اور شریف النسب لیں ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک تلوار دے دیں۔ یہ سب بہادر، رات کی تاریکی میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر کو گھیرے میں لے لیں اور جب وہ صبح منہ اندھیرے نماز کے لئے گھر سے باہر نکلیں، تو یک لخت سب جوان اپنی تلواروں سے اس پر حملہ کر کے قتل کر دیں۔ اس طرح اُس کا خون تمام قبائل پر بٹ جائے گا۔ پھر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا قبیلہ یا اُس کے ماننے والے سب قبائل کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور مجبوراً خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے۔"

شبِ ہجرت اِدھر تو کفارِ مکہ نے اس مکروہ تدبیر کو عملی جامہ پہنانے کا پروگرام ترتیب دیا اور اُدھر خلاقِ عالم جل شانہ نے اپنے نبی مکرم رسولِ محترم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس مکرِ عظیم سے مطلع فرما کر حکم دیا کہ آج رات آپ اپنے بستر پر حضرت علی المرتضیٰ (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) کو لٹا دو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔

رات کے وقت جبکہ کفارِ مکہ نے کاشانۂ نبوت کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ شیطانِ لعین اپنے چیلوں کی کارکردگی پر مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر رسولِ محترم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیارے چچا زاد بھائی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنے حضور طلب فرمایا اور حکم دیا کہ "اے علی! تم میرے بستر پر میری سبز رنگ کی چادر اوڑھ کر سو جاؤ، مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا ہے، تم مطمئن رہو کفار تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے، تم میرے بعد لوگوں کی امانتیں واپس کر کے مدینہ منورہ چلے آنا"۔ جاں نثارِ سرورِ کونین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تو چارپائی پر لیٹ گئے اور حضور نبیٔ اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بلند آواز سے سورۂ یٰسین شریفہ کی تلاوت فرماتے ہوئے اپنے خانۂ اطہر سے باہر تشریف لائے۔ دروازے پر بہت سے کفار ابوجہل لعین کی معیت میں ننگی تلواریں لئے کھڑے تھے حضور نبیٔ اکرم رسولِ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بلند آواز سے تلاوت فرماتے ہوئے ان کے درمیان میں سے گزر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مٹھی بھر بھر کر ان سیاہ بختوں کے سروں پر خاک بھی ڈالتے جاتے تھے، مگر یہ دِل کے اندھے، اور کور باطن یوں بت بنے کھڑے تھے، گویا کہ ان کے جسم سے روح نکال لی گئی ہو۔ میرے آقا رسولِ عربی (فداہ روحی وجسدی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پوری شان و شوکت کے ساتھ خراماں خراماں چلتے ہوئے اُن کے درمیان میں سے گزر گئے اور اُن کو پتہ بھی نہ چل سکا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچے اور اُن کو تیاری کا حکم دیا۔ جاں نثار غلام حضرتِ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے بڑی تیزی سے سامانِ سفر درست کیا اور اسی شب رسُولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور جاں نثار ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے رات کا بقیہ حصّہ مکّہ مکرمہ سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر جبلِ ثور کی چوٹی کے قریب واقع ایک غار میں گزارا۔

کفارِ مکّہ ابھی تک تلواریں لئے دروازۂ نبوی پر کھڑے تھے، معًا اُن کے پاس ایک خمیدہ کمر بوڑھا آیا اور اُن سے پوچھا: "تم یہاں تلواریں لئے کیوں کھڑے ہو؟" انہوں نے کہا، "ہم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے منتظر ہیں کہ وہ اپنے گھر سے نکلیں اور ہم اُن کو (معاذ اللہ) قتل کر دیں۔" یہ سُن کر وہ بولا، "اللہ کی قسم! وہ تو تمہارے درمیان سے گزر کر چلے گئے ہیں، اور جاتے ہوئے تمہارے سروں پر مٹی بھی ڈال گئے ہیں۔"

سیرت ابنِ ہشام میں ہے کہ اُن میں سے ہر شخص نے سر پر ہاتھ پھیرا تو دیکھا کہ سر مٹی سے بھرا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے مزید تصدیق کے لئے دیوار پر چڑھ کر اندر جھانکا تو بستر پر کسی کو لیٹے دیکھ کر مطمئن ہو گئے اور سمجھے کہ بوڑھے کو غلطی لگی ہے ابنِ عبداللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تو ابھی سو رہے ہیں، لیکن صبح کو جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بستر سے اُٹھے، تو کفار کو سخت ندامت ہوئی اور انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے دریافت کیا کہ بتاؤ "محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کہاں ہیں؟"
حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے بڑی بہادری سے جواب دیا۔ "مجھے کیا معلوم کہ وہ اس وقت کہاں ہیں، کیا دروازہ پر میرا پہرہ تھا؟ تم لوگوں نے تو خود ہی تو اُن کو جانے دیا۔" بدبخت کفار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پِل پڑے اور کچھ گستاخیاں کیں، پھر چھوڑ کر چلے گئے۔ (تاریخ طبری)

قبا میں جلوہ گری

تین روز وشب غارِ ثور میں رہنے کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لئے (مسرور المحزون کے مطابق مورخہ ۸ ربیع الاوّل شریف تیرہ سنِ نبوت کو) قبا میں تشریف لائے۔ بخاری شریف میں ہے کہ "وہ دوشنبہ یعنی پیر کا دن تھا" جب سے اہلِ مدینہ نے یہ سنا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ چھوڑ دیا ہے۔ یہ سب روزانہ صبح سویرے مدینہ منورہ سے باہر نکل کر بلند ٹیلوں پر بیٹھ کر مکہ مکرمہ سے آنے والے راستے کو دیکھتے رہتے تاکہ جمالِ جہاں آرا سے مستفید ہوں۔ یہ روزانہ دوپہر کے وقت تک یہاں بیٹھے رہتے۔ ایک دن یہ حضرات القدس انتظار کر کے ابھی واپس لوٹے ہی تھے کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔ ایک یہودی نے پکار کر کہا کہ اے لوگو! جن کے تم منتظر تھے، وہ آگئے۔ معاً وہ سب کے سب خوشی سے بے تاب ہو کر نعرۂ ہائے تکبیر بلند کرتے اور نعتِ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے ترانے گاتے ہوئے دیوانہ وار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گرد اگرد جمع ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں چند روز قیام فرمایا۔ اسی جگہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بھی پا پیادہ چلتے ہوئے حاضرِ خدمت ہو گئے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ تک کے طویل پیدل سفر کی وجہ سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے جو کہ مصطفےٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ اقدس کے لمس سے اسی وقت ٹھیک ہو گئے۔ اس مختصر سے قیام کے دوران رسولِ اکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قبا میں اس بے مثال مسجد کی تعمیر فرمائی جسے قرآنِ مجید نے اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی کے پیارے لقب سے نوازا اور رسولِ خدا حبیبِ کبریا

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص اس مسجد میں دو رکعت نماز نفل پڑھے، اُسے اللہ تعالیٰ عمرہ کے برابر ثواب عطا فرماتا ہے۔"

مدینہ طیبہ میں تشریف آوری

(یکم سن ہجری، بمطابق ۶۲۲ء)

قبا میں چند روز قیام فرمانے کے بعد رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وصحبہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں داخلے کا عزم فرمایا۔ یہ جمعۃ المبارک کا دن تھا اور عند البعض ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی، جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قبا سے سوار ہو کر بنو سالم کے گھروں تک پہنچے، تو جمعہ کا وقت ہو گیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسی جگہ تقریباً سو آدمیوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی، یہ اسلام میں پہلا جمعہ تھا اور جس جگہ جمعہ ادا کیا گیا، اس جگہ مسجد بنا دی گئی، جس کا نام مسجدِ جمعہ ہے۔

نمازِ جمعہ کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جنوب کی جانب سے اس شہر میں داخل ہوئے جسے اس وقت تک دنیا والے یثرب کہا کرتے تھے۔ اسے بلاؤں اور مصیبتوں کا مرکز گردانا کرتے تھے۔ بیماریوں اور وباؤں کی اس آماجگاہ پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قدم انور کی برکت سے اس قدر رحمت نازل ہوئی کہ نہ صرف بلائیں اور وبائیں رفوچکر ہو گئیں، بلکہ اس کی مٹی بھی خاکِ شفا بن گئی اور رسولِ خدا حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تک ارشاد فرما دیا کہ دنیا کے دوسرے شہروں میں وباء کی امراض طاعون وغیرہ اور دجالِ لعین آسکتا ہے مگر مکہ مکرمہ اور میرے مدینہ طیبہ میں یہ ہرگز ہرگز نہیں آسکتے۔ سبحان اللہ تعالیٰ خداوند کریم تمام مسلمانوں کو ان تمام وباؤں اور بلاؤں سے محفوظ و مامون فرمائے۔

○

جشنِ آمدِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مدینہ طیبہ میں رسولِ خدا، سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا داخلہ عجب شاندار تھا
کوچے تحمید و تقدیس کے کلماتِ ذی شان سے گونج اٹھے۔ صحیح مسلم شریف باب الہجرۃ
حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ
الْبُيُوْتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِي الطُّرُقِ يُنَادُوْنَ يَا مُحَمَّدُ
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ - (مسلم شریف)

"یعنی (حضور سرورِ کونین ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ طیبہ میں
تشریف آوری کے وقت) عورتیں اور مرد اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے۔ بچے اور غلام
مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں میں گھومتے ہوئے (یعنی جلوس کی شکل میں) یا محمد۔ یا رسول اللہ
یا محمد، یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے نعرے لگاتے پھر رہے تھے۔"

عورتیں، مرد، بچے بوڑھے سبھی نورِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا
کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے سراپا چشم بن گئے تھے۔ انصار کی معصوم و نوخیز لڑکیاں
پیارے لہجے اور پاکیزہ زبان سے نعتِ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے یہ شعر
الاپ رہی تھیں: ؎

(۱) طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا ۔۔۔ مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
(۲) وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا ۔۔۔ مَا دَعٰى لِلّٰهِ دَاعِ
(۳) اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا ۔۔۔ جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

(۱) "ثنیات الوداع نامی پہاڑوں کی جانب سے (یہ گھاٹی مکہ مکرمہ کی
راہ پر ہے) ہم پر چودھویں شب کا چاند طلوع ہو گیا ہے۔"
(۲) "ہم پر واجب ہے کہ شکر ادا کریں کہ داعی الی اللہ جلوہ گر ہوگئے۔"

(۳) " اے ہمارے پاس تشریف لانے والے! آپ ہم پر وہ دین متین لے کر تشریف لائے ہیں کہ جس کی اطاعت نہایت ضروری ہے۔"

جبکہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ننھیال قبیلہ بنو نجار کی بھولی بھالی بچیاں خوشی سے جھوم جھوم کر دف بجاتی ہوئی کہہ رہی تھیں : ؎

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ   يَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارٍ

اس کا ترجمہ حفیظ جالندھری مرحوم نے اپنے الفاظ میں یوں کیا کہ ؎

کہ ہم ہیں بچیاں نجار کے عالی گھرانے کی
خوشی ہے آمنہ کے لال کے تشریف لانے کی

غرضیکہ جشن کا ایک عجب سماں تھا۔ حضور نبی اکرم رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار اُن کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ جملہ قبائل انصار[۱] کے لوگ اپنی آنکھوں کو سرِ راہ بچھا کر، سراپا نیاز بن کر رسولِ محترم نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دامنِ کرم کو تھام کر عرض کر رہے تھے ؛ ہمارے غریب خانہ میں قیام فرما کر نعمت وثروت کے اظہار اور خدمت گاری اور جاں نثاری کی سعادت مرحمت فرمائیں۔ حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک کے حق میں دُعائے رحمت وبرکت فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ؛ میری یہ اُونٹنی مَامُوْرٌ مِّنَ اللہِ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے جائے قیام کا بتا دیا گیا ہے) اس کی رسی کو چھوڑ دو، یہ جہاں بیٹھے گی وہی جگہ قرارگاہ ہوگی۔ چنانچہ یہ اُونٹنی جب اس جگہ پہنچی، جہاں اب مسجد نبوی شریفہ ہے، تو اس جگہ بیٹھ گئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُسی جگہ سوار بیٹھے رہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد اونٹنی کھڑی ہوئی اور چند قدم آگے بڑھ کر گھومی اور پھر پہلی جگہ حضرت ابوایوب انصاری

---

[۱] انصار کا معنیٰ ہے مددگار، یہ لفظ مدینہ طیبہ کے پرانے باشندوں کے لئے بولا جاتا ہے یعنی صحابہ کرام میں جو ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آتا، اہل مدینہ اس مہاجر بھائی کی دل کھول کر مدد کرتے ۱۲۰

ضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازہ کے بالکل قریب آکر بیٹھ گئی۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا کہ آفتاب مقدر بام عروج تک پہنچ گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے خوشی خوشی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا وہ مختصر سا سامانِ ضرورت جو اونٹنی پر لدا
ہوا تھا اُتارا اور اپنے گھر لے گئے اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اَلْمَرْءُ
مَعَ رَحْلِهٖ فرماتے ہوئے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کو نزولِ
سعادت کی برکت سے مشرف فرمایا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ (ابن ہشام)

تعمیر مسجد نبوی شریف

جس جگہ اُونٹنی بیٹھی تھی اور گھومی تھی، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی جگہ (بحکمِ خدائے لم یزل) مسجد بنانے
کے ارادہ کا اظہار فرمایا۔ یہ جگہ بنو نجار کے دو یتیموں کی تھی۔ انہوں نے بغیر کسی قیمت کے جگہ
پیش کی، مگر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبول فرمانے سے انکار کر دیا۔
اور ارشاد فرمایا کہ بغیر قیمت ادا کئے تمہاری جگہ نہیں لوں گا، پھر دس مثقال سونا قیمت ادا فرما کر
جگہ خرید لی اور اسی جگہ مسجد نبوی شریفہ کی تعمیر کا آغاز فرما دیا۔ مسجد شریفہ کی ابتدائی وسعت
صاحب مدارج النبوۃ کے مطابق جنوب یعنی قبلہ سے شمال تک چوّن گز اور مشرق سے
مغرب کی طرف ساٹھ گز تھی۔ اوّل تعمیر میں قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا۔ بعدازاں بدل کر
بیت اللہ کی طرف کیا گیا۔ مسجد میں نہ تو کوئی زیب و زینت تھی اور نہ ہی موجودہ محراب کی شکل و
صورت تھی۔ موجودہ شکل میں محراب کی علامت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
کے زمانہ میں ایجاد کی گئی۔ بدعت ہے (یعنی نئی چیز) جو کہ آج تک جاری ہے تعمیر مسجد
میں خود سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مزدوروں کی طرح کام کر رہے
تھے اور صحابہ کرام کے ساتھ اینٹیں اُٹھا اُٹھا کر معمار کو عطا فرما رہے تھے۔ مسجد کے پہلو میں
ازواجِ مطہرات کے لئے چند حجرے کچی اینٹوں سے بنائے گئے اور اُن پر کھجور کی شاخوں کی
چھت ڈالی گئی۔ ان ہی مقدس و معظم حجراتِ انور میں وہ حجرہ بھی شامل تھا، جسے آج روضۂ رسول

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس تعمیر کے بعد رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان سے حجرات مبارکہ میں منتقل ہو گئے۔ (مدارج و ابن ہشام)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زفاف

۹ شوال المکرم یکم سن ہجری کو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زفاف فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح سنہ ۱۰ نبوت میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہو چکا تھا، جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارکہ اس وقت صرف چھ برس کی تھی اور بوقت زفاف عمر شریفہ ۹ سال کی تھی۔

یکم سن ہجری کے مزید مشہور واقعات

اس سال رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انصار و مہاجرین میں رشتہ مواخات (بھائی چارہ) استوار فرمایا، یعنی ایک ایک مہاجر صحابی اور ایک ایک مدینہ طیبہ کے پرانے باشندے (انصار صحابی) کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ رشتہ مواخات بالکل سگے بھائیوں کی طرح تھا، حتیٰ کہ ایک دوسرے کی جائیداد کے وارث بھی ہوتے تھے۔ یہ عہد مواخات آیہ مبارکہ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ط (رحم یعنی شکم مادر کے رشتہ والے اللہ تعالیٰ کے فرائض میں ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہیں) کے نازل ہونے کے بعد منسوخ ہوا۔

رکعات نماز میں اضافہ

اسی سال حالت قیام میں رکعات نماز میں اضافہ ہوا جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ دو دو رکعت نماز فرض کی گئی تھی اور سفر کی نماز کو پہلے فریضہ پر برقرار رکھا گیا۔ (بخاری شریف)

صاحبِ مواہبِ لدنیہ کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے، دو ماہ گزرے تھے اور عند البعض ایک سال گزرا تھا کہ رکعاتِ نماز میں اضافہ ہوا، اس سے قبل مغرب کی تین رکعتیں تھیں، باقی سب کی دو دو رکعتیں، اس کے بعد ظہر، عصر اور عشاء میں دو دو رکعت کا اضافہ ہو گیا اور نمازِ فجر کی دو رکعتیں بدستور برقرار رہیں کہ ان کی قرأت طویل ہے اور نمازِ مغرب بھی بدستور قائم رہی کہ یہ دن کے وتر ہیں۔ اسی سال بھیڑیئے نے چرواہے کے سامنے فصیح عربی زبان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی۔

اسی سال حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام حضرت اسعد بن زرارہ، کلثوم بن الہدم اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رحلتِ مبارکہ ہوئی۔

۲ سنہ ہجری کے مشہور واقعات مطابق ۶۲۳ء

تحویلِ قبلہ، ابتداءً قبلہ بیت المقدس تھا۔ مدینہ طیبہ میں رسولِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جلوہ گری کو ۱۶ ماہ اور عند البعض سترہ ماہ گزرنے تک قبلہ بیت المقدس ہی رہا۔ پھر رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش پر قبلہ خانہ کعبہ کو قرار دے دیا گیا۔ یہ واقعہ خاندانِ بنو سلمیٰ کی بستی میں عین اُس جگہ پیش آیا، جہاں آج مسجد قبلتین بنی ہوئی ہے۔ نبیِ محترم، رسولِ مکرم، شفیعِ معظم، رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ نمازِ ظہر ادا فرما رہے تھے اور عین حالتِ نماز میں نزولِ وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف آثار ملاحظہ فرمانے کے منتظر تھے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شدید خواہش تھی کہ قبلہ خانہ کعبہ کو قرار دے دیا جائے۔ اسی حالت میں جبریل امین علیہ السلام کو پیغام

خداوندی لے کر حاضرِ خدمت ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط (سورۃ البقرۃ: ۱۴۴) (اے محبوب کریم! علیک الصلوٰۃ والسلام) ہم آپکا بار بار آسمان کی طرف دیکھنا ملاحظہ فرما رہے ہیں، تو ضرور ہم آپ کو اُسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے، جس میں آپ کی خوشی ہے، تو ابھی اپنا منہ مسجد الحرام (خانہ کعبہ) کی طرف پھیر دو۔ چنانچہ اُسی وقت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دورانِ نماز ہی اپنا رُخِ انور بیت المقدس سے گھما کر حرمِ کعبہ کی طرف فرمالیا، اسی طرح سب صحابہ کرام بھی گھوم گئے۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح

مشہور ہے کہ جنابہ سیدۃ النساء خاتونِ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ ۲ھ کو ہوا۔ جامع الاصول میں ہے کہ غزوہ اُحد کے بعد ہوا۔ بوقتِ نکاح حضرت سیدہ زاہدہ عابدہ طیبہ طاہرہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارکہ سولہ ۱۶ یا اٹھارہ ۱۸ برس کی تھی، جبکہ امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی عمر شریفہ اکیس ۲۱ سال پانچ ماہ تھی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اُس وقت وہاں موجود تھا، جب رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نزولِ وحی ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: اے انس! ربّ العرش کے حضور سے جبریل امین علیہ السلام، میرے پاس پیغام لے کر آیا ہے کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء کا نکاح علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے کر دیا جائے۔ اے انس! تم جاؤ اور ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر اور جماعتِ انصار (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو بلا لاؤ۔ چنانچہ جب سب حاضر ہوئے تو رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی

اور ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح چار سو مثقال[1] چاندی حق مہر پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا، اور فرمایا: اے علی! کیا تم قبول کرتے ہو؟ اور راضی ہو۔" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا "میں نے قبول کیا اور راضی ہوں۔" پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک طباق کھجوروں کا لیا اور جماعتِ صحابہ پر بکھیر دیا۔ اسی بناء پر فقہاء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عقدِ نکاح کی ضیافت میں کھجوروں وغیرہ کا بکھیر کر لٹانا مستحب ہے۔ (مدارج النبوۃ)

زکوٰۃ، روزۂ رمضان، نمازِ عید اور صدقۂ فطر و حکمِ جہاد،

۲ھ میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے۔ اسی سال نمازِ عید اور صدقۂ فطر کا حکم ہوا۔ زکوٰۃ بھی اسی سال فرض ہوئی۔ (البتہ مواہب لدنیہ میں ہے کہ زکوٰۃ قبل از ہجرت فرض ہو چکی تھی) اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد و قتال کا حکم بھی اسی سال ہوا۔ چنانچہ غزوۂ ابواء، سریۂ دارِ ارقم، سریۂ حمزہ بن عبد المطلب، سریۂ سعد بن ابی وقاص، غزوۂ بواط۔ غزوۂ عشیرہ، غزوۂ بدرِ اولیٰ یا صفوان، سریۂ عبداللہ بن جحش وغیرہ اسی سال وقوع پذیر ہوئے۔

ان سب سے زیادہ شاندار غزوہ بدرِ کبریٰ بھی اسی سال معرضِ وجود میں آیا۔ اس مقدس غزوہ سے دین کی عزت و شوکت روشن ہوئی اور ناموسِ اسلام تاباں ہوا۔ قرآنِ کریم نے اس عظیم الشان دن کو "یوم الفرقان" قرار دیا، کیونکہ اس سے حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز رونما ہوا تھا۔ روزِ بدر خلاقِ عالم جل شانہٗ نے اسلام اور

---

[1] مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جہیز نہایت سادہ تھا، مگر حقِ مہر چار سو مثقال چاندی تھا۔ ۱۲

اہلِ اسلام کو غالب اور کُفر کی بنیادوں کو شکست و پائمال کر کے ذلیل و خوار فرمایا۔
زمانہ آج تک محوِ حیرت ہے کہ محض تین سو تیرہ نہتے مسلمان کہ جن کے پاس صرف تین گھوڑے
چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں، بعض ایسے تھے کہ اُن کے بدن پر کرتہ بھی موجود نہ تھا
ان ظاہراً نادار قسم کے اہلِ ایمان نے دشمنانِ دین کے اس عظیم لشکر کو نہایت بُری طرح
شکست دی، جو نہ صرف ان سے تعداد میں کئی گنا زیادہ تھا، بلکہ اس لشکر کا ہر فرد
پوری طرح مسلح اور سر تا پا لوہے کے لباس میں چھُپا ہوا تھا۔ اسی طرح غرور و تکبر کے
یہ پُتلے (کفارِ لشکرِ اسلام کو دیکھ کہہ رہے تھے کہ "خدا تعالیٰ کی قسم! اگر ہماری عورتیں اپنے خیموں کے
کھونٹے وغیرہ لے کر میدان میں آجائیں، تو ان کمزور و ناتوان مسلمانوں کو بھاگنے کی جگہ نہ ملے
گی"۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ دشمنانِ دین، ستر نامی گرامی سرداروں اور بہادروں کو مسلمانوں
سے تہِ تیغ کرواکر میدانِ جنگ سے ذلیل و رسوا ہو کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ اسلام
اور اہلِ اسلام کے جاہ و حشمت کے چہرے روشن و تاباں ہوتے۔ شیطان اور اس کے
چیلے شرمندہ و رُوسیاہ ہوئے۔ ربِ کریم اپنے اِس احسان و کرم کا ذکر فرماتے ہوئے
اہلِ ایمان سے ارشاد فرماتا ہے کہ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ
" یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہٗ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی، حالانکہ تم بے سر و سامان
اس غزوہ کے لئے حضور نبی اکرم رسُولِ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم، ہجرت کے
انیسویں مہینے یعنی رمضان المبارک کی آٹھ یا بارہ تاریخ کو مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تھے،
اور سترہ رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک جنگ واقع ہوئی۔ اس جنگ میں ستتر
مہاجرین اور دو سو چھتیس ۲۳۶ انصار صحابہ تھے، مگر عین میدانِ جنگ میں حضور سرورِ کونین
صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے ۳۰۵ صحابہ تھے۔ بقیہ آٹھ صحابہ یا تو کسی عذر کی وجہ سے
میدانِ جنگ میں موجود نہ تھے یا پھر مشرکین کی جستجو میں دائیں بائیں موجود تھے، چونکہ
یہ سب حضرات حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے حکمِ ذیشان کے

تحت ہی مصروف کار تھے، اس لیے ان کو بھی اہلِ بدر میں شمار کیا جاتا ہے اس جنگ
میں کل چودہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جامِ شہادت نوش فرمایا، جن میں چھ مہاجرین
اور آٹھ انصار تھے۔ (ابن خلدون - مدارج النبوۃ)

۳ سہ ہجری کے مشہور واقعات (۶۲۴ء)

ہجرت کے تیسرے سال بقولِ علامہ ابن خلدون ماہِ محرم الحرام
غزوۂ غطفان اور بقول صاحبِ مدارج النبوۃ و دیگر کتبِ سیرت
ماہِ ربیع الاول ۳ سہ ہجری میں غزوۂ غطفان واقع ہوا۔ اسے غزوۂ "انمار" اور غزوۂ
"ذی امر" کہتے ہیں اسی غزوہ میں لشکرِ کفار کا سپہ سالار "دعثور" اپنے ہاتھ میں ننگی تلوار لیے
ایسی حالت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا، جبکہ آپ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لشکرِ صحابہ سے دُور ایک درخت کے نیچے آرام فرما تھے
دعثور نے آتے ہی کہا: "اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آج کون ہے جو تجھے مجھ
سے بچائے گا؟" حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پورے اطمینان سے جواب
دیا: "میرا اللہ، وہی میرا محافظ ہے۔" دعثور جو کہ ارادہ قتل سے آیا تھا، خود
ہیبت زدہ ہوگیا اور اُس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
نے تلوار اٹھا لی اور فرمایا: "بتا کون ہے جو تجھے مجھ سے بچائے گا؟" وہ بولا: "کوئی نہیں۔"
آپ نے فرمایا: "تو بھی کہہ دے: میرا اللہ!" اِس پر اس نے کہا، میں کہتا ہوں:۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

اس کے مسلمان ہونے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار اسے ہی واپس
دے دی۔ یہ جب اپنی قوم کی طرف واپس گئے تو لوگوں نے پوچھا، تم تو بہت بہادر اور
بڑے دلیر اور جوانمرد تھے، تمہیں کیا ہوگیا کہ تم تلوار سونت کر اُن (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

کے سرہانے پہنچ چکے تھے، مگر وار کیوں نہ کیا؟ تو جواباً "دعثور" نے کہا، میں نے یکایک ایک مردِ سفید لباس والے کو دیکھا (کتبِ سیرت کے مطابق یہ جبریل امین علیہ السلام تھے) اُس نے میرے سینے پر ہاتھ مارا جس سے میں بے بس ہو کر گر پڑا۔ پھر "دعثور" نے اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دی اور ان کی کوشش سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

خیال رہے کہ اس غزوہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطورِ خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔

کعب بن اشرف کا قتل

کعب بن اشرف ایک بدبخت یہودی تھا۔ یہ اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے ایک تھا۔ واقعہ بدر کی خوشخبری جب مدینہ طیبہ پہنچی، تو یہ غصے سے جل بھن گیا۔ یہ مقتول کفار کی تعزیت کے لیے مکہ مکرمہ گیا اور لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر ابھارنے لگا۔ یہ مقتولین بدر پر نوحہ و مرثیہ خوانی کرتا۔ خود بھی روتا، لوگوں کو بھی رُلاتا اور اُن کے جذبات کو برانگیختہ کرتا۔ چند روز بعد یہ واپس مدینہ طیبہ آ گیا اور اپنے اشعار میں رسولِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں سخت گستاخیاں بکنے لگا۔ علاوہ ازیں اس نے اپنے خبثِ باطن کے اظہار کے لیے مسلمان عورتوں کی شان میں بھی نہایت گندے قصائد اور غزلیں لکھنا شروع کر دیں۔ گویا یہ اس طرح مسلمانوں کی غیرت سے کھیلنے کی کوشش کرنے لگا۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طبعِ مبارک پر اس کا یہ فعل ناگوار گزرا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "مَن یقتل کعب بن اشرف" اس پر کعب کے رضاعی بھائی حضرت ابو نائلہ ملکان بن سلامہ، حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت عبادہ بن بشر، حضرت حرث بن بشر، حضرت ابو عبس بن جبیر وغیرہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے کعب کے قتل کی ذمہ داری قبول کی اور حضرت محمد مسلمہ اور حضرت ابو نائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نہایت ہوشیاری سے کام

لیتے ہوئے مُنہ پھٹ گستاخ کعب بن اشرف کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔ (ابن خلدون، مدارج)

غزوۂ نجران اِس سال وقوع پذیر ہوا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ سفر دس یوم کا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی عدم موجودگی میں حضرت ابن اُمِ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ طیبہ میں خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ (مدارج النبوۃ)

سریۂ فردہ سریۂ فردہ بھی اسی سال وقوع پذیر ہوا۔ اس سریہ کی کمان حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔

ابورافع کا قتل مدارج النبوۃ کے مطابق ابورافع کا قتل بھی اسی سال واقع ہوا۔ روضۃ الاحباب کے حوالہ سے منقول ہے کہ عند البعض ابورافع کا قتل چوتھے سال، بموجب ایک قول کے پانچویں سال اور ایک قول کے مطابق چھٹے سال واقع ہوا، مگر قولِ اول قوی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

تاجر حجاز ابورافع بھی کعب بن اشرف کی طرح نہایت خبیث النفس تھا۔ یہ بھی کفار کو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف جنگ پر اُبھارتا تھا۔ اور اسلام کے خلاف کام کرنے والوں کی دل کھول کر مدد کرتا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اجازت سے اس کے قتل کی ذمہ داری اہلِ خزرج نے اٹھائی اور حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمالِ بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابورافع کو واصلِ جہنم فرمایا۔

امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت اِسی تیسرے سال سبطِ مصطفےٰ، نورِ دیدۂ فاطمۃ الزہرا، جگر گوشۂ علی المرتضےٰ سید شبابِ اہلِ جنۃ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (تفصیلی واقعات آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرہ کے تحت آئیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ)

حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی

اسی سال حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ خیال رہے کہ اس سے قبل بھی حضرت سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں رسولِ کریم نبیٔ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادی حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ ان کی رحلتِ مبارکہ ۲ سنہ ہجری میں غزوۂ بدر کے ایام میں ہوئی تھی۔ اسی بناء پر حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذو النورین کہا جاتا ہے۔

غزوۂ سویق یا قرقرۃ الکدر

یہ غزوہ ۵ شوال المکرم بروز ہفتہ ۲ ہجری سن کو واقع ہوا، سبب اس کا یہ تھا کہ بدر میں ذلت آمیز شکست اٹھانے کے بعد ابو سفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لے گا، اُس وقت تک نہ تو غسل کرے گا اور نہ اپنے سر میں تیل ڈالے گا، چنانچہ وہ دو سو سواروں کو لے کر مکہ مکرمہ سے نکلا۔ جب وہ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا، تو رسالہ کو چھوڑ کر خود تنِ تنہا رات کی تاریکی میں چوری داخلِ مدینہ طیبہ ہوا اور سلام بن مشکم یہودی سے ملا۔ رات بھر خوب شراب نوشی کی، صبح منہ اندھیرے اپنے لشکر کی طرف نکلا۔ راستے میں ایک انصاری صحابی اور اُن کے حلیف سے ملاقات ہوئی۔ اس ظالم نے ان دونوں کو شہید کر دیا۔ مزید کمینے پن کا اظہار کرتے ہوئے مسلمانوں کے چند ایک پھل دار اور کھجوروں کے درختوں کو آگ لگا کر بھاگ گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں اس سانحہ کی خبر عرض کی گئی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جماعتِ صحابہ کے ساتھ ابو سفیان اور اُس کے ساتھیوں کا تعاقب کیا، مگر مشرکین ہیبت زدہ ہو کر زادِ راہ کے طور پر لائے ہوئے ستو (جو کا آٹا) کے تھیلے چھوڑ کر مکہ مکرمہ کی طرف

بھاگ گئے۔ جو مالِ غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ چونکہ عربی میں سویق ستو کو کہتے ہیں، اِس لئے اس کو غزوہ سویق کہا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کا تعاقب "قرقرۃ الکدر" (جگہ کا نام) تک کیا، اس وجہ سے اسے "غزوہ قرقرۃ الکدر" بھی کہتے ہیں۔

غزوۂ اُحد اسلام کو مٹانے اور شمعِ رسالت کو گُل کرنے کے ناپاک منصوبے کفار کے شیطانی ذہن ہر وقت تیار کرتے رہتے تھے، مگر (آیہ کریمہ، يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ٥ (التوبۃ: ۳۲) "وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نور اپنی مُنہ سے بُجھا دیں، اللہ تعالیٰ نہ مانے گا، مگر اپنے نور کا پورا کرنا (یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نور کو بہرحال پورا فرما کر ہی رہے گا) اگرچہ کفار اس بات کو کتنا ہی ناپسند کیوں نہ کریں"۔ کے مصداق کفار ہمیشہ ذلت و خواری کا مُنہ دیکھتے رہے۔

غزوہ بدر کی رُسوا کن شکست کا دھبہ دھونے کے لئے ابوسفیان بن حرب، بقولِ ناسخ التواریخ پانچ ہزار اور علامہ ابنِ خلدون کے مطابق تین ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ ۳ سنہ ھجری، ماہِ شوال المکرم کو مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا۔ حضور نبی مکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک ہزار لشکر کے ساتھ مقابلہ کے لئے مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے۔ راستہ میں عبداللہ بن اُبی بدترین منافق نے اپنے خبثِ باطن کا اظہار کیا اور وہ اپنے تین سو ساتھی منافقین کو لے کر لشکرِ اسلام سے الگ ہوگیا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سات سو نفوسِ قدسیہ کو ساتھ لے کر آگے بڑھے اور میدانِ اُحد میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوگیا۔ رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اِن سات سو مجاہدین میں سے پچاس صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حضرت عبداللہ

بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ قیادت جبل اُحد سے متصل عنین نامی پہاڑ کے ایک ایسے شگاف پر متعین فرمایا، جہاں سے کفار کے حملے کا خطرہ تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کمال تاکید فرماتے ہوئے ان پچاس صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، خواہ ہم غالب ہوں یا مغلوب، یہاں تک کہ میں خود تم کو نہ بلا لوں، خبردار! اس شگاف کے راستہ سے کفار مسلمانوں پر عقب سے حملہ نہ کر پائیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بار بار تاکید فرما رہے تھے۔ چنانچہ جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ کے ان ساڑھے چھ سو شیروں نے کفار کے ہزاروں سورماؤں کے چھکے چھڑا دیئے۔ مسلمان اس قدر جوش و خروش سے لڑے کہ کفار میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ رب ذوالجلال نے اہلِ ایمان کو شاندار فتح عطا فرما دی۔ اہلِ ایمان میدانِ جنگ میں مالِ غنیمت سمیٹنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ قیادت شگاف پر متعین صحابہ کرام نے دیکھا کہ مشرکین میدانِ جنگ سے بھاگ گئے ہیں۔ اب ہمارا یہاں ٹھہرنا بے سود ہے۔ اگرچہ ان کو حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بار بار منع بھی کیا لیکن پھر بھی اکثریت پہاڑ سے نیچے اُتر کر مالِ غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہو گئی۔ کفار نے جب اس شگاف کو خالی دیکھا، تو اس خفیہ راستے سے اچانک مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اُن کا مقابلہ تو کیا، لیکن بے سود۔ مسلمان اس اچانک حملے سے سخت گھبرا گئے۔ افراتفری کے عالم میں بعض مسلمان مسلمانوں ہی کے ہاتھوں قتل یا زخمی ہوئے۔ اس جنگ میں تقریباً ستّر صحابہ کرام مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے، جن میں سید الشہداء اسد اللہ و رسولہٖ حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ خود رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بھی زخمی ہو گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک گڑھے میں گر گئے۔ شیطان لعین نے بلند آواز میں اعلان کر دیا کہ قد قُتِلَ مُحَمَّدٌ یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

شہید ہو گئے ہیں۔" یہ سُن کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ پریشان و سرگردان مُسلمان تین حِصّوں میں بٹ گئے۔ ایک حصّہ مدینہ طیبہ کی طرف واپس آگیا اور دوسرے گروہ نے کہا کہ اب رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد زندگی کا کیا لُطف ہے؟ اس لیے وہ اس قدر شدت سے لڑے کہ درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو کہ رسُول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گرد موجود تھا اور پوری جاں نثاری سے رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کر رہا تھا۔ ان جاں نثاروں میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن عوام، حضرت طلحہ بن عبداللہ، حضرت عبیدہ ابن الجراح، حضرت خباب بن منذر، حضرت ابودجانہ، حضرت عاصم بن ثابت، حضرت سہل بن حنیف، حضرت اُسید بن حضیر، حضرت سعد بن معاذ اور حضرت حارث بن صیحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے جو رسُولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گرد موجود تھے۔

جب آتشِ جنگ سرد ہوئی، تو ابوسفیان نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر چلا کر لشکرِ اسلام سے پوچھا: اَفِی الْقَوْمِ مُحَمَّد۔ "کیا تم میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) موجود ہیں؟" رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو جواب دینے سے روک دیا۔ ابوسُفیان نے تین مرتبہ اپنا یہ سوال دُہرایا۔ جب کوئی جواب نہ پایا تو پھر پوچھا: اَفِی الْقَوْمِ ابْنِ اَبِی قُحَافَہ۔ "کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر) موجود ہیں؟" یہ سوال بھی اس نے تین مرتبہ دہرایا، جب کوئی جواب نہ پایا، تو بولا: اَفِی الْقَوْمِ عمر ابن الخطاب۔ "کیا تم میں عمر بن خطاب ہیں؟" جب اس کا جواب بھی سوائے خاموشی کے کچھ نہ ملا، تو اس نے اپنے ساتھی کفار سے کہا: اَمَّا هٰؤُلَاءِ فَقَدْ قُتِلُوْا۔ یعنی "معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب مارے گئے ہیں۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی گستاخی برداشت نہ کر سکے اور نہایت غصّہ کے ساتھ بلند آواز سے جواب دیا:

كَذَبْتَ اَىْ عَدُوَّ اللهِ قَدْ اَبْقَى اللهُ مَا يُخْزِيْكَ۔ "یعنی اے دشمن خدا تو جھوٹ بکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل کرنے کے لئے ان کو باقی رکھا ہوا ہے"

ابوسفیان نے یہ سن کر کہا: اعل ھبل۔ "ہبل نامی بت کا بول بالا ہو۔" حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے عمر! اس کو جواب دو اور کہو: اللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ "اللہ تعالیٰ ہی سب سے برتر اور بڑا ہے"

ابوسفیان نے کہا: اِنَّ لَنَا عُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ "عزّیٰ ہمارا ہے تمہارا کوئی عزّیٰ نہیں ہے۔" رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَللّٰهُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ۔ "اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔" ابوسفیان نے کہا: هٰذَا بِيَوْمِ الْبَدْرِ "یہ بدر کے دن کا بدلہ ہوگیا، یعنی برابر برابر۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: لَا سَوَاءَ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاكُمْ فِي النَّارِ۔ "برابری نہیں ہوسکتی، کیونکہ ہمارے ساتھی جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں" اس کے بعد بھی کچھ مکالمہ بازی ہوئی۔

پھر ابوسفیان نے اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو بھیجا کہ دیکھ کر آؤ اگر مشرکین گھوڑوں کی بجائے اونٹوں پر سوار ہوں تو سمجھنا کہ یہ لوگ مکہ مکرمہ جا رہے ہیں، لیکن اگر گھوڑوں پر سوار ہوں، تو پھر ان کا ارادہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ہوگا۔ اس وقت تم مجھے بہت جلد مجھے اطلاع دینا قسم ہے مجھے رب ذوالجلال کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر قریش نے مدینہ طیبہ کا قصد کیا، تو میں ابھی ان پر حملہ کر دوں گا" اور ان سے بہت اچھی طرح سے نپٹوں گا۔" حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تحقیق حال کے لئے ابوسفیان کے تعاقب میں گئے اور واپس آکر عرض کیا کہ قریش مکہ مکرمہ کو روانہ ہوچکے ہیں۔

تدفینِ شہداء

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مع اپنے چند جاں نثاروں کے میدانِ احد میں موجود تھے۔ چنانچہ آتشِ حرب ٹھنڈی ہونے کے بعد جب مشرکین میدانِ احد سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شہداء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی، چونکہ ستر صحابہ کرام مرتبۂ شہادت پر فائز ہو چکے تھے، اس لئے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک قبر میں دو دو تین تین شہداء کو اکٹھے ہی دفن کر دیا جائے۔ نیز حکم دیا کہ جو قرآنِ کریم زیادہ پڑھا ہوا ہو اسے پہلے لحد میں رکھا جائے۔ چنانچہ سیّد الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اُن کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت اور مشرکین کا تعاقب

تدفینِ شہداء کرام سے فارغ ہو کر حضور نبی مکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شہرِ مقدس مدینہ طیبہ کی طرف واپسی فرمائی۔

تقریباً ہر قبیلہ کے مرد عورت اور بچے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال اور دیدار کے لئے مدینہ طیبہ سے باہر نکل آئے۔ اگرچہ اس وقت بعض نہایت دل دوز اور رقت آمیز مناظر دیکھنے میں آئے، مگر مجموعی طور پر اہلِ ایمان اس بات سے پھولے نہیں سماتے تھے کہ ربّ ذوالجلال والاکرام نے اپنے محبوب باکمال و بے مثال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت فرمائی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رُوح پرور زیارت سے ساکنانِ مدینہ طیبہ مستفید ہوئے۔

مدارج النبوۃ میں ہے کہ ابی سفیان اور دیگر مشرکینِ مکہ اُحد سے واپس جاتے ہوئے راستہ میں رُک گئے۔ یہ آپس میں کہنے لگے کہ ہم نامکمل کارروائی کر کے واپس آ گئے ہیں، ورنہ اب آسان تھا کہ ہم (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

اور آپ کے رفقاء کو شہید کر دیتے اور دینِ اسلام کو ختم کر دیتے۔ اس شیطانی سوچ نے ان کو دوبارہ حملہ کرنے پر برانگیختہ کر دیا۔ اگرچہ ان میں سے ایک شخص صفوان بن امیہ نے ان کی مخالفت کی اور ان کو احساس دلانے کی کوشش کی کہ ہمیں مسلمانوں کی کوتاہی کی وجہ سے یہ عارضی عزت ملی ہے، اس کو سنبھالے رہو، ورنہ (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اور اُن کے ساتھیوں کا مقابلہ کرنا ہمارے بس کا روگ نہیں، لیکن سپہ سالار فوج ابی سفیان نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اپنی فوج کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔

اِدھر حضور نبی اکرم، رسولِ محتشم، شفیعِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب مشرکین کے اس ناپاک ارادہ کی خبر سُنی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ طیبہ کے کوچوں میں اعلان کر دیں کہ وہ صحابہ کرام جو میدانِ اُحد میں کفارِ مکہ سے مقابلہ کے لیے گئے تھے، فوراً ہتھیار بند ہو کر باہر آجائیں، کیونکہ بحکمِ خداوندی جہاد پر روانہ ہونا ہے، اور جو لوگ جنگِ اُحد میں شامل نہ تھے، وہ ہرگز ہرگز نہ آئیں۔

دراصل دُنیا والوں کو یہ احساس دلانا بھی (غالباً) مقصود تھا کہ میدانِ اُحد میں آنے والی عارضی پریشانی کا سبب مجاہدین کی کمزوری یا سُستی نہیں بلکہ مشیتِ خداوندی ایسے ہی تھی کہ حکمِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کماحقہٗ تسلیم کرنے کی کوتاہی (یعنی تیر انداز صحابہ کرام کے درّہ کو چھوڑنے) پر کچھ سزا دی جائے، مگر سزا کا انداز بھی اس قدر انوکھا اور پیارا کہ ستر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مرتبہ شہادت عطا فرما دیا جائے۔ سُبحان اللہ تعالیٰ! نہ ہے قسمت، نہ ہے نصیب!!

بہر حال غازیانِ اُحد (رضی اللہ عنہم) ایک مرتبہ پھر ہتھیار سنبھالے حضور رحمتِ عالم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر اور

بالکل تیار تھے[له] علم اسلامی ایک روایت کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسری روایت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھامے کھڑے تھے۔ ان غازیوں میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا باقی سب شاملانِ اُحد تھے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خصوصی اجازت اس لئے ملی کہ وہ احد میں اپنے والد ماجد کی شدید بیماری کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے تھے، جبکہ شدت سے حاضری کی تمنا رکھتے تھے ۔مختصر یہ کہ مجاہدینِ اسلام کا یہ عظیم الشان لشکر پوری شان و شوکت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں گھوڑے دوڑاتا ہوا "حمراء الاسد" نامی مقام پر پہنچا (یہ جگہ مدینہ طیبہ سے بائیں جانب تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں سے ایک راستہ ذوالحلیفہ کی طرف جاتا ہے)۔ یہاں سے کچھ فاصلہ پر مشرکین کے لشکر کا پڑاؤ تھا۔ جب رات ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر اہل ایمان نے اپنے خیموں کے سامنے پانچ سو جگہوں پر آگ روشن کی (اس طرح غالباً مشرکین کے دلوں میں ہیبت ڈالنا مقصود تھی واللہ اعلم)

له اگر بنظرِ ایمان دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اہل اُحد کا انتخاب فرما کر یہ بتا دیا کہ احد میں کوتاہی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول نے معاف فرما دیا ہے اس لئے نہ تو صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کوتاہی کرنے والے صحابہ کرام کو چھوڑا ہے، بلکہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن سے اس قدر راضی ہیں کہ صرف ان ہی کو اس غزوہ میں شمولیت کی اجازت دی۔ معلوم ہوا کہ اب ان بزرگوں پر اعتراض کرنا گویا اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر اعتراض کرنا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اس کی مزید تصدیق کے لئے قرآن کریم سورہ آل عمران کی آیہ نمبر ۱۵۵ کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیں: "بیشک وہ لوگ جو تم میں سے پھر گئے تھے (اُس دن) جس دن (روزِ احد) دونوں فوجیں (کفار و اہلِ ایمان) ملی تھیں، ان کو شیطان ہی نے لغزش دی تھی، ان کے بعض اعمال کی وجہ سے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا ہے، اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا حلیم (بردبار) ہے۔"

معبد بن اُمِ معبد خزاعی جو ابھی تک مسلمان نہ ہوا تھا، مکہ مکرمہ کی طرف جا رہا تھا۔ اُس نے "حمراء الاسد" میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی پھر یہ روانہ ہو کر مشرکین کے لشکر میں پہنچا، تو ابو سفیان نے اس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور لشکرِ اسلام کی بابت سوال کیا، تو معبد بن اُمِ معبد نے کہا: "محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حاضرینِ معرکۂ اُحد اور اُن کے علاوہ دیگر بہت سے مجاہدین کے ساتھ تم سے انتقام لینے کے لئے مدینہ طیبہ سے باہر آگئے ہیں۔ میں نے اُن کو یہاں قریب ہی "حمراء الاسد" میں چھوڑا ہے۔ خدا تعالیٰ کی قسم! میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے کہ تم اس منزل سے کوچ کرو، ان کا لشکر تمہارے سر پر آن پہنچے گا۔ اس خبرِ وحشت اثر نے مشرکین کی حالت دگرگوں کر دی۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے موت ناچنے لگی اور اُن کے دل پر زبردست خوف طاری ہو گیا، اور وہ تیزی سے مکہ مکرمہ کی طرف فرار ہو گئے۔

(خلاصہ روایات مدارج النبوۃ، ناسخ التواریخ، ابن خلدون، طبری، ابن ہشام)

انصاف کی بات کوئی شخص مسلمان ہو یا غیر مسلم لامحالہ مندرجہ بالا واقعات کے پیشِ نظر یہی نتیجہ نکالے گا کہ میدانِ اُحد میں اہلِ ایمان کو شکست خوردہ اور کفار کو فتح مند اور کامیاب کہنا انصاف و دیانت کا صریحاً خون کرنا ہے، کیونکہ شکست خوردہ سپہ سالار یا تو میدانِ جنگ سے بھاگ جاتا ہے یا پھر ہتھیار ڈال کر خود کو دشمن کے حوالے کر دیتا ہے۔ شکست خوردہ لشکر دشمن کا تعاقب نہیں کیا کرتا، جبکہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے برگزیدہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت تک میدانِ اُحد میں اپنے جاں نثاروں کے ساتھ تشریف فرما رہے، جب تک کہ خود مشرکین میدان چھوڑ کر بھاگ نہ گئے اور جب مشرکین کی طرف سے لاف زنی اور بیہودہ گفتگو ہوئی، تو اُن کو دندان شکن جواب دیا گیا اور جب مشرکین نے رختِ سفر باندھا، تو حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو تحقیقِ حال کے لئے بھیجا اور ارشاد فرمایا

"اگر مشرکین کا ارادہ مدینہ طیبہ پر حملہ کا ہے، تو قسم ہے اُس ربِ ذُوالجلال کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں ابھی ان پر حملہ کر دوں گا اور اُن سے خوب اچھی طرح نپٹوں گا۔"

علاوہ ازیں آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دشمنانِ دین کا "حمراء الاسد" تک تعاقب فرمایا اور اُن کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔

سنہ ۴ھ کے اہم واقعات بمطابق ۶۲۵ء

سریّہ رجیع

یہ سریّہ ہجرت کے چھتیسویں مہینہ ماہِ صفر المظفر میں وقوع پذیر ہوا۔ اِس کا سبب یہ بنا کہ مشرکینِ مکہ کے واپس لوٹ جانے کے بعد اخبث الناس سفیان بن خالد ہُذلی عضل و قارہ کے قبیلے کے کچھ لوگوں کے ساتھ قریش کو مبارک دینے مکہ مکرمہ پہنچا وہاں اُسے پتہ چلا کہ "سلافہ بنت سعد" نامی عورت جو کہ میدانِ اُحد میں کفار کی علمبردار تھی، اُس کا شوہر طلحہ بن ابی طلحہ اپنے بیٹوں سمیت میدانِ احد میں حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں جہنم رسید ہو گیا تھا، اُس نے اعلان کر رکھا ہے کہ جو کوئی حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر کاٹ کر لائے گا وہ اُسے ایک سو اونٹ بطورِ انعام دے گی۔ سُفیان بن خالد شقی القلب کے دل میں لالچ پیدا ہوا کہ وہ یہ سو اُونٹ حاصل کرے، چنانچہ اس نے اپنی قوم کے سات شریر ترین آدمیوں کا اِنتخاب کیا اور اُن کو کہا کہ وہ مدینہ طیبہ میں جا کر اظہارِ اسلام کریں اور عرض کریں کہ ان کے ہمراہ جماعتِ صحابہ بھیج دیں تاکہ وہ ان کو دینِ اسلام کی تعلیم دیں اور اسی بہانے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے لیا جائے۔ چنانچہ ان خبثا نے نہایت عیاری و مکاری کے ساتھ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا اور حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت دس صحابہ کرام کو لے کر "ہدہ" نامی مقام پر آ گئے۔ یہاں پروگرام کے

مطابق سفیان بن خالد تقریباً دوسو دیگر ملعونوں کے ساتھ ان صحابہ کرام پر حملہ آور ہوگیا۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی علم تھا کہ "سلافہ بنت سعد" نے ان کے قتل پر انعام مقرر کر رکھا ہے، اس لئے آپ سمجھ گئے کہ ان جہنمی کتوں کا اصل مقصود کیا ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رب العزت میں دُعا کی کہ "اے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ! ان خبثاء سے میرے جسم کو بچانا، یہ مجھے چھو بھی نہ سکیں۔" اسی اثناء میں جنگ چھڑ گئی اور حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چھ دُوسرے ساتھیوں سمیت مرتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے، جبکہ تین صحابہ حضرت خبیب بن عدی، عبداللہ بن طارق اور زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گرفتار کر لیا گیا۔ جب یہ بدبخت کفار حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر کاٹنے کی نیت سے آگے بڑھے، تو ربِّ ذوالجلال نے زنبور یعنی بھڑوں کے ایک لشکر کو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسدِ انور کی حفاظت پر متعین فرما دیا۔ چنانچہ جو کافر بھی آگے بڑھتا، بھڑیں اُس پر حملہ کر دیتیں اور اُس پر ڈنگ چلاتیں اور اس سیاہ بخت کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیتیں، یہاں تک کہ کسی بھی شقی القلب کو حضرت حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب پھٹکنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جب رات ہوئی تو حق تعالیٰ جل شانہٗ نے سیلابی پانی کا ایک ایسا ریلا بھیجا جو ان کے جسدِ انور کو بہا کر لے گیا اور دشمنوں کی نظر سے اوجھل کر دیا۔ گرفتار شدہ صحابۂ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی طرح آزاد ہو گئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار پر حملہ کر دیا، لیکن زیادہ دیر (تنہا ہونے کی بناء پر) مقابلہ نہ کر سکے اور مرتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔ ان دھوکہ باز کافروں نے حضرت خبیب و حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کفارِ مکہ (قریش) کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

حضرت خبیب و زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بے مثال استقامت و شہادت

قریش مکہ نے ان دونوں کو

حارث بن عامر کے گھر کئی روز تک بھوکا اور پیاسا قید کیئے رکھا، پھر مکہ مکرمہ سے باہر مقام تنعیم پر ان کو سولی دینے کے لیئے لے آئے۔ قریش نے ان حضرات ذی وقار کو پیش کش کی کہ اگر اسلام چھوڑ دو، تو تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے، مگر ان دونوں بزرگواروں نے کہا: "جب ایمان ہی باقی نہ رہا تو جان باقی رکھ کر کیا کریں گے؟"

قریش نے ان سے پوچھا کہ کوئی آخری تمنا ہو تو بیان کر دو؛ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "دو رکعت نماز پڑھنے کی ہمیں مہلت دے دو"۔ اس پر مہلت دے دی گئی، اور انہوں نے نماز ادا فرمائی۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "میں نماز میں زیادہ وقت صرف کرتا، لیکن سوچا کہ کہیں دشمن یہ نہ سمجھیں کہ یہ موت سے ڈر گیا ہے اس لیئے جلد ادا کرلی"۔ (بخاری شریف)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور جان کی محبت

سخت دل ظالموں نے دونوں بزرگوں کو نصب کی گئی مضبوط لکڑیوں کے ساتھ جکڑ کر باندھ دیا۔ پھر نیزہ برداروں سے کہا کہ ان کے جسموں کے ہر ایک حصہ پر نیزہ کی انی سے چرکے لگائیں، چنانچہ ان کے اجسادِ مقدس کو چھلنی کی طرح چھید دیا گیا۔ ایک ظالم نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جگر کو چھیدا اور پوچھا: "کہو اب تو تم پسند کرتے ہو گے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) تمہاری جگہ موجود ہوں اور تم بچ جاؤ"۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت جوش سے جواب دیا: "اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ میری جان بچانے کے بدلے میں آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پائے اطہر میں کانٹا بھی لگے" (تاریخ طبری - ابن ہشام)

سبحان اللہ تعالیٰ وبحمدہ! یقیناً یقیناً ایمان اسی چیز کا نام ہے کہ بندہ اپنے خالق و مالک جل شانہ کے بعد پوری کائنات میں سب سے زیادہ محبت

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے رکھتے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ناموس کی خاطر اپنی جان کی قربانی کو باعثِ فخر و سعادت سمجھے۔

(اللّٰھم ارزقنی شہادۃً فی سبیلک وحب حبیبک)

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار

اس مقتل میں تماشائیوں کے ہجوم میں گھرے ہوئے، صلیب پر بندھے ہوئے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ فی البدیہہ اشعار کہے، جن کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے، اس سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایمانی عظمت اور اسلام سے محبت کی پوری منظر کشی ہوتی ہے:-

ترجمہ اشعار: "گروہ در گروہ لوگ میرے گرد اگرد کھڑے ہیں اور انہوں نے اپنے سب ساتھیوں کو اکٹھا کر لیا ہے۔ یہ سب کے سب میرے ساتھ دشمنی و عداوت دکھا رہے ہیں، میرے خلاف بڑے جوش میں ہیں، جبکہ میں اس ہلاکت گاہ میں بندھا ہوا ہوں۔ لوگوں نے اپنے بچے، اور عورتوں کو بھی (یہ تماشا دکھانے کے لئے) بلا رکھا ہے۔ یہ مجھے ایک مضبوط لکڑی کے پاس لے آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ کفر اختیار کر لے آزادی مل جائے گی، مگر اس سے تو موت میرے لئے زیادہ آسان ہے۔ میری آنکھوں سے (شدتِ درد کی وجہ سے) آنسو بہہ رہے ہیں (بندھے ہوئے ہاتھوں کی وجہ سے میں صاف تک نہیں کر سکتا) مگر مجھے کوئی اعتراض نہیں، میں دشمن کے سامنے نہ تو عاجزی کروں گا اور نہ ہی چیخوں چلاؤں گا، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف جا رہا ہوں۔ موت سے مجھے اس لئے ڈر نہیں کہ مرنا تو آخر ہے ہی، لیکن میں تو لپٹنے والی اور خون چوسنے والی آگ (دوزخ) سے ڈرتا ہوں۔ عرشِ عظیم کے مالک جل شانہ نے مجھ سے کوئی خدمت لینا چاہی اور مجھے شکیبائی کے لئے منتخب) فرمایا ہے (تو میں حاضر ہوں) اب انہوں نے مار مار کر میرا گوشت لوتھڑے لوتھڑے کر دیا ہے۔ اب میری زندگی کی امید ختم ہو گئی ہے۔ میں اپنی اس درماندگی، مجبوری،

اور بے وطنی و بےکسی کی فریاد اور ان کے خوفناک) ارادوں کی فریاد اپنے پروردگار سے کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! جب میں اسلام پر مر رہا ہوں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ راہِ خدا میں، میں کس پہلو پر گرتا ہوں اور کیونکر جان دیتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ مجھے ربِ کریم کی ذات بابرکات سے کامل اُمید ہے کہ وہ میرے پارہ ہائے گوشت کے ہر ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے گا۔" (زاد المعاد۔ سیرت ابنِ ہشام)

سب سے آخر میں جو آپ نے دُعا کی، وہ یہ تھی:۔

اللھم بلغنا رسالۃ رسولک وبلغہ ما یصنع بنا۔

"اے اللہ تبارک و تعالیٰ ہم نے تیرے رسُول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے احکامات ان لوگوں تک پہنچا دیئے، آپ تو اپنے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمارے حال کی اور ان کی کرتوتوں کی خبر فرما دے۔"

"مدارج النبوۃ" میں ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ ربُ العزت میں عرض کیا "اے باری تعالیٰ! یہاں ایسا کوئی نہیں ہے جو میرا اسلام تیرے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائے۔ اے خدا تعالیٰ تو ہی میرا اسلام، بارگاہِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پہنچا دے۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور سرورِ کونین ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجلسِ شریف میں دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ موجود تھا کہ اچانک رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر حالتِ وحی طاری ہوئی۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی اس پر رحمت ہو۔" نیز فرمایا، خبیب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو قریش نے شہید کر دیا ہے اور یہ جبریل امین ہیں، جو اُن کا سلام مجھے پہنچا رہے ہیں۔" (مدارج النبوۃ جلد ثانی)

بیرِ معونہ کا واقعہ اسی سال ماہ صفر ۴ھ، ابو براء عامر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ علاقہ نجد میں تعلیم اسلام کی

خاطر کچھ صحابہ کرام کو بھیج دیجیے۔ اس کا بھتیجا عامر بن طفیل نجد کا رئیس تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے نجد والوں پر اعتماد نہیں ہے، لیکن ابو براء عامر نے بہت اصرار کیا اور کہا کہ حفاظت کی ضمانت میں دیتا ہوں، آپ مجھ پر اعتماد کرلیں۔ اس کے شدید اصرار پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت منذر بن عمرو انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں ستر صحابہ کرام جو کہ بہترین قراء اور فضلاء تھے کو اس کے ساتھ روانہ فرمادیا۔ جب یہ لوگ بیر معونہ پر پہنچے تو حضرت منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نامہ اطہر حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت رئیس نجد عامر بن طفیل کی طرف بھیجا، اس بدبخت نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ اطہر کا مطالعہ کیے بغیر ہی حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کردیا۔ پھر عامر بن طفیل نجدی دیگر قبائل مثلاً سُلیم، عصیہ، رعل، ذکوان وغیرہ کو ساتھ لے کر بیر معونہ پہنچا اور اہل ایمان پر حملہ کردیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے ان صحابہ کرام میں صرف حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی باقی بچے۔ عامر بن طفیل نجدی نے ان کو قبیلہ بنو مضر کا سمجھتے ہوئے ان کی ریش انور تراش کر چھوڑ دیا۔ یہ واقعہ رجیع نامی مقام کے قریب ۲ھ صفر المظفر کو رونما ہوا۔ (ابن خلدون۔ مدارج)

بعض مورخین نقل فرماتے ہیں کہ اس معرکہ میں حضرت کعب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدید زخمی ہونے کے باوجود جاں بر ہوئے اور غزوہ خندق میں جام شہادت نوش فرمایا۔

حلیف مقتولین کا خون بہا

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بیر معونہ سے واپس مدینہ طیبہ کی طرف آرہے تھے تو راستے میں دو آدمی ملے۔ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بنو عامر یا بنو سلیم کا سمجھ کر قتل کرڈالا، حالانکہ یہ وہ اشخاص تھے کہ جن سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ فرمارکھا تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس واقعہ کی خبر ہوئی

تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِن کا خوں بہا دینے کا حکم جاری فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازش

مذکورہ بالا واقعہ کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنو نضیر کے مقتولین کا خوں بہا دینے کی غرض سے ان کے پاس تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرات ابوبکر، عمر، عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ بنو نضیر نے ظاہرًا اس بات پر خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا اور خوں بہا بھی قبول کر لیا، مگر پوشیدہ طور پر دھوکے سے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام (جو کہ ساتھ گئے تھے) کو شہید کرنے کا مکمل ارادہ کر لیا۔ اِس سازش کی تکمیل کے لئے یہودیوں نے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایک دیوار کے سایہ میں بٹھا دیا اور ایک شخص عمرو بن جحاش کو دیوار پر اس ہدایت کے ساتھ چڑھایا کہ وہ ایک بھاری بھرکم پتھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفقاء کرام پر گرا دے تاکہ اس صدمہ سے سب کے سب شہید ہو جائیں اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی اپنے نبی برحق کو یہودیوں کی مکروہ سازش سے مطلع فرما دیا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی کو کچھ بتائے بغیر تیزی کے ساتھ اٹھے اور شہرِ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ صحابہ کرام اسی جگہ بیٹھے رہے۔ جب حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری میں کافی تاخیر ہو گئی، تو صحابہ کرام بھی اٹھے اور مدینہ طیبہ کی طرف آ گئے۔ (ابنِ خلدون)

نبی محترم شفیع معظم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکمِ خدائے لم یزل کے مطابق حضرت محمد بن مسلمہ کو بنی نضیر کی طرف بھیجا کہ "تم لوگوں نے غداری کی ہے" اس لئے تم کو جلاوطن ہونے کا حکم دیا جاتا ہے"۔ اس پر یہودیوں نے جلاوطن ہونے کی تیاری شروع کر دی۔ اسی اثنا میں رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے بنو نضیر کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ اپنی بستی چھوڑ کر نہ جائیں، میں دو ہزار آزمودہ کار جنگی جوانوں کے ساتھ تمہارا

پشت پناہ ہوں۔ مزید برآں بنو قریظہ اور بنو غطفان بھی تمہارے مددگار و معاون ہوں گے۔ یہود بے بہبود اس بے وقوف منافق کی اس پیشکش پر مغرور ہو گئے اور بارگاہِ رسالت میں پیغام بھیجا کہ "تمہارا جو جی چاہے کر لو، ہم اپنی بستیوں سے نہیں نکلیں گے۔" اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عبد اللہ ابن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ طیبہ میں خلیفہ مقرر فرمایا اور علمِ اسلام حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو مرحمت فرمایا، اور بنو نضیر کا محاصرہ فرما لیا۔ یہ واقعہ ماہِ مقدس ربیع الاول میں پیش آیا۔ بنو نضیر بھی قلعہ بند ہو کر لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے چھ روز تک بنو نضیر کا محاصرہ فرمائے رکھا، جبکہ صاحب "مدارج النبوۃ" و "روضۃ الاحباب" کے مطابق مدتِ محاصرہ پندرہ یوم تھی۔ اس دوران یہود سے چھوٹی موٹی جھڑپیں بھی ہوئیں۔ عبد اللہ بن ابی اور دیگر قبائل کے دلوں میں اہلِ ایمان کا اس قدر رعب طاری ہوا کہ وہ بنی نضیر کی مدد کو نہ آسکے۔ لاچار یہودیوں نے امن کی درخواست کی، عبد اللہ بن ابی ان کا سفارشی بن کر آیا۔ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے شانِ کریمی سے کام لیتے ہوئے بنی نضیر کی اس درخواست کو قبول فرمایا اور حکم دیا کہ وہ اسلحہ کے علاوہ اس قدر مال فی کس لے جا سکتے ہیں، جو ایک اونٹ اٹھا سکے۔

بنو نضیر کی جلا وطنی چنانچہ بنو نضیر نے اپنا مال و اسباب تقریباً چھ سو اونٹوں پر لادا اور مدینہ منورہ سے چلے گئے۔ ان میں حیی بن اخطب اور ابن ابی حقیق وغیرہ کے خاندان والے خیبر میں جا کر آباد ہو گئے اور کچھ ملکِ شام کی طرف نکل گئے، کچھ کسی اور طرف جلا وطن ہو گئے۔ (مدارج النبوۃ)

غزوہ ذات الرقاع غزوہ بنو نضیر کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جمادی الاول ۴ھ تک مدینہ طیبہ میں تشریف فرما رہے پھر نجد کی طرف مختلف قبائل کو دینِ اسلام کی دعوت دینے کے لئے روانہ ہوئے۔ غطفان کے مقام پر کفار کی ایک جماعت سے آمنا سامنا تو ہوا، مگر لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ (ابن خلدون)

۴ھ کے دیگر اہم واقعات

اسی سال حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور حضرت جعفر و عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ محترمہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام المومنین زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صاحبزادے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رحلتِ مبارکہ ہوئی۔

اسی سال حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عقدِ نکاح فرمایا اور اسی سال شعبان المعظم کی چار تاریخ کو ریحانۃ الرسول، نورِ دیدۂ بتول امام شہید و سعید حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

غزوۂ بدرِ صغریٰ

اسی سال غزوۂ بدرِ صغریٰ وقوع پذیر ہوا۔ غزوۂ اُحد میں ابوسفیان نے لاف زنی کی تھی کہ آئندہ سال ہم پھر بدر میں ملیں گے۔ اہلِ ایمان نے جواباً فرمایا تھا کہ ٹھیک ہے، چنانچہ رسولِ عظیم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ طیبہ میں خلیفہ مقرر فرمایا اور علمِ جہاد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو عنایت فرمایا اور پندرہ سو جاں نثار صحابہ کرام کی معیت میں میدان بدر کی طرف روانگی فرمائی۔ دوسری طرف ابوسفیان دو ہزار اشقیاء کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ سے چلا اور تقریباً آٹھ میل کا سفر طے کر کے "مرالظہران" تک پہنچا، مگر شوکتِ اسلام سے اس قدر مرعوب ہوا کہ خشک سالی کا بہانہ بنا کر اسی جگہ سے واپس لوٹ گیا اور بدر میں آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اہلِ ایمان نے آٹھ دن تک میدانِ بدر میں قیام کیا، تجارت کی اور خوب نفع اٹھا کر خوش و خرم پورے اطمینان سے واپس مدینہ طیبہ کو لوٹ آئے۔

سنہ ۵ھ کے واقعات بمطابق ۶۲۶-۲۷ء

اِس سال کے عظیم واقعات میں سے ایک واقعہ غزوۂ خندق بھی ہے، اسے غزوۂ احزاب کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ یہ غزوہ سنہ ۴ھ میں واقع ہوا۔ امام بخاری بھی موسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے سنہ ۴ھ ہی بتاتے ہیں، لیکن ابن اسحاق، صاحب "روضۃ الاحباب" و دیگر اہلِ مغازی سنہ ۵ھ ہی تحریر فرماتے ہیں۔

جنگِ خندق کی وجوہات

علماء سیر و تواریخ نے نقل فرمایا ہے کہ جب بنو نضیر (یہودی) جلا وطن ہو کر خیبر کی طرف روانہ ہو گئے، تو اہلِ ایمان کے خلاف اِن کی نفرت میں شدید اضافہ ہو گیا، چنانچہ انہوں نے پختہ عزم کیا کہ مسلمانوں کا قلع قمع کئے بغیر وہ سکون سے نہیں بیٹھیں گے۔ اس مقصد کے لئے ان کے سرکردہ افراد مثلاً سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع، سلام بن مشکم، حی بن اخطب، ہُود بن قیس اور ابو عمارہ وغیرہ مکہ مکرمہ گئے اور اہلِ مکہ کو رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف خوب اُبھارا۔ کفارِ مکہ تو پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت رکھتے تھے، یہودیوں کی اس برانگیخت نے گویا جلتی پر تیل کا کام دیا۔ پھر یہودیوں اور مشرکینِ مکہ نے اردگرد کے دیگر قبائل کو اپنے ساتھ ملایا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ذی القعدہ سنہ ۵ھ کو دس ہزار کا خونخوار جنگی لشکر جس میں بُت پرست اور یہودی وغیرہ سبھی قبائل شامل تھے، مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا۔

(ابن خلدون، زاد المعاد، روضۃ الاحباب، مدارج النبوۃ)

چونکہ اس جنگ میں کفار کے مختلف قبائل شامل تھے، اس لئے قرآن مجید نے اسے غزوۂ احزاب کا نام دیا۔ اس جنگ میں قریشِ مکہ، بنو کنانہ اور اہلِ تہامہ کی قیادت ابو سُفیان کے ہاتھ میں تھی، جبکہ بنو فزارہ عُقبہ بن حصین، بنو حارث بن عوف اور بنو اشجع و

اہلِ نجد مسعود بن وخیلہ کی زیرِ کمان تھے۔ (تاریخ طبری، جلد ۳)

مسلمانوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق شہر مدینہ کو اغیار کے حملہ سے محفوظ رکھنے کے لیے خندق کھودی۔ تاریخ طبری کے مطابق چار چار گز خندق کی کھدائی اوسطاً ہر صحابی کے حصّہ میں آئی۔ خود رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خندق کھودنے میں صحابہ کرام کے شریکِ کار تھے۔ آپ کا جسم انور مٹی سے بھرا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پوری تندہی سے اس کام میں مصروف ومشغول تھے۔

خندق تیار ہوئی، تو اتنے میں لشکرِ کفار بھی آن پہنچا اور مجبوراً اُن کو خندق کی دُوسری جانب ٹھہرنا پڑا۔ رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ ابن اِم مکتوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو اپنا نائب مقرر فرما کر تین ہزار صحابہ کے ساتھ کفار کے مقابلہ کے لیے تشریف لے آئے اور جبلِ سلع کے قریب قیام فرمایا۔ گو دونوں لشکر آمنے سامنے تھے، مگر ان کے درمیان خندق حائل تھی۔

بنو قریظہ کی بدعہدی بنو قریظہ کے یہودی جو مدینہ طیبہ میں آباد تھے اور ان کا مسلمانوں سے معاہدہ تھا کہ وہ ان کا ساتھ دیں گے۔ بنو نضیر کے سردار حیّ بن اخطب کے بہکانے سے مسلمانوں کے ساتھ غداری پر آمادہ ہو گئے۔ رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کو سمجھانے کے لئے چند صحابہ کرام کو روانہ کیا، مگر بنو قریظہ نے صاف صاف کہہ دیا: محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کون ہے کہ ہم اس کی بات مانیں، اس کا ہم سے کوئی عہد وپیمان نہیں ہے۔ (طبری وسیرت ابن ہشام، جلد ثانی)

اس کے بعد بنو قریظہ کے یہودیوں نے شہر کے امن وامان کو تباہ وبرباد کرنا شروع کر دیا جس سے مسلمانوں کے بچوں اور عورتوں کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین سو مسلمانوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے روانہ فرما دیا۔

فریقین کی جھڑپیں

فریقین تقریباً ایک ماہ تک ایک دوسرے کے مقابلہ میں ڈٹے رہے، اگرچہ درمیان میں خندق حائل تھی بایں ہمہ چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ ایک دن چند شاہسواران قریش جن میں نامور جنگجو ابن عبدوُد (جو اپنے آپ کو ایک ہزار جوانوں کے برابر طاقتور سمجھتا تھا) شامل تھا۔ خندق کو عبور کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے۔ رسُول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے چند صحابہ کرام کی معیت میں بر دست مقابلہ کیا۔ خصوصاً حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا اندازِ جنگ اس قدر نرالا اور محیّر العقول تھا کہ رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ سے حد درجہ خوش ہوئے اور آخرت کے عظیم درجات کی خوش خبری دینے کے ساتھ ساتھ اپنی وہ تلوار بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرما دی جس کا نام ذُوالفقار تھا۔ اس لڑائی میں ابن عبدوُد سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ہاتھوں بُری طرح مارا گیا۔ کچھ کفار نے بھاگ کر جان بچائی اور کچھ واصلِ جہنم ہوئے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زخمی ہونا

اسی دوران حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبان بن قیس بن العرقہ کا تیر لگنے سے زخمی ہو گئے اور یہی زخم بعدازاں آپ کی شہادت کا سبب بنا۔ اس وقت آپ نے دُعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ بنو قریظہ کے انجام تک اُن کو زندہ رکھے۔

ارباب سیر بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن کفار نے خندق کی تقریباً ہر جانب سے حملہ کر دیا۔ جنگ کی شدت رات تک عروج پر رہی، چنانچہ رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی نماز ظہر، عصر اور مغرب قضا ہو گئی۔ نمازوں کی قضا کا حضور

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عالمِ رنج میں کفار کے لیے بددعا فرمائی کہ انہوں نے نمازوں اور خصوصاً صلوٰۃ الوسطیٰ (نمازِ عصر) کی ادائیگی میں رکاوٹ ڈالی تھی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ اذان و اقامت کہیں اور ظہر کی نماز ادا فرمائی، پھر اقامت کہہ کر نمازِ عصر کی جماعت کروائی۔ اس کے بعد اقامت کہہ کر نمازِ مغرب اور آخر میں نمازِ عشاء ادا کی گئی۔

کفار کی بدحواسی اور فرار

حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمتِ عملی نے کفار کے درمیان اختلاف و تفرقہ پیدا کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ ربِ ذوالجلال نے اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس انداز میں امداد فرمائی کہ فرشتوں کی ایک جماعت کو تیز آندھی کے ساتھ بھیجا اور ایسا زلزلہ بپا کیا کہ لشکرِ کفار اُلٹ پُلٹ ہو کر رہ گیا۔ اُن کی دیگیں اوندھے منہ گر پڑیں۔ اُن کے خیمے اُکھڑ کر آندھی میں اڑ گئے۔ اُن کے گھوڑے اُونٹ، بے قابو ہو گئے۔ اُن کے منہ، سر اور آنکھیں سب گرد و غبار سے اَٹ گئے اور اُن پر شدید ہیبت و دبدبہ طاری ہو گیا۔ پھر اُن پر چھوٹے چھوٹے سنگریزوں کی ایسی بارش برسی کہ رات ہی رات کفار میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ اپنا بہت سا سامان بھی ساتھ نہ لے جا سکے۔ اس دوران فرشتوں کے نعرۂ تکبیر یعنی "اللہ اکبر" کی آوازیں مسلسل سنائی دیتی رہیں۔ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اُس دعا کا نتیجہ تھا جو کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ رب العزت میں مانگی تھی۔

غزوۂ بنو قریظہ

کفارِ مکہ کے ذلیل و رسوا ہو کر فرار ہو جانے کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے غلاموں کو ساتھ لے کر ابھی مدینہ طیبہ پہنچے ہی تھے اور غسل تک نہ فرمایا تھا کہ جبریل امین علیہ السلام حاضرِ خدمت ہو گئے اور عرض کیا کہ "اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ فوراً اسی وقت بنو قریظہ پہنچیا

چاہیئے اور اُن کو غداری کی سزا میں) مہلت نہیں دینی چاہیئے۔ دیکھئے میں (جبریل) نے اور میرے ساتھیوں (فرشتوں) نے ابھی تک اپنے جسموں سے ہتھیار نہیں اتارے میں فرشتوں کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف جا رہا ہوں آپ تشریف لے آئیں۔"

(مدارج النبوۃ، ابن ہشام اختصاراً)

اس پر رسُول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ مدینہ طیبہ میں اعلان کر دو: "اے خدا تعالیٰ کے شہسوار (سوار ہو جاؤ) اور تمہیں حکم ہے کہ نمازِ عصر بنو قریظہ پہنچ کر پڑھو" (خیال رہے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ کی روایت میں نمازِ عصر کا ذکر ہے، جبکہ مسلم شریف میں نمازِ ظہر کا ذکر ہے) اور خود رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے علمِ اسلام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تھمایا۔ حضرت ابن اُمِّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں نائب مقرر فرمایا اور اپنے گھوڑے "لحیف" پر سوار ہو کر اس شان سے تشریف لائے کہ آگے آگے حضرت علی المرتضیٰ مع اکابر مہاجرین و انصار (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے عَلمِ اسلام لہراتے ہوئے جا رہے تھے، جبکہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے دائیں بائیں حضرت سیدنا صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور پیچھے دیگر صحابہ کرام آ رہے تھے۔ کم و بیش تین ہزار نفوسِ قدسیہ کا یہ عظیم الشان لشکر شام تک بنو قریظہ کی بستی میں جا پہنچا اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ ابن اسحاق نے مدتِ محاصرہ پچیس یوم، جبکہ ابن سعد نے پندرہ یوم نقل فرمائی۔

اس دوران کعب بن اسد سردار بنو قریظہ نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا کہ "اے گروہِ یہود! "محمد" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم) پر ایمان لے آؤ، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں کہ جن کا ذکر توراۃ میں ہے۔ اگر تم ایمان لے آؤ گے تو تمہارا مال و جان سب محفوظ ہو جائے گا۔ اگر میری یہ بات منظور نہ ہو تو آج ہفتہ کی شب ہے اور مسلمان تم سے بے خوف ہیں (کہ یہودی ہفتہ کے روز لڑائی نہیں کرتے)، تم اُن پر

شب خون مارو، پھر دیکھو کیا ہوتا ہے اور اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو اپنے ہاتھوں سے اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے مسلمانوں پر بے دریغ حملہ کر دو تاکہ اگر ہمیں شکست ہو بھی گئی، تو عورتوں اور بچوں کی فکر نہ ہوگی اور اگر ہم جیت گئے، تو عورتیں اور بچے پھر بھی مل جائیں گے، مگر یہودیوں نے کوئی بھی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ محاصرہ جاری رہا۔

بالآخر محاصرہ سے تنگ آکر بنو قریظہ قلعہ سے باہر نکل آئے اور عرض کیا کہ بنی اوس جو ہمارے حلیف و تعلق دار ہیں، اُن سے فیصلہ کروالیں، ہمارے حق میں وہ جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہوگا۔ رسُولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُن کی اس گزارش کو قبول فرمایا۔ فیصلہ کے لئے بنو اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو غزوہ خندق میں زخمی ہونے کی وجہ سے مدینہ طیبہ میں رہ گئے تھے، طلب فرمایا گیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے تو رسول خدا سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فیصلہ کا اختیار عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "تم جو فیصلہ کروگے، ہمیں منظور ہے"۔ بنو قریظہ نے بھی اقرار کیا کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں، ہمیں بسر و چشم قبول ہوگا۔ بنو قریظہ نے ایک مرتبہ قبل ازیں بھی غداری کی تھی، جسے رسُولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے معاف فرما دیا تھا۔ ان سب باتوں کے پیشِ نظر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فیصلہ دیا کہ "بنو قریظہ کے جنگجو مرد قتل کر دیئے جائیں، ان کے نابالغ لڑکے اور عورتیں و دیگر اسباب مسلمانوں کی ملکیت بنا دیئے جائیں"۔ یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:۔ لقد حکمت فیھم بحکم اللہ۔

"یعنی بیشک تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حکم دیا ہے"۔ (ابن خلدون۔ ابن اسحاق، مدارج النبوۃ)

بنو قریظہ کا انجام

اس کے بعد بنو قریظہ کو بازارِ مدینہ کی طرف لایا گیا اور گہری خندق کھود کر ان میں سے جنگجو مردوں کو قتل کر دیا گیا

ان کی تعداد چھ اور سات سو کے درمیان تھی۔ عورتوں میں صرف بنانہ زوجہ حکم کو قتل کر دیا گیا، کیونکہ اُس نے حضرت خلاد بن سوید بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دیوار کے اوپر سے چکی کا پاٹ گرا کر شہید کر دیا تھا۔ اس قتل کے قصاص میں وہ عورت قتل ہوئی۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اس کے بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس دُعا کا اثر ظاہر ہوا، جو انہوں نے مانگی تھی کہ "اللہ تعالیٰ اُن کو بنو قریظہ کے انجام تک زندہ رکھے" وہ یُوں ہوا کہ روزِ خندق لگے تیر کے زخم سے پھر خون جاری ہو گیا، یہاں تک کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

غزوۂ مُریسیع اسی سال غزوۂ مریسیع واقع ہوا، اسے غزوۂ بنو مُصطلق بھی کہتے ہیں۔ سبب اِس غزوہ کا یہ بنا کہ مشرکین کی مختلف جماعتوں نے بنو مصطلق میں جمع ہو کر اہلِ ایمان پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ ان کا سردار حارث بن ابی ضرار (حضرت ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ) تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی پیش قدمی سے مطلع ہو کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عند البعض حضرت نمیلہ بن عبد اللہ لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ طیبہ میں نائب مقرر فرمایا۔ (ابن خلدون) مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نائب مقرر فرمایا تھا۔ حاشیہ ابن خلدون میں ہے کہ مہاجرین کا جھنڈا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا ہوا، جبکہ بعض دیگر کتب میں ہے کہ مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور انصار کا عَلَم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ مقدمۃ الجیش پر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرما کر بنو مصطلق کی طرف روانگی فرمائی۔ چشمہ مریسیع پر فریقین میں زبردست مقابلہ ہوا۔ نتیجتاً کامیابی نے آگے بڑھ کر اہلِ ایمان کے

قدم چومے۔ مشرکین شکستِ فاش سے دوچار ہوئے اور مالِ غنیمت پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گرفتار شدہ قیدیوں میں بنو مصطلق کے مقتول سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ یہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور بخوشی کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گئیں۔ رسولِ رحمت شفیقِ امت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی عزت افزائی فرمائی اور اُن کی مرضی کے مطابق ان کو اُمہات المومنین میں شامل فرما لیا (تفصیلی واقعہ انشاء اللہ تعالیٰ اُمہات المومنین کے ذکر میں آئے گا) حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس عملِ مبارکہ کا اثر یہ ہوا کہ صحابہ کرام نے بنو مصطلق کے سب قیدیوں کو آزاد فرما دیا (ابن خلدون)

عبداللہ بن اُبی کے خبثِ باطن کا اظہار اس غزوہ سے واپسی پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام اور ایک انصاری صحابی میں جھگڑا ہو گیا، جس پر عبداللہ بن اُبی سیخ پا ہو گیا اور نہایت گستاخانہ انداز میں کہا: لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ۔ (سورۃ المنافقون، آیت ۸) "یعنی اگر ہم مدینہ لوٹے، تو ضرور عزت والے لوگ ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔" اس بدبخت نے عزت والوں سے مراد اپنی ذات اور اپنے ساتھیوں کو لیا اور دوسرے لفظ سے مراد معاذ اللہ اہلِ ایمان کو لیا۔ اس کے علاوہ بھی کئی نازیبا کلمات اپنی زبان پر لایا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ گستاخانہ گفتگو سن کر بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عرض کر دی۔ اس پر عبداللہ بن ابی مکر گیا اور الزام لگایا کہ زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہتان تراشی کی ہے۔ پروردگارِ عالم جل شانہٗ نے سورۃ منافقون (پارہ ۲۸) میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سچائی کی گواہی دے دی۔ بایں ہمہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شانِ رحمت سے کام لیتے ہوئے عبداللہ بن اُبی سے درگزر فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی کی شانِ ایمان

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن اُبی کا بیٹا حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نہایت ثابت القدم صاحبِ ایمان تھا۔ یہ اپنے والد ابن ابی کا بھی بہت زیادہ فرماں بردار تھا۔ جب اُسے اپنے والد کی گستاخی کی اطلاع ہوئی، تو وہ سخت غصہ میں آگیا اور وادیٔ عقیق میں پہنچ کر سرِ راہ کھڑا ہوگیا۔ لشکرِ اسلام اس کے قریب سے گزر کر مدینہ طیبہ میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ خاموشی سے کھڑا رہا، یہاں تک کہ اس کے باپ ابن ابی کی سواری آگئی۔ یہ نیک بخت آگے بڑھا اور اپنے باپ کی سواری کو روک لیا اور نہایت غصہ کے عالم میں کہا کہ "او منافق! مجھے پتہ چلا ہے کہ تو نے میرے آقا رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں یہ گستاخی کی ہے۔ میں اس وقت تک نہ چھوڑوں گا، جب تک تو یہ اقرار نہ کرے کہ سب مخلوق میں سب سے زیادہ عزّت والے رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اور سب سے زیادہ ذلیل تو ہے۔"

اِسی دوران رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور ملاحظہ فرمایا کہ ابنِ اُبی کا بیٹا ننگی تلوار ہاتھ میں پکڑے غصہ میں بھرا ہوا اپنے باپ کا راستہ روکے کھڑا ہے اور اُس کا باپ کہہ رہا ہے: اَنَا اَذَلُّ مِنَ الصِّبْیَانِ وَاَنَا اَذَلُّ مِنَ النِّسَاءِ۔ یعنی میں بچوں اور عورتوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں۔" وَمُحَمَّدٌ اَعَزُّ النَّاسِ۔ "اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سب انسانوں میں زیادہ عزّت والے ہیں۔"
اس پر رسُولِ خدا حبیبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اپنے باپ کا راستہ چھوڑ دو تاکہ یہ مدینہ منورہ میں داخل ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے باپ عبداللہ بن ابی کو چھوڑ دیا۔ (مدارج النبوۃ ودیگر کتبِ سیرت)

اس کے بعد عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا "یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ میرے باپ کو قتل کروانا چاہتے ہیں؟ آپ یہ خدمت میرے سپرد فرما دیجئے، میں خود ابھی اپنے باپ کو قتل کر کے اس کا سر پیش خدمت کر دوں گا۔ آپ کسی دوسرے کی یہ ڈیوٹی لگائیں گے، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا نفس برداشت نہ کرے اور میں اس مسلمان کا مقابلہ کر کے اور کافر باپ کا حمایتی بن کر جہنمی بن جاؤں۔؟" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر ان کو فرمایا کہ "اس کے باپ سے نرمی کی جائے گی۔" (ابنِ خلدون)

قضیۂ افک ہجرتِ نبوی کے پانچویں برس اسی غزوۂ بنو مصطلق سے واپسی پر قضیۂ افک پیش آیا۔ اس واقعہ کو امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے صحیحین میں اور متعدد محدثین نے بروایت زہری بوساطت عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص، عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود (وغیرہم) نقل فرمایا۔ اس جگہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیان کا مفہوم درج کیا جاتا ہے (والعون من اللہ تعالیٰ)

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سفر پر تشریف لے جانے کا ارادہ فرماتے تو ازواجِ مطہرات میں قرعہ اندازی فرماتے اور جس بی بی کا نام نکل آتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ ایک جہاد پر حسبِ معمول قرعہ اندازی فرمائی، تو میرا نام نکل آیا اور مجھے ہمراہی کا شرف میسر آگیا چونکہ یہ واقعہ آیاتِ پردہ کے نزول کے بعد کا تھا، اس لئے میرے لیے لوہے کا ہودج (ایک ڈولی نما شے) بنا یا گیا، میں ہودج میں سوار ہوتی، تو میرا ہودج ہی اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا جاتا اور ایسے ہی اتار لیا جاتا، مجھے ہودج سے باہر نکلنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

اسی طرح ہم مدینہ طیبہ سے چل دیئے۔ جب جہاد سے واپس لوٹے تو مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ کر ایک جگہ اُترے۔ رات ہی کو کوچ کا اعلان ہوا۔ میں ہودج سے نکل کر عجلت میں رفع حاجت کے لئے لشکر سے باہر چلی گئی (تاکہ راستے میں پریشانی نہ ہو) جب واپس اپنے اُونٹ کے پاس آئی تو مجھے پتہ چلا کہ میرا ہار جو کہ مہرہائے ظفار (عقیق یمنی) سے بنا ہُوا تھا کہیں گر گیا ہے، میں اُس کی تلاش میں دوبارہ رفع حاجت والی جگہ پر چلی گئی اور ہار تلاش کرنے لگی، مجھے کچھ دیر ہوگئی اور میری عدم موجودگی میں میرے ہودج کو اُونٹ پر باندھ دیا گیا۔ لوگ اس گمان میں رہے کہ میں ہودج کے اندر موجود ہوں، چونکہ اُس زمانے کی عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، ان پر گوشت چڑھا ہوا نہیں ہوتا تھا علاوہ ازیں میں ابھی کم سن تھی، اس لئے ہودج اُٹھانے والوں نے محسوس نہ کیا کہ میں اس میں نہیں ہوں اور وہ خالی ہودج اُونٹ پر لاد کر چل دیئے۔ جب میں ہار ڈھونڈھ کر آئی تو سب جا چکے تھے اور پڑاؤ خالی تھا۔ مجبوراً میں اُسی جگہ اس خیال میں ٹھہر گئی کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجھے نہ دیکھیں گے، تو ضرور مجھے تلاش کرنے کے لئے واپس تشریف لائیں گے میں اپنی جگہ بیٹھی تھی کہ اچانک نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گئی۔ حضرت صفوان بن معطل (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) لشکر کے پیچھے رہا کرتے تھے۔ اُن کی ڈیوٹی تھی کہ لشکر کے پیچھے پیچھے چلیں تاکہ کسی کی گری پڑی چیز اُٹھا کر اُس کے مالک تک پہنچا ئیں۔ جب صبح ہوئی تو صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر کے پڑاؤ کی جگہ پر پہنچے، انہوں نے مجھے سوتے ہوئے دیکھ کر سمجھا کہ شاید کوئی لشکری سوتا رہ گیا ہے، لیکن مجھے دیکھتے ہی وہ پہچان گئے، کیونکہ آیاتِ پردہ نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا، اس پر انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہا۔ میں ان کے اس آیہ مبارکہ کے پڑھنے کی آواز سے بیدار ہوگئی اور جلدی سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! اُنہوں نے نہ تو مجھ سے کوئی بات کی اور نہ ہی سوائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے

میں نے کوئی لفظ ان کی زبان سے سنا انہوں نے اپنی اونٹنی میرے قریب لاکر بٹھادی اور اس کا گھٹنا باندھ دیا۔ میں اٹھی اور اونٹنی پر سوار ہوگئی۔ (حضرت) صفوان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اونٹنی کی مہار پکڑی اور پیدل چلنے لگے۔ دوپہر تک ہم اپنے لشکر تک جا پہنچے، جو ایک منزل میں پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ ہمارا گزر منافقین کے گروہ کے قریب سے ہوا، وہاں عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے میرے بارے میں تہمت تراشی شروع کردی۔ تہمت تراشیوں کا پیشوا عبداللہ بن ابی تھا جو ہر جگہ یاوہ گوئی اور چرچا کر رہا تھا۔ بعض مخلص مومنین بھی اس کے مکروہ پروپیگنڈے کا شکار ہوگئے، جن میں حضرت حسان بن ثابت، حضرت مسطح اور حضرت حمنہ بنت جحش (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی شامل تھے۔ میں مدینہ طیبہ پہنچ کر بیمار ہوگئی۔

مجھے اس بات کا کوئی علم نہیں تھا ایک شب میں ام مسطح کے ساتھ رات کو رفع حاجت کے لئے نکلی، تو واپسی ام مسطح کا پاؤں ان کے دامن میں الجھا، وہ گرنے لگی تو اس کے منہ سے نکلا "مسطح مرے"۔ میں نے اعتراض کیا کہ تم نے ایک بدری صحابی کے متعلق یہ نازیبا کلمات کیوں کہے؟ ام مسطح نے کہا: "اے بیٹی! تجھے کیا معلوم کہ (میرے بیٹے) مسطح نے تیرے بارے میں کیا کہا ہے؟ میں نے انکار کیا، تو اس نے تہمت تراشوں کی کہی ہوئی بات مجھے سنادی۔ یہ روح فرسا خبر سن کر میری بیماری مزید بڑھ گئی۔ میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے والدین کے ہاں چلی گئی تاکہ مجھے والدین سے یقینی خبر مل جائے۔ میری والدہ نے مجھے اس خبر کی شہرت کے بارے میں بتایا اور تسلی دی کہ حاسد لوگ طرح طرح کی باتیں بنایا کرتے ہیں۔ میں اس صورت حال سے مطلع ہوکر ساری رات سخت پریشانی کے عالم میں روتی رہی، صبح تک نہ تو میرے آنسو تھمے اور نہ ہی نیند آئی۔ پھر دن بھر بھی اسی حال میں گزرا، میرا چین و سکون برباد ہوچکا تھا۔ اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی بھی نازل نہ ہوئی

رسُولِ محترم نبی مکرّم صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تحقیق حال کے لئے اپنی خادمہ "بریرہ" رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی پوچھا۔ جب پاکدامنی متحقق ہوگئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہٖ آلہٖ وسلم منبر شریف پر جلوہ افروز ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ "مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے اپنی اہلیہ کے بارے میں اچھائی ہی معلوم ہوئی ہے، اور لوگ اس بارے میں جس آدمی (صفوان) کا نام لے رہے ہیں، مجھے اُس کے اندر کوئی بُرائی نظر نہیں آتی۔ عبداللہ بن ابی اور اُس کے ساتھیوں کی الزام تراشی سے مجھے تکلیف پہنچی ہے" اس پر بنوخزرج اور بنو اوس کے درمیان بحث و تکرار شروع ہوگئی۔ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہٖ آلہٖ وسلم نے اُن کو خاموش کردایا اور خود بھی خاموشی اختیار فرمائی"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا "اس روز میں دن بھر بھی روتی رہی اور پوری رات بھی میرے آنسو نہ تھمے، نیند کوسوں دُور تھی ــ والدین کو اندیشہ لاحق ہوگیا کہ یہ روتے روتے ہلاک ہوجائے گی۔ وہ مجھے برابر تسلی دے رہے تھے، مگر مجھے سکون نہ ملتا تھا۔ کچھ دیر بعد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہٖ وآلہٖ وسلم تشریف لائے اور میرے قریب تشریف فرما ہوئے۔ قبل ازیں جب سے چہ میگوئیاں شروع ہوئیں، رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہٖ وآلہٖ وسلم میرے پاس تشریف فرما نہ ہوئے تھے۔ اس طرح ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا تھا اُس روز رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور پوچھا کہ کیا حال ہے؟ میری والدہ نے عرض کیا کہ بخار اور لرزہ ہے۔ میری کمزوری بھی حد سے بڑھ گئی تھی۔ رسُول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہٖ وآلہٖ وسلم نے کلمہ شہادت پڑھ کر فرمایا "اے عائشہ! مجھے تمہارے متعلق ایسی ایسی خبر ملی ہے۔ سُنو! اگر تم بری اور پاک ہو تو اللہ تعالیٰ عنقریب وحی نازل فرما کر تمہاری پاکدامنی کا اعلان کردے گا، لیکن اگر تم سے کوئی غلطی یا کوتاہی ہوچکی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور توبہ کر، کیونکہ جب بندہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرکے اپنے پروردگار سے معافی مانگتا ہے، تو اللہ تبارک و تعالیٰ سب گناہ معاف فرما دیتا ہے۔"

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی گفتگو مکمل فرما چکے تو مجھے ایک اعتبار سے سکون سا آگیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کلام مبارک میں میرے لئے خوش خبری اور بشارت تھی، میرے آنسو تھم گئے تھے۔ میں نے اپنے والدین سے عرض کیا کہ رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو کا جواب دیں، مگر انہوں نے معذوری ظاہر کردی آخر میں نے خود ہی کہا، "میں نوعمر لڑکی تھی، قرآن کریم زیادہ نہیں پڑھا تھا، اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے جان لیا کہ آپ نے لوگوں سے یہ بات سن کر اپنے دل میں جمالی ہے اور اسے سچ سمجھ لیا ہے۔ اب اگر میں عرض کروں کہ میں اس سے پاک ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں، تو آپ (شاید) میری تصدیق نہیں فرمائیں گے اور اگر میں اعتراف کروں، حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس فعل سے پاک ہوں، تو آپ (غالباً) مجھے سچا جانیں گے اب میں اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہتی ہوں کہ میں اپنے اور آپ کے بارے میں سوائے اس کے کوئی مثال نہیں پاتی کہ جو سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے والد گرامی نے کہا تھا:

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝

("اب صبر جمیل ہی ہے اور اللہ تعالیٰ مدد فرمانے والا ہے اس پر کہ جو کچھ تم بیان فرما رہے ہو۔")

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ میں یہ تو جانتی تھی کہ چونکہ میں سچی ہوں، اس لئے اللہ تعالیٰ میری پاکدامنی سے اپنے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو مطلع فرما دے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! میں سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ میرے بارے میں اللہ تعالیٰ ایسی وحی (قرآن کریم) نازل فرمائے گا جسے قیامت تک پڑھا جائے گا، کیونکہ اپنے وجود میں میری شان بہت کمتر ہے، اس لائق نہیں۔ مجھے امید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رب کریم جل شانہ کوئی نہ کوئی ایسا خواب ضرور دکھا دے گا، جس سے میری پاکدامنی ثابت ہو جائے گی مگر اللہ تعالیٰ کی قسم! ابھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے اور

نہ ہی میرے والدین میں سے کوئی اُٹھا تھا کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر آثارِ وحی نمودار ہو گئے۔ نزولِ وحی کے وقت رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مقدس پر سخت سردی کے زمانے میں بھی چاندی کے موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ بہرحال، جب وحی نازل ہو چکی، تو رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسکراتے ہوئے جو جملہ سب سے پہلے ادا فرمایا، وہ یہ تھا:-

عَائِشَةَ أَمَّا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَقَدْ بَرَّأَكِ -

"اے عائشہ! (مبارک ہو) اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تمہیں اس الزام سے بری فرما دیا ہے۔"
اس پر میری والدہ محترمہ نے فرمایا، عائشہ! اٹھو اور رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا شکریہ ادا کرو، مگر (اُس وقت میں نے جذبات سے بے قابو ہو کر) میں نے عرض کی کہ خدا تعالیٰ کی قسم میں ان کی بجائے اللہ تعالیٰ جل شانہ کا شکر ادا کروں گی کہ جس نے میری پاکدامنی کا اعلان فرمایا۔ اس کے بعد رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قرآنِ کریم کی تلاوت فرمائی جو اس وقت آیات نازل ہوئی تھیں: اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ .... دس آیاتِ مبارکہ (یعنی سُورۃ النور کی گیارہ سے لے کر اکیس تک آیاتِ مبارکہ)
ازاں بعد تاجدارِ عرب و عجم رسُولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہایت خوش و خرم مسجدِ نبوی شریف میں جلوہ گر ہوئے اور صحابہ کرام کو جمع فرما کر خطبہ ارشاد فرمایا، اور نازل شدہ آیاتِ مبارکہ کو صحابہ کرام کے سامنے تلاوت فرمایا۔
مروی ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مذکورہ آیاتِ مبارکہ کی تلاوت فرما چکے، تو الزام تراشی کرنے والوں کو طلب فرمایا اور ان پر حدِ قذف جاری فرماتے ہوئے اسی اسی کوڑے لگوائے۔ (بخاری، مسلم، مظہری، مدارج و دیگر کتب سیر و احادیث)
نوٹ، امہات المومنین خصوصاً حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شرف و اعزاز کا اندازہ لگانے کے لیے قرآن کریم پارہ اٹھارہ سُورۃ النور کی گیارہ تا چھبیس آیات کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

حضرت سیدہ ام المومنین زینب بنت جحش (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہجرت کے پانچویں سال حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی شادی اور آیۂ حجاب کا نزول نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اہل سیر نقل فرماتے ہیں کہ ان ہی کے زفاف میں آیۂ حجاب کا نزول ہوا۔ یعنی قبل ازیں اسلام میں عورتوں کو مردوں سے پردہ کرنے کا حکم نہیں تھا۔ یہ حکم اسی سال نافذ فرمایا گیا۔ (مدارج النبوۃ)

خیال رہے کہ علامہ ابن خلدون نے غزوۂ بنی مصطلق اور اس سے متعلقہ واقعات کو ۶ھ میں ذکر فرمایا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ہجرتِ نبوی کا چھٹا سال (۶ھ) بمطابق ۶۲۷-۲۸ء

ہجرتِ مدینہ منورہ کے چھٹے سال میں پیش آنے والے بہت سے واقعات میں سے چند اہم واقعات یہ ہیں:

حضرت ابوالعاص بن ربیع (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا قبولِ اسلام ابوالعاص بن ربیع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادی حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر تھے۔ چونکہ ابتدائے اسلام میں مشرک مردوں اور عورتوں کا مومن مردوں اور عورتوں سے نکاح جائز تھا، اس لئے ابوالعاص کے مشرک ہونے کے باوجود سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُن کی زوجیت میں تھیں۔ غزوۂ بدر کے دن اُن کو گرفتار کر کے بارگاہِ اقدس میں پیش کیا گیا تو رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بھی دوسرے قیدیوں کی طرح فدیہ طلب فرمایا، جس پر سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مکہ مکرمہ سے فدیہ کے طور پر

ہار بھیجا جو کبھی حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گلوئے مبارک کی زینت ہوا کرتا تھا اور یہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز میں ملا تھا۔ جب رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہار دیکھا، تو اُم المومنین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی یاد آگئی اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رقت طاری ہوگئی۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا اگر تم ابوالعاص سے فدیہ نہ لو اور احسان کرتے ہوئے ان کو چھوڑ دو تو بہتر ہوگا۔ صحابہ کرام نے اس مبارک خواہش کو بسر و چشم قبول کر لیا۔ رسولِ محترم نبی محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابُوالعاص کو آزاد فرماتے ہوئے حکم دیا کہ "میری بیٹی زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو مدینہ طیبہ بھیج دیں۔" جب ابوالعاص مکہ مکرمہ واپس گئے۔ تو مشرکین مکہ کے شدید اصرار اور رکاوٹ کے باوجود ابوالعاص نے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینہ طیبہ بھیج دیا۔

سنہ ۶ھ جمادی الاوّل میں یہ ستّر دیگر کفار کے ساتھ ملکِ شام سے واپس آرہے تھے کہ مدینہ طیبہ سے چار میل کے فاصلہ پر موضع عیص میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ قیادت مسلمانوں کی سپاہ سے ان کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ ابوالعاص کو گرفتار کر کے بارگاہِ اقدس میں پیش کیا گیا۔ ان کے پاس مشرکین مکہ کا بہت سا تجارتی سامان بھی تھا۔ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سفارش پر رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پھر آزاد فرما دیا۔ مزید مہربانی یہ فرمائی، وہ سب سامان تجارت بھی واپس فرمایا۔ اس پر بعض احباب نے یہ مشورہ دیا کہ مسلمان ہو جاؤ اس طرح یہ سب مال تمہارا ہو جائے گا۔ ابوالعاص نے کہا: "خدا کی قسم! میں اپنے ایمان کو دُنیا کے اس مال سے آلودہ نہیں کروں گا۔ یعنی اس لالچ میں مسلمان نہیں ہوں گا۔ پھر ابوالعاص مکہ مکرمہ کو چلے گئے۔ سب لوگوں کا مال اُن کے سپرد کر کے پوچھا، بتاؤ تم میں سے کسی بھی

شخص کا کوئی حق مجھ پر باقی تو نہیں رہ گیا جسے میں نے ادا نہ کیا ہو؟ سب لوگوں نے ابوالعاص کی تعریف و تحسین کرتے ہوئے اقرار کیا کہ آپ نے ہم احسان کیا کہ اپنی جان پر کھیل کر ہمارا مال بچا لیا۔ اس پر حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلند آواز سے کلمۂ شہادت پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان فرما دیا۔ (اسد الغابہ)

واقعاتِ حدیبیہ

ہجرت کے چھٹے برس ماہ ذی قعدہ میں پیر کے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ سے ادائے عمرہ کے لئے عازم مکہ مکرمہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مختلف روایات کے مطابق تیرہ سو یا پندرہ سو کے قریب صحابہ کرام تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کے اظہار کے لئے کہ ہمارا ارادہ جنگ کرنے کا نہیں، قربانی کے اونٹوں کو آگے روانہ فرما دیا تھا۔ مزید برآں مدینہ طیبہ سے احرام عمرہ بھی باندھ لیا تھا، اس کے باوجود قریش مکہ نے اس کی خبر پاتے ہی لڑائی کی تیاری شروع کر دی اور پروگرام بنایا کہ مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے خالد بن ولید کی زیرِ کمان ایک دستہ سواروں کا کراع الغمیم کی طرف بڑھایا۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ سے بچنے کے لئے عام راستہ کو چھوڑ کر ثنیۃ المرار کا راستہ اختیار فرمایا اور مقامِ حدیبیہ تک جا پہنچے۔ یہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ شاید اونٹنی تھک گئی ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْلِ۔

"لیکن اسے ہاتھی روکنے والے (یعنی اللہ تعالیٰ) نے روک دیا ہے۔"

چونکہ قریش پوری طرح لڑائی پر آمادہ تھے اور نہ چاہتے ہوئے بھی کشت و خون ریزی کا اندیشہ تھا، شاید اسی لئے بحکم خداوندی ناقہ رکی تھی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے خدا تعالیٰ کی قسم! آج اگر قریش میرے لئے رکاوٹ نہ بنتے، تو وہ بہ نظرِ صلۂ رحم مجھ سے جو مانگتے میں ان کو دے دیتا" پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سواری سے اتر آئے اور صحابہ کرام کو بھی قیام کا حکم ارشاد فرمایا۔ صحابہ کرام نے اس جگہ پانی کی کمی کی شکایت کی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر دیا۔ صحابہ کرام نے حسب الحکم وادی کے ایک پتھر میں گاڑ دیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس پتھر سے پانی کے چشمے بہا دیئے جس سے پورا لشکر سیراب ہو گیا۔ مؤرخین کے مطابق یہ عمل کرنے والے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ (ابن خلدون)

پانی کی فراہمی کا اعجاز مذکورہ بالا واقعہ کے سوا مدارج النبوۃ میں اس قسم کے کئی واقعات ہیں، مثلاً کنوئیں کا پانی جاری ہونا کلی کی برکت سے پانی بڑھ جانا اور اسی طرح سے بارگاہِ اقدس میں عرض کیا گیا کہ پانی ختم ہو گیا ہے۔ اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پانی کا ایک بڑا پیالہ (آبخورہ) پڑا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے وضو فرمایا۔ پھر صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا "تمہارا کیا حال ہے"؟ صحابہ کرام عرض گزار ہوئے کہ آپ کے اس پیالے کے سوا پورے لشکر میں پانی نہیں ہے۔ نہ وضو کیلئے اور نہ ہی پینے کے لئے، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پیالے میں اپنا دست مقدس رکھ دیا۔ (حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ) ہم نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان پانی چشموں کی طرح اُبلنے لگا، یہاں تک کہ پورے لشکر نے پانی پیا بھی اور وضو بھی کیا۔ سالم بن ابی الجعد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ تم اُن دنوں کتنے آدمی تھے؟ تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر ہم ایک لاکھ ہوتے تب بھی پانی کافی ہوتا ویسے ہم پندرہ سو تھے۔ (بخاری عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

کفّار سے نامہ و پیام جب مشرکینِ مکّہ نے دیکھا کہ حضور نبی اکرم رسُولِ معظّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حرمِ محترم کی عزت و حرمت کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے جنگ سے گریزاں ہیں، تو وہ مغرور ہو گئے اور دیگر قبائل عرب پر یہ ثابت کرنے کیلیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم (معاذ اللہ تعالیٰ) ہم سے دب گئے ہیں، اُن کو درمیان میں لے آئے۔ چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے بدیل بن ورقہ خزاعی کو رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ وہ اہلِ ایمان کو بتا دے کہ اُن کو مکّہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ بدیل نے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر قریش کی طرف سے گفتگو کی، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات عالیہ سے اس قدر متاثر ہوا کہ واپس جا کر سمجھانا بجھانا شروع کر دیا۔ قریش نے بدیل پر الزام لگا دیا کہ اس نے مسلمانوں سے سازش کر لی ہے، اس لئے انہوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا۔ اس نے رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے گفتگو بھی کی اور اُس نے یہ بھی دیکھا کہ صحابہ کرام رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے کمال درجہ کی محبت و عقیدت رکھتے ہیں، مثلاً اُس نے دیکھا کہ جب حضور سرورِ عالم نورِ مجسّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم وضو فرماتے ہیں، تو صحابہ کرام پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے، بلکہ اس غسالہ وضو کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور چہروں پر مل لیتے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کلی فرماتے ہیں یا لعابِ دہن (یعنی تھوک مبارک) پھینکتے ہیں، تو صحابہ کرام اس کے حصول کے لئے اس قدر تگ و دو کرتے ہیں گویا کہ ابھی لڑ پڑیں گے جس کو لعابِ دہن مل جاتا ہے، وہ جلدی جلدی اسے اپنے منہ پر مل لیتا ہے اور جسے نہیں ملتا، وہ اس کے ہاتھوں سے ہاتھ مل کر ہی منہ پر مل لیتا ہے۔ کنگھی شریفہ فرماتے وقت اگر کوئی بال نکل آتا ہے تو نہایت عزت و احترام سے تبرک جان کر لے لیتے ہیں۔

صحابہ کرام کے اس عمل سے عروہ بہت متاثر ہوا اور مشرکین مکہ سے جا کر کہا میں نے
دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اور مغرور سلاطین دیکھے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی قسم! میں کسی بھی
بادشاہ کے درباریوں کو ایسا ادب و احترام کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جیسا کہ حضرت محمد
(صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) کے صحابہ کرام ان کا کرتے ہیں"۔ عروہ نے تفصیل بیان
کرتے ہوئے کہا: ان سے نہ الجھنا چاہیے۔ مجھے امید ہے کہ جب تک ان کا ایک صحابی
بھی زندہ رہا، تم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) تک نہیں پہنچ سکو گے۔ بہتر ہے
کہ تم ان کو زیارت حرم کی اجازت دے دو، مگر مغرور قریش نے انکار کر دیا۔

حضرت حراش بن امیہ (رضی اللہ عنہ) قاصدِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

جب قریش کی طرف سے کئی وفد آئے اور چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حراش بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے اونٹ
پر سوار کر کے مکہ مکرمہ میں بھیجا تاکہ مشرکین کو سمجھائیں، مگر ان مغرور و سرکش مشرکین نے
اونٹ کو قتل کر دیا اور حراش بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے در پے ہو گئے، مگر ان کی قوم کے
جو افراد مکہ میں تھے، انہوں نے ان کو مشرکین کے چنگل سے نجات دلائی۔

حضرت عثمان غنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی روانگی

اس کے بعد حضور نبی اکرم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت
عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا مگر مشرکین ٹس سے مس نہ ہوئے، بلکہ حضرت عثمانِ غنی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی محبوس کر لیا۔ جب حضرت سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اور آپ کے ساتھ جانے والے دیگر صحابہ کرام میں سے کوئی بھی واپس نہ آیا تو یہ خبر مشہور ہو گئی
کہ قریشِ مکہ نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر دیا ہے مدارج

بیعتِ رضوان

اس خبر کے مشہور ہوتے ہی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم
ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر تشریف فرما ہو گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جنگ میں ثابت قدم رہنے کی بیعت لینے لگے کہ اگر بالفرض جنگ ہوئی تو وہ جان کی بازی لگا دیں گے، مگر کسی بھی حالت میں پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

بیعتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب سب صحابہ کرام بیعت کر چکے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا بایاں ہاتھ بلند فرما کر صحابہ کرام سے فرمایا: "یہ عثمان کا ہاتھ ہے"۔ پھر اس ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا: "عثمان کی طرف سے میں خود بیعت کرتا ہوں"۔ (سبحان اللہ تعالیٰ زہے قسمت زہے مقدر)

مشرکین کی بدحواسی جب قریش کے مغرور وسرکش و نادان مشرکین کو اس بیعت کی خبر پہنچی، تو اُن کے ہوش اڑ گئے، نہایت بدحواسی کے عالم میں صُلح کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے سہیل بن عمرو کو ایک وفد کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں بھیجا۔ گفت و شنید کے بعد یہ بات طے پائی کہ اس سال مسلمان قربانی کر کے واپس چلے جائیں گے۔ آئندہ سال آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں بغیر کسی ہتھیار کے صرف تلوار نیام میں بند لیکر داخل ہوں گے اور تین دن تک قیام کریں گے۔ یہ صلح دس سال تک قائم رہے گی ایک دوسرے کو کسی قسم کی کوئی ایذا نہیں پہنچائی جائے گی۔ نیز جو کوئی کفارِ مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں سے جا ملے، اسے واپس کر دیا جائے گا، لیکن اگر کوئی مسلمان (معاذ اللہ) مُرتد ہو کر کفار سے آن ملا، تو واپس نہ کیا جائے گا۔ اس بات پر مسلمان بھڑک اُٹھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب کو خاموش کرا دیا اور ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ اس میں بھی مسلمانوں کے لئے بہتری کی کوئی صُورت پیدا فرما دے گا"۔ صلح نامہ کا مضمون حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے تحریر فرمایا۔ کفار کے اعتراضات کی وجہ سے چند ایک رُکاوٹیں بھی پیدا ہوئیں، مگر رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے شانِ کریمی سے کام لیتے ہوئے درگزر فرمایا اور معاہدہ تحریر ہو گیا۔

ابو جندل بن سہیل کی آمد

ابھی عہدنامہ تحریر کیا جا رہا تھا کہ سہیل بن عمرو کا بیٹا حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ گرتے پڑتے حاضرِ خدمت ہو گئے۔ یہ پہلے ایمان لا چکے تھے اور ان کے باپ سہیل بن عمرو نے ان کو زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ یہ کسی نہ کسی طرح آزاد ہو کر حدیبیہ میں پہنچ گئے۔ سہیل اپنے بیٹے کو دیکھتے ہی چلا اُٹھا کہ: اوّل ما نقاضی علیہ۔
"یعنی یہ پہلا وہ شخص ہے جس پر ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہونا ہے۔"

حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو اپنی داستانِ غم سنائی اور باپ کی طرف سے ملنے والی سزاؤں کا ذکر کیا، تو صحابہ کرام کے دل بھر آئے، اُن کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ وہ ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خاطر کچھ بھی کرنے کے لئے تیار ہو گئے مگر رسولِ برحق نبیِ صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ابو جندل! ہم وعدہ خلافی نہیں فرماتے، تم واپس چلے جاؤ، اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے لئے آسانی پیدا فرمائے گا اور تمہاری رہائی کا سبب پیدا فرما دے گا۔" چنانچہ حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس کر دیا گیا۔

قیدیوں کا تبادلہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکہ مکرّمہ جانے کے بعد کفارِ مکہ کے تیس سے پچاس افراد پر مشتمل ایک گروہ نے مسلمانوں پر شب خون مارنے کی کوشش کی، مگر اہلِ ایمان نے ان سب کو گرفتار کر لیا تھا۔ یہ ابھی تک مسلمانوں کی قید میں تھے۔ قریشِ مکہ کے مذکورہ بالا وفد نے اُن کی رہائی کا مطالبہ کیا، تو رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب تک عثمان اور اُن کے ساتھیوں کو رہا نہیں کیا جاتا، میں تمہارے قیدی رہا نہیں کروں گا۔" اِس پر سہیل بن عمرو اور اس کے دُوسرے ساتھیوں نے مکہ مکرمہ میں پیغام بھیجا، تو حضرت عثمانِ غنی اور اُن کے ساتھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) رہا ہو کر بارگاہِ اقدس

میں پہنچ گئے، تو حسبِ وعدہ کفار کے قیدی رہا کر دیئے گئے۔

بعد صُلح حُدیبیہ قربانی صُلح کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُونٹوں کو نحر فرمایا (یعنی قربان کیا) اور سرِ انور کو منڈوایا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں صحابہ کرام نے بھی ہدی کے جانور ذبح کئے اور سر منڈوا کر احرام کھول دیئے۔

سلاطینِ زمانہ کو دعوتِ اسلام کے خطوط

اسی سال رسُول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اطراف و اکناف کے سلاطین اور بادشاہوں کو وفود اور فرامین ارسال فرمائے۔ بعض اہل سیر کا خیال ہے کہ ترسیل فرامین کا عمل ہجرت کے ساتویں سال ماہِ محرم سے تعلق رکھتا ہے۔ چونکہ یہ عمل مبارکہ ترسیلِ فرامین چھٹے سال کے بالکل آخر اور ساتویں کے ابتدا میں واقع ہوا، اس لئے اشتباہ پیدا ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (مدارج النبوۃ)

انگشتری یا مُہر مُبارک رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب شاہانِ زمانہ کو خطوط ارسال فرمانے کا ارادہ فرمایا تو صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، بادشاہ لوگ اس خط کو اہمیت نہیں دیتے کہ جس پر مہر لگی ہوئی نہ ہو۔ اس پر الہامِ خداوندی سے رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی، اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا اور حکم مبارک کے موافق اس نگینہ پر "محمد رسُول اللہ" اس انداز کا لکھا تھا کہ پہلی سطر میں لفظ اللہ دوسری سطر میں رسول اور تیسری سطر میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھا۔ یعنی (اللہ رسول محمد) اِس انداز میں۔ (مدارج النبوۃ)

ایسی مُہر مُبارکہ ثبت فرما کر جن سلاطین زمانہ کے نام رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نامہ ہائے اقدس روانہ کیے گئے، اُن میں ایک نجاشی شاہِ حبشہ ہیں۔ دُوسرا ہرقل شاہ رُوم، تیسرا کسریٰ شاہِ فارس، چوتھا مقوقس حاکمِ اسکندریہ، پانچواں حارث بن ابی شمر غسانی حاکمِ شام، چھٹا ہودہ بن علی حاکمِ یمامہ (نجد) اور عند البعض ساتواں منذر بن ساوی حاکمِ بحرین ہے۔

رسُول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس قاصد کو جس ملک کی طرف روانہ فرمایا، وہ قاصد اُس کی زبان سے واقف ہوتا تھا۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۱) اور یہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا معجزہ تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحابہ کرام کو اُن ممالک کا زبان دان بنادیا جہاں انہیں بھیجا گیا۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲) ذیل میں مذکورہ بالا حکام کی طرف تحریر کیے گئے خطوط کی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

(۱) شاہِ نجاشی کے نام

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو خط عطا فرما کر حبشہ کے فرماں روا حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف روانہ فرمایا۔ ایک خط میں تو شاہِ نجاشی کو دعوتِ اسلام دی گئی تھی اور دُوسرا خط حضرت ام المومنین اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق تھا۔ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نامہ مبارک وصول کر کے تعظیماً اپنی آنکھوں سے لگایا اور ازراہِ احترام اپنے تخت سے اُتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔ (کتاب الوفا جلد ۲، تاریخ طبری)

پھر اُس نے ترجمان کو بُلوا کر نامہ اطہر پڑھنے کا حکم دیا۔ فرمانِ رسالت مآب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کچھ یوں تھا:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط من محمد رسول اللہ الی النجاشی عظیم الحبشۃ سلام، علیٰ من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی احمد الیک اللہ الذی

لآ اِلٰه اِلّا ھوالملك القدوس السّلام المؤمن المھیمن واشھد انّ عیسی ابن مریم رُوح اللّٰه وکلمته القاھا الیٰ مریم البتول الطیبة الحصینة فحملت بعیسیٰ من رُوحه ونفخه کماخلق آدم بیدهٖ وَ اِنّی ادعوك الی اللّٰه وحدهٗ لاشریك لهٗ والموالاۃ علیٰ طاعته وان تتبعنی وتؤمن بالّذی جاءنی فانّی رسول اللّٰه وانّی ادعوك وجنودك الی اللّٰه عزّوجلّ وقد بلغت ونصحت فاقبل نصیحتی والسّلام علیٰ من اتبع الھدٰی۔

(اللّٰه رسول محمد)

(خط کی مذکورہ بالا عبارت طبقات ابن سعد جلد ٢، ص ١٥ کے مطابق ہے۔ طبری اور ابن خلدون وغیرہم نے متن میں تھوڑا سا اختلاف کیا ہے، مگر محققین کے نزدیک صحیح عبارت مذکورہ بالا ہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

مکتوبِ گرامی کا ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ محمد رسول اللہ (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم) کی طرف سے شہنشاہِ حبشہ نجاشی کے نام، سلام ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امّا بعد: میں تمہارے سامنے اُس اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ تمام کائنات کا مالک ہے، اُس کی ذات ہر عیب سے ماورٰی ہے۔ سلامتی اور امن کی پناہ گاہ صرف اُسی کی ذاتِ اقدس ہے اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ (حضرت) عیسیٰ ابنِ مریم (علیہ السّلام) رُوح اللہ ہیں اور اُس کا کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے پاک اور عفت مآب مریم (علیہا السّلام) پر القاء فرمایا تو وہ عیسیٰ (علیہ السّلام) سے اُس کی رُوح اور نفخہ سے حاملہ ہوگئیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے (حضرت) آدم (علیہ السّلام) کو اپنے دستِ قدرت سے تخلیق فرمایا

اور میں تم کو وحدہٗ لاشریک کی طرف بُلاتا ہوں اور اُس کی اطاعت، مودّت اور محبت کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم میری پیروی کرو اور میرے پیغام پر یقین کرو تو میں اللہ تعالیٰ کا رسُول آپ کو اور آپ کے لشکر کو اللہ عزّ وجلّ کی طرف بُلاتا ہوں۔ بلاشبہ میں نے پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کر دی۔ تمہیں چاہیے کہ میری اس نصیحت کو تم قبول کرو سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے (سیرت حلبیہ و طبقات)

حضرت نجاشی اس نامۂ اقدس کو سنتے جاتے تھے اور نہایت درجہ متاثر ہوتے جاتے تھے۔ جُوں ہی مضمون ختم ہوا، تو انہوں نے فرطِ شوق و محبت سے نامۂ اقدس کو چوم کر سر پر رکھ لیا اور درج ذیل جواب پیشِ خدمت کیا:

الیٰ محمد رسُول اللہ من النجاشی سلامٌ علیک یا نبیّ اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الذی لا الٰہ الا ھو الذی ھدانی الی الاسلام اما بعد فقد بلغنی کتابک یا رسُول اللہ فیما ذکرت من امر عیسیٰ فورب السماء والارض ان عیسیٰ علیہ السلام ما زاد علیٰ ما ذکرت ثغروقا وانہ کما قلت و قد عرفنا ما بعثتہ الینا وقدم ابن عمک واصحابہٖ واشھدُ انک رسُول اللہ وقد بایعتک وبایعت ابن عمک واسلمتُ علیٰ یدیہ للہ ربّ العالمین وقد بعثت الیک بابنی ان شئت ان اٰتیک فعلت یارسُول اللہ فانی اشھدُ انّ ما تقول حق والسلام علیک ورحمۃ اللہِ وبرکاتہٗ۔ (الوفا ۲، ص ۷۳۵)

ترجمہ: "(حضرت) محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں نجاشی کی طرف سے، اے اللہ تعالیٰ کے نبی آپ پر اس اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں کہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت عطا فرمائی

بعد ازاں (یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) آپ کا نامہ میرے پاس پہنچا۔ آپ نے جو (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے، تو زمین و آسمان کے رب تعالیٰ کی قسم (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام اس سے ذرہ برابر بھی زیادہ نہیں، اور وہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے اور آپ نے جو حکم فرمایا ہے، ہم نے اسے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ آپ کے چچا زاد اور اُن کے رفقاء (بھی) ہمارے پاس تشریف لائے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، بے شک میں نے آپ کی بیعت کی اور آپ کے چچا زاد بھائی کے ہاتھ پر بیعت کی، اُس اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے جو سارے جہانوں کا رب ہے، میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں، اور آپ حکم فرمائیں تو میں خود بھی حاضر ہونے کو تیار رہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں، حق وہی ہے۔ آپ پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو۔"

دُوسرا مکتوبِ گرامی قدر

دُوسرا خط کہ جسے لکھنے کا شرف حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو حاصل ہوا تھا۔ اس میں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تھا کہ حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابی سفیان کو پیغامِ نکاح دیں اور جس قدر مہاجرینِ حبشہ میں ہیں، ان کو مدینہ منورہ روانہ کر دیں۔ حضرت نجاشی نے اپنی طرف سے چار سو مثقال سونا ادا کر کے حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کر دیا۔ (تفصیلی واقعہ ازواجِ مطہرات کے ضمن میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ) اور مہاجرین کو اسبابِ سفر پیش کر کے دو کشتیوں میں بٹھا کر حضرت عمرو بن اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ کر دیا۔ (کتاب الوفاء)

پھر اُس نے ہاتھی دانت کا بنا ہوا ایک خوبصورت صندوقچہ طلب کیا اور کمالِ احترام سے دونوں نامہ ہائے اقدس کو اس میں محفوظ کیا اور فرمایا، جب تک یہ دونوں نامے

ہمارے پاس رہیں گے، جبشہ تمام آفات و بلیات سے محفوظ رہے گا۔ (تاریخ طبری ج ۲، مدارج النبوۃ ج ۲)

اَرحا اصحم بن نجاشی

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت نجاشی نے اپنے بیٹے "ارحا الاصحم" کو ساٹھ حبشیوں کے ہمراہ ایک کشتی پر سوار کر کے بارگاہِ حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف روانہ کر دیا، لیکن اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی کہ یہ کشتی ڈوب گئی۔ اور یہ سب واصلِ بحق ہو گئے۔ (ابن خلدون)

حضرت نجاشی کی وفات

حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ جن کا نام اصحمہ تھا۔ ہجرت نبوی کے نویں سال رحلت فرما گئے۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خبر دی اور چار تکبیروں کے ساتھ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی۔ (مدارج النبوۃ۔ بخاری۔ مسلم)

اس کے بعد دوسرا نجاشی جو کہ حضرت اصحمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جانشین ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی طرف بھی نامہ اقدس ارسال فرمایا۔ لیکن اس کے ایمان لانے یا نہ لانے کا واضح ثبوت مل نہ سکا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

نوٹ: خیال رہے کہ اہلِ حبشہ اپنے بادشاہ کو نجاشی کہتے تھے۔ اسی طرح رُوم کے ہر بادشاہ کو قیصر، ایران کے ہر شہنشاہ کو کسریٰ اور مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔

(۲) مکتوب گرامی قدر بنام قیصرِ رُوم

دوسرے شاہانِ مملکت کی طرح ایک خط حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر رُوم کی طرف بھی ارسال فرمایا۔ یہ خط لے کر جانے والے مشہور صحابی حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اِن کو حکم تھا کہ یہ خط حاکمِ بصریٰ کے پاس لے کر جائیں تاکہ وہ اسے قیصرِ رُوم تک پہنچا دے۔ ان دنوں قیصر شہر "حمص" میں تھا۔

والیٔ بصریٰ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "حمص" بھجوا دیا۔ قیصرِ روم کے "حمص" میں ہونے کا سبب یہ تھا کہ کسریٰ کے ہاتھوں بدترین شکست سے دوچار ہو جانے کے بعد[1] قیصر نے منت مانی تھی کہ اگر اُسے فتح حاصل ہو جائے تو وہ بیت المقدس تک پیدل سفر کرے گا۔ قیصر اپنی اسی منت کو پورا کرنے کے لئے جا رہا تھا۔ اُس کے ظاہری جاہ و جلال کا یہ عالم تھا کہ قیصر جس راستے سے گزرتا، اس پورے راستے میں قالین بچھا دیئے جاتے اور اُن کے اوپر پھولوں کی تہہ بچھا دی جاتی۔ (طبری، جلد سوم)

اور جو شخص بھی قیصرِ روم کے سامنے جاتا، وہ زمین کو چوم کر سجدۂ تعظیمی کو بجا لاتا۔ دربارِ رسالت کے سفیر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمان ذیشان لے کر قیصر کے پاس تشریف لے جانے لگے، تو لوگوں نے ان کو آدابِ شاہی سے آگاہ کرتے ہوئے کہا: "جب تم قیصر کے سامنے پہنچو، تو تختِ شاہی کے قریب جا کر سجدہ کرنا کہ دربارِ شاہی کا یہی دستور ہے۔" حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً فرمایا: "ہم مسلمان ہیں، مجھ سے یہ کام ہرگز نہ ہو سکے گا، کیونکہ ہمارا مذہب اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔"

الغرض حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نامۂ اقدس ہرقل کو عطا فرمایا اس میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد عبداللہ ورسولہ الیٰ ھرقل عظیم الروم سلامٌ علیٰ من اتبع الھدیٰ — امابعد فانی ادعوك بدعایة الاسلام اسلم تسلم یؤتك اللہ أجرك مرتین فان تولیت فعلیك إثم الاریسیین:

---

[1] قرآنِ کریم کی سورۃ الروم میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ تفصیل کے شائقین کسی بھی معتبر تفسیر یا مستند تاریخ کا مطالعہ فرمائیں۔ علامہ الشیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس واقعہ پر "مدارج النبوۃ" میں سیر حاصل بحث فرمائی ہے جو کہ قابلِ مطالعہ ہے۔ ۱۲ منہ

وَيَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

(صحیح بخاری - کتاب الوفا ج ۲)

(اللہ رسول محمد) ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے، اللہ تعالیٰ کے بندے اور اُس کے رسول محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے، بادشاہِ روم ہرقل کی طرف، سلام ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بعد ازاں! میں تمہیں اسلام لانے کی دعوت دیتا ہوں۔ (اگر) اسلام لے آؤ، تو سلامت رہو گے، اللہ تعالیٰ تمہیں دوگنا اجر عطا فرمائے گا اور اگر روگردانی کرو گے، تو رعایا کا گناہ بھی تمہارے سر ہوگا اور اے اہلِ کتاب! اس کلمہ کی طرف آجاؤ، جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا، کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور کسی بھی شے کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور ہم اللہ تعالیٰ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو رب نہیں بنائیں گے۔ اگر تمہیں ان باتوں کا انکار ہے، تو (اے نبی!) تم فرمادو کہ گواہ رہو، ہم مسلمان ہیں۔" (ابن خلدون)

ہرقل نے اُس مکتوب گرامی القدر کو تعظیماً اپنے سر اور آنکھوں پر رکھا، نامۂ اقدس کے مضمون کی ہیبت سے اُس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ (مدارج النبوۃ) اور اُس نے حکم دیا کہ "تلاش کرو کہ میری سلطنت میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جو اس دعویٰ نبوت کرنے والے کا قریبی یا ہم قوم ہو۔" اتفاقاً ابوسفیان بن حرب بغرض تجارت ملکِ شام گیا ہوا تھا اور یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سخت عداوت رکھتا تھا۔ لوگ اسے ہرقل کے سامنے لے آئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ (اسلام قبول کرنے کے بعد) ابوسفیان نے بتایا، "جب ہم یعنی میں اور میرے ساتھی قیصرِ روم کے دربار میں پہنچے، تو اُس نے پوچھا تم میں سے کون ہے جو قرابتداری کے اعتبار سے

(حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا قریبی ہو۔؟ میں نے کہا: "وہ میرے چچا
کے بیٹے ہیں۔" یہ سن کر ہرقل نے میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے کھڑا کر دیا اور تاکید کر دی
کہ میں ابوسفیان سے چند سوالات کروں گا۔ اگر یہ جھوٹ بولے تو تم فوراً جھٹلا دینا۔"
ابوسفیان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر جھوٹ ظاہر ہو جانے پر مجھے ذلت و رسوائی کا
ڈر نہ ہوتا تو میں ضرور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بہت جھوٹ اور بہتان
باندھتا، مجھے سزا اور ذلت کا ڈر تھا، اس لئے میں سچ سچ بتاتا رہا۔ (کتب سیر و تواریخ)

ابوسفیان نے بیان کیا کہ ہرقل نے مجھ سے پوچھا: "اس مقدس ہستی کا
حسب و نسب (خاندان) کیسا ہے؟" میں نے کہا: "نہایت شریف النسب ہیں۔"
ہرقل بولا: "انبیاء کرام علیہم السلام اسی طرح شریف النسب ہوتے ہیں تاکہ اُن کی پیروی
میں کسی کو عار نہ ہو۔" پھر اُس نے پوچھا: "کیا اس سے قبل بھی اس کے خاندان میں کسی
نے دعویٰ نبوت کیا تھا؟" میں نے کہا: "نہیں۔" وہ بولا: "اگر ایسے ہوتا تو میں کہتا کہ
اسے بھی وہم ہو گیا ہے کہ اپنے بڑوں کی تقلید میں دعویٰ نبوت کر بیٹھا۔" پھر ہرقل
یعنی قیصر روم نے پوچھا: "کیا اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟" میں نے کہا:
"نہیں۔" اُس نے کہا: "اگر ایسا ہوتا تو میں یہ سمجھتا کہ خاندانی اثر ہے، اس کو بادشاہت
کی ہوس ہے اور یہ باپ دادا کی سلطنت حاصل کرنا چاہتا ہے۔" "اچھا بتاؤ:
"جن لوگوں نے اس کا مذہب قبول کیا ہے، وہ کمزور، غریب ہیں یا صاحب شریعتی دولتمند؟"
میں نے کہا: "کمزور لوگ اور مسکین لوگ ہیں۔" ہرقل بولا: "پیغمبروں کے ابتدائی پیروکار ہمیشہ
غریب لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔" "یہ تو بتاؤ کہ اس کے پیروکاروں میں دن بدن اضافہ
ہو رہا ہے یا کمی؟" میں نے کہا کہ "دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔" ہرقل نے کہا: "ایمان
کی کشش ہی ایسی ہوتی ہے کہ دن بدن بڑھتی ہی جاتی ہے۔" پھر اُس نے دریافت کیا:
"کیا کسی شخص نے اُس کے دین سے اظہار بیزاری کر کے اسے چھوڑا بھی ہے؟" میں نے

کہا: "ابھی تک تو ایسے نہیں ہوا۔" ہرقل گویا ہوا: "ایمان کی یہ ہی خوبی ہے کہ وہ جبرو اکراہ سے نہیں، بلکہ اپنی صداقت کے ساتھ دل نشین ہوتا ہے۔ ایمان کی لذت کی یہی تاثیر ہے کہ جب وہ دل میں بیٹھ جاتی ہے اور رُوح کو متاثر کر دیتی ہے، تو پھر جدا نہیں ہوتی۔" پھر اُس نے سوال کیا: "بتاؤ! اس کے اس دعوئ نبوت سے قبل تم اپنے تجربہ کے اعتبار سے اسے سچا جانتے اور سمجھتے تھے یا کبھی اُس نے جھوٹ بھی بولا ہے۔ ابی سُفیان کہتے ہیں، میں نے کہا: "نہیں، اُس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔" ہرقل نے کہا: "جو شخص لوگوں سے جھوٹ نہ بولے، وہ اللہ تعالیٰ پر کس طرح جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ پیغمبر نہ کبھی جھوٹ بولتے ہیں اور نہ ہی کسی کو دھوکہ دیتے ہیں۔" اچھا تو یہ بتاؤ: کبھی اُس نے وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے؟" میں نے کہا: "ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا لیکن اب جو صُلح (حدیبیہ) کا معاہدہ ہوا ہے، اس میں دیکھنا ہے کہ وہ اپنے وعدہ پر قائم رہتا ہے یا کہ نہیں؟" ہرقل نے کہا: "پیغمبر عہد شکن نہیں ہوا کرتے۔ پھر پوچھا: کیا کبھی اُن کے ساتھ تمہاری جنگ ہوئی ہے؟" میں نے کہا: "ہاں کئی مرتبہ۔" اُس نے پوچھا: "پھر نتیجہ کیا رہا؟" میں نے کہا: "وہ کبھی غالب آئے اور کبھی ہم۔" ہرقل نے کہا: "رسولانِ خدا کا یہی حال ہوتا ہے، لیکن بالآخر کامیابی و کامرانی ان ہی کے قدم چومتی ہے۔" اچھا تو بتاؤ: "وہ تعلیم کیا دیتے ہیں؟" میں نے کہا: "وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو اُس کا شریک نہ بناؤ، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، باپ دادا کے مشرکانہ طریقہ چھوڑ دو، نماز پڑھو۔" یہ سُن کر ہرقل بولا "آنے والے نبی کی یہی علامتیں ہمیں بتائی گئی ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ عنقریب ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے، لیکن میرا خیال یہ نہ تھا کہ وہ عرب میں ہوگا۔" اور سُنو: "اگر تم نے جھوٹ نہیں بولا تو ایک روز وہ اس جگہ کا جہاں میں بیٹھا ہوا ہوں ضرور مالک ہو جائے گا۔ اے کاش کہ میں اُن کی خدمت میں پہنچ کر اُن کے پاؤں دھوتا۔" (بخاری۔ طبری۔ مدارج النبوۃ)

اللہ اکبر! متلاشیِ حق کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ اُس وقت کا بدترین دشمنِ رسول ابوسُفیان مجبوراً سچی باتیں بتا رہا ہے۔ قیصرِ رُوم عظیم فاتح ہرقل بغیر کسی دباؤ، لالچ یا خوشامد کے اس کی باتوں کی تصدیق و تائید کرتا جا رہا ہے۔ ویسے تعجب ہے کہ ہرقل نے ابوسفیان سے سچ تو اگلوا لیا مگر یہ کیوں نہ پوچھا کہ بھلا تو ایمان کیوں نہیں لایا؟ بہرحال خیال رہے کہ ابوسُفیان فتحِ مکہ کے وقت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترغیب سے مسلمان ہو گئے تھے۔

قیصرِ رُوم ہرقل کی مذکورہ بالا گفتگو اور نامۂ اطہر کی تلاوت کی وجہ سے قیصرِ رُوم کے دربار میں زبردست ہلچل مچ گئی لوگ مشتعل ہو گئے، یعنی اُن کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ شاید قیصر مسلمان ہو جائے گا اور وہ لوگ دینِ مسیحی کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اہلِ دربار کا یہ رنگ دیکھ کر ہرقل نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: خُدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ یہی وہ نبی ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔ ان ہی کی صفات ہم نے کتبِ سماوی میں پڑھی ہیں، لیکن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اُن کی پیروی کی تو رُومی مجھے ہلاک کر دیں گے۔ پھر ہرقل نے کچھ سوچ کر حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضغاطر نامی شخص کے پاس بھیجا۔ یہ شخص نصاریٰ کا پیشوا، دینِ مسیحی کا امام اور آسمانی کتب کا زبردست عالم تھا۔ جب حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے پاس گئے، تو اُس نے بھی یہی کہا کہ خدا کی قسم! (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ تم نے جو صفتیں اُن کی بیان کی ہیں، ان کو ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اور ان کی نبوت میں ہم کوئی شبہ نہیں رکھتے۔" اس کے بعد ضغاطر کھڑے ہوتے اور گرجا میں آ کر کہا: "اے رُوم والو! سنو احمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے ہمارے پاس ایک خط آیا ہے۔ اس خط میں ہمیں دینِ حق کی دعوت دی گئی ہے، اُن کی رسالت حقیقتِ سُورج کی طرح روشن ہے تم اقرار کر لو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اُس کے رسُول ہیں۔"

یہ سنتے ہی وہاں موجود گنواروں اور جہلاء نے جناب ضغاطر پر نیزوں اور تلواروں سے حملہ کر دیا اور اُن کو بے دردی سے شہید کر دیا۔ اس کے بعد حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہرقل کے پاس واپس آئے اور اس تمام واقعہ سے مطلع کیا تو ہرقل نے کہا، میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں نصاریٰ سے ڈرتا ہوں، خدا کی قسم ضغاطر، قوم میں مجھ سے بہتر بزرگ تھے اور اہل رُوم مجھ سے زیادہ اُس کے عقیدت مند تھے۔ (مدارج النبوۃ و دیگر کتب سیرت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمتِ فیضدرجت میں قیصرِ رُوم ہرقل کا جواب:

ہرقل (ہرکولیس) نے پوری کوشش کی کہ امرائے سلطنت اسلام قبول کرلیں لیکن انہوں نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ ہی قیصرِ رُوم ہرقل کی اسلام پسند باتوں کو تسلیم کیا۔ اِس پر قیصرِ رُوم ہرقل نے بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام میں یہ خط ارسال کیا:

ترجمہ: " احمد رسُول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم) کہ جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے بشارت دی ہے، کی خدمتِ اقدس میں رُوم کے بادشاہ قیصر کی طرف سے آپ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کا گرامی نامہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم) کے قاصد سمیت پہنچا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم)، اللہ تعالیٰ کے سچے رسُول ہیں۔ ہم آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم) کا ذکر مقدس انجیل میں پاتے ہیں۔ آپ (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کے بارے میں عیسیٰ ابنِ مریم (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) نے ہمیں بشارت دی ہے۔ میں نے اہل رُوم کو دعوت دی ہے کہ وہ آپ کو تسلیم کرلیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اگر وہ میری بات مان لیتے، تو اُن کے لیے بہتر تھا۔ کاش میں آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم) کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کی خدمت کرنے کا شرف پاتا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے مبارک قدموں کو دھوتا۔ (تاریخ یعقوبی جلد ۲)

یہ سُن کر رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:-

یبقیٰ ملکھم ما بقی کتابی عندھم (تاریخ یعقوبی)
"یعنی جب تک میرا یہ خط اِن کے پاس رہے گا، ان کا ملک سلامت رہے گا"
اگرچہ ہرقل ایمان نہ لایا اور ایمان نہ لانے کا سبب اس کی بادشاہت وسلطنت بنی، بایں ہمہ اُس کے دل میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بے انتہا عزت وعظمت تھی۔ شرح زرقانی علی المواہب لدنیہ میں ہے: "ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نامۂ اقدس کو اپنے سر اور آنکھوں پر رکھا۔ اُسے چوما اور نہایت احترام سے مخمل اور ریشم میں لپیٹ کر ایک قیمتی ڈبیہ میں محفوظ کر کے شاہی خزانہ میں رکھا اور یہ مقدس تحفہ کئی صدیوں تک قسطنطنیہ کے شاہی خزانے میں محفوظ رہا۔" (زرقانی)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا گرامی نامہ بطرف شاہِ ایران

ایرانی بادشاہ خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیراں زرتشت (مجوسی) مذہب کا حامل تھا، وہ آگ کی پوجا کرتا تھا۔ وہ نصف مشرقی دُنیا کا شہنشاہ تھا۔ جس طرح رُوم کے ہر بادشاہ کو قیصر کہتے تھے۔ اِسی طرح ہر ایرانی شہنشاہ کا لقب کسریٰ تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامۂ اطہر عطا فرما کر حکم دیا کہ بحرین کے گورنر منذر بن ساوی کی وساطت سے یہ خط کسریٰ کو پہنچا دیا جائے چنانچہ حسب الحکم حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منذر بن ساوی کے معتمد خاص کی معیت میں کسریٰ کے دربار میں پہنچے اور کسریٰ کو سجدہ کئے بغیر ہی نہایت بہادری اور جرأت کے ساتھ نامۂ اطہر کسریٰ کے سامنے پیش فرما دیا۔ تاریخ طبری کے مطابق خط کا مضمون یہ تھا:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
من محمد رسول اللہ الیٰ کسریٰ عظیم فارس سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ وامن باللہ ورسولہ واشھد ان لا الٰہ

اِلّا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ وانّ محمّدًا عبدہ ورسولہ وادعوک بدعایۃ اللّٰہ فانی انا رسول اللّٰہ الی النّاس کافۃ لانذر من کان ویحق القول علی الکافرین فاسلم تسلم فان ابیت فان اثم المجوس علیک۔ (تاریخ الامم والملوک از علامہ طبری جلد ۲۔ معمولی اختلاف کے ساتھ کتاب الوفاء (تاریخ ابن خلدون)

اللّٰہ رسول محمد

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ (یہ خط) محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی طرف سے کسریٰ شہنشاہِ فارس کے نام ہے، سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور اس بات کی گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) اُس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے پیغام کی دعوت دیتا ہوں، کیونکہ میں دنیا کے تمام انسانوں کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تاکہ میں ہر اُس کو (عذابِ خداوندی کا) ڈر سناؤں جو بھی زندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول کافروں پر ثابت و حق ہو جائے۔ (یعنی منکروں کو جہنم کی سزا ملے گی)، تو مسلمان ہو جا، سلامت رہے گا، لیکن اگر تو نے انکار کر دیا تو تیری تمام مجوسی رعایا کے اسلام کے قبول نہ کرنے کا گناہ تیرے ذمّہ ہو گا۔"

اللّٰہ رسول محمد

ایرانی بادشاہ پرویز بن ہرمز اپنے آپ کو رب سمجھتا تھا اور ہر شخص دربار میں حاضر ہوتے وقت اسے سجدہ کیا کرتا تھا۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے قاصد نے نہ تو اسے سجدہ کیا اور نہ ہی جھک کر آدابِ شاہی بجا لایا تھا۔ پھر جب اُس نے نامۂ اقدس کے مضمون گرامی قدر کو سنا تو نامۂ اقدس کے آزاد لہجے، بے باکانہ ایجاز اور صاف گویانہ انداز

اطب کو دیکھ کر غیض و غضب سے بپھر گیا۔ وہ مغرور و سرکش شخص کہ جس کے آستانۂ عظمت پر
ھول انسان اپنی جبینِ نیاز ذلت کی زمین پر رکھتے تھے۔ حیران تھا کہ اس سرزمین پر کوئی
سا شخص بھی ہو سکتا ہے جس کا انداز بیان اس قدر بے نیازانہ ہو اور جو کسریٰ کے نام سے
ہلے اپنا نام لکھنے کی جرأت کر سکتا ہو کیونکہ عجم کا دستور تھا کہ بادشاہ کو لکھے گئے خط میں
سب سے اوپر مبالغہ آمیز خطابات کے ساتھ بادشاہ کا نام لکھا جاتا اور آخر میں نہایت
نکسارانہ انداز میں خط لکھنے والا اپنا نام لکھتا، مگر اس انوکھے خط کو اللہ تعالیٰ کے پُرعظمت
ور بابرکت نام سے شروع کیا گیا تھا۔ اس کے بعد حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
اسمِ عالی شان تھا، پھر بڑی دلیری اور بے باکی کے ساتھ اسے مخاطب کیا گیا تھا۔
سریٰ کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اس نے طیش میں آکر نامۂ اطہر کو شہید کر دیا اور
ضب ناک لہجے میں گرجا، یکتب الی ھذا وھو عبدی۔ یعنی (معاذاللہ)
یرا بندہ ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے؟" (تاریخ طبری جلد ۳، طبقاتِ ابن سعد جلد ۲)

قاصدِ نبوی کا اہلِ فارس کو انتباہ

اس پر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور نہایت
تحمل اور سنجیدگی کے ساتھ اہل دربار کو مخاطب ہو کر فرمایا: "اے اہلِ فارس! عرصہ
دراز سے تمہاری زندگی ایسی جہالت میں گزر رہی ہے کہ نہ تمہارے پاس خدا تعالیٰ کی
کوئی کتاب ہے اور نہ ہی کوئی پیغمبر خدا تمہارے ہاں مبعوث ہوا ہے۔ (یاد رکھو) جس
سلطنت پر تم کو ناز ہے، یہ خدا تعالیٰ کی بہت ہی مختصر زمین کا ٹکڑا ہے، دنیا میں اس سے
کہیں زیادہ بڑی بڑی حکومتیں ہیں۔" پھر بادشاہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"تجھ سے پہلے بہت سے بادشاہ گزرے ہیں، جنہوں نے آخرت کو اپنا مطمحِ نظر سمجھا
وہ دنیا سے اپنا حصہ لے کر بامراد گیا اور جس نے دنیا کو اپنی خواہش کا مرکز بنایا اس
نے اپنی آخرت کو تباہ و برباد کر لیا۔ افسوس کہ میں نجات و فلاح کا جو پیغام تیرے پاس

لے کر آیا تھا، تو نے اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھا، حالانکہ تو جانتا ہے کہ یہ پیغام تیرے پاس اُس جگہ سے آیا ہے کہ جس کی ہیبت تیرے دل میں موجود ہے۔ بہرکیف یاد رکھ تیرے اس تحقیر آمیز رویّے سے آوازِ حق دب نہیں سکتی۔" (روض الانف جلد ثانی)

حاشیہ تاریخ ابن خلدون (مترجم اُردو) میں ہے کہ بدبخت خسرو پرویز نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر سُن کر حکم دیا کہ اس بے ادب کے کان اور ناک کاٹ کر اسے دربار سے نکال دو۔ یہ حکم پاتے ہی چوبداروں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرفتار کر لیا اور کان و ناک کاٹ کر چھوڑ دیا۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی پریشان کُن حال میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور کسریٰ کی گستاخی و بدبختی کی داستان سنائی تو رسولِ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زبان وحی ترجمان سے نکلا، اَللّٰھُمَّ مَزِّقْ مُلْکَہٗ۔

"اے اللہ تعالیٰ اسکے مُلک کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کان اور ناک سونے کے بنا کر لگانے کا حکم دیا۔ بعض روایات میں دُعا کے الفاظ یہ ہیں: اَنْ یُّمَزَّقُوْا کُلَّ مُمَزَّقٍ۔ "اُنہوں نے خط کے ٹکڑے کئے، اُن کا مُلک ٹکڑے ہو" (بخاری کتاب العلم، تاریخ طبری)

چُنانچہ اس واقعہ کے چند ہی سال بعد خلیفۂ ثانی حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ نے ہزاروں سال سے قائم چلی آنے والی اس عظیم سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اس کا ملک فی الواقع ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

خسرو پرویز کا تباہی کی طرف قدم

نامۂ اقدس شہید کرنے کے بعد خسرو نے اپنے ماتحت صوبہ یمن کے گورنر باذان کو حکم دیا کہ "تم فوراً مدعی نبوّت کو گرفتار کر کے میرے حضور پیش کرو۔"
حاکم یمن باذان نے اپنے خاص معتمد "بابویہ" اور فوجی افسر "خرخسرہ" کو اس پیغام

کے ساتھ بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھیجا کہ آپ کو شہنشاہِ عالم کسریٰ نے بلایا ہے۔ آپ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس چلے جائیں۔ اگر تم نے حکم کی تعمیل کی، تو باذان کسریٰ کے دربار میں آپ کی سفارش کر دے گا تاکہ وہ آپ کا قصور معاف کر دے، ورنہ وہ (کسریٰ) تمہیں اور تمہارے ملک کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا۔" (تاریخ طبری، جلد ۳)

یہ دونوں قاصد پرتکلف ایرانی لباس پہنے، داڑھیاں منڈوائے اور مونچھیں بڑھائے ہوئے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی منڈھی ہوئی داڑھیوں کو دیکھ کر ناراضگی کے انداز میں فرمایا: ویلکما من امرکما بھذا "تمہارا برا ہو اے بدبختو! تمہیں ایسا کرنے کا کس نے حکم دیا ہے؟" انہوں نے جواباً کہا: "ہمارے رب کسریٰ نے یہ حکم دیا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لکن ربی امرنی باعفاء لحیتی وقص شاربی۔ "یعنی میرے رب تعالیٰ نے تو مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم دیا ہے۔"

پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے باذان کا خط اور پیغام سنا تو مسکرا دیئے، اور ان قاصدوں کو دعوتِ اسلام دی اور یہ دونوں ہیبتِ نبوی سے کانپ رہے تھے (سیرتِ حلبیہ)

اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں قاصدوں کیلئے صحابہ کرام کو قیام وطعام کا حکم دیا اور فرمایا: "کہ تم کل آنا، انشاء اللہ تعالیٰ ہم جواب دیں گے۔"

دوسرے دن جب قاصد بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابلغا صاحبکما ان ربی قتل ربه هذه اللیلة۔ "جاؤ اپنے آقا سے جا کر کہہ دو کہ میرے رب (اللہ تعالیٰ جل شانہ) نے اس کے رب (کسریٰ) کو آج رات قتل کر دیا ہے۔" (طبقات ابن سعد، جلد ۱)

یہ واقعہ منگل کی رات ۱۰ جمادی الاولیٰ ۷ھ بمطابق ستمبر ۶۲۸ء کو پیش آیا۔

جبکہ رات کی سات گھڑیاں (یعنی دو گھنٹے اڑتالیس منٹ) گزری تھیں (ابن سعد جلد۱ طبری)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ اقدس سے یہ باتیں سُن کر دونوں قاصدوں نے (متعجب ہو کر) کہا: "آپ جو کچھ فرما رہے ہیں، اس کی پوری ذمہ داری آپ پر ہے۔ کیا یہ بات ہم باذان سے جا کر کہہ دیں؟"

مخبرِ صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ہاں ہاں! بے شک والیٔ یمن سے جا کر کہہ دو اور ساتھ یہ بھی بتا دینا کہ میرا دین بہت جلد کسریٰ کی تمام سلطنت پر غالب آ جائے گا اور اگر تم مسلمان ہو جاؤ، تو جتنا علاقہ تمہارے قبضہ میں ہے، وہ تمہیں عطا فرما دیا جائے گا یعنی فارسیوں پر تمہیں حاکم بنا دیا جائے گا۔ (مدارج النبوۃ ج۲)

حاکم یمن باذان رسُول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام سن کر بہت حیران ہوا اور کہنے لگا: "اگر یہ معاملہ اسی طرح واقع ہوا، جس طرح انہوں نے فرمایا ہے تو پھر اُن کے نبی ہونے میں کیا شک باقی رہ سکتا ہے۔ بہر حال ہمیں انتظار کرنا چاہیے کہ ہمدان سے کیا خبر آتی ہے؟"

تھوڑی ہی دیر بعد باذان کے پاس خسرو پرویز کے بیٹے شیرویہ کا ایک پیغام پہنچا جس میں لکھا تھا: میں نے ملک کی بہتری کے پیشِ نظر مجبور ہو کر اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے، کیونکہ رعایا کے ساتھ اُس کا رویہ ظالمانہ تھا۔ اس نے اپنے ملک کے کئی شرفا کو بغیر جرم و خیانت کے مروا ڈالا تھا۔ میں نے اُسے قتل کر کے بے گناہ رعایا پر ڈھائے گئے ظلم و ستم کا انتقام لیا ہے۔ اب اس کی جگہ میں تخت ایران کا مالک ہوں، تم پر لازم ہے کہ خود بھی میری اطاعت کرو اور تمام لوگوں سے بھی میری باتوں کا اقرار لو اور ایک ضروری بات کہ جس کا ذکر خصوصیت سے کر رہا ہوں، وہ یہ کہ میرے باپ نے عرب کی جس شخصیت کی گرفتاری کا تمہیں حکم دیا تھا، وہ حکم اب منسوخ ہے، جب تک تجھے میرا دُوسرا حکم نہ ملے، اُن کے خلاف ہرگز ہرگز کوئی کارروائی نہ کرنا۔" (تاریخ طبری، ابن خلدون، مدارج النبوۃ)

شیرویہ کا فرمان پاکر حاکمِ یمن سخت حیرت زدہ ہوا اور بے اختیار اُس کے مُنہ سے نِکلا۔ محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی بات سچی معلوم ہوتی ہے کہ وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے رسُول ہیں، میں اُن پر ایمان لاتا ہوں۔ طبقات میں ہے :۔ فاسلم هو والابناء الذین بالیمن ۔" یعنی حضرت باذان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مسلمان ہوگئے اور ان کے بہت سے ساتھی یمن کے امیرزادے بھی مسلمان ہوگئے۔" (طبقاتِ ابن سعد)

مُخبرِ صادق کی خبر قارئین کرام! ذرا حضور نبی اکرم، رحمتِ عالم نورِ مجسم، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نامۂ اقدس میں مندرجہ الفاظ :۔ اَسلم تَسلم۔ "اسلام قبول کرلے سلامت رہے گا۔" پر غور فرمائیں کہ کسریٰ کی سلامتی کو قبولِ اسلام سے مشروط فرما دیا گیا تھا کہ اگر اسلام قبول نہیں کرے گا، تو سلامت نہ رہے گا۔ اسے محض تہدید نہ سمجھیں، بلکہ یہ اخبار عن الغیب۔ یعنی غیبی خبر تھی، جس کا پورا ہونا زمانے نے دیکھا۔ یہ بھی رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم الشان معجزہ تھا۔

(۴) مقوقس شاہِ اسکندریہ کے نام مقوقس کا اصلی نام جریج بن مینا تھا جبکہ مقوقس لقب تھا۔ یہ ہرقل کی طرف سے مِصر کا نائب السلطنت تھا۔ یہ عیسائی مذہب کا بڑا عالم تھا، اس کا پایۂ تخت مِصر کا مشہور شہر اسکندریہ تھا۔ (مواہبِ لدنیہ، سیرتِ حلبیہ)

بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے مِصر کی سفارت کے لئے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مامور ہوئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکتوبِ اقدس و اطہر مقوقس کو عطا فرمایا۔ اس نے کمال تعظیم و تکریم سے نامۂ اقدس کو لیا اور خط پڑھا۔ خطِ مبارک کا مضمون یہ تھا :۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط من محمد رسول اللہ الی المقوقس عظیم القبط سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

اَمَّا بعد : فانی ادعوک بدعایة الاسلام، اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرّتین فان تولیت فعلیک اثم القبط۔ یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمة سواءٍ بیننا و بینکم الّا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہٖ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابا من دُون اللہ فان تولّوا فقولوا اشہد وا بانّا مسلمون۔

(زُرقانی علی المواھب۔ زاد المعاد)

ترجمہ: "اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسم گرامی قدر کے ساتھ جو بے حد مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ یہ خط محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی جانب سے حاکمِ مصر مقوقس کے نام ہے۔ اس پر سلامتی ہو، جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ بعد ازاں! میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ پس اگر سلامتی مطلوب ہے، تو اسلام قبول کر لیجئے۔ اگر آپ نے اسلام قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو دوسرا اجر عطا فرمائے گا، اور اگر انکار کر دگے تو ساری قبطی قوم کی گمراہی کی ذمّہ داری بھی تم پر ہی ہو گی۔

اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات پر متفق ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلّم ہے، وہ یہ کہ ہم خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا رب بنائیں گے۔ اگر تمہیں اس سے انکار ہے، تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کامل یقین رکھتے ہیں"

مقوقس کا ردِ عمل مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نامۂ اطہر کی نہایت درجہ تعظیم و توقیر کی اور حکم دیا کہ اس خطِ مبارک کو ہاتھی دانت کی ڈبیہ میں سربمہر کر کے محفوظ کر دو۔ پھر حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: اگر وہ واقعی سچے نبی ہیں، تو جس وقت اُن کی قوم نے انہیں مکہ مکرمہ سے نکالا تھا اس وقت انہوں نے بددُعا کیوں نہ کی کہ وہ ہلاک ہو جاتے۔ (سیرتِ حلبیہ)

دُوسری روایت میں ہے کہ اُن نے یہ کہا: "اگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) واقعی رسولِ خدا ہیں، تو انہیں مجھے خط لکھنے کی بجائے میرے خلاف خدا تعالیٰ سے دُعا کی ہوتی کہ خدا مجھے مقوقس پر غلبہ دے دے۔" (مواہب لدنیہ)

حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حاضر جوابی

حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً فی البدیہہ الزامی طور پر جواب دیا:
"اگر آپ کا یہ اعتراض درست ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت اپنے دشمنوں کے حق میں بددُعا کیوں نہ کی کہ اللہ تعالیٰ اُن کو ہلاک کر دے، جبکہ انہوں نے آپ علیہ السلام کو سُولی دینے کا ارادہ کیا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنی طرف اُٹھا لیا۔"
مقوقس نے کہا: "بہت خوب! تم خود بھی دانا ہو، جس کی طرف سے آئے ہو وہ بھی دانا ہیں"
گویا کہ آپ کی ذہانت کا اعتراف کیا۔ (الخصائص الکبریٰ)

حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے برجستہ نہایت ہی فصیح مگر مختصر تقریر فرمائی، جو کہ اہلِ مصر کو فرعون اور دیگر دُنیاداروں کے ناپائیدار ہونے اور آخرت کی اہمیت، نیز اہلِ کتاب کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت اور اطاعت کرنے کے حکم پر مبنی تھی۔ مقوقس اس تقریر سے نہایت درجہ متاثر ہوا اور کہا: "میں نے غور کیا ہے نبی یقیناً اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے منع فرماتے ہیں۔ وہ نہ تو قابلِ نفرت چیزوں کا حکم دیتے ہیں اور نہ ہی پسندیدہ چیزوں سے روکتے ہیں۔ میں نہ تو اُن کو نقصان پہنچانے والا جادوگر سمجھتا ہوں اور نہ ہی اُن کو جھوٹا کاہن سمجھتا ہوں، بلکہ میں اُن میں علاماتِ نبوت پاتا ہوں، مثلاً غیب کی خبریں دینا، بہرحال میں ابھی اس پر غور کروں گا۔" (سیرتِ حلبیہ)

مقوقس کی طرف سے نامۂ اقدس کا جواب اور ہدایا

مقوقس نے حضور نبی کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے

نامۂ اقدس کا جو جواب عرض کیا ، اُس کا ترجمہ یہ ہے:

"محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں شہنشاہِ قبط مقوقس کی طرف سے آپ پر سلامتی ہو میں نے آپ کا خط پڑھا اور جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے اس کے مفہوم کو سمجھا اور آپ کی دعوت پر غور کیا، میں اس بات سے تو واقف تھا کہ عنقریب ایک نبی معبوث ہونے والا ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ ملکِ شام میں مبعوث ہوگا، میں نے آپ کے قاصد کو نہایت تعظیم و تکریم سے اپنے پاس رکھا۔ اب اس کے ہاتھ آپ کی خدمت میں دو لڑکیاں روانہ کر رہا ہوں، یہ نہایت ہی معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہیں، اس کے علاوہ آپ کے لئے کچھ کپڑے اور ایک خچر آپ کی سواری کے لئے بھیج رہا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ پر سلامتی نازل فرمائے"

مقوقس نے جو ہدایا بارگاہِ اقدس میں پیش کئے، مختلف کتبِ سیرت کے حوالہ سے اُن کی فہرست کچھ یوں ہے (چار) تُرکی النسل باندیاں جن میں حضرت سیدہ ماریہ قبطیہ اور ان کی ہمشیرہ سرین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل تھیں۔ ان دونوں نے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہونے سے قبل ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو امّ المؤمنین ہونے کا شرفِ عظیم حاصل ہوا جبکہ حضرت سرین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ علاوہ ازیں ایک خواجہ سرا، ایک سفید اشتر (اُونٹ) ایک خچر جسے "دُلدُل" کہتے تھے، بیس عدد کپڑے، عطریات، عمامے، ایک ہزار مثقال سونا، پانی پینے کے لئے شیشے کے پیالے، ایک گدھا، جس کا نام یعفور بیان کیا جاتا ہے۔ ایک گھوڑا، ایک نیزہ، ایک چوکور ڈبیہ (جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تیل کی شیشی، کنگھی، قینچی اور مسواک وغیرہ رکھتے تھے) نبہان کے علاقے کا شہد، علاوہ ازیں حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی پانچ جوڑے کپڑے اور ایک سو اشرفی سونے کی پیش کی اور ایک طبیب بھی بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھیجا، مگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے واپس بھیج دیا، جبکہ باقی سب تحائف قبول فرما لئے گئے (مدارج النبوۃ، طبقاتِ ابنِ سعد وغیرہ)

حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقوقس سے ہونے والی تمام گفتگو کی رپورٹ بارگاہِ اقدس و اطہر میں پیش کی جسے سُن کر مخبرِ صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔
"بدنصیب کا دل سلطنت کی محبت میں مبتلا ہوگیا وہ یہ نہ سمجھا کہ سلطنت ناچیز ہے" (طبقات ابن سعد)

۵۔ نامۂ اقدس بنام حارث بن ابی شمر غسانی

حارث بن ابی شمر کا دار السلطنت شام کا مشہور شہر دمشق تھا۔ یہ ہرقل رُوم کے ماتحت تھا، اس طرف نامۂ اطہر لے کر حضرت شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روانہ ہوئے۔ حضرت شجاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامِ دمشق کے دوران میری ملاقات حارث بن ابی شمر کے نہایت قریبی وزیر "مری" سے ہوئی۔ یہ رُومی النسل تھا۔ اُس نے مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حالات دریافت کئے۔ حالات سُن کر اس پر رقت طاری ہوگئی اور کہنے لگا:۔
"جو کچھ تم نے بیان کیا ہے، انجیل میں یہی حالات اس آنے والے پیغمبر کے پائے جاتے ہیں، جس کا ہمیں انتظار ہے، میں اس نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر ایمان لاتا ہوں اور ان کے تمام احکامات کی دل کی گہرائیوں سے تصدیق کرتا ہوں، لیکن تم میرے قبولِ اسلام کا ذکر یہاں کسی سے ہرگز نہ کرنا مجھے ڈر ہے کہ اگر حارث کو پتہ چل گیا تو وہ مجھے قتل کروا ڈالے گا۔ حالانکہ وہ میری بہت عزت کرتا ہے۔ ظاہراً مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حارث خط کو پڑھ کر نہ تو متاثر ہوگا اور نہ ہی ایمان لائے گا، کیونکہ وہ بہت مغرور بھی ہے اور ڈرپوک خوشامدی بھی۔ ایسا آدمی کبھی صراطِ مستقیم نہیں پا سکتا۔"
حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حارث بن ابی شمر نے بڑی شان و شوکت سے دربار منعقد کیا، تو "مری" نے اُس سے میرا اور خط کا تذکرہ کر دیا۔ چنانچہ اُس نے مجھے دربار میں طلب کیا اور خط پڑھنے کا حکم دیا۔ خط میں لکھا تھا: بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم۔ من محمد رسول اللہِ

الیٰ حارث بن ابی شمر سلامٌ علیٰ من اتبع الھدیٰ واٰمن باللہ وصدق فانی ادعوک الیٰ ان تؤمن باللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ یبقیٰ لک ملک۔ (محمد رسول اللہ)

ترجمہ: "اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسمِ ذی شان سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے۔ محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام: سلام ہو اس پر جو راہِ راست کی پیروی کرے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور سچا جانے، میں آپ کو اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ ایک خدا پر ایمان لایئے جس کا کوئی شریک نہیں۔ (اگر قبول کرو تو آپ کا ملک آپ کے قبضہ میں باقی رہے گا۔" (محمد رسول اللہ)

حارث مکتوب گرامیٔ قدر سن کر آگ بگولا ہو کر کہنے لگا: "کس کی مجال ہے کہ میرے ملک کی طرف نگاہ اٹھائے۔" پھر اسی غیظ و غضب میں اس نے فوج کو تیاری کا حکم دے دیا اور بھڑک کر کہا: "اب میں اس مدعیٔ نبوت کو تباہ کر کے ہی چھوڑوں گا، خواہ اس مقصد کے لیے مجھے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ برداشت کرنا پڑے۔"

حارث نے اپنے اس ارادۂ بد سے قیصرِ روم کو مطلع کیا تو (چونکہ قیصرِ روم کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کا علم تھا) اس لیے اس نے حارث کو فوج کشی سے منع کر دیا اور حکم دیا کہ "میرے پاس فوراً چلے آؤ۔ اس معاملے کو پھر دیکھنا۔"

حضرت شجاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس ہونے لگے، تو "مُرّی" ان کو اپنے مکان پر لے گیا اور تحائف پیشِ خدمت کیے اور عرض کیا کہ دربارِ اقدس میں سلام پیش کر دینا۔ حضرت شجاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت مآب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضر ہو کر تمام واقعاتِ گزشتہ کی اطلاع عرض کی، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مُرّی کی

تصدیق فرمائی اور حارث کی بربادی کی خبر دی۔ چنانچہ چند ہی سال بعد ۱۴ھ
بن غسانی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ (طبقاتِ ابن سعد جلد ثالث ص۱۷)

۶۔ نامۂ اقدس بنامِ ہوذہ بن علی گورنر یمامہ

یمامہ اگرچہ عرب کا حصہ تھا مگر اس زمانہ میں یہ ایرانی حکومت
کے تحت ایک صوبہ تھا اور کسریٰ کے زیرِ اقتدار عربی حکام گورنری کے فرائض سرانجام
دیتے تھے۔ مکہ مکرمہ کی غذائی ضرورتیں یعنی غلہ وغیرہ یمامہ سے ہی آتا تھا۔ اس وقت
وہاں کا گورنر ہوذہ بن علی الحنیفی تھا۔ اس کے نام فرمانِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی سفارت کا فریضہ حضرت سلیط بن عمرو انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپا گیا۔
(زاد المعاد۔ سیرتِ حلبیہ)

انہوں نے گورنر یمامہ کے دربار میں پہنچ کر نامۂ اقدس و اطہر پیش فرما دیا۔ تحریر تھا کہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی ھوذہ
بن علی سلام علی من اتبع الھدیٰ و اعلم ان دینی سیظھر الی
منتھی الخف والحافر فاسلم تسلم واجعل لك ما تحت یدك

(مہر: اللہ رسول محمد)

ترجمہ: اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہٗ کے نام اقدس سے جو رحمٰن و رحیم ہے —
اللہ تعالیٰ کے رسول محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی طرف سے، ہوذہ بن علی کے نام —
سلامتی ہے اُس کے لئے جو ہدایت کی پیروی کرے۔ آپ پر واضح ہو کہ میرا یہ دین (اسلام)
عنقریب منتہائے خف و حافر تک پہنچ جائے گا (خف اُونٹ اور بکری وغیرہ کے سموں
اور حافر گھوڑے اور گدھے وغیرہ کے کھروں کو کہتے ہیں، یعنی جہاں تک ان جانوروں
کے پاؤں پہنچتے ہیں اور آبادی ہے، وہاں تک میرا دین پہنچ جائے گا اور غالب آجائے گا)
پس آپ کو اسلام قبول کر لینا چاہیے کہ اسی میں سلامتی ہے، مجھے تمہارے ملک (حکومت) سے

کوئی سروکار نہیں ہے، وہ بدستور تمہارے قبضہ میں رہے گا۔" (مواہب لدنیہ)

الله رسول محمد

ہوذہ نے مکتوب اقدس کو پڑھ کر حضرت سلیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:۔
"اُس کا جواب چند روز غور کرنے کے بعد دوں گا، تم ابھی ہمارے ہاں ٹھہرو۔"

گورنر یمامہ کا جواب

چند روز بعد ہوذہ نے حضرت سلیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ تحائف پیش کیے تاکہ ان کو بارگاہِ رسالتمآب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں پیش کر دیا جائے اور ساتھ ہی ایک خط دیا جس میں لکھا تھا،

ما احسن ما تدعوا الیه و اجمله و انا شاعر قومی وخطیبهم والعرب تهاب مکانی فاجعل لی بعض الامر اتبعك -(ابن سعد ج۲)

"یعنی جس دین کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں، وہ بہت اچھا دین ہے، میں اپنی قوم کا مشہور شاعر اور خطیب ہوں، اس لئے عرب میری بڑی عزت کرتے ہیں۔ اگر آپ مجھے اپنی حکومت میں شریک کرلیں، تو میں آپ کا حکم ماننے کو تیار ہوں۔" (طبقات ابن سعد ج۲، ص۱۸)

گورنر یمامہ اور مسیحی عالم کا مکالمہ

واقدی بیان فرماتے ہیں، ہوذہ کے پاس ایک عیسائی عظیم عالمِ دین رہتا تھا۔ اُس نے ہُوذہ سے پوچھا کہ تم نے اُن کا دین قبول کیوں نہیں کیا؟" ہوذہ نے کہا "مجھے اپنے دین سے محبت ہے۔ علاوہ ازیں میں اپنی قوم کا سردار ہوں، اگر میں اُن کی دعوت قبول کرلیتا، تو ڈر تھا کہ میرا ملک مجھ سے چھن جاتا۔" عیسائی عالم نے کہا "اگر آپ اُن (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کرتے، وہ ہرگز آپ کو آپ کے ملک سے محروم نہ کرتے (یعنی وعدہ خلافی نہ فرماتے) وہ نبی ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کا رسول بتلایا ہے اور ان کی نبوت کی بشارت دی ہے اور ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔"

(واقدی بحوالہ اصح السیر)

رسولِ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ردِعمل

رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے خط کے جواب میں فرمایا: "حکومت تو بڑی چیز ہے، اگر وہ مجھ سے کھجور کا ایک خوشہ یا ایک دانہ (بعض روایات میں اس کے برابر جگہ) بھی مانگے تو میں یہ بھی اسے نہ دوں گا۔ وہ اور اس کا سب کچھ فنا ہونے والا ہے۔"

گویا کہ ارشاد فرمایا: "میں اسے دونوں جہان کی دولت عطا فرماتا ہوں یعنی نعمتِ ایمان مگر وہ دولتِ دنیا کا طالب ہے، حالانکہ یہ کہہ دیا تھا کہ تیرا ملک تیرے پاس ہی رہے گا۔"

بہرحال ہوذہ اسی حال میں مرگیا۔

۷۔ نامۂ اطہر بنام منذر بن ساوی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

بحرین عرب ہی کا حصّہ ہے اسے ہجر (بروزن خیر) بھی کہا جاتا ہے

چھٹی صدی عیسوی میں یہ علاقہ ایرانی حکومت کے زیرِ اقتدار تھا۔ یہاں کے ایرانی گورنر کا نام "منذر بن ساوی تھا۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامۂ اقدس دے کر روانہ فرمایا۔ مکتوبِ گرامی کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط من محمد رسول اللہ الی منذر بن ساوی سلام علی من اتبع الھدی۔ اما بعد، فانی ادعوک الی الاسلام فاسلم تسلم، یجعل لک اللہ ما تحت یدک و اعلم ان دینی سیظھر الی منتھی الخف والحافر۔

اللہ
رسول
محمد

(ابن طولون)

ترجمہ: "اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسمِ ذیشان کے ساتھ جو رحمان و رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب سے، منذر بن ساوی کے نام:

سلامتی ہے اُس کے لئے جو ہدایت کی راہ چلے، بعد ازاں میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، پس اسلام قبول کر لو کہ اسی میں سلامتی ہے (مجھے تمہارے ملک سے کوئی سروکار نہیں)

اللہ تعالیٰ اسے بدستور تمہارے قبضہ میں رکھے گا۔ تمہیں یہ واضح ہو کہ میرا دین روئے زمین کی آخری حدوں تک پہنچ کر رہے گا اور (انشاء اللہ تعالیٰ) غالب آئے گا۔

(اللہ رسول محمد)

اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہٗ نے حضرت منذر بن ساوی کو توفیق ہدایت بخشی اور انہوں نے اس نامہ مبارک کو پاتے ہی مجوسیت سے توبہ کر کے دین اسلام قبول کر لیا اور ان کے ساتھ ہی بحرین کے اکثر لوگوں نے دین اسلام قبول کر لیا اور بارگاہِ اقدس میں بیعت کا عریضہ ارسال کر دیا۔ تحریر یہ تھا کہ۔

ترجمہ: "یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم) میں نے آپ کے اس گرامی نامہ کو پڑھا جو بحرین والوں کیلئے لکھا گیا ہے۔ تو ان میں سے کچھ لوگوں نے اسلام سے اظہار محبت کیا، اسے پسند کیا اور (بخوشی) دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، جبکہ کچھ لوگوں نے اسلام کو ناپسند کیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے پر راضی نہ ہوئے۔ یا رسول اللہ (علیک الصلوٰۃ والسلام) میری سرزمین میں مجوسی بھی ہیں اور یہودی بھی ہیں، لہٰذا اب آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم) مجھ کو ان کے بارے میں جو حکم صادر فرمائیں، میں اُن پر عمل کروں گا۔" (مدارج النبوۃ۔ مواہب لدنیہ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے حضرت منذر کے نام دوسرا گرامی نامہ

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے حضرت منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط کے جواب میں دوسرا نامہ اقدس روانہ فرمایا، جس میں تحریر تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی المنذر بن ساوی سلامٌ علیک فانی احمد اللہ الیک الذی لا الہ الا غیرہ واشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد

انّ محمّدً اعبدهٗ ورسُولهٗ ۔ امّا بعد ! فانّی اذکرك اللّٰه عزّوجلّ فانه من ینصح لنفسه وانّه من یّطع رسلی ویتّبع امرھم فقد اطاعنی ومن نصح لھم فقد نصح لی واٰنّ رُسلی قد اثنوا علیك خیرًا وانّی قد شفعتك فی قومك فاترك للمسلمین ما اسلموا علیه وعفوت عن اھل الذنوب فاقبل منھم واِنّك مھما تصلح فلن نعزلك عن عملك ومن اقام علٰی یھودیّته او مجوسیّة فعلیه الجزیه۔

(طبقاتِ ابنِ سَعد جلد ۳، زاد المعاد جلد ۳)

(فتوح البلدان)

ترجمہ: "اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ کے اسمِ ذیشان کے ساتھ جو رحمٰن و رحیم ہے۔ محمد رسُول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم) کی جانب سے۔ منذر بن ساوی کے نام: السلام علیک۔ مَیں اس اللہ تعالیٰ جل شانہ، کی حمد کرتا ہوں جو یکتا ہے اور اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہوں اور یہ کہ مَیں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اور رسُول ہوں، ازاں بعد میں آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ، کی یاد دلاتا ہوں، جو نصیحت قبول کرتا ہے، وہ اپنے آپ ہی کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ جو شخص میرے قاصدوں کی اطاعت اور اُن کی ہدایت پر عمل کرے گا، تو گویا اُس نے میری ہی اطاعت کی اور جس نے اُن کی نصیحت کو مانا تو در حقیقت اُس نے میری نصیحت کو مانا۔ میرے قاصدوں نے آپ کے طرزِ عمل کی از حد تعریف کی ہے۔ میں تمہاری قوم کے بارے میں تم سے سفارش کرتا ہوں۔ تم مسلمانوں کو، جس حال میں مسلمان ہوئے ہیں چھوڑ دو، تمہیں تمہارے منصب پر بدستور قائم رکھا جاتا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسُول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم) کے خیر خواہ ہیں

اہل بحرین کے بارے میں آپ کی سفارش ہمیں منظور ہے، میں قصور والوں کے قصور کو معاف کرتا ہوں، پس آپ بھی ان سے درگزر کیجیے"۔ اور جب تک تم اپنے آپ کو (ایسی) صلاحیت کا اہل بناتے رکھو گے، ہم اس میں دخل اندازی نہیں کریں گے۔ اہل بحرین میں جو لوگ یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہنا چاہتے ہیں، رہیں۔ ان سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔

(اللہ رسول محمد) (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد بھی ایک خط، حضرت منذر بن ساوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام تحریر فرمایا، جسے حضرات ابوہریرہ اور حضرت قدامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما لے کر بحرین روانہ ہوئے۔ اس اس نامۂ اقدس و اطہر کا ترجمہ یہ ہے:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ السلام علیکم! میں آپ کے پاس (حضرات) ابوہریرہ اور قدامہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو بھیج رہا ہوں۔ آپ اپنے علاقے سے جو عشر، زکوٰۃ اور جزیہ وصول کر چکے ہوں، ان کے حوالہ کر دیں۔"

(اللہ رسول محمد)

(طبقات ابن سعد، جلد ۳)

اہم بات: محترم قارئین کرام! چونکہ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے اس بات کی متحمل نہیں کہ اس میں تمام مکتوبات نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا تذکرہ کیا جائے، اس لئے محض چند مکتوبات گرامی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض دستیاب بھی ہو چکے ہیں جن کا عکس شامل اشاعت ہذا ہے۔ محدثین مؤرخین اور سیرت نگار حضرات کے مطابق مکتوبات کی تعداد تقریباً ۲۲۵ ہے، جن میں ۱۳۹ کے اصل متن محفوظ ہیں، جبکہ متعدد خطوط ایسے ہیں کہ جن کے صرف مفہوم کا ذکر فرمایا گیا ہے اور بعض ایک ہی مفہوم کے ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

ہجرتِ نبوی کا ساتواں سال ۷ھ

بمطابق ۲۹-۶۲۸ء

اس سال کے اہم ترین واقعات میں سے ایک واقعہ غزوۂ خیبر ہے۔

خیبر مدینہ، شام کی جانب ایک بڑے شہر کا نام ہے، جس میں متعدد قلعے اور بکثرت کھیتیاں ہیں۔ یہ مدینہ طیبہ سے آٹھ بریدیعنی تقریباً چھیانوے میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس بستی میں صرف یہودی بستے تھے اور آبادی کے گرداگرد بعض روایتوں کے مطابق دس اور عند البعض سات یا آٹھ مضبوط و مستحکم قلعے تھے۔

مدارج النبوۃ میں ہے کہ اہل سیر چھوٹی بستی کو "قریہ"، درمیانی بستی کو "مدینہ" اور بڑی بستی کو "مصر" کہتے ہیں، لیکن بعض حضرات مدینہ کو مصر اور بلد سے بڑا شہر شمار کرتے ہیں، جبکہ "خیبر" قلعوں کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲)

خیبر کی بستی میں جو قلعے تھے، فتح الباری میں ان کی تعداد دس اور نام درج ذیل ذکر کئے گئے ہیں: ناعم۔ نطاۃ۔ صعب۔ زبیر۔ شق۔ البر۔ ابی۔ قموص۔ وطیح۔ سلام یا بنی الحقیق۔ (یہ سب یہودیوں کے نام تھے، جن کے نام پر یہ قلعے آباد تھے) مدارج النبوۃ میں آٹھ قلعوں کے نام تحریر ہیں، جبکہ معجم البلدان بلاذری میں سات قلعوں کے نام درج ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

غزوۂ خیبر کے اسباب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سفرِ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے ابھی چند روز ہی ہوئے تھے کہ پتہ چلا "خیبر کے یہودی مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔" (طبقات کبیر ابن سعد)

یہودی جنگ احزاب میں ناکامی اور ذلت و رسوائی کا داغ دھونے کے لئے ایک خونخوار جنگ کی تیاری کر چکے تھے۔ قلعہ ہائے خیبر کے دس ہزار خونخوار جنگجو یہودیوں کے علاوہ قبیلہ بنو غطفان کے چار ہزار جنگ آزما مردوں نے بھی اہل خیبر کا ساتھ دینے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ اہل خیبر نے بنو غطفان سے معاہدہ کیا تھا کہ اگر وہ جنگ میں مکمل طور پر شریک ہوں، تو مدینہ طیبہ فتح ہونے پر ہمیشہ کے لئے پیداوار خیبر کا نصف بنو غطفان کو دیتے رہیں گے۔

چونکہ غزوہ احزاب میں اہل ایمان کو کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس لئے اہل ایمان نے رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں آگے بڑھ کر حملہ آور دشمن کو روکنے کا پروگرام بنایا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس غزوہ میں شمولیت کے لئے صرف اُن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا انتخاب فرمایا جو بیعت رضوان کی عظمت سے سرفراز فرمائے جا چکے تھے، رب ذوالجلال نے جن کی شان میں لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (بے شک اُن مومنوں سے اللہ راضی ہوا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے) کی بشارت کے ساتھ ساتھ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا (اللہ تعالیٰ نے تم سے بڑی بڑی غنیمتوں (فتوحات) کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے) کی خوشخبری بھی سُنائی جا چکی تھی۔ اِن کی تعداد تقریباً چودہ سو تھی۔ (مدارج۔ ابن خلدون)

بعض منافقین نے ساتھ جانے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر سرورِ عالم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو رد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"اس سفر میں ہمارے ساتھ کوئی ایسا شخص شامل نہیں ہونا چاہیے، جسے دنیاوی مال و دولت کی طمع ہو۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲)

خیبر کی طرف روانگی

؁ھ محرم الحرام کے آخر میں رسولِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خیبر کی طرف قصد فرمایا۔ مقدمۃ لشکر کا سردار حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا۔ میمنہ پر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور میسرہ پر ایک اور صحابی کو سردار مقرر فرمایا۔ حضرت سیدہ اُمِ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ بیس دیگر خواتین کو بھی بیماروں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کے لئے شاملِ لشکر فرمالیا گیا۔ اسلامی لشکر رات کے وقت خیبر کے قریب جا پہنچا۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ رات کو جنگ کی ابتداء نہ فرماتے اور نہ ہی دشمن پر شب خون مارتے، اس لئے لشکرِ اسلام نے رات اسی میدان میں گزاری۔ معرکۂ جنگ کے لئے جگہ کا انتخاب مردِ جنگ آزما حضرت خباب بن المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ سے ہوا۔ یہ میدان بنو غطفان اور اہلِ خیبر کے درمیان تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بنو غطفان اہلِ خیبر کی مدد کو نہ آسکے، کیونکہ لشکرِ اسلام سدِ راہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم فرمادیا کہ لشکر کا بڑا کیمپ (چھاؤنی) اسی جگہ رہے گا اور یہیں سے مجاہدینِ اسلام کے دستے جنگ کے لئے جایا کریں گے۔ اس کیمپ کا امیر (ذمہ دار افسر) حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنا دیا گیا۔

صبح کو حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ قیادت فوج کے ایک دستہ کو جنگ کے لئے روانہ کر دیا گیا، خود رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بھی حوصلہ افزائی کے لئے حملہ آور فوج کے ساتھ تشریف لے گئے۔ باقی ماندہ فوجی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ نگرانی کیمپ میں موجود رہے۔ حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قلعہ نطاہ سے جنگ کا آغاز کر دیا۔ یہودیوں نے قلعہ کے دروازوں کو بند کرلیا اور دیواروں کے اوپر سے پتھر اور تیر

وغیرہ برسانے لگے۔ پانچ روز کی مسلسل کوششوں کے باوجود قلعہ فتح نہ ہو سکا
پانچویں یا چھٹے روز حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھوڑی دیر ستانے
کے لئے قلعہ کی دیوار کے قریب سایہ میں لیٹ گئے۔ کنانہ بن الحقیق یہودی نے
قلعہ کی دیوار سے ایک پتھر ان پر گرادیا، جس سے یہ شہید ہو گئے۔ فوج کی کمان
ان کے بھائی حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا ہوئی اور یہ شام تک کمال
بہادری کے ساتھ لڑتے رہے۔ جب رات کے اندھیرے نے جنگ روکنے پر مجبور
کردیا تو یہ واپس کیمپ میں لوٹ آئے۔ اس شب مسلمانوں کے لشکر کی پاسبانی کے لئے
حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈیوٹی تھی تاکہ یہودی شب خون نہ مار سکیں۔
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی کو گھومتے ہوئے دیکھا تو گرفتار
کرکے بارگاہِ رسالت میں پیش کردیا۔ اس یہودی نے عرض کیا کہ اگر آپ مجھے امان
دیں، تو میں اہم باتیں عرض خدمت کردوں گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
نے اُسے امان دے دی، تو اُس نے بتایا کہ خیبر والے مسلسل محاصرہ اور حملوں سے
سخت مضطرب ہیں۔ خصوصاً آج کی جنگ سے بہت ہیبت زدہ ہیں۔ انہوں نے
ارادہ کیا ہے کہ آج رات قلعہ "شق" میں منتقل ہو جائیں۔ انہوں نے آلات جنگ
اور خوراک کا ذخیرہ اور دیگر سامان پوشیدہ اور محفوظ جگہ چھپا دیا ہے اور مجھے اس
جگہ کا علم ہے۔ جب قلعہ فتح ہو جائے گا، تو میں وہ سب کچھ برآمد کرا دوں گا۔
میرے اہل وعیال بھی اس قلعہ میں ہیں، آپ اُن کو بھی معاف فرمادیں، آپکا احسان
ہوگا۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے میں نے معاف کردیا۔
دُوسرے دن اہلِ ایمان نے قلعہ کو فتح کرلیا اور وہ یہودی مع اہل وعیال مسلمان ہو گیا۔
اسی طرح قلعہ صعب بھی فتح ہو گیا، اسے حضرت خباب المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت
دستہ نے فتح کیا تھا۔ اِن قلعوں سے بہت سے ہتھیار، منجنیقیں اور دوسرا مالِ غنیمت مِلا۔

یہودیوں کا مضبوط ترین قلعہ ناعم (طبری) یا قموص (مدارج) تھا، اس قلعہ کا سردار مشہور یہودی شاہسوار مرحب تھا۔ یہ اپنے آپ کو ایک ہزار بہادر کے برابر طاقتور سمجھتا تھا۔ مسلمانوں نے کئی یوم تک اس کے قلعہ کا محاصرہ کئے رکھا۔ کئی بزرگ صحابہ کرام جن میں حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما شامل ہیں۔ فوجی دستوں کے ساتھ مرحب کے قلعہ پر حملہ آور ہوئے، مگر گوہرِ مراد ہاتھ نہ آیا۔

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ

خیبر شکن حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا عظیم کارنامہ

جب محاصرے نے طول کھینچا تو ایک شب رسولِ مکرم مخبرِ صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا یُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلَیْہِ "کل میں اُس شخص کو علمِ اسلام دوں گا (یا ارشاد فرمایا: لیا تین) یعنی جھنڈا وہ لے گا، جس کو اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول پسند فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسی کے ہاتھ پر فتح دے گا)

یہ ایک ایسا شرف اور فضیلت تھی کہ جسے سُن کر فوج کے بڑے بڑے بہادر اگلے روز جھنڈا ملنے کے آرزومند ہو گئے اور یہ رات نہایت بیقراری اور اضطراب میں بسر کی کہ دیکھیں کل کس پر فضل و عنایات کی بارش ہوتی ہے؟ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "علی کہاں ہیں؟" عرض کیا گیا کہ "آشوبِ چشم میں مبتلا ہیں اس لئے حاضر نہیں ہوتے۔" ارشاد ہوا: "اُن کو بلاؤ۔" اور جب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور دُعا فرمائی تو آنکھیں اُسی وقت یوں تندرست ہو گئیں کہ آئندہ کبھی نہ تو آنکھ دُکھی، اور نہ ہی سر میں درد ہوا، اس کے بعد رسولِ محترم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو علمِ اسلام مرحمت فرما کر ارشاد فرمایا "علی جاؤ اور راہ خدا میں جہاد کرو۔ پہلے اسلام کی دعوت دینا (وہ نہ مانیں تو) پھر جنگ کرنا۔ اے علی! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اگر ایک شخص بھی تمہارے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تو یہ کام بھاری بھرکم غنیمتوں سے بہت افضل و اعلیٰ ہے۔"

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم علمِ اسلام کو لہراتے ہوئے مرحب کے قلعہ کے دامن میں جا پہنچے، تو دشمن کی طرف سے مرحب کا بھائی حارث میدان میں نکلا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقابلہ کے لئے آگے بڑھے اور ایک ہی وار میں ذوالفقار حیدری نے اس کا بھیجا چاٹ لیا۔ حارث کے مرنے کے بعد مرحب خود میدان میں نکلا، وہ غرور و تکبر کے ساتھ یہ رجز پڑھ رہا تھا ؎

قد علمت خیبر انی مرحب　　شاکی سلاح بطل مجرب

اذا الحروب اقبلت تلهب

"خیبر جانتا ہے کہ میں ہتھیار سجانے والا بہادر، تجربہ کار مرحب ہوں، جب لوگوں کے ہوش مارے جاتے ہیں تو میں (اس حال میں بھی) بہادری کے جوہر دکھاتا ہوں۔"

اس کے مقابلہ کے لئے حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ رجز پڑھتے ہوئے مقابلہ میں آگے آئے کہ ؎

قد علمت خیبر انی عامر　　شاکی سلاح بطل مغامر

"خیبر جانتا ہے کہ میرا نام عامر ہے میں ہتھیار چلانے میں استاد اور نبرد آزما ہوں۔"

مرحب نے ان پر تلوار سے وار کیا انہوں نے اس کے وار کو ڈھال پر رد کیا اور جواباً تلوار چلائی، مگر ان کی تلوار جو کہ لمبائی میں چھوٹی تھی۔ ان کے اپنے ہی گھٹنے پر آ لگی، جس کے صدمہ سے یہ بالآخر مرتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

اس کے بعد رجزِ حیدری سے میدانِ جنگ گونج اٹھا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ

وجہہ الکریم یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں تشریف لائے ؎

أنا الذی سمتنی امی حیدرہ   اکیلکم بالسیف کیل السندرہ

کلیث غابات شدید قسورہ   (تاریخ طبری)

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (یعنی غضب ناک شیر) رکھا ہے۔
میں تمہیں اپنی تلوار کی سخاوت سے بڑے بڑے جام پلاؤں گا ۔
میں شیرِ ببر اور سخت حملہ آور ہر بز میدان ہوں۔" (طبری جزِ ثالث)

مغرور و سرکش مرحب نے آگے بڑھ کر شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کیا، تو آپ نے اس کے حملے کو رد فرماتے ہوئے ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ ذوالفقارِ حیدری مرحب کے آہنی خود کو کاٹتی، عمامہ کو قطع کرتی اور سر کے دو ٹکڑے بناتی ہوئی اُس کی گردن تک جا پہنچی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک ؎

شاہِ مرداں شیرِ یزداں، قوتِ پروردگار
لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار

مرحب کو ذلت نشین ہوتے دیکھ کر اُس کا ایک اور بھائی یاسر غصہ میں بھرا ہوا میدان میں آیا، اسے آگے بڑھ کر حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاک و خون میں سلا دیا۔ اس کے بعد لشکرِ اسلام نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی قیادت میں قلعہ کے یہودیوں پر عام حملہ کر دیا۔ دورانِ جنگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈھال گر گئی جسے ایک یہودی اُٹھا کر بھاگ گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ربِّ قدیر نے اس قدر جوش و ولولہ اور قوت عطا فرمائی کہ آپ نے قلعہ کے مضبوط آہنی گیٹ کو کہ جو کئی سو من وزنی تھا، اکھاڑ لیا اور اپنے ہاتھوں پر ڈھال کی طرح اُٹھا لیا پھر اُسے زور سے دُور پھینک دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں قلعہ فتح ہو گیا۔ آپ کی شجاعت و بہادری سے دُشمن سخت خوفزدہ ہو گیا۔

اس کے بعد یکے بعد دیگرے دُوسرے قلعے بھی فتح ہوتے گئے۔ بعض قلعوں پر لڑائی کی بھی نوبت نہ آئی۔ یہودیوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ جب حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس معرکہ سے سرخرو ہوکر بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوئے، تو خود سرورِ کائنات نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے خیمۂ اقدس سے باہر نکل کر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا استقبال فرمایا اور کمالِ محبّت کے ساتھ آپ کو اپنی آغوشِ رحمت میں لے کر پیشانی کو چوما اور زبانِ وحیٔ ترجمان سے تعریفِ حیدرِ کرّار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "اے علی! میں بھی تم سے راضی ہوں، خدا تعالیٰ بھی راضی ہے۔ جبریل اور سبھی فرشتے بھی تم سے راضی ہیں۔"

خیبر فتح ہوجانے کے بعد رسُولِ رحمت شفیعِ اُمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہودیوں پر احسان فرمایا اور اُن کے خون سے درگزر فرمایا البتہ جو مالِ غنیمت ملا اسے اہلِ ایمان میں تقسیم فرمادیا گیا۔ اِسی مالِ غنیمت میں سردارِ یہود حیی بن اخطب (جو کہ غزوۂ خندق میں مارا گیا تھا) کی بیٹی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گرفتار ہوکر آئیں، جنہیں بعد ازاں امّ المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کا تفصیلی واقعہ اِنشاء اللہ تعالیٰ ازواجِ مطہرات کے ضمن میں آئے گا۔

جنگِ خیبر کے مقتولین غزوۂ خیبر میں ۹۳ یہودی مارے گئے، جبکہ پندرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے شربتِ شہادت نوش فرمایا۔

حسنِ سُلوک فتحِ خیبر کے بعد خیبر کی زمین پر قبضہ کرلیا گیا، مگر یہود نے بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہوکر نہایت عاجزی و انکساری سے درخواست کی کہ ان کو اس بستی سے نہ نکالا جائے۔ زمین اس شرط پر ہمیں دے دی جائے

کہ اس کی پیداوار کا نصف آپ کی خدمت میں پیش کر دیا کریں گے۔ حضور نبیٔ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی یہ درخواست قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:- ہم تمہیں اسی طرح برقرار رکھیں گے، جب تک چاہیں گے۔" چنانچہ یہود کھیتی باڑی کرتے رہے، جبکہ غلہ کی تقسیم کا موسم آیا، تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج دیا تاکہ وہاں سے نصف غلہ لے آئیں ۔۔۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلہ کو دو مساوی حصّوں میں تقسیم کر کے یہود سے فرمایا "جو حصہ چاہے لو اور جو چاہو ہمارے لئے رہنے دو۔" اس پر وہ حیران ہو کر کہنے لگے "زمین و آسمان ایسے ہی عدل و انصاف سے قائم ہیں۔"

(فتوح البلدان بلاذری، ذکر خیبر)

غزوۂ وادی القریٰ

جنگ خیبر سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وادی القریٰ کی جانب روانہ ہوئے

یہ وادی خیبر اور تیما کے درمیان ہے۔ اس میں دیہات کا لگاتار سلسلہ چلا گیا ہے۔ اِسی لئے اِس وادی کو وادی القریٰ (بستیوں والی وادی) کہتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر یہود کو دعوتِ اسلام دی، تو انہوں نے قبولِ حق سے انکار کر دیا اور مقابلہ پر آئے، مگر جلد ہی مغلوب ہو گئے۔ اِس جگہ بھی خیبر کی طرح تقسیمِ غنائم ہوا۔ رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کمالِ شفقت سے کام لیتے ہوئے اہلِ خیبر کی طرح نصف پیداوار پر زمین و باغات اِن ہی کے قبضہ میں چھوڑ دیئے۔ تیما کے یہودیوں نے جب وادی القریٰ والوں کا حال سُنا تو مقابلہ و مجادلہ سے گریز کیا اور قاصد بھیج کر جزیہ[1] پر صلح کر لی اور ان کی زمین و باغات ان ہی کے قبضہ میں رہے۔

---

[1] یعنی یہ کہ مسلمانوں سے لڑائی نہیں کریں گے بلکہ ایک مخصوص ٹیکس جو "جزیہ" ادا کرتے رہیں گے جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر کوئی بھی قوم ان پر حملہ کرے گی، تو مسلمانوں کی فوج تمام تر وسائل کے ساتھ اُن کی

(باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

فدک

جب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خیبر سے واپس تشریف لائے تو اہلِ فدک کی طرف حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا، وہاں کا رئیس یوشع بن نون یہودی تھا۔ اہلِ فدک کو دعوتِ اسلام دی گئی، وہ خیبر کا حال سُن کر پہلے ہی خوف زدہ تھے، اس لئے انھوں نے اگرچہ اسلام تو قبول نہ کیا مگر جنگ نہ کرنے کے وعدہ اور نصف زمین پر صلح کر لی۔

یہود کا خبثِ باطن

دُنیا میں کوئی بھی مفتوحہ قوم سے اس قدر فیاضانہ سلوک نہیں کرتا، جس قدر بانیٔ اسلام سیّد خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے، باوجودیکہ مفتوح ومغلوب یہودیوں سے رسولِ اعظم نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بے مثال حُسنِ سلوک فرمایا تھا۔ بایں ہمہ یہود نا بہبود کے باطن کی پلیدی ظاہر ہوئے بغیر نہ رہی۔ چنانچہ ایک دن زینب بنت الحرث یہودیہ جو کہ سلام بن مشکم کی بیوی اور مقتولِ خیبر مرحب کی بھاوج تھی۔ (اُس) نے ایک بکری کا گوشت بھون کر اس میں زہر ملا دی اور بطورِ ہدیہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں روانہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے بازو کا کچھ گوشت لیا اور تناول فرمانے لگے۔ حاضرین صحابہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شاملِ طعام تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے گوشت تناول فرماتے ہی صحابہ کرام سے فرمایا کہ اسے نہ کھاؤ، اس میں زہر ملا دیا گیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کو طلب فرمایا اور اُن میں سے ہر ایک کو اُس کے باپ کا نام پوچھا، تو انہوں نے ازراہِ شرارت غلط نام بتائے۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی تردید فرماتے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) حفاظت کرے گی، اگرچہ کتنے ہی مسلمانوں کو جام شہادت نوش کیوں نہ کرنا پڑے اور ان کے معاشرتی حقوق مسلمانوں کے برابر ہوں گے، یعنی اگر کوئی مسلمان ان سے زیادتی کرے، تو اسے برابر کی سزا ملے گی۔ ۱۲ منہ

دیئے نام بنام اُن کے باپوں کے نام بتا دیئے، تو وہ اس غیب دانی پر حیران و ششدر رہ گئے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مجھے بتاؤ اگر میں تم سے کوئی اور سوال کروں تو مجھ کو صحیح جواب دو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اگر جھوٹ بولیں گے، آپ کو اسی طرح پتہ چل جائے گا جس طرح ہمارے باپوں کے نام کا پتہ چل گیا ہے، اس لئے سچ ہی بولیں گے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم نے اس گوشت میں زہر ملایا ہے؟" انہوں نے کہا کہ آپ کو کس نے بتایا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بکری کے بازو کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "مجھے اس بازو نے بتایا ہے، جو میرے ہاتھ میں ہے۔" اس پر انہوں نے اقرار کر لیا کہ ہم نے زہر ملایا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیوں ملایا؟ زہر ملانے والی عورت نے عرض کیا: اس خیال سے زہر ملایا کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہوئے تو زہر آپ کو نقصان نہیں دے گا اور اگر آپ رسول نہ ہوئے تو (معاذ اللہ تعالیٰ) ہم آپ سے نجات پائیں گے۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذاتِ اقدس کے لئے کسی سے بھی انتقام نہ لیتے تھے، اس لئے اُسے معاف فرما دیا۔ (مشکوٰۃ باب المعجزات۔ مفہوم)

لیکن جب وہ صحابہ کرام جو شاملِ طعام تھے انتقال فرما گئے اور ان میں سب سے اوّل حضرت بشر بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زہر خورانی سے جامِ شہادت نوش فرمایا تو ان کے قصاص میں وہ عورت قتل کر دی گئی اور بعض روایات کے مطابق وہ مسلمان ہو گئی تھی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (مدارج النبوۃ جلد ثانی)

اِسی سال حضرت خالد بن ولید (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن العاص (فاتح مصر) ایمان لائے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

سنہ ۷ کے بعض دیگر اہم واقعات

(نوٹ، اس جگہ ہم واقعات کو اختصاراً نقل کریں گے۔ اگر تفصیل مطلوب ہو تو کتب سیر و تواریخ خصوصاً مدارج النبوۃ، روضۃ الاحباب اور مواہب لدنیہ وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔ یہ کتاب زیادہ طوالت کی متحمل نہیں)

مہاجرین حبشہ کی آمد ان مہاجرین میں سے جو کہ نجاشی کے ملک میں چلے گئے تھے، ان میں سے، کچھ قبل از ہجرت یہ جھوٹی افواہ سن کر قریش مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے واپس آ گئے تھے۔ پھر انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، جبکہ کچھ لوگ غزوۂ خیبر سے دو سال قبل حبشہ سے مدینہ طیبہ آ گئے۔ جو چند افراد باقی تھے، وہ فتح خیبر کے دن بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے، ان میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا کے بیٹے کا والہانہ انداز میں استقبال فرمایا۔ اُن کی پیشانی چوم کر گلے سے لگایا اور ارشاد فرمایا:۔

ما ادری بایھما انا اسر بفتح خیبر ام بقدوم جعفر۔

"یعنی میں نہیں جانتا کہ مجھے دونوں میں سے کس بات کی زیادہ خوشی ہے، خیبر کے فتح ہونے کی یا جعفر کے آنے کی۔" (ابن خلدون)

حضرت سیدہ ام المومنین ام حبیبہ بنت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زفاف فرمانا بھی ان ہی ایام کے واقعات میں سے ہے، یہ بھی حبشہ کے مہاجرین میں شامل تھیں۔ تفصیلی واقعہ ان شاء اللہ العزیز امہات المومنین کے ضمن میں آئے گا۔

لحمِ خر اور متعہ کی حرمت

ابتدا اسلام میں گدھے کا گوشت اور متعہ (عارضی نکاح) مباح تھا۔ روزِ خیبر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے متعہ اور لحم خر کو حرام فرما دیا۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ روزِ خیبر شام کے وقت مسلمانوں نے خوب آگ جلائی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا: "یہ آگ کیسی ہے اور کیا چیز پک رہی ہے؟" عرض کیا گیا کہ "پالتو گدھوں کا گوشت ہے جو پک رہا ہے۔" حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: گوشت زمین پر الٹ دو، اور ہانڈیوں کو توڑ دو۔" کسی غلام نے عرض کیا کہ "توڑ دیں یا دھونے کی اجازت ہے۔" فرمایا: "دھو ڈالو۔" علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس جگہ حمار انسی یا حمار اہلی یعنی پالتو گدھا اس لئے فرمایا کہ حمار وحشی (گورخر) حلال ہے۔ ابتداً حمار اہلی (عام گدھا) بھی حلال تھا جسے اب حرام فرما دیا گیا۔

(کذا فی المواہب۔ مدارج النبوۃ)

اسی طرح متعہ جو پہلے مباح تھا، حرام قرار دے دیا گیا۔ پھر یوم اوطاس جو کہ فتح مکہ سے متصل بعد ہے، تک اجازت دی گئی۔ پھر اس کے تین دن بعد اسے ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا گیا۔ (مدارج النبوۃ)

عمرۃ القضاء

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فتح خیبر کے بعد شوال المکرم ۷ھ تک مدینہ طیبہ میں تشریف فرما رہے۔ جب ذوالقعدہ کا چاند دکھائی دیا تو ادائے عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ کی طرف رخت سفر باندھا، کیونکہ صلح حدیبیہ میں طے پایا تھا کہ آئندہ سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جماعتِ صحابہ کے ساتھ عمرہ ادا فرمانے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائیں گے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم مع اُن صحابہ کرام کے جو گزشتہ برس بلا ادائے عمرہ مقام حدیبیہ سے واپس چلے گئے تھے۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے اور کافروں کو جلانے کے لئے اشعار پڑھ رہے تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اشعار پڑھنے سے روکا' تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "عمر! ان کو کچھ نہ کہو اور شعر پڑھنے سے نہ روکو۔ ان کے اشعار تیز تر جاتے ہیں' اور کفار کے دلوں میں تیروں کی مانند چبھتے ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تلبیہ پڑھتے ہوئے کعبہ معظمہ تک تشریف لائے اور استیلام حجرِ اسود کے بعد طوافِ کعبہ فرمایا اور عمرہ ادا فرمایا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عقد

رسولِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تین دن تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔ اس دوران اُمّ المؤمنین سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عقد فرمایا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عبداللہ ابن عباس' اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خالہ ہیں' اور تین دن کے بعد حسبِ معاہدہ کفار کی گزارش پر رسولِ عظیم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہجرت نبوی کا آٹھواں سال ۸ھ بمطابق ۶۲۹-۳۰ء

سردارانِ قریش کا قبولِ اسلام

جمہور اہلِ سیر نے بقول سن آٹھ ہجری کے شروع یعنی ماہِ صفر المظفر میں مشہور

معروف دشمنانِ اسلام ولید بن مغیرہ قرشی مخزومی اور عاص بن وائل قرشی سہمی کے جگر گوشے حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما دولتِ ایمان سے مالا مال ہو گئے، ان کے ساتھ شرفِ ایمان سے مشرف ہونے والوں میں حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، جن کے قبضہ میں خانہ کعبہ کی کنجی ہوا کرتی تھی۔ بعض اہل سیر کے نزدیک ان حضرات کا قبولِ اسلام ساتویں سال کے آخر پر ہوا اور عند البعض سن پانچ ہجری ہے۔ بہر حال اللہ جل شانہ کی شانِ بے نیازی ہے کہ کل تک جو مصطفےٰ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو شہید کرنے کے درپے تھے، آج اُن ہی کے دامنِ رحمت وکرم میں پناہ لینا اپنے لئے سعادتِ دارین جانتے ہیں۔ (اللہ اکبر وللہ الحمد)

(نوٹ: ان کے قبولِ اسلام کے تفصیلی واقعات کتبِ سیرت میں موجود ہیں۔)

اس سال وقوع پذیر ہونے والے اہم واقعات میں ایک واقعہ جنگِ موتہ ہے۔

جنگِ مُؤتہ ۸ھ بمطابق ستمبر ۶۲۹ء — جمادی الاوّل —

مُؤتہ یہ ایک موضع کا نام ہے جو بلقاء کے قریب بیت المقدس سے تقریباً دو ۲ منزل کے فاصلہ پر ہے۔ (مدارج النبوۃ)

جنگ کا سبب اس جنگ کے وقوع کا سبب یہ بنا کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نامۂ اقدس عطا فرما کر حکم دیا کہ وہ اسے بصرہ کے بادشاہ کے پاس لے جائیں۔ جب قاصدِ نبوی حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ موضع موتہ پہنچے، تو ان کی ملاقات شرحبیل بن عمر غسانی سے ہوئی۔ یہ اُمرائے قیصرِ رُوم میں سے ایک تھا۔ اس نے حضرت

حارث بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نام و پتہ اور بصرے کی طرف جانے کا سبب پوچھا، تو آپ نے سب کچھ بتا دیا، تو وہ بولا: "گویا تم محمدی قاصد ہو" آپ نے فرمایا: "ہاں! میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہوں" اس پر شرجیل نے حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔ اس سے پہلے حضور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کسی قاصد کو شہید نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی دستور تھا (اس لئے) کسی بادشاہ یا حاکم کے نزدیک کسی قاصد کو شہید یا قتل کرنا جائز تھا۔ قاصدوں کو امن دینا، بدترین ظالموں کے ہاں بھی مسلم تھا تاکہ نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رہ سکے، مگر شرجیل لعین پر شر غالب آگیا اور اُس نے قاصدِ نبوی کو شہید کر دیا۔

جنگ کی تیاری

اس افسوس ناک خبر کے سمعِ اطہر تک پہنچنے پر حضور اکرم آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دشمن کی سرکوبی کا حکم دیا۔ چنانچہ مدینہ طیبہ کی نواحی بستی "الجرف" میں تقریباً تین ہزار صحابہ کرام جمع ہو گئے، اس لشکر میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیرِ لشکر مقرر فرمایا، اور ساتھ ہی یہ ہدایت فرمائی کہ اگر زید بن حارثہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شہید ہو جائیں تو امیرِ لشکر حضرت جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہوں گے اور اگر ان کی بھی شہادت ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) امیر بنیں اور اگر یہ بھی مرتبہ شہادت پا جائیں، تو اہلِ ایمان جسے چاہیں اپنا امیر بنا لیں۔

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی جو اس مجلسِ مبارک میں موجود تھا بولا "اے ابوالقاسم! اگر آپ سچے نبی ہیں، تو جن امیروں کے نام آپ نے گنے ہیں، یہ سب شہید ہو جائیں گے، کیونکہ پہلے انبیاء کرام اگر کسی لشکر کو دشمن کے خلاف روانہ

فرماتے وقت سو شخصوں کو اس طریقہ پر امیر مقرر فرماتے تو وہ سب کے سب شہید ہو جاتے" (یعنی زبانِ نبوت سے جو نکلتا ہے، وہ حق ہی ہوتا ہے) چنانچہ اس جنگ میں بھی اسی طرح وقوع پذیر ہوا، مگر اپنے خبثِ باطن اور شقاوت ازلی کی وجہ سے تیرہ بخت یہودیوں کی قسمت میں نورِ ایمان نہ ہو سکا۔

القصہ حضور اکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سفید علم (جھنڈا) تیار فرما کر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحمت فرمایا اور "ثنیۃ الوداع" تک لشکرِ اسلام کے ساتھ تشریف لائے اور روانہ فرماتے وقت نصیحت فرمائی کہ پہلے وہاں موجود لوگوں کو دعوتِ اسلام دینا، اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو جنگ نہ کرنا، لیکن اگر وہ انکار کریں، تو اللہ تعالیٰ سے امداد و نصرت مانگ کر میدان کارزار میں اتر جانا۔ پھر رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرماتے ہوئے غازیانِ اسلام کو رخصت فرمایا۔

جیسا کہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ لشکرِ اسلام کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی۔ جب یہ لوگ سرزمین شام میں "معان" نامی مقام پر پہنچے تو پتہ چلا کہ ہرقل رُوم مسلمانوں کی نقل و حرکت سے مطلع ہو کر دو لاکھ کے لشکرِ جرار کے ساتھ "بلقا" نامی جگہ میں پڑاؤ کئے ہوئے ہے۔ یہ لشکر شرجیل کی امداد و حمایت کے لئے آیا تھا، اس میں ایک لاکھ رُومی سپاہی اور ایک لاکھ نصرانیانِ عرب تھے۔ خطۂ عرب کے یہ عیسائی قبائل بنو لخم، بنو جذام، قضاعہ، بہرو بلی، اور قیس سے متعلق تھے جبکہ ان کا فوجی سردار قبیلہ بنو اراشہ سے مالک بن رافتسہ تھا۔ (ابن خلدون)

اسلامی لشکر نے دو شب تک "معان" میں قیام کیا اور باہم مشورہ کیا کہ کفار کی اتنی بڑی فوج سے خود اُن کے ملک میں جا کر چند ہزار سپاہیوں کا ٹکرا جانا قرین عقل نہیں ہے اس لئے بارگاہِ رسالت مآب میں بذریعہ خط یا قاصد حالات حاضرہ کے بارے میں عرض کرتے ہیں تاکہ ہماری امداد کے لئے مزید لشکر روانہ فرمائیں یا جو حکم چاہیں ارشاد فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خطبۂ جہاد

اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں، اُن پاکباز جاں نثارانِ اسلام پر کہ جن کا دل شوقِ شہادت میں مچلتا تھا۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان ہی میں سے ایک تھے۔ جب آپ نے لشکرِ اسلام کے اس پس وپیش کو ملاحظہ فرمایا تو بلند آواز سے لوگوں کو اپنی طرف مخاطب فرما کر خطبہ ارشاد فرمایا۔

(ترجمہ) "اے مسلمانو! تم تو جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت سے سرشار ہو کر اپنے گھروں سے نکلے ہو، ہم اکثریت یا طاقت کے بل بوتے پر نہیں لڑتے، ہم تو اس دینِ متین کیلئے لڑتے ہیں کہ جسے عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت وعظمت عطا فرمائی ہے۔ اس لیے (بلا خوف و خطر) مُوتہ کے قریب جمع ہونیوالے ہرقل کے لشکر کی طرف بڑھو اور اپنے لشکر کا میمنہ اور میسرہ[۱] ترتیب دے کر لڑو، تمہیں نیکیوں میں سے ایک نیکی ضرور ملے گی یا تو دشمن پر فتح پا جاؤ گے یا پھر مرتبۂ شہادت سے سرفراز ہو کر جنت کی سیر کرو گے۔"

اِس کلام کے ختم ہوتے ہی مسلمانوں میں ایک تازہ رُوح دوڑ گئی اور وہ اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے موضع مُوتہ پہنچے اور ہرقل کے لشکر کے مقابل صف آرا ہو گئے۔

جنگ کی ابتدا اور حضرت زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی شہادت

میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے لشکر کی ترتیب کچھ اس طرح تھی کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک ہاتھ میں لشکرِ اسلام کا جھنڈا اور دُوسرے میں نیزہ پکڑا ہوا تھا اور آپ سب لشکر کے آگے تھے۔ آپ کے دائیں طرف یعنی میمنہ میں حضرت قطبہ بن قتادہ عذری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بائیں جانب یعنی میسرہ میں حضرت عبایہ بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جب گھمسان کی جنگ شروع

---

[۱] لشکر کے دائیں حصّہ کو میمنہ اور بائیں حصّہ کو میسرہ کہا جاتا ہے، جبکہ درمیانی حصّہ کو قلب کا نام دیا جاتا ہے اور فوج کا جو دستہ سب سے اوّل آگے بڑھ کر حملہ کرتا ہے اسے ہراول دستہ کہا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

ہوئی، تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکرِ کفار کے قلب پر حملہ کیا اور جنگ کرتے ہوئے دُور تک لشکرِ کفار کے اندر چلے گئے۔ دُشمنانِ اسلام نے ان کو گھیرے میں لے لیا اور سخت لڑائی کے بعد یہ مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔

حضرت جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی قیادت اور شہادت

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گرتے ہی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوڑ کر رایتِ اسلام (اسلامی جھنڈا) اٹھا لیا اور جنگ میں مشغول ہو گئے۔ دورانِ جنگ آپ کا گھوڑا زخمی ہو کر گر پڑا۔ آپ اس کی پرواہ کئے بغیر پا پیادہ ہی مصروفِ جہاد رہے، یہاں تک آپ کا دایاں ہاتھ کٹ گیا۔ آپ نے جلدی سے رایتِ اسلام کو بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا دوران جنگ وہ بھی کٹ گیا مگر اللہ تعالیٰ کی کروڑہا رحمتیں نازل ہوں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کہ آپ نے پھر بھی رایتِ اسلام کو گرنے نہ دیا بلکہ دونوں کٹے ہوئے بازوؤں میں علمِ اسلام تھام کر سینے سے چمٹا لیا۔ اس کے بعد کسی کافر نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایسا بھرپور وار کیا کہ آپ کی رُوحِ مبارک فردوسِ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ بعد از شہادت ان کے جسمِ انور کو دیکھا گیا تو جسمِ انور کے اُوپر والے آدھے حصے میں اسیؔ سے زیادہ زخم تلواروں اور نیزوں کے تھے اور یہ سب کے سب سامنے کی جانب تھے جبکہ بخاری شریف میں ہے کہ جسمِ انور پر نوے سے زیادہ زخم نیزوں کے پائے گئے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی قیادت اور شہادت

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علمِ اسلام تھام لیا اور مشغولِ قتال ہو گئے۔

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین دن سے کچھ نہ کھایا تھا۔ آج اُن کے چچا زاد بھائی نے ان کی خدمت میں تھوڑا سا

پکا ہوا گوشت پیش کیا۔ ابھی انہوں نے پہلا لقمہ مُنہ میں ڈالا ہی تھا کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچ گئی۔ انہوں نے وہ لقمہ نگلنے کی بجائے تھوک دیا، اور فرمایا "اے نفس! جعفر! تو دُنیا سے چلے گئے، مگر تو ابھی تک دُنیا کی لذت میں مشغول ہے چل اللہ تعالیٰ کے نام پر شہادت کے لئے آگے بڑھ۔" اس مفہوم کے الفاظ کہتے ہوئے آپ معرکہ کارزار میں داخل ہوگئے اور اس قدر شدت سے جنگ کی کہ مرتبۂ شہادت نے آگے بڑھ کر آپ کے قدم چوم لئے۔

حضرت خالد بن ولید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بحیثیت سپہ سالار فوج

چونکہ بحکمِ خدا غیب دان نبی محترم رسُولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے ہی ارشاد فرما دیا تھا کہ جب عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شہید ہو جائیں، تو مسلمان کسی ایک کی امارت پر متفق ہو جائیں، اس لئے بر وقت حضرت ثابت بن احرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سبقت دکھائی اور دوڑ کر علمِ اسلام تھام لیا اور پکار کر کہا۔

یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِینَ اِصطلحوا علیٰ رَجُلٍ مِنکم۔
"اے مسلمانو! اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالو۔" لشکرِ اسلام نے جواباً کہا:۔ رَضِینَا بِکَ۔ "ہم تم پر راضی ہیں" حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔ ما انا بفاعل فاصطلحوا علیٰ خالد بن ولید۔
"میں اس لائق نہیں ہوں (یعنی تیزی سے حملہ نہیں کر سکتا) تم خالد بن ولید کی امارت پر اتفاق کرلو" سب مسلمان فوراً متفق ہوگئے۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت نہایت ہی قابلِ رحم تھی۔ مشرکین مسلمانوں پر پل پڑے تھے۔ علمِ اسلام کو تھامنا بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ قریب تھا کہ اہلِ اسلام ہزیمت اٹھاتے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر علمِ اسلام کو تھام لیا۔ اور اس قدر دلیری اور شدت کے ساتھ حملہ کیا کہ لشکرِ کفار میں کھلبلی مچ گئی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکوں کی ایک بڑی جماعت کو

موت کی وادی میں دھکیل دیا۔ خود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ
اُس دن اُن کے ہاتھ میں (دورانِ جنگ) نو تلواریں ٹوٹیں۔ غرضیکہ حضرت خالد
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس دن اپنی گزشتہ غلطیوں کی خوب خوب تلافی کی۔ اس صورتِ حال
کو دیکھ کر دوسرے مسلمانوں کے بھی حوصلے بُلند ہو گئے۔ انہوں نے بھی پلٹ کر حملہ کر دیا۔
چنانچہ اس روز بڑی شدت کی جنگ لڑی گئی۔ جب شام ہوئی اور رات کا اندھیرا
گہرا ہوا تو فریقین نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لئے۔

دُوسرے روز حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمِ اسلام اٹھائے میدان میں
تشریف لائے اور اپنے لشکر کی صفوف کی ترتیب بدل دی، یعنی میمنہ کو میسرہ اور
میسرہ کو میمنہ سے بدل دیا۔ اسی طرح ساقہ کو مقدمہ اور مقدمہ کو ساقہ سے تبدیل
کر دیا۔ مشرکین نے اس حال کو دیکھا تو سمجھا کہ شاید مسلمانوں کی امداد کے لئے کوئی
تازہ دم لشکر آ گیا ہے۔ اُن کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب و دبدبہ پیدا ہو گیا اور
مقابلہ کے وقت انہوں نے رَاہِ فرار اختیار کر لی۔ حضرت خالد
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا تعاقب فرمایا اور دلیری و مردانگی کا پورا پورا حق ادا کر دیا
ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ مُوتہ کی طرف آتے ہوئے مسلمان ایک قلعہ
کے قریب سے گزرے تو اہلِ قلعہ نے ایک مسلمان کو شہید کر دیا تھا۔ حضرت خالد
بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قلعہ پر حملہ کر کے اسے بھی فتح کر لیا (ابن خلدون، مدارج)

میدانِ جنگ اور نگاہِ نبوت

کتبِ احادیث میں ہے کہ جب مجاہدینِ اسلام
لشکرِ کفار سے برسرِ پیکار تھے، اُس وقت
رسُول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مسجدِ نبوی شریف میں تشریف فرما تھے۔ اللہ
تبارک و تعالیٰ جل شانہٗ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظرِ مبارکہ سے حجابات
کو دُور فرما دیا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم واقعات و حالاتِ جنگ کو

یوں ملاحظہ فرما رہے تھے گویا کہ خود میدانِ کارزار میں تشریف فرما ہیں اور چشم سر سے سب کچھ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ معائنہ فرماتے ہوئے صحابہ کرام سے ارشاد فرما رہے ہیں:-

"(وہ دیکھو) زید بن حارثہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عَلَمِ اسلام اٹھائے ہوئے، لڑائی کر رہے ہیں۔ شیطان نے اُن کی نظر میں دُنیاوی زندگی کو آراستہ کر کے دکھلایا، مگر وہ ثابت قدم رہے۔ وہ جنگ میں آگے بڑھ رہے ہیں، وہ جنگ کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ (پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کے لئے دُعا فرمائی اور صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا:) تم بھی ان کے لئے استغفار کرو اور وہ جنت میں داخل ہو گئے اور جنتی باغات کی سیر کر رہے ہیں۔ ان کے بعد جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے عَلَم اٹھا لیا ہے۔ شیطان ان کے پاس بھی آیا، مگر انہوں نے بھی اسے ٹھکرا دیا اور معرکۂ جنگ میں داخل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی شہادت کے مرتبہ پر فائز فرمایا (ان کے دونوں بازو کٹ گئے) مگر پھر بھی لڑتے ہوئے جنت میں داخل ہو گئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں کی جگہ جنتی یاقوت کے دو بازو عطا فرما دیئے ہیں، اُن کو میں فرشتوں کے ساتھ اُڑتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ (اُسی دن سے حضرت سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب "جعفر طیار" یعنی اُڑنے والے جعفر پڑ گیا) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے تھے: ان کے بعد عَلَمِ اسلام عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے تھام لیا، انہوں نے بھی خوب جنگ کی اور وہ بھی مرتبۂ شہادت پا کر جنت کو سدھار گئے ہیں۔ رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم یہ فرماتے جا رہے تھے اور مُبارک آنکھوں سے مُسلسل آنسو بہتے جاتے تھے۔

اِس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے (خوشی کے انداز میں) ارشاد فرمایا: اب اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (سیف اللہ) نے علمِ اسلام تھام لیا ہے یعنی (حضرت) خالد بن ولید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جھنڈا پکڑ لیا ہے (ان شاء اللہ تعالیٰ)

ان ہی کے ہاتھ پر فتح ہوگی۔" چنانچہ اسی طرح ہوا اور اُسی دن سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب "سیف اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی تلوار مشہور ہوگیا۔
(خلاصہ مفہوم از صحیح بخاری، واقدی، بیہقی، ابن اسحاق، خصائص کبریٰ للسیوطی)

لشکرِ اسلام کے قاصد کی آمد لشکرِ اسلام کے مدینہ طیبہ پہنچنے سے قبل حضرت یعلیٰ بن منیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجاہدینِ

مُوتہ کی خبر پیش خدمت کرنے کے لئے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُس سے فرمایا "اگر تم چاہو، تو مجھے مطلع کر دو اور اگر تمہاری مرضی ہو تو میں تم کو تمام حالات مفصل طور پر بتا دیتا ہوں۔" حضرت یعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ "یا رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلّم آپ ہی ارشاد فرما دیجئے۔" اس پر رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جنگ کے سب واقعات و حالات بالتفصیل بیان فرما دیئے۔ یہ سُن کر حضرت یعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے "مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس نے آپ کو نبیِ برحق بنا کر بھیجا، آپ نے ان لوگوں کے واقعات میں سے کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی، جسے بیان نہ کیا ہو۔" رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے سے زمین کے تمام حجابات اُٹھا دیئے تھے اور میں نے بچشمِ خود میدانِ جنگ کا مشاہدہ فرمایا۔ (خصائصِ کبریٰ جز اوّل)

میدانِ جنگ میں شرفِ انسانیت کی حفاظت آج کے اِس نام نہاد مہذب دور میں تہذیب و

شرافت کی جس انداز میں دھجیاں اڑائی جاتی ہیں، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ دورانِ جنگ تمام تر اصول و قواعد کو پائمال کر دیا جاتا ہے۔ شہری آبادیوں بلکہ تعلیمی اداروں، عبادت گاہوں اور ہسپتالوں تک کو بھاری بمباری کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ایٹمی یا جوہری جنگ میں بلا امتیاز بے شمار انسانوں (بچوں، بوڑھوں، عورتوں، مریضوں) کو کربناک موت کی نیند

سُلا دیا جاتا ہے جو چند زندہ لاشے بچتے ہیں، اُن اپاہج افراد کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ اُن کے ہاں طویل عرصہ تک پیدا ہونے والے بچے تابکاری اثرات کی وجہ سے لُولے لنگڑے، اندھے اور خوفناک شکلوں میں ہوتے ہیں۔ عام گھمسان کی جنگوں میں ان امن پسند شہریوں پر کہ جن کا جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بے پناہ ظلم اور تشدد کیا جاتا ہے، ان کے مکانات کو تہس نہس کر دیا جاتا ہے اور شہروں اور بستیوں کو ویران اور برباد کر دیا جاتا ہے، جس سے وہاں کے باشندے ہر ایسی انتہائی شقاوت اور بربریت کا شکار ہو جاتے ہیں کہ جن کا تصور بھی ممکن نہیں، اور یہ سب کچھ اس دور میں ہو رہا ہے جسے تہذیب و ترقی اور علمی عروج کا دور کہا جاتا ہے۔

مَیں (مصنف کتاب ہذا) ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنے دل میں انسانیت کا درد رکھنے والے ہر صاحبِ اختیار اور خصوصاً مغربی تہذیب و تمدن کے علمبردار ممالک اور فوجی سربراہوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ میرے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سراپا کرم اور انتہائی رحیم و شفیق اور شرفِ انسانیت سے لبریز پُرنور قلبِ اقدس سے صادر ہونے والی اس عظیم نصیحت پر غور کریں، جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مُوتہ کی طرف جانے والے اسلامی لشکر کو فرمائی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (ترجمہ) "میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے (تقویٰ اختیار کرنے) اور اپنے مسلمان ساتھیوں سے حُسنِ سلوک کی نصیحت کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کے منکروں سے جہاد کرو۔ خبردار نہ تو عہد شکنی کرنا، نہ کسی قسم کی زیادتی کرنا، نہ ہی کسی بچے، عورت، عمر رسیدہ شخص اور اپنی عبادت گاہ میں گوشہ نشین شخص کو قتل کرنا، لوٹ مار مچانا تو درکنار، کسی کھجور کے باغ کے قریب نہ جانا، نہ کسی درخت کو کاٹنا اور نہ ہی کسی مکان کو منہدم کرنا، اگرچہ وہ مکان کسی امن پسند شہری کا ہو یا میدانِ جنگ میں لڑنے والے کسی سپاہی کا۔" (مختلف کتب سیرت و تواریخ)

جنگِ مُوتہ میں شہداء کی تعداد

قارئین کرام! آپ سوچ رہے ہوں گے کہ محض تین ہزار فرزندانِ توحید دیارِ غیر میں جا کر جب دو لاکھ سے زیادہ تعداد میں خونخوار جنگجوؤں سے ٹکرائے ہوں گے، تو شاید چند سو ہی باقی بچے ہوں گے، مگر آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ تاریخ ابن خلدون کے مطابق اس جنگ میں صرف دس مجاہدینِ اسلام نے جام شہادت نوش فرمایا۔ البتہ علامہ ابن ہشام نے حضرت زیدؓ بن حارثہ، حضرت جعفرؓ طیار اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے علاوہ نو آدمیوں کے اسمائے گرامی درج فرمائے ہیں یعنی حضرت مسعودؓ بن اسود، حضرت وہبؓ بن سعد۔ حضرت عبادہؓ بن قیس، حضرت حرثؓ بن نعمان۔ حضرت سراقہؓ بن عمرو۔ حضرت ابوکلیبؓ بن عمرو۔ حضرت جابر بن عمرو۔ حضرت عامرؓ بن عمرو۔ حضرت عمروؓ بن سعد۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) (سیرت ابن ہشام)

غزوہ فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ھ جنوری ۶۳۰ء)

ہجرتِ نبوی کے آٹھویں سال کے واقعات میں مکہ مکرمہ (زادہا اللہ تعظیماً و تشریفاً) کا فتح ہونا بھی ہے۔ یہ وہ فتحِ عظیم ہے کہ جس پر سورۃ الفتح کی آیہ مبارکہ "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا" برہانِ ناطق ہے۔ اگرچہ مفسرینِ عظام کے نزدیک اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے جو فتوحاتِ عظیمہ کا باعث اور سرچشمہ و دروازہ بنی۔ بایں ہمہ فتح مکہ عظیم ترین فتوحات میں سے ایک ہے۔ رب ذوالجلال نے اسی فتحِ عظیم کے ذریعے اپنے دینِ متین کو غالب و قوی بنایا اور حرمِ پاک کو جائے امن قرار دیا۔ اسی سے اس بلدِ امین اور اپنے بیتِ اقدس کو بتوں اور مشرکوں کی نجاست سے یوں پاک کیا کہ زمین و آسمان والے عش عش کر اٹھے۔

اطراف و اکناف کے وہ لوگ جو اس بات کے منتظر تھے کہ اگر اس مقدس ہستی (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے آبائی شہر مکہ مکرمہ کو فتح کر لیا اور بیت اللہ شریف اِن کے قبضہ و اقتدار میں چلا گیا، تو پھر ہم اس دین کو دینِ حق سمجھ کر قبول کریں گے۔ وہ لوگ اِس فتحِ عظیم کے معرضِ وجود میں آتے ہی ہر چہار جانب سے دوڑتے ہوئے آئے اور گروہ در گروہ دامنِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پناہ لینے لگے، جیسا کہ خود خلاقِ عالم جل شانہٗ فرماتا ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۠ (النصر)

جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آئے اور لوگوں کو تم دیکھو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے اس کی تسبیح کہو اور اس سے بخشش مانگو، بے شک وہ توبہ کو بہت جلد، قبول فرمانے والا ہے۔

اسبابِ فتحِ مکہ

اِس موہبتِ ربانی اور فتحِ صمدانی کے ظہور کا ظاہری سبب یہ بنا کہ بر موقعِ صلحِ حدیبیہ منجملہ دیگر شرائط کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائلِ مکہ میں سے جو قبیلہ چاہے قریشِ مکہ کا حلیف بنے اور جو چاہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عہد و حلف میں شامل ہو اور دوسرے یہ کہ دونوں اطراف کے شہری ایک دوسرے سے امان میں رہیں گے۔ حلیف دراہم عہد ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، چنانچہ قبیلہ بنو بکر قریش کا حلیف بن گیا جبکہ بنو خزاعہ رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معاہدہ و ذمہ داری میں داخل ہو گئے بنو خزاعہ کے داخلِ عہد ہونے کا سبب یہ بنا کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دادا محترم حضرت عبدالمطلب کا اپنے چچا نوفل سے سقایہ دحاجیوں

کو پانی پلانے) کے چوک اور صحن پر جھگڑا ہوا تو نوفل نے حضرت عبد المطلب سے سقایہ اور متعلقہ عمارت و زمین ظلماً چھین لی۔ اس پر حضرت عبد المطلب نے اپنی قوم کو مقابلہ کے لئے آمادہ کرنا چاہا، مگر کسی نے بھی آپ کا ساتھ نہ دیا اور کہا کہ "ہم آپ کے اور آپ کے چچا کے درمیان مداخلت نہیں کرنا چاہتے۔"

پھر حضرت عبد المطلب کے اپنے ننھیال بنو نجار (جو بعد میں ہمارے پیارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی ننھیال بنے) کو امداد کے لئے بلایا، چنانچہ یثرب (موجودہ مدینہ منورہ) سے ابوسعید بن عدس بخاری باختلاف روایات ستر یا اسی شہسواروں کے ساتھ مکہ مکرمہ آگیا اور صاف لفظوں میں کہا کہ ہمارے بھانجے سے جو کچھ تم نے چھینا ہے، واپس کر دو، ورنہ اس بیت اللہ کے رب کی قسم ہم تلواروں کے ایسے بھرپور وار کریں گے کہ فیصلہ ہو جائے گا۔ یہ دیکھ کر نوفل نے جو چھینا تھا وہ سب کچھ واپس کر دیا، مگر اپنی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے اپنے دوسرے بھتیجے عبد الشمس سے بنو ہاشم کے مقابلہ میں معاہدہ کر لیا۔ ردِ عمل کے طور پر حضرت عبد المطلب نے ان سے مقابلہ کے لئے قریش ہی کی ایک شاخ بنو خزاعہ سے معاہدہ کر لیا۔ صلح حدیبیہ کے دن بنو خزاعہ والے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے داداجان کی تحریر لیکر حاضرِ خدمت ہو گئے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ تحریر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پڑھ کر سنائی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسی سابقہ معاہدہ کی توثیق فرماتے ہوئے اسے قائم رکھا

زمانۂ جاہلیت میں بنو خزاعہ اور بنو بکر کے درمیان بہت سی لڑائیاں لڑی گئیں، ظہورِ اسلام کے بعد اُن کی توجہ اسلام کی طرف مبذول ہو گئی اور وہ لڑنے سے رُکے رہے مگر قریش اور مسلمانوں میں صلح حدیبیہ ہو جانے کے بعد سوتے ہوئے اختلافات پھر سے انگڑائیاں لینے لگے۔ ایک دن بنو بکر کا ایک بدنصیب شخص رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں سخت گستاخانہ انداز میں بیہودہ اشعار بلند آواز سے گا کر

پڑھ رہا تھا۔ بنو خزاعہ کے ایک آدمی نے اسے روکا، جس پر دونوں میں جھگڑا شروع ہوگیا۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حلیف خزاعی نے اس دریدہ دہن گستاخ کا سر پھاڑ دیا۔ بنو بکر والوں نے قریش سے مدد مانگی۔ حسبِ معاہدۂ حدیبیہ چاہیئے تو یہ تھا کہ قریش ان کے ساتھ شامل جنگ نہ ہوتے، بلکہ ان کی صلح کرواتے، مگر قریش میں سے صفوان بن امیہ، حویطب بن عبد العزّٰی، عکرمہ بن ابی جہل، شیبہ بن عثمان، سہل بن عمرو وغیرہ بنو بکر کے ساتھ ہوگئے اور ان سب نے رات کے اندھیرے میں اپنے چہرے چھپا کر (تاکہ پہچانے نہ جائیں) سوتے ہوئے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ ان بیچاروں نے امان بھی مانگی، بھاگ کر حرمِ کعبہ میں پناہ بھی لی، مگر ان کو ہر جگہ بے دریغ تہ تیغ کیا گیا۔ جب یہ مظلوم الٰھک (اپنے معبود کے واسطے، اپنے معبود کے واسطے) کہہ کر اُن سے رحم کی درخواست کر رہے تھے، تو یہ ظالم جواباً کہتے تھے: لا الٰہ الیوم "یعنی آج اللہ تعالیٰ کی کوئی حیثیت نہیں" (معاذ اللہ) حتیٰ کہ خزاعہ کے تیئس ۲۳ کے قریب مرد قتل ہوگئے۔ (تاریخِ طبری و سیرت ابن ہشام)

قریش نے چونکہ چہرے چھپا کر حملہ کیا تھا اور اُن کو یقین تھا کہ وہ پہچانے نہیں جا سکتے، مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اسی وقت اس واقعہ فاجعہ کی خبر دے دی گئی تھی۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جس شب یہ واقعہ پیش آیا اُس کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا "اے عائشہ! مکہ مکرمہ میں یہ حادثہ واقع ہوا ہے اور قریش نے عہد شکنی کی ہے۔" میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) کیا خیال ہے کہ قریش عہد شکنی میں دلیری دکھائیں گے، حالانکہ تلواروں نے اُن کو فنا کر دیا ہے؟" فرمایا "انہوں نے یہ عہد اس بات کی تکمیل کے لئے توڑا ہے، جو اللہ تعالیٰ پورا فرمانا چاہتا ہے۔" میں نے عرض کیا "یہ معاملہ خیر ہے یا شر؟" ارشاد فرمایا "انشاء اللہ تعالیٰ خیر ہی ہوگا۔"

حضرت اُم المومنین سیدہ میمونہ کی خدمت (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

طبرانی نے معجم صغیر میں حضرت سیدہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ آپ فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرماتے ہوئے تین مرتبہ لبیک۔ لبیک۔ لبیک اور تین مرتبہ ہی نُصِرْتُ۔ نُصِرْتُ۔ نُصِرْتُ (میں مدد کرتا ہوں، میں مدد کرتا ہوں، میں مدد کرتا ہوں) فرمایا۔ میں جلدی سے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، آپ کس سے باتیں فرما رہے تھے، یہاں تو کوئی بھی شخص نہیں"؟ آپ نے فرمایا: "مجھے پکارنے والا بنی کعب تھا، جو قبیلہ بنو خزاعہ سے ہے، وہ مجھ سے مدد مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ قریش نے بنو بکر کی مدد کی اور ہم پر شب خون مارا ہے۔"

اس کے تین دن بعد عمرو بن سالم پیچھے پیچھے چالیس سواروں کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور سیدھے مسجدِ نبوی شریف پہنچے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم سردار بنو خزاعہ نے آتے ہی فی البدیہہ چند اشعار پڑھے، ان شعروں میں عمرو بن سالم نے اس داستانِ ظلم کو کچھ اس انداز سے بیان کیا کہ سُن کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انتہائی محبت اور ایفائے عہد کا مظاہرہ فرماتے ہوئے فرمایا: "میری مدد نہ ہو گی اگر میں نے تمہاری مدد نہ کی جس طرح میں اپنی مدد کرتا ہوں، اسی طرح تمہاری مدد کروں گا۔ پھر مزید ارشاد فرمایا: "تم اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، کوئی غم فکر نہ کرو، کیونکہ فتح و نصرت کے دن قریب آگئے ہیں۔ اس کے بعد صحابہ کرام سے فرمایا: "میں دیکھ رہا ہوں کہ ابوسفیان آیا ہے، وہ صلح کی مدت بڑھانے اور تجدید عہد کی درخواست کر رہا ہے، مگر خائب و خاسر ہو کر مکہ مکرمہ لوٹ گیا ہے۔" (مدارج النبوۃ جلد ثانی)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب قریش کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی تو انہوں نے ابوسفیان کو تجدید عہد اور معذرت خواہی کے لئے مدینہ طیبہ روانہ کیا۔ ابوسفیان مدینہ منورہ آیا اور سب سے اول اپنی بیٹی اُم المؤمنین حضرت سیدہ اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر آیا اور بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا، تو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے روک دیا اور بستر اقدس لپیٹ کر بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ ابوسفیان نے حیران ہوکر پوچھا؛ "کیا تم اس بستر کو مجھ سے بچاتی ہو"؟ حضرت سیدہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا؛ "ہاں اس لئے کہ یہ بستر حضور سید الطاہرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہے جبکہ تم مشرک اور نجس ہو، میں برداشت نہیں کرسکتی کہ تم اس پاکیزہ بستر پر بیٹھو"۔ اس پر وہ خفا ہوکر اپنی بیٹی کے ہاں سے چلا آیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر تجدید عہد کے موضوع پر بات کی، مگر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ یہاں سے وہ خائب و خاسر ہوکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا، مگر کوئی بات نہ بنی، تو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا یہاں سے سخت ڈانٹ پڑی، تو سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس اُن کے آستانہ اقدس پر حاضری دی، مگر یہاں بھی ناامیدی و ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں سفارش کے لئے عرض گزار ہوا، مگر یہاں سے بھی تہی دامن رہا۔ آخر مایوس و ناامید ہوکر مکہ معظمہ کی طرف واپس لوٹ گیا۔

(ابن ہشام۔ طبری۔ ابن خلدون۔ مدارج النبوۃ)

جنگ کی تیاری

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی شخص کو اطلاع دیئے بغیر خفیہ طور پر جہاد کی تیاری شروع فرمادی اور بارگاہ رب العزت میں یہ دعا کی کہ "اَللّٰھُمَّ خُذْ عَلٰی اَبْصَارِھِمْ فَلَا یَرَوْنِیْ اِلَّا بَغْتَۃً"۔ "اے اللہ تعالیٰ کفار کی بینائیوں کو سلب کرلے وہ مجھے نہ دیکھ سکیں مگر اچانک"۔

رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرات صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو
ہمراز بناتے ہوئے کسی دوسرے کو ہمراز بنانے سے منع فرماکر بھرپور انداز میں تیاری کا
حکم دیا۔ سب صحابہ کرام علیہم الرضوان تیاری تو فرما رہے تھے، مگر ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ
کدھر کا عزم مبارک ہے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط اسی دوران بنو عبد المطلب کی ایک
کنیز سارہ[1] جو کہ کافرہ تھی اور
مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جا رہی تھی، اس کے ہاتھ حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے ایک خط اہلِ مکہ کے نام بھیجا جس کے مضمون کا مفہوم یہ تھا کہ "حضور نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم لشکر کی تیاری فرما رہے ہیں، مجھے اُمید ہے کہ مکہ مکرمہ پر لشکر کشی
کا ارادہ فرما رہے ہیں، تمہیں اپنی فکر کرنی چاہیئے۔" سارہ نامی اس عورت نے یہ خط اپنے
سر کے بالوں کی مینڈھیوں میں چھپایا اور اونٹنی پر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئی، اور
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ربِ کریم جل شانہٗ نے اس واقعہ سے مطلع فرمایا۔
آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت مقداد
بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فرمایا کہ فوراً "خاخ" کے باغ میں جاؤ، وہاں تم کو ایک
اونٹنی سوار عورت ملے گی، اس سے خط لے آؤ۔ اگر وہ خط دے دے، تو اسے کچھ نہ کہنا۔
چنانچہ یہ حضرات فوراً روضۂ خاخ پہنچے، اتنے میں وہ عورت بھی آگئی۔ ان حضرات نے اس
سے خط طلب فرمایا، تو اُس نے جھوٹ بولا، اُس کا سامان ٹٹولا، مگر خط نہ ملا تو حضرت سیدنا
علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سخت لہجے میں دھمکی دی جس سے مرعوب ہو کر اس نے اپنے
بالوں سے خط نکال کر دے دیا۔ خط پا کر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت
حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا اور تحقیق حال فرمائی تو حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] ابن خلدون نے اس کا نام "کنود" تحریر فرمایا ہے۔

نے عرض کیا "یا رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، میرے معاملے میں جلدی نہ فرمائیے اللہ تعالیٰ کی قسم، میں ایمان والا ہوں، اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول پر دل و جان سے ایمان رکھتا ہوں، میرے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ دراصل بات یہ ہے میں ایسا شخص ہوں کہ جس کا مکہ مکرمہ میں کوئی قبیلہ یا کنبہ نہیں ہے۔ (یعنی میں قریش میں سے نہیں ہوں اور میرے اہل و عیال اُن (کفارِ مکہ) میں گھرے ہوئے ہیں، ظاہراً ان کی کوئی حفاظت کرنے والا نہیں ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اُن پر احسان کروں (یعنی میرا خط اُن کو بچا تو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے، مکہ مکرمہ فتح ہو ہی جائے گا) بس اپنے اہل و عیال کی محبت میں یہ غلطی ہو گئی، وگرنہ میرا یہ عمل نفاق یا ارتداد کی وجہ سے نہیں ہے۔"

اِس پر رسُول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بُلند آواز سے صحابہ کو فرمایا آگاہ اور باخبر ہو جاؤ، حاطب سچ کہتا ہے۔ پھر فرمایا، اِنَّ اللّٰہَ اَطْلَعَ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ وَّقَالَ اِعْمَلُوْا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ۔ "بے شک اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کے حال پر مطلع ہے اور فرماتا ہے، تم جو چاہو کرو، بے شک میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔" (رواہ طبرانی۔ بخاری باب غزوۃ الفتح)

واضح رہے کہ یہ وہی حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ جن کو رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سنہ ۶ ھ میں نامۂ اقدس عطا فرما کر شاہِ مقوقس کے پاس بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور اُس کے رسُول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے قصور کو معاف فرما دیا۔

مکہ مکرمہ کی جانب روانگی

جب مکہ مکرمہ کا عزمِ سفر مکمل ہو گیا تو بعض قبائلِ عرب مثلاً اسلم، غفار، جہنیہ، اشجع، سلیم وغیرہ کی طرف بھیجا، یہ سب داخلِ اسلام ہو چکے تھے، ان کو حکم دیا گیا کہ سب مسلح ہو کر شاملِ لشکر ہو جائیں۔ اس کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دو شنبہ

رمضان المبارک ۸ھ بروز بدھ بعد نمازِ عصر مدینہ طیبہ سے عازمِ مکہ مکرمہ ہوئے۔
(ابن خلدون - واقدی)

امام احمد حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باسنادِ صحیح روایت فرماتے ہیں کہ روانگی دو۲ رمضان المبارک کو ہوئی۔ الغرض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تقریباً بارہ ہزار کے لشکرِ جرار کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اُمّہات المومنین میں سے حضرت سیدہ اُمِ سلمہ اور حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شرفِ ہم رکابی حاصل ہوا۔ مدینہ طیبہ میں حضرت کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ابن خلدون) جبکہ عند البعض ابن اُمِ مکتوم یا ابوذر غفاری (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) (مدارج النبوۃ) کو خلیفہ مقرر فرمایا، جس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جحفہ یا ذوالحلیفہ (جسے آج ابیار علی کہتے ہیں اور اہل مدینہ کی میقات ہے) پر پہنچے تو حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اہل و عیال سمیت ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کی طرف آتے ہوئے ملے، ان کی آمد پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اظہارِ مسرت فرمایا اور حکم دیا کہ اسباب تو مدینہ طیبہ بھیج دو، مگر خود ہمراہ رہو اور یہ بھی فرمایا کہ یہ تمہاری ہجرت آخری ہجرت ہے (یعنی اس کے بعد کوئی آنے والا مہاجر نہیں کہلائے گا) جب منیق العقاب پہنچے، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حارث بن عبد المطلب کے بیٹے ابوسفیان بن حارث اور پھوپھی عاتکہ بنت عبد المطلب کے بیٹے عبد اللہ بن امیہ سے ملاقات ہوئی۔ یہ دونوں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا اور اہانت میں بہت بڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے رُخِ انور پھیر لیا اور گفتگو نہ فرمائی۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی حکمتِ عملی اور حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سفارش پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو معاف فرمایا اور یہ دونوں سچے دل سے دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (ابن خلدون - مدارج النبوۃ)

حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے غلاموں کی معیت میں منازلِ سفر طے فرماتے ہوئے مرالظہران (جسے اب وادیٔ فاطمہ[1] کہا جاتا ہے) پہنچے۔ یہ مقام مکہ مکرمہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں پہنچ کر لشکرِ اسلام خیمہ زن ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ لشکر کو حکم دیا کہ بوقتِ شب ہر سپاہی اپنے خیمے کے سامنے آگ روشن کرے۔"

حضرت عباس اور ابوسفیان

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اُن کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آپ گر اہلِ مکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مزاحم ہوں گے، تو شدید ترین نقصان اُٹھائیں گے اس لئے اگر کوئی شخص مل جائے، تو میں قریش مکہ کو سمجھا دوں کہ وہ مقابلہ پر نہ آئیں۔ اس مقصد کے لئے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خچر پر سوار ہو کر لشکر سے باہر نکلے تو ابوسفیان بن حرب حکیم بن حزام (یعنی ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے) اور بدیل بن ورقا سے ملاقات ہوئی، یہ جاسوسی کی غرض سے گھوم رہے تھے اور پوری وادی میں پھیلی ہوئی آگ اور عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ یہ لشکر کس کا ہے؟ اندھیرے کی وجہ سے یہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ دیکھ سکے، جبکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی آواز سے ان کو پہچان لیا اور فرمایا: یہ لشکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہے، جو تم پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ ابوسفیان نے کہا: اے ابوالفضل عباس! ہمارا کیا بنے گا؟ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوسفیان کو اپنی سواری پر بٹھالیا اور بارگاہِ اقدس میں لے کر حاضر ہو گئے، چنانچہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار کے ڈر اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ترغیب سے ابوسفیان مسلمان ہو گئے

---

[1] خیال رہے کہ وادی فاطمہ کا یہ نام سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منسوب نہیں بلکہ عام دیگر مقامات کی طرح یہ بھی ایک مقام کا نام ہے۔ (مدارج النبوۃ)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گزارش پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ابوسفیان کے گھر کو دارالامن قرار دے دیا۔ مزید فرمایا کہ جو کوئی مسجد بیت الحرام میں آجائے گا وہ بھی امن میں رہے گا اور جو کوئی اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا (یعنی جنگ میں حصّہ نہ لے گا) وہ بھی مامون و محفوظ ہوگا۔

شوکتِ لشکرِ اسلام

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ابوسفیان کو لے کر کسی چھوٹی گھاٹی کے کنارے پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو جائیں تاکہ اسے لشکرِ اسلام کی شان و شوکت دکھا کر اس کے غرور کا سر توڑا جائے۔

(مدارج النبوۃ - ابن خلدون وغیرہ)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کو لے کر ایک تنگ سے راستے کے قریب پہاڑ پر جا بیٹھے، یہاں سے گزرتا ہوا لشکرِ اسلام صاف دکھائی دے رہا تھا۔ سب سے اوّل سپاہ شوکت پناہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے جو بنی سلیم کے ہزاروں افراد کے ساتھ تھے۔ اس فوج کے پاس دو جھنڈے تھے۔ ابوسفیان نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا، "یہ کون ہے؟" آپ نے جواباً فرمایا: "یہ خالد بن ولید ہیں۔" اور جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کے برابر پہنچے، تو پورے جاہ و حشم کے ساتھ اتنے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ پہاڑ گونج اٹھے، ان کے بعد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھنڈا اٹھائے پانچ سو پہلوانوں اور دلاوروں کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے گزرے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا تعارف کروایا۔ ان کے پیچھے بنو غفار کا لشکر نمودار ہوا۔ ان کا جھنڈا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ ان سے متصل بعد گزرنے والے بنو کعب بن عمر کے شاہسوار تھے

جو پوری شان و شوکت کے ساتھ گزر رہے تھے، اُن کا جھنڈا بشیر بن سُفیان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، ان کے بعد قبیلہ مُزَینہ کا عظیم الشان لشکر آگیا، ان کے پاس تین جھنڈے تھے ان کے بعد قبیلہ جہینہ کے لوگ پہنچے، جن کی تعداد آٹھ سو تھی اور انہوں نے چار جھنڈے اُٹھا رکھے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر ایک لشکر کا تعارف کروا رہے تھے جبکہ ابوسُفیان حیرت میں سرگرداں لشکرِ اسلام کو دیکھ رہے تھے۔ پھر قبیلہ بنو اشجع کے تین سو بہادر جھنڈا اُٹھائے گزرے، اِن کے تعارف پر ابوسُفیان نے کہا، محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے سب سے زیادہ دشمن یہ لوگ تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لیکن اب اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا فرما دی ہے۔ ابوسُفیان نے کہا، "مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں ہے۔" ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضور سرورِ عالم رسُولِ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خاص فوج نمودار ہوئی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مخصوص ناقہ پر سوار تقریباً پانچ ہزار اعیانِ مہاجرین و اشراف و انصار کے جھرمٹ میں جو کہ سب کے سب مکمل طور پر مسلح اور زرہ و خُود سے آراستہ و پیراستہ تھے، یہ نعرۂ تکبیر کو بلند کرتے ہوتے گزرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک طرف حضرت ابوبکر صدیق اور دوسری طرف حضرت اُسید بن حضیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان سے محوِ گفتگو تھے۔ حضرتِ فاروقِ اعظم و علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی معیتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں جا رہے تھے۔ ابوسُفیان نے جب اس خدائی لشکر کی اس عظمت و شوکت کو دیکھا تو اُس کی چشمِ عقل خیرہ ہو گئی۔ اُس نے انتہائی حیرت سے ہیبت زدہ ہو کر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا، "تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو بہت قوی اور عظیم ہو گئی ہے۔" جواباً حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، "تجھ پر افسوس ہے اے ابوسُفیان کہ ابھی تک تجھے پتہ نہیں چلا! یہ رسالت و نبوت ہے، سلطنت و بادشاہت نہیں۔" اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے ابوسفیان سے فرمایا کہ جلد از جلد شہر مکہ میں پہنچ کر اعلان کردو کہ وہ لوگ مقابلہ پر نہ آئیں، بلکہ مطیع و فرمانبردار ہو جائیں، ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔"

ابوسفیان نے تیزی سے مکہ مکرمہ مسجد بیت الحرام میں پہنچ کر اعلان کیا کہ اے لوگو! اب بس کرو اے قوم قریش! یہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) اتنا بڑا لشکر لے کر تشریف لے آئے ہیں کہ اتنا بڑا عظیم الشان لشکر میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ انہوں نے حکم دیا ہے کہ جو کوئی ہتھیار پھینک کر گھر میں بیٹھ رہے گا یا جو کوئی مسجد الحرام میں داخل ہو جائے گا یا ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا، وہ امن میں رہے گا۔ خبردار ہو جاؤ اب تم اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ قریش مکہ حتّٰی کہ خود اُس کی بیوی ہندہ نے بھی اُسے نہایت نازیبا کلمات کہے اور اسے حد درجہ ذلیل کرنے لگے، تو ابوسفیان نے کہا: تم میرے ساتھ جو چاہو سلوک کرو، مگر یاد رکھو مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو ڈر ہے کہ تمہاری گردنیں اُڑا دی جائیں گی، جاؤ جلدی کرو، گھروں میں گھس جاؤ اور دروازے بند کر لو تاکہ تمہاری جان بچ جائے، یہ سُن کر کچھ لوگ تو اپنے گھروں میں جا بیٹھے اور کچھ مسجد الحرام میں بھی آ گئے۔ (مدارج النبوۃ)

شہر مکہ میں نزولِ اجلال

حضورِ نبی مکرم رسولِ محتشم، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مشہور روایات کے مطابق بروز پیر بیس ۲۰ رمضان المبارک ۸ھ بمطابق جنوری ۶۳۰ء کو اپنے غلاموں کے ہمراہ پوری شان و شوکت اور جاہ و جلالِ نبوی کے ساتھ داخلِ مکہ مکرمہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے لشکرِ اسلام کو مختلف راستوں سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ ان میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ جماعت مہاجرین کو ساتھ لے کر بالائی راستے سے "حجون" (کہ جس طرف مکہ مکرمہ کا قبرستان جنتِ معلیٰ ہے) میں داخل ہوں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خیمہ اور علمِ اسلام وہاں

نصب کر دیا جائے دیکھتے ہیں کہ جہاں رآیتِ اسلام یعنی جھنڈا نصب کیا گیا تھا اُسی جگہ مسجد رائیتِ اسلام بنی ہوئی ہے) حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہتھیار بند جماعت کے ساتھ بطن وادی کے راستہ سے نرمی اور مہربانی کرتے ہوئے داخلے کا حکم دیا، جبکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ باقی تمام فوج کو لے کر اسفل مکہ کی راہ سے کہ جسے کدا کہتے ہیں، داخل ہوں اور اپنے علم کو مکہ مکرمہ کی منتہائے عمارت پر نصب کر کے کوہِ صفا کے قریب حاضرِ خدمتِ نبوی ہوں۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے مخصوص صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جلو میں شہر مکہ کی طرف بڑھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ بروزِ فتح مکہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے بالائی راستہ سے داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قصویٰ نامی اُونٹنی پر سوار تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے آپ کے غلام کے بیٹے حضرت اُسامہ بن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بیٹھے تھے[1] (بخاری شریف)

جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو مسلمانوں کی کثرت اور یہ عظیم الشان فتح و نصرت دیکھ کر ہجرت کا وہ وقت یاد آ گیا، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دشمنوں سے گریزاں رات کے وقت اپنے یارِ غار کے ہمراہ اس شہرِ خوباں سے نکلے تھے اور تین شبانہ روز قریبی پہاڑ کی غارِ ثور میں چھپے رہے تھے اور تھوڑی ہی مدت بعد بایں شان و شوکت اور عظمتِ جلال، اسی شہرِ مقدس میں واپسی ہو رہی ہے۔

رسولِ محترم، نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غرور و تکبر کی بجائے آج اس شان سے تشریف لا رہے ہیں کہ اللہ رب العزت کے دربارِ مقدس میں اظہارِ عجز و انکساری فرماتے ہوئے

---

[1] اللہ اکبر، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ اپنے غلام زادہ کو سوار فرمایا، حالانکہ آپ کے اپنے خاندان کے جید افراد اور صحابہ کبار بھی موجود تھے، مگر غریب نواز آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ عمل فرمایا۔ خیال رہے کہ بعض صحابہ کی روایات کے مطابق حضرت علی بن ابو العاص بھی اسی اونٹنی پہ حضور علیہ السلام کے ساتھ سوار تھے۔

سرِ انور کو اس قدر جھکا رہے ہیں کہ لحیہ شریفہ (یعنی داڑھی مبارک) اونٹ کے پالان کی لکڑی سے ٹکرا رہی ہے۔ میرے آقا رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باآوازِ بلند بڑے پُرسوز انداز میں سورۃ الفتح کی تلاوت فرماتے ہوئے رواں دواں ہیں اور اسی شہر مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا عظیم وقت ہے اور کس قدر سعید ساعت ہے کہ نورِ ایمان کی تابانی وسرفرازی اور ظلمتِ کفر کے اضمحلال و زوال کا وقت ہے۔ اللہ اللہ! اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کس قدر خوشی وشادمانی ہوئی ہوگی۔ "اے میرے پروردگار! میں تیرے دربارِ اقدس میں اِس ساعتِ سعید کی حرمت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اپنی شانِ کریمی کے لائق، اِس بندۂ مسکین مؤلف کتاب ہذا (محمد سعید الحسن) کو اُن لوگوں کا ساتھی بنا دے جن کی شان میں تو خود ارشاد فرماتا ہے کہ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔ (آمین بجاہِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔)

منقول ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہر مکہ میں داخل ہونے لگے تو کفارِ قریش مزاحم ہوئے اور صحابہ کرام پر تیر برسانے لگے، جس سے صحابہ کرام زخمی بھی ہوئے۔ جب بات حد سے بڑھ گئی، تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حملہ کا حکم دے دیا۔ چنانچہ علامہ "ابن خلدون" کے مطابق تیرہ اور "مدارج النبوۃ" کے مطابق اٹھائیس لاشوں کو چھوڑ کر دشمنانِ دین بھاگ گئے، جبکہ اہلِ ایمان کی طرف سے دو صحابہ کرام یعنی حضرت خنیش بن الاشعر اور حضرت کرز بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے لڑائی کیوں کی جبکہ میں نے منع کر رکھا تھا؟ جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے صحیح صورتِ حال عرض کی، تو فرمایا: قَضَاءُ اللّٰہِ خَیْرٌ اللہ تعالیٰ کی قضاء قدر ہی بہتر ہے مُراد یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ایسے منظور ہے تو ٹھیک ہے ایسے ہی سہی۔

اس کے بعد رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مسجدِ حرام میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے گرداگرد آہن پوش مسلح افراد انصار و مہاجرین کی جماعت تھی۔ کثرتِ اژدہام کی وجہ سے (مناسکِ حج سکھانے کے لئے) رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی اُونٹنی پر سوار رہ کر ہی طوافِ کعبہ فرمایا اور عصا مبارک سے حجرِ اسود کا استیلام فرمایا۔

بُتوں کی بربادی جب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم طوافِ کعبہ سے فارغ ہوئے تو بُتوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ مشرکین نے تین سو ساٹھ بُت کعبہ مکرّمہ کے گرداگرد سجا رکھے تھے۔ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے عصا مبارک سے ایک ایک بُت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے زبانِ وحیٔ ترجمان سے آیۂ مبارکہ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا "یعنی حق آگیا اور باطل فرار ہوگیا، بلاشبہ باطل کو تو فرار ہونا ہی تھا۔" کی تلاوت فرماتے جاتے تھے، جبکہ بُت کوئی تو مُنہ کے بل اور کوئی پیٹھ کے بل گرتا جا رہا تھا۔ (ابن خلدون - مدارج النبوۃ)

بُتوں کی نجاست سے صحنِ کعبہ کو پاک کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو بُلایا تاکہ ان سے خانہ کعبہ کی چابی لے کر اندر داخل ہوں۔ زمانۂ قدیم سے حرمِ کعبہ کی چابی ان کے پاس تھی، اور اس وقت چابی اُن کی والدہ سلامہ بنتِ سعد کے پاس تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے چابی مانگی، تو والدہ نے چابی دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "اماں چابی دے دو، ورنہ خدا تعالیٰ کی قسم ابھی

تلوار نکال لوں گا"۔ پھر ماں سے چابی لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے دستِ اقدس سے خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا۔ (صحیح مسلم شریف)

حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ پیر اور جمعرات کے سوا کسی دن خانہ کعبہ کا دروازہ نہ کھولا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور بابِ کعبہ کھولنے کی فرمائش کی تاکہ آپ اپنے غلاموں کے ساتھ کعبہ معظمہ میں داخل ہو سکیں، مگر میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حد درجہ گستاخی اور سختی کا برتاؤ کیا۔ جواباً حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت بردباری سے کام لیتے ہوئے فرمایا: "عثمان! ایک دن ہوگا کہ یہ چابی میرے پاس ہوگی اور میں جسے چاہوں گا عطا فرماؤں گا"۔ میں نے کہا کہ "اس دن تو قریش ہلاک ہو جائیں گے"۔ پھر فتحِ مکہ کے دن حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے بیت اللہ کی چابی لے کر یہ واقعہ یاد دلایا تو میں پکار اٹھا کہ

اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ (طبقاتِ ابن سعد)

اس موقع پر حضرت سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ و حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے چابی اپنے پاس رکھنے کی سعادت حاصل کرنا چاہی، مگر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چابی واپس حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرما دی۔

الغرض رسولِ رحمت نبی کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور خانہ کعبہ کے تمام گوشوں میں تضرع وزاری اور دعا کی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق دو رکعت نفل بھی ادا فرمائی۔ پھر خانہ کعبہ کے اندر رکھے گئے تمام بتوں کو توڑ دیا گیا اور دیوارِ کعبہ پر بنی ہوئی تصاویر کو دھو دیا گیا، بعض بت بلندی پر تھے جنہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں پر سوار ہو کر توڑا۔

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) حضور رحمۃ للعالمین کی شانِ کریمی

کعبۃ اللہ کو بتوں کی نجاست سے پاک فرمانے کے بعد حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کعبہ مکرمہ کے دروازہ میں چوکھٹ کے دونوں بازو پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ اللّٰهُ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الیٰ آخرہٖ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حق دار عبادت نہیں ہے، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور (کفار کے) لشکر کو تنہا شکست دی۔ خوب اچھی طرح سن لو کہ ہر رسم، خون یا مال جس کا جاہلیت میں دعویٰ کیا جاتا تھا، وہ میرے دونوں قدموں کے نیچے ہے، (یعنی میں نے پائمال کر دیا) ہاں البتہ کعبۃ اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کا عہدہ بدستور باقی ہے۔ یاد رکھو قتلِ خطاء قتلِ عمد کی طرح ہے، خواہ کوڑوں سے ہو یا لاٹھیوں سے، دونوں کا خون بہا سو اونٹ ہے جس میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔ اے گروہِ قریش! اللہ تعالیٰ تم سے جاہلیت کا غرور، اور نسب پر فخر کرنا ختم کر دیا۔ تمام لوگ آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہیں اور آدم (علیہ السلام) مٹی سے پیدا ہوئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ ۔ ۔ ۔ (الیٰ آخرہٖ آیت تلاوت فرمائی)

ترجمہ: "اے لوگو! ہم نے تمہیں (ایک) مرد و عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنا دیئے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان لو، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی (پرہیزگار) ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔"

اس عظیم الشان خطبہ کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قریش کی طرف متوجہ ہوئے، جن سے مسجد بیت الحرام بھری ہوئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کرام اپنے ہاتھوں میں تلواریں لئے کھڑے تھے۔ اعلان نبوت سے لے کر اب تک تقریباً ساڑھے اکیس سال میں قریش نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے ساتھ جو سلوک کئے تھے، وہ سب ان کے پیش نظر تھے، وہ کفار، جو کل تک اپنے آپ کو عظیم تصور کئے ہوئے تھے سرنگوں بیٹھے ہیں، اُن کے دل زور زور سے دھڑک رہے ہیں، جسموں پر لرزہ طاری ہے، رہ رہ کر کئے ہوئے ظلم یاد آرہے ہیں۔ پتہ بھی ہلتا ہے، تو دل اچھل کر حلق میں آجاتا ہے سوچتے ہیں کہ بس ابرو کا ایک اشارہ ہونے کی دیر ہے۔ شہر مکہ کے کوچہ و بازاروں میں نہا جائیں گے، ہماری گردنیں اڑ چکی ہوں گی، بہت سی سہاگنیں بیوہ، اور بچے یتیم ہو جائیں گے، وہ سمجھتے تھے کہ اُن کے ظلم و ستم جن کے تصور سے ہی انسانیت کی روح کانپ اٹھتی تھی، ناقابل معافی ہیں۔

اللہ اکبر! حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب اس شہر مقدس سے نکلے تھے، تو اندھیری رات تھی اور فقط حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساتھ تھے، آج جو واپس تشریف لائے، تو کم و بیش دس ہزار مسلح جاں نثاروں کے جھرمٹ میں ہیں، بدلہ لینے کی پوری قدرت ہے، بایں ہمہ قریش سے فرماتے ہیں:

مَا تَرَوْنَ اَنِّیْ فَاعِلٌ بِکُمْ ”بتاؤ تم مجھ سے کیسے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟“

قریش نے عرض کیا، خَیْرًا اَخٌ کَرِیْمٌ وَّابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ۔
”بھلائی کی توقع رکھتے ہیں، کیونکہ آپ بڑے کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔“
یہ سن کر حضور رحمۃ للعالمین ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ۔
”آج تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو، (یعنی میں نے سب کو معاف فرما دیا)

میرے آقا و مولیٰ رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے عفو و کرم اور خلقِ عظیم کا مظاہرہ فرمایا کہ بدترین دشمن بھی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، اور تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ (سبحان اللہ تعالیٰ و بحمدہٖ)

بیعت

خطبہ سے فارغ ہو کر رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کوہِ صفا پر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا رُخِ زیبا خانہ کعبہ کی طرف تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب کھڑے ہو گئے۔ اِس جگہ مردوں اور عورتوں سے "بیعت" لی گئی۔ مردوں سے بیعت دستِ شفقت سے فرمائی جبکہ عورتوں سے زبانی بیعت تھی۔ عورتوں میں بیعت کرنے والی ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی تھی جو کہ روزِ اُحد حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلیجہ چبا گئی تھی۔ مگر قربان جائیں اس سراپا رحمتِ کائنات فخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہندہ کی بیعت کو بھی قبول فرمالیا۔

بعض مجرمین کا قتل اور بعض کی معافی

اگرچہ حضور اکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عمومی طور پر امان دے دی تھی، مگر اس عفوِ عام سے چند افراد مستثنیٰ تھے۔ ان کے بارے میں حکم تھا کہ جہاں ملیں، قتل کر دیئے جائیں۔ اس حکم کا سبب کوئی ذاتی دشمنی یا ذاتی انتقام نہ تھا ورنہ سب کے سب اہلِ مکہ قتل کر دیئے جاتے، بلکہ مختلف جرائم تھے، یہ کل گیارہ مرد یعنی ابن خطل[۱]، عبداللہ[۲] بن ابی سرح، عکرمہ[۳] بن ابی جہل، صفوان[۴] بن امیہ، حویرث[۵] بن نقید، مقیس[۶] بن صبابہ۔ حارث[۷] بن طلاطلا، ہبار[۸] بن اسود، کعب[۹] بن زہیر۔ وحشی (قاتل حمزہ)، عبداللہ[۱۱] بن زبعری۔

ان میں سے چار مجرم ابن خطل۔ حویرث[۲] بن نقید۔ مقیس[۳] بن صبابہ۔ حارث[۴] بن طلاطلا قتل کیے گئے، باقی سب کو معافی مل گئی اور وہ ایمان لے آئے

اسی طرح چند عورتیں بھی بدترین جرائم کی وجہ سے لائق قتل قرار دی گئی تھیں مگر حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو تین کے سوا باقی سب کو معاف کر دیا۔

قتلِ مجرمین پر ایک غیر مسلم کے تاثرات

بات بات پر اسلام اور حضور نبی محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تنقیدی نقطۂ نظر پیش کرنے والا عیسائی مصنف سر ولیم میور اپنی کتاب "لائف آف محمد" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں درج کرتا ہے:۔

"اس طرح عفو کے مقابلہ میں حکمِ قتل کی صورت نہ ہونے کے برابر تھی اور سزائے موت فی الواقع جہاں بھی عمل میں آئی، محض پولیٹیکل مخالفت کے سوا اور جرموں کی وجہ سے غالباً صادر ہوئی تھی، تاہم جس عالی حوصلگی سے (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے اس قوم سے سلوک کیا کہ جس قوم نے اتنی دیر تک اُن سے دشمنی قائم رکھی اور آپ کا انکار کیا" وہ ہر طرح سے تحسین و آفرین کے لائق ہے، اگرچہ حقیقت میں گزشتہ کی معافی اور تمام گستاخیوں اور اذیتوں کی فراموشی آپ ہی کے فائدے کے لئے تھی مگر پھر بھی اس کے لئے ایک عظیم، فراخ اور فیاض دِل کی ضرورت تھی۔"

مختلف بت خانوں کا انہدام

ابن اسحاق نے مختلف اسناد سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فتحِ مکہ کے بعد پندرہ روز تک وہاں مقیم رہے۔ اس اثنا میں برابر نمازِ قصر ادا فرماتے رہے۔ وہ بت جو خانہ کعبہ کے اندر تھے، ان کو تو خود اپنے دستِ اقدس میں پکڑی چھڑی مبارک سے منہدم کیا یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منہدم کرایا (جیسا کہ گزر چکا ہے) اور حضراتِ ابراہیم و اسماعیل و عیسیٰ و مریم علیہم السلام کی تصاویر کو دفن کروا دیا۔ باقی جو بت اطراف و جوانبِ مکہ میں تھے اور مختلف قبائل کے بنائے ہوئے صنم خانوں میں رکھے گئے تھے، مثلاً لات، منات، عزیٰ اور سواع وغیرہ ان کی بربادی کیلئے مختلف صحابہ کرام کو مامور فرمایا۔ چنانچہ وہ سب کے سب تباہ و برباد کر دیئے گئے۔

عدلِ اسلام کی ایک تابناک مثال

مذہب اسلام نہایت ہی انصاف پسند مذہب ہے اس نے اپنے ماننے والوں کو سختی سے تاکید کی کہ کسی بھی صورت میں عدل و انصاف کا دامن داغدار نہ ہونے دیں۔ نبی اکرم رسولِ محتشم شفیعِ معظم، رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے عملِ مبارکہ سے ثابت فرمایا کہ قانون کو عظمت اور برتری حاصل ہے۔ فتحِ مکہ کے بعد ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں ایک عورت فاطمہ بنت الاسود کی چوری کا مقدمہ پیش ہوا۔ یہ عورت حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد کی بھتیجی اور قبیلہ مخزوم کے ایک اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھی، چوری ثابت ہو جانے پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرما دیا۔ اِس پر اُس کی قوم کو وحشت ہوئی اور وہ محبوب و مقرّب بارگاہِ رسالت حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما، کو کافی منت سماجت کر کے خدمتِ اقدس میں لائے۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سزا میں نرمی کے متعلق گزارش کی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا "اے اُسامہ! تم حدودِ الٰہیہ کے نفاذ میں سفارش کرتے ہو —؟" حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ سُنا اور غضب و جلال کو ملاحظہ فرمایا" تو فوراً عرض لگے "یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلّم) مجھ سے غلطی ہو گئی ہے، مجھے معاف فرما دیجیے اور میرے لئے استغفار فرمائیے کہ مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے۔" اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے صحابہ کرام کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو! خبردار ہو جاؤ، پچھلی اُمتیں بھی اسی بنا پر ہلاک ہوئیں کہ جب اُن کے کسی بڑے سے گناہ سرزد ہو جاتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کسی کمزور سے جرم سرزد ہوتا تو اُس پر حد جاری کر دیتے۔ مجھے اُس اللہ ربّ العزت کی قسم ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر (اس جگہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی آل پاک کی انتہائی معزز خاتون کا نام لے کر فرمایا کہ اگر) وہ بھی چوری کرتی تو میں اُس کا بھی ہاتھ کٹوا دیتا" پھر حد جاری کر دی گئی۔ (مدارج النبوۃ وغیرہ)

غزوہ حُنین ۸ھ شوال المکرم، فروری ۶۳۰ء

فتح مکہ کا قبائلِ عرب پر نہایت اچھا اثر پڑا تھا اور وہ منتظر تھے کہ اگر حضرت محمد مصطفٰے احمدِ مجتبےٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلّم ام القریٰ شہر مکہ پر بھی قابض ہو گئے تو وہ سچے پیغمبر ہیں، اس لئے فتح مکہ کے بعد ہر قوم نے اسلام قبول کرنے میں پیش قدمی کی، مگر ہوازن کا زبردست قبیلہ جو کہ مکہ اور طائف کے درمیان سکونت پذیر تھا، اس فتح پر بہت برافروختہ ہوا، وہ پہلے ہی اہلِ اسلام سے جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے، اُن کی آتشِ حسد کو فتحِ مکہ نے مزید بھڑکا دیا اور وہ حملہ کے لئے پَر تولنے لگے۔ بنو کعب و کلاب کے سوا بنو ثقیف، بنو نصر، بنو جشم، بنو سعد بن ابی بکر اور بنو ہلال نے اس معرکہ میں ہوازن کا بھرپور ساتھ دیا۔ بنو جشم کا رئیس درید بن حمہ کہ جس کی عمر سو سال سے متجاوز تھی، مشورہ کے لئے ہمراہِ لشکر تھا۔ اس فوج کا سپہ سالارِ اعظم مالک بن عوف نصری تھا۔ یہ اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے کر نکل کھڑے ہوئے تھے تاکہ کوئی شخص میدانِ جنگ سے گھر کی طرف نہ بھاگے۔

رسُول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان کی اس زبردست نقل و حرکت سے مطلع ہو کر ان کی سرکوبی کا عزم فرمایا اور ۶ شوال بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ حنین کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکرِ اسلام سحری کے وقت (منہ اندھیرے) وادیٔ حنین میں داخل ہوا۔ چالاک دشمن پہلے ہی وادی کی کمین گاہوں میں چھپا ہوا تھا۔ جونہی لشکرِ اسلام اس کی زد میں آیا، دشمن نے حملہ کر دیا۔ اس ناگہانی اور بھرپور حملہ سے گو مسلمان گھبرا گئے مگر اس قدر ثابت قدمی دکھائی کہ دشمن کو منہ کی کھانی پڑی اور کفار میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمان ابھی مالِ غنیمت جمع کر ہی رہے تھے کہ گھات میں لگے لشکرِ کفار نے دوسرا حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ لشکرِ اسلام کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ ہوازن و بنو نصر

کی جماعت جو تیراندازی میں مشہور تھی، اُس نے لشکرِ اسلام پر اندھا دھند تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ اس وقت رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ حضرات ابوبکر، عمر، علی و عباس و ابوسفیان بن الحرب و جعفر و قثم و فضل پسران عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے علاوہ ایک جماعت صحابہ تھی۔ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم دُلدُل نامی سفید خچر پر سوار تھے اور دشمن کے مقابلہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے حکم پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منتشر صحابہ کرام کو بلند آواز سے پکارا، آن کی آن میں بکھرا ہوا لشکرِ اسلام پھر سے اپنے آقا رسُولِ مکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے گرد اگرد جمع ہو گیا اور نہایت بہادری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے لگا۔ آتشِ جنگ پوری شدت کے ساتھ بھڑک اٹھی، کفار کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے خچر سے اُتر کر ایک مُشتِ خاک لی اور شَاھَتِ الْوُجُوْہُ فرماتے ہوئے کفار کی طرف پھینک دی، اس کے ساتھ ہی لڑائی کا نقشہ بدل گیا، کفار کو شکستِ فاش ہوئی اور میدان اہلِ اسلام کے ہاتھ رہا۔ اس جنگ میں بھی جنگِ بدر کی طرح افواج ملائکہ نے مسلمانوں کی مدد کی جیسا کہ قرآن کریم کی سُورۃ التوبہ میں مذکور ہے۔

جنگِ اوطاس

شکست خوردہ فوجِ کفار ٹوٹ پھوٹ کر کچھ تو اوطاس میں اور کچھ طائف میں جمع ہو گئی۔ رسُولِ اکرم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت ابوعامر اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ قیادت ایک فوجی دستہ ان کی سرکوبی کے لئے اوطاس کی طرف روانہ فرمایا۔ دورانِ جنگ حضرت ابوعامر اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے تو علمِ اسلام ابوعامر رضی اللہ تعالیٰ کے بھتیجے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تھام لیا، خوب شدت کی جنگ ہوئی اور قبیلہ ہوازن کے جتنے مرد اس معرکہ میں موجود تھے، سب کے سب قتل ہو گئے جبکہ اہلِ اسلام میں چار صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ (ابنِ خلدون)

شیما بنت حلیمہ سعدیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حنین اسیرانِ جنگ کو بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پیش کیا، اُن میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی بہن شیما بنت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کی رضاعی بہن شیما ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ثبوت مانگا، تو شیما نے بچپن کے بعض واقعات عرض کر دیئے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بہت عزت و توقیر کی اور چادر مبارک زمین پر بچھا کر ان کو بٹھایا اور ارشاد فرمایا، اگر تمہارا جی چاہے، تو میرے پاس عزت و احترام کے ساتھ رہو، اگر تمہارا جی چاہے تو اپنی قوم کے پاس جا سکتی ہو۔" اس حُسنِ سلوک پر حضرت شیما رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرفِ اسلام سے مشرف ہو گئیں، اور عرض کیا کہ "میں اپنی قوم میں جانا پسند کرتی ہوں"۔ رسولِ محترم نبیِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو غلام عطا فرما کر بڑے احترام سے انہیں ان کے قبیلہ میں پہنچا دیا۔ (مدارج النبوۃ۔ سیرتِ رسولِ عربی)

طائف کا محاصرہ

جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ جنگِ حنین کے بعد شکست خوردہ کفار کچھ تو اوطاس کی طرف بھاگ گئے تھے اور باقی (بنو ثقیف وغیرہ) طائف کی طرف آ گئے تھے۔ بنو ثقیف نے اہلِ طائف کو اپنا ہم نوا بنا لیا اور تقریباً ایک سال کا راشن لے کر قلعہ بند ہو بیٹھے۔

نبیِ محترم، رحمتِ عالم رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حنین کے اسیرانِ جنگ اور مالِ غنیمت کو "جعرانہ" میں جمع کرنے کا حکم دیا اور غلاموں کے جلو میں طائف کی طرف عزمِ سفر باندھا اور طائف پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ فرمایا۔ چونکہ ثقیف نے تقریباً سال بھر کے لئے سامانِ جنگ اور راشن وغیرہ جمع کر رکھا تھا، اس لئے وہ مقابلہ میں ڈٹے رہے، البتہ تیئیس غلام قلعہ سے چوری چھپے بھاگ کر حاضرِ خدمت ہوئے تاکہ

شرفِ اسلام سے مشرف ہوسکیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو آزاد کر دیا اور صحابہ کرام کو حکم فرمایا کہ ان کی ضروریاتِ زندگی کا خیال رکھیں اور ان کو تعلیمِ اسلام دیں۔ تقریباً بیس یوم تک اہلِ اسلام نے قلعہ کا محاصرہ کیے رکھا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے مشورہ سے محاصرہ ختم فرما دیا اور جعرانہ کی طرف واپسی کی تیاری فرمائی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ ثقیف کے لئے تباہی و بربادی کی دعا فرمائیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یُوں دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَّائْتِ بِھِمْ۔

ترجمہ: "اے اللہ تعالیٰ تو ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو (مسلمان بنا کر) لا۔"

چنانچہ اگلے سال یعنی ۹ھ کو ثقیف کا وفد حاضرِ خدمتِ اقدس ہو کر دولتِ ایمان سے مالا مال ہو گیا۔ (مدارج النبوۃ - ابنِ خلدون)

طائف کے نواحی قبائل کی اطاعت

اثنائے محاصرہ میں طائف کے گرد و نواح کے رہنے والے قبائل میں اکثر خود اور بعض وفود کے ذریعے حاضرِ خدمت ہوئے اور اسلام لے آئے۔ (ابنِ خلدون)

جعرانہ میں مالِ غنیمت کی تقسیم اور انصار کی فضیلت

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جعرانہ پہنچ کر چند روز ہوازن کا انتظار فرمایا کہ وہ اپنے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کریں، مگر وہ نہ آئے۔ "زاد المعاد" کے مطابق مالِ غنیمت میں چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اُونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کے قبضہ میں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مالِ غنیمت سے مہاجرین، نومسلم حضرات اور ان لوگوں کو کہ جو اسلام کی طرف مائل تو تھے، مگر ابھی اسلام لائے نہ تھے، ان سب کو وافر مقدار میں حصہ عطا فرمایا، جبکہ انصار کو عطا نہ فرمایا، جس کی وجہ سے بعض نوجوان

انصار، صحابہ کرام کی زبان سے کچھ ایسے الفاظ نکل گئے، جن میں اس تقسیم پر اعتراض کا اشارہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انصار صحابہ کو دربار اقدس میں طلب فرمایا اور باز پرس فرمائی، تو بزرگ (انصار) صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہماری جانیں بھی آپ پر قربان ہیں، ہم میں سے اگر کچھ نو عمر جذباتی صحابہ کے منہ سے کوئی ایسا جملہ نکل گیا ہے کہ جس کی وجہ سے خاطرِ اقدس کو پریشانی لاحق ہوئی تو ہم سب کے سب (جوان پیر و مرد) اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے حضور اس جرأت پر معافی مانگتے ہیں اور جرم کی بخشش کی گزارش کرتے ہیں ــــ

اس پر حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حمد و ثناء کے بعد یوں خطبہ ارشاد فرمایا:

ترجمہ: "اے گروہِ انصار! کیا یہ سچ نہیں کہ تم گمراہ تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے وسیلہ سے تم کو ہدایت عطا فرمائی۔ تم تو بکھرے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم کو اکٹھا کر دیا اور تم مفلس تھے اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم کو دولت مند بنا دیا۔"

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے جاتے تھے اور انصار ہر جملہ پر عرض کیے جاتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کا ہم پر اس سے بھی بڑھ کر احسان ہے۔"

پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو مخاطب کر کے فرمایا: "تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟" انصار نے عرض کیا: بھلا ہم کیا جواب دے سکتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا ہم پر بہت فضل و احسان ہے۔" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر تم چاہو تو یہ جواب دو اور میں ساتھ ساتھ تمہاری تصدیق کرتا جاؤں گا۔ تم کہو کہ "کیا تم ہمارے پاس اس حال میں نہ آئے کہ لوگوں نے تمہیں جھٹلا دیا تھا اور ہم نے تمہاری تصدیق کی اور لوگوں نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا تھا جبکہ ہم نے تمہاری مدد کی، لوگوں نے تمہیں نکال دیا تھا، ہم نے تمہیں پناہ دی تم مفلس تھے ہم نے جان و مال سے تمہاری مدد کی۔" جواباً انصار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض

کیا، وَلِلّٰہِ الْمِنَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ۔ "اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا فضل و احسان ہے" عرض کرتے ہوئے زار و قطار رو رہے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زانوئے اقدس اور دستِ انور کے بوسے لے رہے تھے۔ (زہے قسمت زہے نصیب) اس کے بعد رسولِ محتشم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "یاد رکھو میں نے ان لوگوں سے اس لئے یہ سلوک فرمایا ہے کہ ان میں بعض تو نومسلم ہیں، ابھی ان میں استحکام نہیں، جبکہ بعض کو اسلام کی طرف راغب کرنا یعنی تالیفِ قلوب مقصود ہے۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ دوسرے لوگ اپنے گھروں کو اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم اللہ تعالیٰ کے رسول کو لے کر گھر جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! جو لے کر تم اپنے گھروں کو جا رہے ہو، وہ اس سے بدرجہا افضل ہے جو وہ لے کر جا رہے ہیں یاد رکھو اگر لوگ کسی وادی یا درّہ میں چلیں، تو میں اُسی درّہ اور وادی میں چلوں گا جس میں انصار چلیں گے۔"

حضور نبی اکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس خطبہ شریفہ سے انصار کے جذبات قابو میں نہ رہے، وہ زار و قطار روتے ہوئے بار بار عرض کر رہے ہیں، "رَضِیْنَا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ قِسْمًا۔ "ہم راضی ہیں یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہم راضی ہیں، ہم راضی ہیں" وہ اس قدر روئے تھے کہ ان کی مُبارک داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ (مدارج، بخاری شریف)

ہوازن کے وفد کی آمد جب جعرانہ میں مالِ غنیمت کی تقسیم ہو چکی تو ہوازن کی ایک جماعت بارگاہِ اقدس و اطہر میں حاضر ہو کر شرفِ اسلام سے مشرف ہوئی اور انہوں نے اپنی بقیہ قوم کے اسلام لانے کی بھی خبر دی۔ ہوازن کی اس جماعت میں ابو ثروان یا ابو برقان ("اصابہ" میں ابو ثروان ہے جبکہ مدارج النبوۃ، اور سیرتِ حلبیہ میں ابو برقان درج ہے) بھی تھے۔ یہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی چچا تھے۔

د خیال رہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہوازن کے قبیلہ بنو سعد بن بکر سے تھیں)، اس وفد کے سربراہ حضرت زہیر بن صرد سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اظہار اسلام کے بعد عرض کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اسیران جنگ میں آپ کی رضاعی پھوپھیاں اور خالائیں بھی ہیں۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ ہم پر خصوصی نظر کرم فرمائیں گے۔ حضرت ابو ثروان سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ان کی تائید و تصدیق کی۔ تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہارا بہت انتظار کیا، مگر تم نہ آئے، اب مال غنیمت تقسیم ہو چکا ہے، اس میں سے جو میرا اور میرے خاندان کا حصہ ہے وہ سب تمہارا ہے، لیکن جو حصہ مہاجرین و انصار کا ہے، اُس کے وہ مالک ہیں۔ تم یوں کرو کہ نماز ظہر کے بعد کھڑے ہو کر کہنا:

إِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) إِلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَبِالْمُسْلِمِيْنَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْ أَبْنَاءِنَا وَنِسَاءِنَا۔

"یعنی ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں سے اور مسلمانوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور اپنی اولاد و بچوں کی شفاعت (سفارش) کرتے ہیں" ——— تو اس وقت میں اپنا اور بنو عبد المطلب کا حصہ تم کو عطا فرما دوں گا، امید ہے کہ انصار و مہاجر صحابہ بھی راضی ہو جائیں گے۔"

ہوازن پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا احسان

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز ظہر ادا فرما چکے تو ہوازن نے حسب ہدایت عرض کیا: انا نستشفع برسول اللّٰہ الی المسلمین وبالمسلمین الی رسول اللّٰہ فی ابنائنا ونسائنا۔

تو حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أَمَّا مَا كَانَ لِيْ وَلِبَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكُمْ "یعنی جو حصہ میرا اور بنی عبد المطلب کا ہے وہ سب تمہیں دے دیا"

اس پر انصار و مہاجر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ مَا کَانَ لَنَا فَھُوَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ "یعنی جو ہمارا ہے، وہ بھی سب کا سب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔" چنانچہ اس حکمتِ عملی سے ہوازن کے تمام قیدیوں کو رہائی مل گئی۔ مالِ غنیمت حاصل کرنے والوں میں بنو تمیم اور بنو فرازہ کو ان کی خواہش پر قیدیوں کی رہائی کے لئے معاوضہ ادا کر دیا گیا۔

(بخاری شریف، ابنِ خلدون، اصابہ فی معرفۃ الصحابہ، مدارج النبوۃ، سیرتِ حلبیہ)

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلتِ مبارکہ اسی سال ۸ھ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادی حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی۔ آپ کا اور آپ کی اولاد کا تفصیلی ذکر انشاء اللہ تعالیٰ "اولادِ کرام" کے تذکرہ میں آئے گا۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت اسی سال یعنی ۸ھ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لختِ جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدہ ام المومنین ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکمِ انور سے متولد ہوئے۔ حضور سرورِ عالم شفیعِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بیٹے کا نام "ابراہیم" رکھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان کا مفصل ذکر اولادِ کرام کے ضمن میں آئے گا۔

منبر شریف کی تعمیر اسی سال اور عند البعض ۷ھ کو منبر شریف بنایا گیا اس سے قبل رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے اور دورانِ خطبہ کھجور کے تنے سے بنائے گئے ایک ستون سے ٹیک لگا لیا کرتے تھے۔ جب لکڑی کا منبر شریف بن گیا تو خواجہ کونین نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے منبر شریف پر رونق افروز ہوئے تو

وہ ستون جس سے قبل ازیں ٹیک لگایا کرتے تھے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی میں یوں رونے لگا، جس طرح کسی بچے کو اُس کی ماں سے جدا کر لیا جائے۔ اس کے رونے میں اس قدر سوز و گداز تھا کہ صحابہ کرام پر رقت طاری ہو گئی، وہ بھی رونے لگے۔ رسُولِ رحمت شفیع امت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منبر شریف سے اتر کر کھجور کے اس سُوکھے تنے کو اپنی آغوشِ محبت میں لے لیا اور فرمایا کہ "اگر تم چاہو تو باغ میں لگا دیتا ہوں، تو سرسبز و شاداب ہو جائے گا اور اگر چاہو تو تجھے جنت میں لگا دیتا ہوں، تیرا پھل انبیاء و اولیاء کھائیں گے۔" پھر ارشاد فرمایا: نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ، نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ۔ "ہاں میں نے کر دیا، ہاں میں نے کر دیا۔" صحابہ کرام کے عرض کرنے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے جنت میں لگایا جانا پسند کیا اور میں نے ایسا کر دیا۔ (مدارج النبوۃ)

ہجرتِ نبوی کا نواں سال ۹ھ بمطابق سنہ ۶۳۰-۶۳۱ء

بنو تمیم پر فوج کشی

ہجرت کے نویں سال ماہ محرم الحرام (اپریل سنہ ۶۳۰ء) کو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر حضرت عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پچاس سواروں کے ساتھ بنو تمیم پر حملہ آور ہوئے۔ سبب اس کا یہ تھا کہ حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنو کعب کے پاس زکوٰۃ کی وصولی کیلئے بھیجا۔ بنو کعب نے اپنا مال جس میں مویشی بھی تھے، حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا۔ بنو تمیم کو پتہ چلا تو انہوں نے بنو کعب کو مالِ زکوٰۃ دینے سے روکا، جب وہ منع نہ ہوئے تو بنو تمیم تلواریں لے کر آ گئے اور بولے، اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم یہاں سے ایک اونٹ بھی نہیں جانے دیں گے۔"

حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ صورتِ حال دیکھ کر مدینہ طیبہ کی طرف واپس آ گئے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو صورتِ احوال سے مطلع کیا۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سرکش بنو تمیم کی سرکوبی کے لئے عیینہ بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرکمان فوجی دستہ روانہ فرمایا۔ جب فوجی دستہ بنو تمیم کی بستی میں پہنچا، تو وہ لوگ بھاگ گئے، البتہ حضرت عیینہ بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے گیارہ مرد، پندرہ یا گیارہ عورتیں اور تیس بچے گرفتار کر لئے اور واپس مدینہ طیبہ آ گئے۔

اس کے بعد بنو تمیم کی ایک جماعت قیدیوں کی رہائی کے لئے مدینہ منورہ آئی جب یہ لوگ مسجدِ نبوی شریف میں پہنچے، تو دوپہر کا وقت تھا۔ رسولِ کریم نبی عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والے حجرہ مبارکہ میں آرام (قیلولہ) فرما رہے تھے۔ انہوں نے آتے ہی شور مچانا شروع کر دیا کہ یَا مُحَمَّد اُخرج اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) باہر آئیے! صحابہ کرام نے ان کو شور مچانے سے منع کیا اور بتایا کہ بوقتِ ظہر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئیں گے، تم اپنی گزارشات پیش کر لینا، مگر یہ نہ مانے اور شور مچاتے رہے، یہاں تک کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرۂ انور سے باہر تشریف لے آئے۔ پروردگارِ عالم نے ان ہی لوگوں کو تنبیہ فرماتے ہوئے سورۃ حجرات شریفہ کی آیۃ مبارکہ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ... نازل فرمائی جس میں ان کے اس فعل کی مذمت فرمائی گئی اور بارگاہِ رسالت کے ادب و احترام کا قرینہ سکھایا گیا۔ (اہلِ ذوق کو چاہیے کہ وہ سورۃ حجرات کا ضرور مطالعہ فرمائیں) الغرض نمازِ ظہر کے بعد بنو تمیم کے ساتھ گفتگو ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شانِ کریمی سے کام لیتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ان کے قیدیوں کو رہا فرما دیا، بلکہ ان کو انعام و اکرام سے بھی نوازا۔ بنو تمیم والے ایک مدت تک مدینہ طیبہ میں ٹھہرے رہے۔ اس دوران انہوں نے قرآنِ کریم اور اسلامی احکام کی تعلیم حاصل اور اسلام پر ثابت قدم ہوئے۔

غزوۂ تبوک (رجب ۹ھ بمطابق ستمبر، اکتوبر ۶۳۰ء)

۹ھ کے واقعات میں غزوۂ تبوک جسے غزوۂ عسرت یعنی تنگی کا غزوہ بھی کہا جاتا ہے، عظیم واقعہ ہے۔ غزوات نبوی میں یہ آخری غزوہ ہے۔
تبوک ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ طیبہ سے چودہ منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس معرکہ کا سبب یہ بنا کہ حضور نبی مکرم رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیہم کامیابیوں پر شاہِ روم ہرقل خوفزدہ ہوگیا۔ اس نے شام میں بہت بڑی فوج اور سال بھر کا راشن جمع کرلیا۔ مزید برآں اس کے ساتھ قبائل لخم، جذام، عاملہ اور غسان کے جنگجو جوان بھی شامل ہوگئے۔ ان سب نے مل کر مدینہ منورہ پر حملہ کا پروگرام بنایا چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اطلاع پاکر صحابہ کرام کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا۔

صحابہ کرام کا ایثار اور جذبہ جہاد

چونکہ یہ غزوہ خطۂ عرب کے اعتبار سے سخت گرمی کے موسم میں وقوع پذیر ہوا۔ سفر بھی دشوار گزار اور بہت طویل تھا۔ خود مسلمانوں کی حالت بھی زیادہ اچھی نہ تھی۔ بایں ہمہ اہل ایمان نے جس قدر جذبۂ ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا، وہ ان کی عظمت کا مینارۂ نور ہے۔ منافقین نے اہل ایمان کو اس غزوہ سے بہت ڈرایا اور ہر ممکن کوشش کی کہ اہل ایمان غزوہ کے لئے تیار نہ ہوں، مگر ان کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ اہل ایمان نے اس غزوہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اسی غزوہ میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کا کل اثاثہ، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا آدھا سامان، حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار دینار، ایک ہزار اونٹ اور سات سو گھوڑے اور سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے کثیر سرمایہ بارگاہِ اقدس میں پیش کیا۔ تقریباً تیس ہزار صحابہ کرام نے جہاد پر کمرِ ہمت باندھی، ان میں اکثر ایسے تھے کہ جن کے پاس سواری کا جانور تک نہ تھا۔ بعض غریب صحابہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوتے کہ اُن کے لئے سواری کا انتظام کر دیا جائے۔ اس وقت بارگاہ اقدس میں سواری کے لئے جانور موجود نہ تھے، اس لئے وہ بیچارے روتے ہوئے واپس لوٹے۔ اثنائے راہ میں حضرت یامین بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مل گئے۔ انہوں نے رونے کی وجہ پوچھی، توان غرباء نے کہا کہ ہماری غریبی نے ہم کو ثواب سے محروم کر دیا۔ نہ تو ہمارے پاس سواری کا جانور ہے، اور نہ ہی خریدنے کی ہمت ہے ہماری بدنصیبی کہ ہم رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد پر جانے سے محروم ہو گئے۔ یہ سُن کر حضرت یامین بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جی بھر آیا اور انہوں نے اُسی وقت اُن کو اُونٹ خرید کر دے دیئے۔ اِس قسم کے کئی واقعات ہیں جن سے صحابہ کرام کے جذبہ جہاد سے سرشار ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

تبوک کی طرف روانگی اور اکیدر کی اطاعت

حضور نبی اکرم رسُول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل و عیال پر اپنا خلیفہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ثنیۃ الوداع کے مقام پر جمع ہونے کا حکم دیا۔ بہت سے منافقین بھی شاملِ لشکر ہو کر یہاں تک آ گئے۔ لیکن جب لشکرِ اسلام مقام جرف پہ پہنچا، تو راس المنافقین عبداللہ بن اُبی اپنے منافق ساتھیوں کو لے کر لشکرِ اسلام سے الگ ہو گیا۔

الغرض جذبہ جہاد سے سرشار مجاہدینِ اسلام کا یہ لشکر قطعِ منازل کرتا ہوا تبوک جا پہنچا۔ قیصرِ رُوم اور نصاریٰ نے اہلِ ایمان کے اس جوش و خروش اور

شان وشوکت کو دیکھا تو ہیبت زدہ ہوگئے اور کوئی ایسی حرکت نہ کی جو مسلمانوں کے حملہ کا سبب بنتی۔

مواہب لدنیہ میں صحیح ابن حبان کے حوالہ سے منقول ہے کہ حضور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس غزوہ میں بھی ایک مکتوب گرامی ہرقل کی طرف بھیجا جس میں اسے دعوت اسلام دی گئی تھی، قریب تھا کہ وہ مسلمان ہو جاتا، مگر (وہ اپنی فوج کے خوف سے) ایسا نہ کرسکا۔

مسند امام احمد میں ہے کہ ہرقل نے لکھا کہ "میں نے اسلام قبول کر لیا ہے" مگر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جھوٹ کہتا ہے، وہ دشمن خدا اپنی نصرانیت پر قائم ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

اکیدر کی گرفتاری

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چار سو سواروں پر امیر بنا کر دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر بن عبدالملک کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آپ مجھے بنی کلاب کے ملک میں بھیج رہے ہیں اور تھوڑی سی فوج میرے ساتھ روانہ فرمارہے ہیں؟" جواباً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان معجز بیان سے ارشاد فرمایا! عنقریب تم اسے پہاڑوں میں اور جنگلوں میں شکار کھیلتا ہوا پاؤ گے اور اسے بغیر جنگ کے قابو کر لو گے۔"

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمطابق فرمان عالی شان روانہ ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ایک شب جبکہ چاندنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ اکیدر اپنے قلعہ میں تھا اس نے ایک جنگلی گائے کو قلعہ کی دیوار سے سر ٹکراتے ہوئے دیکھا۔ یہ گائے کے شکار کا بڑا شوقین تھا۔ قلعہ سے اترا اور گھوڑے پر سوار ہو کر گائے کے تعاقب میں نکل گیا چند خدام بھی ہمراہ

تھے۔ گائے تو معلوم نہیں کدھر چلی گئی، البتہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچ گئے اور شکار کھیلنے کا شوقین اکیدر خود شکار ہو گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسب الحکم اکیدر کو گرفتار کر کے بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جزیہ کی شرط پر اکیدر کو رہا کر دیا اور قلعہ پر اسی کی حکومت کو باقی رکھا۔ بعض اہل سیر کے نزدیک اکیدر اور اس کا بھائی "مصاد" مدینہ طیبہ حاضر ہو کر شرف اسلام سے مشرف ہو گئے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم!)

(ابن خلدون۔ طبقات ابن سعد۔ ابن ہشام۔ مدارج النبوۃ۔ بخاری شریف۔ زرقانی)

مسجد ضرار کا انہدام

منافق ہمیشہ اسی کوشش میں لگے رہتے تھے کہ اسلام کو نیچا دکھا دیں، مگر ان کے نصیب میں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہ آیا۔ انصار مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو خزرج کے اکابر میں ابو عامر نامی ایک شخص نہایت ہی عبادت گزار تھا، اس نے آسمانی کتابوں کا مطالعہ کر کے دین مسیحی اختیار کر لیا تھا۔ حضور نبی اکرم رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ سے قبل یہ لوگوں کو نبی آخر الزماں کی تشریف آوری کی خوش خبریاں سنایا کرتا تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محاسن حمیدہ جو توراۃ و انجیل میں مذکور تھے، بیان کیا کرتا تھا اس بنا پر لوگ اسے ابو عامر راہب کہنے لگے۔ یہ حقیقت ہے کہ کمینے شخص کو عزت راس نہیں آتی۔ یہ ہی حال اس کے ساتھ ہوا، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں جلوہ گر ہوئے تو اہل مدینہ جمال جہاں آرا سے فیض یاب ہونے لگے اور ابو عامر کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹ گئی، تو اس کے خبث باطن سے آتش حسد بھڑک اٹھی اور یہ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے روکنے لگا۔ غزوۂ بدر کے بعد یہ مکہ مکرمہ چلا گیا اور کفار مکہ کا ہمنوا بن کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگوں میں حصہ لینے لگا۔ یہاں تک کہ غزوۂ احد کے دن کفار مکہ کی طرف سے سب سے پہلا تیر اسی

نے چلایا تھا، جس کی بنا پر لوگ (اہلِ مدینہ) اسے ابُو عامر فاسق کہنے لگے۔
غزوۂ حنین کے بعد یہ فاسق رُوم میں چلا گیا اور ہرقل کے مقربین میں شامل ہو کر اسے جنگ پر اکسانے لگا۔ مدینہ طیبہ میں جاسوسی کے لئے اُس نے منافقین کو پیغام بھیجا کہ تم مسجد قبا کے قریب، مسجد کے نام سے ایک عمارت بنالو اور اس عمارت کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز قرار دے دو، میں بھی وہیں آکر رہا کروں گا اور مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لوں گا۔ ہم قیصرِ رُوم کے ساتھ مل کر اہلِ اسلام کو مدینہ طیبہ سے باہر نکال دیں گے
اِن مقاصدِ قبیحہ کی تکمیل کے لئے منافقین نے مسجد کے نام سے ایک عمارت تعمیر کی اور بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام میں عرض گزار ہوئے کہ ہم نے کمزور اور بوڑھے لوگوں کے لئے اپنی بستی میں ایک مسجد تیار کی ہے۔ آپ برکت کے لئے اس میں دو رکعت نماز ادا فرمادیں۔ رسُولِ مکرّم نبیّ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ اب تو ہم تبوک کی طرف جا رہے ہیں، واپسی پر دیکھیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہاں نماز پڑھیں گے
چنانچہ جب رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم تبوک سے واپسی پر "ذوادان" پہنچے جو کہ مدینہ منورہ کی ایک قریبی بستی ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سُورۃ التوبہ کی ان آیات کا نزول ہوگیا، (جس میں اس کو مسجدِ ضرار قرار دے دیا گیا۔)

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِیْقًۢا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰىؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًاؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِؕ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْاؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ۝ (التوبۃ، رکوع ۱۳)

ترجمہ: "یہ (منافقین) وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اہلِ ایمان کو نقصان پہنچانے، اپنے کفر

کو پھیلانے اور مومنوں میں انتشار و تفریق پیدا کرنے کے لئے مسجد بنائی اور دراصل، اُس آدمی کے لئے کمین گاہ بنائی، جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے پہلے ہی جنگ کر رہا ہے (یعنی ابُو عامر فاسق) اور البتہ ضرور وہ (منافق لوگ) قسمیں اُٹھائیں گے کہ ہم نے تو (کمزور و ناتوان مسلمانوں کی) بھلائی ہی چاہی تھی، اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ یہ لوگ بالکل جھُوٹے ہیں، آپ ہرگز کبھی بھی اس مسجد میں تشریف نہ لے جائیں۔ ہاں البتہ وہ مسجد (قبا) کہ جس کی بنیاد روزِ اوّل سے ہی پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں تشریف لے جائیں۔ اس میں ایسے مرد ہیں جو (جسم و رُوح کی) پاکیزگی کو پسند کرتے اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔" (التوبہ، آیات: ۱۰۷ - ۱۰۸)

اِن آیاتِ مبارکہ کے نزول پر رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت مالک بن دخشم، معن بن عدی اور وحشی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم دیا کہ جا کر اس مسجد کو گرا دیں اور آگ لگا دیں۔ چنانچہ ایسا ہی کر دیا گیا۔ (وفاء الوفاء، درِ منثور۔ مدارک۔ تاریخ مدینہ مدارج النبوۃ - ابنِ خلدون - ابنِ ہشام)

مختلف وفود کی آمد

جس وقت رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم غزوہ تبوک سے فارغ ہوئے اور ثقیف مسلمان ہو گئے تو اطراف و جوانب سے بکثرت وفود آنے شروع ہو گئے۔ اسی لئے مورخین ۹ھ کو سنۃ الوفود کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ابنِ اسحاق فرماتے ہیں کہ اہلِ عرب اس بات کے منتظر تھے کہ عرب کا سب سے بڑا اور معزز قبیلہ قریش مسلمانوں سے کیا سلوک کیا کرتا ہے، لیکن جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا، طائف کا جنگجو قبیلہ ثقیف مسلمان ہو گیا۔ قیصرِ رُوم پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی، تو اسلام قبول کرنے والوں کے لئے آسانی ہو گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے ارشادِ ذی شان کہ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا (النصر) کے مطابق

فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے۔ (فالحمد للہ علی ذالک)

اسی سال ماہِ ذیقعد ۹ھ

سرخیل منافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی موت

کو منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول بیس دن تک بیمار رہنے کے بعد مر گیا۔

مرقوم ہے کہ جب عبداللہ بن ابی بیمار ہوا، حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم خود بنفسِ نفیس اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ عبداللہ بن ابی نے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھائیں اور بوقتِ دفن قبر کے قریب کھڑے ہوں۔ پھر اس نے قاصد بھیج کر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپ کا کرتہ مبارک مانگا تاکہ وہ اس کا کفن بنے۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا جبہ شریف عطا فرما دیا۔ عبداللہ بن ابی نے اسے واپس کر دیا اور عرض کیا کہ آپ وہ کرتہ مبارک عطا فرمائیں جو جسمِ انور سے مس رہتا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بول اٹھے کہ "یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) آپ اپنا پیراہنِ مبارک اس غلیظ و ناپاک کو ہرگز نہ عطا فرمائیں۔" حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر! میرا کرتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے نہیں بچا سکتا، لیکن امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے ایک ہزار منافقین کو حلقہ بگوشِ اسلام فرما دے گا۔

منافقوں کا یہ حال تھا کہ وہ ہر وقت اپنے سردار عبداللہ کے پاس موجود رہتے تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ ان کا سردار عبداللہ، حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا کرتہ شریف اس امید پر مانگ رہا ہے کہ یہ اسے فائدہ پہنچائے گا تو اسی دن عبداللہ بن ابی کے ایک ہزار ساتھیوں نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا۔

(مختلف کتبِ سیرت واحادیثِ مبارکہ)

فائدہ: سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ... بخشش کا ... ہو سکتا ہے۔ اگر ہو سکتا ہے تو کیا اس منافق کو فائدہ ہوا؟

جواب اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تبرک شریف (کرتہ وغیرہ) ضرور فائدہ پہنچاتا ہے ورنہ خود رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی وضاحت فرما دیتے تاکہ آئندہ کوئی بھی ایسا عقیدہ نہ رکھے۔ جہاں تک کسی کافر کا تعلق ہے اسے فائدہ نہیں، جس طرح قرآن کریم کی تلاوت، نماز کی ادائیگی اور اسی طرح دیگر احکامات شریعت پر عمل کرنے والے کو ثواب ملتا ہے، بشرطیکہ مسلمان ہو نہ کہ کافر (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

شاہِ حبشہ حضرت نجاشی کا انتقال

اسی سال حضرت نجاشی شاہ حبشہ کا انتقال ہوا۔ حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس دن حضرت نجاشی نے وفات پائی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج تمہارے بھائی مرد صالح نجاشی نے وفات پائی ہے۔ اٹھو اور اس کی نماز جنازہ پڑھو اور اپنے بھائی کے لئے کثرت سے استغفار کرو۔ اس کے بعد ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے عیدگاہ میں صف باندھ کر کھڑے ہوئے اور نماز جنازہ پڑھی۔ (الحدیث۔ مدارج النبوۃ)

واقدی اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نجاشی کے جنازہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش فرما دیا تھا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میت ملاحظہ فرما کر نماز جنازہ پڑھی (مدارج النبوۃ)

حج اور اعلانِ برآت

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ماہ ذی القعدہ یا ذوالحجہ ۹ ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین سو صحابہ کرام پر امیر الحاج بنا کر مکہ مکرمہ کی طرف ادائیگی حج کے لئے روانہ فرمایا۔ ان کے ساتھ اپنی طرف سے بیس جانور قربانی کے روانہ فرمائے اور ان کی گردنوں میں اپنے دست اقدس سے پٹے باندھے اور قربانی کے نشان لگائے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لئے بھی پانچ جانور ساتھ لے لئے۔ مشہور روایات کے مطابق جب حجاج کرام کا یہ قافلہ ذوالحلیفہ پہنچا

تو رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو سورۃ براۃ کی ابتدائی آیات دے کر روانہ فرمایا کہ روزِ منیٰ ان کا اعلان کر دیا جائے۔ حضرت صدیق اکبر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو میری جگہ امیر بنایا ہے؟ تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے جواب دیا کہ نہیں، بلکہ امیر آپ ہی ہیں اور میں آپ کے تابع ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں لوگوں کے سامنے سورۃ براۃ کی تلاوت کردوں اور ہر معاہدے والے کو اس کے معاہدے کی تحریر واپس کردوں۔"

خیال رہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مشرکین کے درمیان معاہدہ تھا کہ حجِ بیت اللہ سے کسی کو بھی نہیں روکا جائے گا۔ اس کے سوا بھی کچھ معینہ مدت کے معاہدے تھے۔ عرب میں رواج تھا کہ جب کسی معاہدے کو ختم کرنا ہوتا تو صرف وہی شخص ختم کر سکتا تھا، جس نے معاہدہ کیا ہو یا پھر اس کا بہت ہی قریبی رشتہ دار معاہدہ کی منسوخی کا اعلان کرتا، اسی لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصی طور پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو بھیجا۔

الغرض حضرت علی المرتضیٰ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ قیادت فریضۂ حج سرانجام دیا اور قربانی کے دن میدانِ منیٰ میں جمرہ کے قریب کھڑے ہو کر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے سورۃ براۃ کی آیات مبارکہ تلاوت فرمائیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اعلان کیا کہ اے لوگو! جنت میں کوئی کافر نہیں جائے گا۔ اس سال کے بعد مشرکین حج نہیں کر سکیں گے۔ کوئی بھی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جن لوگوں سے مدتِ معینہ کے معاہدے فرمائے ہیں، وہ اپنی مدت تک پورے کئے جائیں گے۔ پھر حضرت صدیق و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدینہ منورہ کی طرف ایک ساتھ روانہ ہوئے۔ مدینہ طیبہ واپسی تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ (ابنِ اسحاق۔ ابنِ سعد۔ زاد المعاد۔ محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری قاہرہ)

ہجرتِ نبوی کا دسواں سال ۱۰ھ بمطابق ۳۲-۶۳۱ء

ہجرت کے دسویں سال بھی بکثرت وفود حاضرِ خدمت ہوکر دامنِ عفو و رحمت میں پناہ گزیں ہوتے اور بہت سے واقعات بھی پیش آئے، جن میں سے بعض واقعات کا اس جگہ ذکر کیا جاتا ہے۔ (وَمَا توفیقی اِلّا باللّٰہ)

نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ اسی سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کی طرف مکتوب گرامی ارسال فرمایا، جس کے جواب میں نجران کا ایک وفد بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں نصاریٰ کے ستر سردار شامل تھے۔ (ابن خلدون) ان کا سردار عاقب عبدالمسیح، ان کا خطیب اور مدرسِ اعظم ابوالحارث بن علقمہ اور دوسرا سردار ایہم تھا، جس کا لقب سید تھا۔ (روضۃ الاحباب، تفسیر خازن، تفسیر مظہری)

اعترافِ حقیقت جب یہ لوگ مدینہ طیبہ کی طرف آ رہے تھے، تو راستے میں ابوالحارث کے اونٹ کو ٹھوکر لگی تو ابوالحارث کے بھائی "کرز" نے (جو کہ وفد میں شامل تھا) بددعا کے طور پر کہا "ٹھوکر لگے اس کو جو دور ہے" اس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس مراد تھی (معاذ اللہ تعالیٰ) اس پر اس کے اسقفِ اعظم ابوالحارث نے کہا "ٹھوکر لگے تجھے، ان کو کیوں لگے؟" کرز نے حیرانی سے پوچھا۔ "بھائی یہ کیا؟" ابوالحارث نے کہا، اللہ تعالیٰ کی قسم! محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور یہ وہی ہیں، جن کے ہم منتظر تھے۔" کرز نے کہا "پھر تم مسلمان کیوں نہیں ہوتے؟" ابوالحارث نے کہا "اگر میں ان کی اطاعت کروں، تو میری قوم میرے خلاف ہو جائے گی اور جو مرتبہ و مقام اور قدر و منزلت حاصل ہے سب جاتی

رہے گی۔ علاوہ ازیں جو تحائف وہدایا اب ہمیں ملتے ہیں وہ سب چھن جائیں گے"۔
ابوالحارث کی اِن باتوں سے کرز کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوگئی اور وہ قافلہ
سے جُدا ہوکر (پہلے ہی) بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوگئے اور شرف
ایمان سے مشرف ہوگئے۔ (مدارج النبوۃ)

آیہ مُبارکہ کا نزول نجران کے نصاریٰ کا یہ وفد بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کج بحثی کرنے
لگا۔ ہر چند رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ناقابلِ تردید دلائل سے اُن کو
سمجھانے کی کوشش کی، مگر انہوں نے ہٹ دھرمی سے کام لیا اور کوئی بات نہ مانی،
تو اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہٗ نے درج ذیل آیاتِ مبارکہ نازل فرمائیں:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ
لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝ فَمَنْ
حَآجَّکَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ
وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَہِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ
اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ۝ (آل عمران: ۵۹ تا ۶۱)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال حضرت آدم علیہ السلام
کی طرح ہے، ان کو مٹی سے بنالیا، پھر اُسے فرمایا (زندہ انسان) ہوجا اور وہ ہوگئے
(اے سُننے والے) یہ تیرے رب کی طرف سے بالکل حق ہے اور تو شک کرنیوالوں سے نہ ہونا،
تو پھر (اے محبوب علیک السلام) اگر تم سے یہ (عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں) بحث کریں،
علم آجانے کے بعد تو ان سے فرماؤ کہ آؤ ہم بلاتے ہیں تمہارے بیٹوں یعنی اولاد کو اور
اپنی اولاد، تمہاری عورتوں کو اور اپنی عورتوں کو ہم خود بھی آتے ہیں، تمہیں بھی بلاتے
ہیں تاکہ، مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ڈالیں۔"

جب نجران والے اس ارشادِ مبارک کے بعد بھی اپنے انکار پر قائم رہے تو حضور نبی اکرم رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو بحکمِ آیۂ مبارکہ مباہلہ پر بلایا، انہوں نے عرض کیا کہ ہم مشورہ کر کے کل آپ کو جواب دیں گے۔ جب وہ سب مشورہ کے لئے جمع ہوئے تو انہوں نے اپنے سردار اور صاحب الرائے عالم عاقب عبد المسیح سے کہا کہ "فرمایئے ہمارے لئے کیا حکم ہے"؟ تو اس نے کہا: "میرے ساتھیو! اللہ تعالیٰ کی قسم! تم پہچان چکے ہو کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں، اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اگر تم ان پر ایمان نہیں لانا چاہتے اور اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہو، تو ان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے صلح کر کے اپنے وطن واپس لوٹ جاؤ۔" دوسرے دن جب وہ صبح بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور نبی محتشم رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مباہلہ کے لئے آمادہ پایا، اس وقت حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گود مبارک میں تھے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ تھاما ہوا تھا' سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا عقب میں اور ان کے عقب میں سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تھے' اور رسولِ محترم اور نبیٔ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان سے فرما رہے تھے کہ "جب میں دُعا کروں تو تم آمین کہنا۔"

گروہِ نصاریٰ نے جب ان حضراتِ ذی وقار کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا' تو لرز گئے۔ ان کا صدر مدرس ابوالحارث کہنے لگا: "اے لوگو! مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! میں ایسی پاکیزہ صورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اگر اللہ تعالیٰ کے حضور کسی پہاڑ کے اپنی جگہ سے ٹل جانے کی دُعا کریں' تو اُن کی دُعا سے وہ بھی ٹل جائے گا۔ خبردار! ان سے مباہلہ نہ کرنا' ورنہ ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔"

مرقوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس

کی کہ جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو ان کی صورتیں مسخ کر کے بندروں اور خنزیروں کی سی کر دی جاتیں اور یہ وادی ان پر آگ برساتی اور تمام اہلِ نجران کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتی، یہاں تک کہ اُس وادی کے جانور بھی مرجاتے اور ایک سال کے اندر اندر تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔"

الغرض نصاریٰ نے عرض کیا کہ ہم آپ سے مُباہلہ نہیں کریں گے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "پھر تم مسلمان ہو جاؤ۔" انہوں نے عرض کیا: "یہ بھی نہیں ہو سکتا۔" فرمایا: "پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔" انہوں نے عرض کیا کہ "ہم جنگ نہیں کر سکتے، کیونکہ اس کی طاقت ہی نہیں، ہاں البتہ ہم جزیہ پر صلح کرتے ہیں۔" چنانچہ اُن کی اس پیش کش پر صُلح کر لی گئی اور مزید اُن پر یہ شرط عائد کی گئی کہ "نہ تو وہ سُود کھائیں گے اور نہ ہی مسلمانوں پر حملہ کریں گے۔"

صلح کے بعد اُنہوں نے عرض کیا کہ ہمارے ساتھ کسی قوی اور امین شخص کو بھیج دیجئے جو جھگڑے کی صورت میں ہمارے درمیان انصاف کر دیا کرے، چنانچہ حضور اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج دیا۔ اس وقت تو یہ لوگ واپس چلے گئے، مگر تھوڑی ہی مدت بعد ان کے سردار عبد المسیح عاقب اور سید ایہم آئے اور مسلمان ہو گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

(صحیح مسلم، ترمذی، دلائل النبوۃ۔ تفسیر خازن، رُوح المعانی، کبیر، مدارج النبوۃ)

فائدہ: خیال رہے کہ کتبِ تواریخ و سیر کے مطابق اس وقت اولادِ نبوی میں صرف سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا (اور ان کی اولاد پاک) ہی حیات تھیں ـــ باقی صاحبزادیاں اور شہزادے وصال فرما چکے تھے، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے شہزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی وصال ہو چکا تھا (جیسا کہ ابھی مذکور ہوگا) اسی لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سیدہ خاتونِ جنت، ان کے شہزادوں اور ان کے شوہر نامدار حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو ساتھ لے کر مباہلہ کیلئے تشریف لائے۔

(واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات

حضور نبی اکرم رسُول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے شہزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مشہور روایات کے مطابق اسی سال یعنی صرف سولہ ماہ کی عمر میں ربیع الاول ۱۰ھ کو رحلت فرما گئے (اناللہ وانا الیہ راجعون) تفصیلی واقعہ انشاء اللہ تعالیٰ اولادِ اطہار کے تذکرہ میں آئے گا۔

حَجّۃ الوَداع

ماہِ ذی الحجہ ۱۰ھ بمطابق ۶۳۲ء میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے "حج وداع" ادا فرمایا۔ اس کا نام "حج وداع" اس لئے رکھا گیا کہ اس میں حضور نبی کریم رسُول عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کو اپنے سفرِ آخرت کی اطلاع کے ساتھ رخصت فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا "مجھ سے اپنے مناسکِ حج (یعنی مسائلِ حج) سیکھ لو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آئندہ سال میں تمہارے ساتھ حج نہ کروں اور رحلت کر جاؤں"۔

دسویں سن ہجرت کے عظیم ترین واقعات میں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار جاں نثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی معیت میں حج فرمانا ہے جس میں پوری تفصیل کے ساتھ مناسکِ حج و مسائلِ حج ارشاد فرمائے (زیادہ تفصیل کیلئے کتبِ سیرت کی طرف رجوع فرمائیں) اسی سفر میں مقام "غدیرِ خم" پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور اپنی دیگر اہل بیت اطہار کے فضائل بیان فرمائے اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا ہاتھ پکڑ کر اعلان فرمایا: اَللّٰھُمَّ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔ "اے اللہ تعالیٰ! جس کا میں مولیٰ ہوں اُس کے یہ علی بھی مولیٰ ہیں"۔
اِس واقعہ کے بعد حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے فرمایا: اے ابن ابی طالب! مبارک ہو اور خوشی ہو کہ تم صبح و شام اس حال میں کرتے ہو کہ ہر صاحبِ ایمان کے مولیٰ ہو۔ (رواہ احمد عن براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشکوٰۃ)
(اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْھُمْ)

خطبہ حجۃ الوداع دورانِ حج میدان عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک نہایت ہی فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا معجزہ تھا کہ تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام (مرد و زن) ہمہ تن گوش خطبہ کو سن رہے تھے اور ہر دور و نزدیک والے حتیٰ کہ خیموں والے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز سن رہے تھے اور احکامات سمجھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا، اَیُّھَا النَّاسُ اسْمَعُوْا قَوْلِیْ فَاِنِّیْ لَا اَدْرِیْ لَعَلِّیْ لَا اَلْقَاکُمْ بَعْدَ عَامِیْ ھٰذَا بِھٰذَا الْمَوْقِفِ اَبَدًا ..... اِلٰی اٰخِرِہٖ۔

ترجمہ: "لوگو! میری باتیں غور سے سنو، ہو سکتا ہے کہ اس سال کے بعد اس مقام پر میں کبھی تم سے ملاقات نہ کر سکوں۔ لوگو! دیکھو تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن اور مہینہ حرمت والا ہے، تم عنقریب اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال فرمائے گا میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اگر کسی کے پاس کسی کی امانت ہو تو وہ اسے اس کے مالک کی طرف لوٹا دے، اور اگر سود ہو تو وہ ختم کر دیا گیا ہے۔ ہاں البتہ اصل تم تمہیں واپس ملے گی، نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ سود ختم کر دیا گیا ہے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے حصہ کا تمام سود کالعدم کر دیا گیا ہے اور جاہلیت کے تمام خون باطل قرار دیئے گئے ہیں۔ دیکھو سب سے پہلا خون باطل کیا جاتا ہے، وہ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا ہے۔ ربیعہ بنو لیث میں شیر خوار تھے اور ان کو بنو ہذیل نے قتل کر دیا تھا، میں ان کا خون باطل کر کے (یعنی بدلہ نہ لینے کا اعلان کر کے)، زمانہ جاہلیت کے تمام خون باطل کرنے کی ابتدا کرتا ہوں۔ لوگو! تمہاری

اس سرزمین پر شیطان اپنے پوجے جانے سے قطعی ناامید ہوگیا ہے لیکن عبادت کے سوا دیگر گناہوں میں اس کی اطاعت کی گئی تو وہ اس پر بھی راضی رہے گا، اس لئے تم اپنے دین کی اس سے حفاظت کرنا"

"اے لوگو! نسی (یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کرنا جس طرح زمانہ جاہلیت میں رواج تھا) کفر میں زیادتی کا سبب ہے، اس سے کافر مزید گمراہ ہوتے ہیں کہ ایک ہی مہینہ کو ایک سال حلال قرار دیتے ہیں اور دوسرے سال اسی کو حرام قرار دے دیتے ہیں تاکہ اس طرح حرمت والے مہینوں کی گنتی پوری کرلیں اور وہ اس طرح کرکے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا حلال بنالیتے تھے اور جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا اسے حرام بنالیتے تھے۔ دیکھو اب زمانہ گھوم گھما کر اپنی اصلی صورت پر آگیا ہے جس صورت پر اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کئے تھے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتاب اللہ میں مہینوں کی تعداد بارہ اسی دن سے ہے جس دن سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا فرمائے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، تین تو لگاتار ہیں، یعنی ذی القعدہ، ذی الحجۃ اور محرم الحرام اور ایک رجب ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔

اما بعد: اے لوگو! تمہاری بیویوں پر تمہارے حقوق ہیں، اسی طرح تم پر ان کے بھی حقوق ہیں تمہاری بیویوں پر فرض ہے کہ وہ کسی (غیر شخص) کو اپنے بستر پر نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو (یعنی بیوی ایسے شخص کو گھر نہ آنے دے جس سے اس کا خاوند ناراض ہو) اور نہ ہی پوشیدہ نہ ہی کھلم کھلا بے حیائی کریں، اگر وہ ایسا کریں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی کہ تم انہیں ان کی خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو اور اس طرح مارو کہ جسم پر نشان نہ پڑے (یعنی شدید نہ مارو) پھر اگر وہ باز آجائیں تو حسب سابق باعزت طور پر ان کا نان و نفقہ، (روٹی کپڑا) تم پر واجب ہے۔ تم اپنی عورتوں سے بہترین سلوک کیا کرو، کیونکہ وہ تمہارے ساتھ معاون ہیں اور ذاتی طور پر کسی بھی چیز کی مالک نہیں ہیں، تم نے انہیں

اللہ تعالیٰ کی امانت کے طور پر حاصل کیا اور انہیں اپنے لئے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے حلال کیا ہے۔" (یعنی نکاح کیا ہے)

"تو اے لوگو! میری باتیں اچھی طرح سنو اور سمجھو، میں نے تمہیں شرعی احکامات سمجھا دیئے ہیں۔ اور میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ (چیز) اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اس کے نبی کی سُنّت ہے۔"

"اے لوگو! میری بات غور سے سُنو اور خوب اچھی سمجھ لو کہ ہر مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے سب دُنیا کے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس لئے کسی شخص کو اپنے بھائی کے مال سے صرف وہی حلال ہے جسے وہ خوشی خوشی سے دے دے۔ خبردار! تم اپنے اوپر ظلم نہ کر دو (پھر صحابہ کرام سے پوچھا بتاؤ) کیا میں نے (اللہ تعالیٰ کا حکم تم تک پہنچا دیا؟ صحابہ کرام نے جواباً عرض کیا، اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ آپ نے پہنچا دیا"؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا،

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ۔ "یعنی اے اللہ تعالیٰ تو گواہ رہنا۔" (صحیح مسلم۔ مدارج النبوۃ)

مدعی نبوت مُسیلمہ کذّاب

ارباب سیر کا بیان ہے کہ جب نبی مکرم رسول محتشم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے، تو عزت و شرف مصطفےٰ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر کئی تیرہ بخت اشقیاء کے ذہن میں دعویٰ نبوت کا خبط سمایا، جن میں مسیلمہ بن ثمامہ، اسود بن کعب عنسی، طلیحہ بن خویلد اسدی اور ایک عورت سجاح بنت الحارث، دعویٰ ہائے نبوت میں مشہور ہوتے۔

ان بدبختوں میں مُسیلمہ کذاب سب سے زیادہ مشہور اور شقی تھا۔ علامہ ابن خلدون کے مطابق اس نے ۱۰ھ میں دعویٰ نبوت کیا، جبکہ صاحب مدارج النبوۃ ۱۱ھ میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ ملعون بوڑھا انتہائی مکار اور حیلہ ساز تھا۔ یہ اپنی قوم کے

ساتھ قبل ازیں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا تھا، اس نے ایمان لانے کے لئے یہ شرط پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُسے خلیفہ چنا جاتے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (مدینہ منورہ میں) اس کی قیامگاہ پر تشریف لے گئے، اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ اقدس میں کھجور کی ایک شاخ تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے فرمایا (تو خلافت کا طالب ہے؟ تو غور سے سن) اگر ایمان لانے کے بدلے میں تو مجھ سے یہ شاخ ہی مانگے گا، تو میں یہ بھی تجھے نہ دُوں گا۔"

بعض روایات کے مطابق وہ ظاہراً ایمان لے بھی آیا تھا، مگر جب اپنے قبیلہ میں واپس پہنچا، تو اُس نے دعویٰ نبوت کر دیا، اس کے وفد میں شامل قبیلہ کے ایک سردار طلق بن علی نے اس امر کی جھوٹی شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنا شریکِ نبوت بنالیا ہے، جس سے اکثر لوگ اس فتنہ میں مُبتلا ہو گئے۔

اِس کذاب نے بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ایک خط لکھا جس کا ترجمہ ہے "یہ خط مسیلمہ رسُول اللہ کی طرف سے، محمد رسُول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف ہے۔ السلام علیک۔ دیکھئے! میں آپ کا شریکِ نبوت ہوں آدھی زمین ہمارے لئے ہے اور آدھی قریش کے لیے، لیکن قریشی زیادتی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم رسُولِ محتشم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب سلامٌ علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ اما بعد! فانّ الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔

"یہ خط اللہ تعالیٰ کے رسُول محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف ہے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ واضح ہو کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہے اس کا وارث بنائے اور حسنِ انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔"

اس کے بعد مسیلمہ کذاب اپنے کفر پر اصرار کرتا رہا اور قرآن کریم کے مقابلہ میں خرافات و ہذلیات گھڑتا رہا تا آنکہ خلیفۃ الرسول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ اقدس میں اس کی سرکوبی کے لئے مجاہدین اسلام کو روانہ فرمایا، جنہوں نے اُس کی جھوٹی نبوت کا بھرم نکال کر اسے واصلِ جہنم کر دیا۔
(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں، طبری، ابن خلدون، مدارج النبوۃ)

دُوسرے مدعیانِ نبوت میں سے اسود عنسی کذاب کو حضرت فیروز دیلمی نے جہنم رسید کیا۔ طلیحہ بن خویلد (اس نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلتِ مبارکہ کے بعد دعویٰ نبوت کیا تھا) دوبارہ مسلمان ہو گیا اور نہاوند کی جنگ میں مرتبۂ شہادت پایا، جبکہ سجاح بنت الحارث کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ مسلمان ہوئی کہ نہیں بعض مورخین و سیر نگار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اس کے دوبارہ ایمان لانے کا ذکر کرتے ہیں، جبکہ دوسری روایت کے مطابق وہ حالتِ کفر میں ہی بے نام و نشان ہو گئی۔
(واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم)

باب چہارم

ہجرتِ نبوی کا گیارہواں سال ۱۱ھ بمطابق ۶۳۲-۳۳ء

حضور سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وصالِ مقدس بروز پیر ۱۲ ربیع الاول

حضور تاجدارِ عرب و عجم شفیع امم فخرِ بنی آدم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، (فداہ امی وابی روحی وجسدی) نے سورۃ النصر (اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ) کے بعد ہی اپنے اہل بیتِ اطہار اور صحابۂ کبار کو اپنے انتقالِ مبارک کی خبر دے دی تھی۔
حضور نبی اکرم رسُول محتشم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ناسازیٔ طبیعت کی ابتداء

سلسلہ صفر المظفر کے آخری ایام میں ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق صفر کے آخری بدھ (چہار شنبہ) کو مرض کی ابتداء ہوئی۔ کتاب الوفاء میں ہے کہ صفر کی دو راتیں باقی تھیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مرض کی مدت میں اختلاف ہے۔ اکثر کا مذہب ہے کہ تیرہ یوم بیمار رہے۔ بعض نے چودہ روز اور بعض نے سات روز تحریر کیے ہیں (واللہ اعلم)

ضروری تنبیہ آجکل عوام الناس میں آخری چہار شنبہ (صفر کا آخری بدھ) منانے کا رواج ہے اور اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرض مبارکہ میں کچھ تخفیف ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چہل قدمی فرمائی، جس پر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خوش ہو کر کچھ خیرات وغیرہ بھی کی، حالانکہ یہ واقعہ سرے سے ہی غلط ہے کیونکہ عند البعض صفر کا آخری بدھ (چہار شنبہ) ہی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی مرض کا پہلا دن ہے، اس لئے کسی مسلمان کو قطعاً زیبا نہیں کہ وہ اس دن خوشی منائے

القصہ حضور نبی اکرم شفیع معظم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باوجود سخت تکلیف کے باری باری امہات المومنین کے گھروں میں تشریف لے جاتے رہے، لیکن جب مرض نے شدت اختیار کر لی، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سب ازواجِ مطہرات کو ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں جمع ہونے کا حکم دیا، اور ان سے اجازت چاہی کہ ایامِ علالت حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مقدسہ میں بسر فرمائیں۔ سب ازواجِ مطہرات سے اجازت لینے کے بعد حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں جلوہ گر ہو گئے۔ اسی حجرہ کے ساتھ جنابہ سیدہ زاہدہ طیبہ طاہرہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی حجرہ مبارکہ تھا، وہ بھی ہمیشہ حاضرِ خدمت رہتی تھیں۔ دیگر امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی اسی جگہ حاضرِ خدمت ہوتیں۔

جب تک مرض نے زیادہ شدت اختیار نہ کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پنجگانہ نماز کی امامت کے لئے بنفسِ نفیس مسجد میں تشریف لے جاتے رہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات حضرات علی المرتضیٰ وفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر گھسٹتے ہوئے قدم ہائے مبارک کے ساتھ بھی مسجد نبوی شریفہ میں جلوہ گر ہوئے۔ (اس عمل سے نماز باجماعت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ سوچیئے! کیا یہ درست ہے کہ کوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ بھی کرے اور نماز بھی چھوڑ دے حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عملِ مبارکہ کیا تھا؟)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامت کا حکم

رحلتِ مبارکہ سے چند یوم قبل جب مرض اپنی شدت کی انتہاء کو پہنچ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عباس، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا اور امہات المومنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) غرض سب اہل بیت اطہار حاضرِ خدمت تھے اور سخت پریشان تھے۔ نماز عشاء کا وقت تھا، صحابہ کرام مسجد میں حاضر تھے، جب طبیعتِ شریفہ کچھ سنبھلی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا، کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ عرض کیا گیا کہ نہیں، لوگ آپ کے منتظر ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کا مشکیزہ طلب فرمایا اور پانی کو خود پر بہایا، پھر اٹھنے کا ارادہ فرمایا تو طبیعتِ شریفہ غیر ہوگئی تھوڑی دیر بعد جب طبیعت قدرے درست ہوئی، تو ارشاد فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ عرض کیا کہ "نہیں! آپ کے انتظار میں ہیں" فرمایا: "پانی کا برتن لاؤ"۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پھر وضو یا غسل فرمایا (یعنی جسمِ انور پر پانی بہایا) اور اٹھنے کی کوشش کی، مگر پھر وہی حالت ہوگئی۔ الغرض تین مرتبہ ایسے ہی ہوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ "ابوبکر کو کہیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"۔

اِس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسجد نبوی کو اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خالی پاکر زار و قطار رونے لگے۔ جب یہ آواز سمعِ اقدس تک پہنچی تو ارشاد فرمایا "یہ کیسی آواز ہے؟" غم سے نڈھال شہزادی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ "یہ آوازیں صحابہ کرام کے رونے کی ہیں کہ وہ آپ کو مسجد میں نہیں دیکھتے"۔ یہ سُن کر حضور نبیِ اکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فرمایا کہ سہارا دے کر اُٹھائیں۔ پھر آہستہ آہستہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُٹھے اور اس حال میں مسجدِ نبوی میں تشریف لائے کہ ایک ہاتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھے پر اور دُوسرا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھے پر جبکہ پاؤں مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ اس دوران آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق نماز شروع ہو چکی تھی۔ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کیا کہ حضور نبی اکرم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنفسِ نفیس تشریف لا رہے ہیں تو چاہا کہ فوراً پیچھے ہٹ جائیں، مگر رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ سے منع فرمایا اور وہیں کھڑے رہنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بائیں جانب آگے تشریف فرما ہو گئے اور نماز ادا فرمانے لگے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بُلند آواز سے تکبیر کہتے جاتے تھے تاکہ صحابہ کرام کے لئے آسانی ہو اور وہ حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کر سکیں۔ گویا رسولِ کریم نبی رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امام تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نائب اور خلیفہ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دوران کل سترہ نمازیں پڑھائیں، جن میں پہلی نماز شبِ جمعہ کی تھی اور آخری پیر کی صبح کی تھی۔

مسجدِ نبوی شریفہ میں آخری خُطبہ

جب تاجدارِ انبیاء، محبوبِ کبریا، رسُولِ خدا صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم زیادہ علیل ہو گئے تو صحابہ کرام خصوصًا انصار بہت پریشان ہو گئے' ان کو اپنے گھروں میں چین وسکون نہ آتا تھا، یہ حیران وپریشان مسجد نبوی شریفہ کے آس پاس گھومتے رہتے۔ اہل بیت اطہار کے لئے تو یک گونہ یہ سہولت تھی کہ وہ زیارتِ انور سے فیضیاب ہوتے رہتے اور ہر لمحہ حالتِ مبارکہ سے باخبر رہتے، لیکن صحابہ کرام کے لئے یہ بات ممکن نہ تھی تو جب صحابہ کرام کی بے چینی حد سے بڑھ گئی اور اُن کی کیفیت سے حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم مطلع ہوتے تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سہارا لئے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور منبر شریفہ کی پہلی سیڑھی پر ہی تشریف فرما ہو گئے۔ سرِانور پر پٹی بندھی ہوئی، کیونکہ سرِانور درد کر رہا تھا، صحابہ کرام دیوانہ وار جمع ہونے لگے اور آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا:

"ترجمہ" اے لوگو! مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے نبی کی وفات سے خوفزدہ ہو' کیا مجھ سے پہلے مبعوث شدہ کوئی نبی ہمیشہ اس دُنیا میں رہا ہے کہ میں دائمی طور پر تم میں رہ سکوں؟ خوب آگاہ ہو جاؤ کہ میں اپنے رب سے جا ملوں گا اور تم سب مجھ سے آملو گے۔ پس میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ مہاجرین اوّلین کے ساتھ بہتر سلوک کرنا اور اسی طرح مہاجرین کو بھی آپس میں حُسنِ سلوک سے رہنا چاہیے (اس کے بعد آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے سورۃ العصر تلاوت فرمائی، پھر فرمایا) بلا شبہ سب کام اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتے ہیں۔ اگر اُس کے حضور کسی کام میں دیر ہو تو تم جلدی کی خواہش نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی عجلت پسندی کی بناء پر جلد بازی نہیں فرماتا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مرضی پر غالب آنا چاہے' وہ خود مغلوب رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ

کو دھوکا دینا چاہتا ہے، وہ خود دھوکے میں پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے دھوکے کی سزا ضرور دیتا ہے۔ تمہاری کیا حالت ہے کہ اگر تمہیں حکومت وسلطنت ملے تو تم زمین پر فساد پھیلاتے پھرو، اور قرابت کے تعلقات منقطع کر دو اور میں تمہیں انصار کے حق میں حسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ انہوں نے تمہیں اپنے گھروں میں قیام کی جگہ دی اور تمہیں عزت سے رکھا، اس لئے تم پر واجب ہے کہ ان سے حسن سلوک کرو کیا انہوں نے (انصار نے) اپنے باغات اور پھلوں میں تمہارا حصہ مقرر نہیں کیا۔؟ کیا انہوں نے اپنے گھروں میں قیام کے لئے گنجائش نہ نکالی؟ کیا انہوں نے خود پر تنگی و ترشی برداشت کر کے تمہیں اپنی جانوں پر ترجیح نہ دی؟ خبردار! تم میں سے جو کوئی دو آدمیوں پر بھی حاکم مقرر ہو، اسے چاہیے کہ انصار کی اچھی باتوں کو پیش نظر رکھے اور اُن کی کوتاہیوں سے درگزر کرے۔ خبردار! تم اس برتری اور ترجیحی سلوک کی کوشش مت کرنا، خوب اچھی طرح سُن لو! میں تم سے پہلے اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے والا ہوں، تم بعد کو مجھ سے آملو گے۔ خبردار! تم سے میری مُلاقات حوضِ کوثر پر ہوگی۔ خوب اچھی طرح سُن لو! جو شخص کل مجھ سے حوضِ کوثر پر ملنے کا خواہشمند ہو، اُسے چاہیے کہ وہ اپنی زبان اور ہاتھ کو (لوگوں کی ایذا رسانی سے) روکے رکھے

رسولِ مکرّم نبیٔ معظّم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا خطبہ مبارکہ سننے کے لئے صحابہ اس قدر جوش وخروش سے آتے تھے کہ انہوں نے اپنے گھروں اور دکانوں کو بھی کھلا ہی چھوڑ دیا تھا اور مسجد نبوی شریفہ میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرما رہے تھے:۔

اَوْسِعُوْا لِمَنْ وَّرَآءَکُمْ"۔ یعنی اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے جگہ بناؤ۔"

پند ونصائح اور تعلیم آداب کے اس خطبہ کے بعد رسولِ مکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے لوگو! تم سے میرے جدا ہونے کا وقت قریب آگیا ہے۔ سنو! اگر

کسی کا کوئی حق مجھ پر ہو تو اپنا حق وصول کر لے اور میری جان، مال اور سامان جس سے چاہے قصاص لے لے۔" پھر فرمایا: "اگر کسی کا کسی پر کوئی حق ہو تو وہ ادا کر دے۔ یاد رکھو! دُنیا کی شرمندگی، آخرت کی شرمندگی سے آسان تر ہے۔" نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "اگر کسی کی عادت میں کوئی خرابی ہو جو دُور نہ ہوتی ہو، وہ کھڑا ہو جائے تاکہ میں اُس کے لئے دُعا کروں۔"

جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے ان ارشاداتِ عالیہ سے نواز رہے تھے، تو اس دوران کئی صحابہ کرام کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی گزارشات پیشِ خدمت کیں، جن کو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شرفِ قبولیت سے نوازا۔ (زیادہ تفصیل کیلئے معتبر کتب سیرت کی طرف رجوع فرمائیں) آخر میں ازواجِ مطہرات کے لئے خصوصی نصیحت فرمائی۔ یہ رسُول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مسجدِ نبوی شریف میں آخری خطبہ مُبارکہ تھا۔ اس کے بعد نبیٔ مکرم رسُولِ محترم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے خانۂ اطہر میں رونق افروز ہو گئے۔

ناقابلِ فراموش

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ پیر کے دن صبح کی نماز کے دوران جبکہ صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے تھے، اچانک رسولِ معظم، نبیٔ مکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حجرۂ مبارکہ کا پردہ اٹھایا اور نمازیوں کی طرف نظرِ کرم فرمائی جو کہ نماز کی صفوں میں تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کو دیکھ کر مسکرائے۔ ان لمحات کی منظر کشی فرماتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا رُخِ انور گویا قرآنِ کریم کا ورق معلوم ہو رہا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے گمان کیا کہ شاید ہمارے آقا و مولیٰ جنابِ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ شریفہ میں تشریف لانے والے ہیں، قریب تھا کہ جوشِ محبت میں

وہ اپنی صفوں کو توڑ دیں۔ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی چاہا کہ اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ جائیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو اشارہ فرمایا کہ وہ اپنی نماز پوری کریں، پھر حجرہ انور کا پردہ گرا دیا اور اسی دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (فداہ روحی وجسدی) کا انتقال مبارک ہو گیا اور اہل مدینہ پر قیامت صغریٰ بپا ہو گئی۔

رحلت مبارکہ کا قیامت خیز منظر

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یوم وصال، حق تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم دیا کہ زمین پر میرے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہو۔ خبردار! بغیر اجازت داخل نہ ہونا اور نہ ہی بغیر اجازت کے روح عالی کو قبض کرنا، تو حضرت ملک الموت دروازۂ اقدس پر اعرابی کی صورت میں حاضر ہوئے اور بلند آواز سے عرض کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ النُّبُوَّۃِ وَمَعْدَنَ الرِّسَالَۃِ وَمُخْتَلِفِ الْمَلَائِکَۃِ۔ (یہ اجازت لینے کا ایک انداز تھا) اس وقت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بارگاہِ اقدس میں موجود تھیں، انہوں نے جواب دیا: "اس وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اپنے حال میں مشغول ہیں، لہٰذا اس وقت ملاقات نہیں فرما سکتے۔ ملک الموت نے دوبارہ اجازت مانگی، تو پھر یہی جواب سنا۔ انہوں نے تیسری مرتبہ اجازت طلب کی، تو ان کی آواز کی ہیبت سے اہل خانہ لرز اٹھے۔ رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چشمانِ مبارک کھول کر پوچھا "کیا بات ہے۔؟" صورت حال عرضِ خدمت کی گئی تو فرمایا: "فاطمہ! تم جانتی ہو یہ کون ہیں؟ یہ لذتوں کا توڑنے والا، خواہشوں اور تمناؤں کا کچلنے والا، اجتماعی بندھنوں کو الگ الگ کرنے والا، بیویوں کو بیوہ کرنے اور بچوں کو یتیم بنانے والا (ملک الموت) ہے"۔ یہ سُن کر جناب سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا زار و قطار رونے لگیں۔ رسول اللہ

صلّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم نے ان کو دلاسا دیا اور خود اپنے دستِ مقدّس سے اُن کے رُخِ زیبا سے اشکوں کو صاف فرمایا۔ بعض روایتوں کے مطابق اس وقت حضور انور صلّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کو سرگوشی کے انداز میں فرمایا کہ اے فاطمہ! تم میرے جانے کے بعد بہت جلد مجھ سے آملوگی ۔ (یعنی جدائی کے دن طویل نہیں ہیں) اس وقت گھر میں موجود ہر شخص رو رہا تھا۔ حضور نبی اکرم صلّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ "اے فاطمہ! بچوں کو بُلاؤ"۔ انہوں نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بُلا کر حاضرِ خدمت کر دیا۔ جب شہزادگانِ ذی وقار نے اپنی امّی اور اہل خانہ کو اس حال میں دیکھا تو وہ بھی رونے لگے۔

حضور سرورِ کائنات صلّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم نے شہزادگانِ ذی وقار کو اپنی آغوشِ محبّت میں لے لیا اور چومنے لگے، اس وقت خود رحمتِ عالم، شفیعِ اعظم صلّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم بھی رو رہے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے عرض کیا کہ یا رسُول اللہ (صلّی اللہ تعالٰی علیک وسلّم) آپ کیوں رو رہے ہیں ؟ (یعنی آپ تو نہ روئیں) تو حضور رحمۃ للعالمین خاتم المرسلین صلّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا "میرا رونا میری امت پر رحمت اور شفقت کے لئے ہے۔" (اللہ اکبر، اللہ اکبر! اے میرے آقا رسُولِ عربی (فداہ رُوحی وجسدی) صلّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم کے گنہ گار اُمّتی تو غور کر، تیرے آقا کتنے کریم وشفیق ہیں اور تُو کس قدر ذلیل ہے) اس کے بعد امّہات المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہن باری باری نگاہِ کرم کے سامنے حاضر ہوتی رہیں اور دولتِ وصیت سے مالا مال ہوتی گئیں ۔ پھر رسُولِ کریم صاحبِ خلقِ عظیم صلّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت علی المرتضیٰ کرّم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کو قریب بلایا اور ارشاد فرمایا، اے علی! فلاں یہودی کے اتنے درہم میرے ذمہ قرضہ ہے، تم کو تاکید ہے کہ میرا یہ قرض اتار دینا۔ پھر فرمایا، تم ان لوگوں میں پہلے ہوگے جو مجھے حوضِ کوثر پہ ملوگے۔ پھر صبر واستقامت اور پابندی نماز کی نصیحت فرمائی۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ جب رسُول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا لعاب دہن مجھ پر پہنچ رہا تھا۔ اس کے بعد طبیعت شریفہ متغیر ہو گئی یہاں تک کہ میں بے طاقت ہو گیا اور عالم نزع کے یہ لمحات میرے لئے ناقابل برداشت تھے۔

مروی ہے کہ ملک الموت نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی "یا رسُول اللہ، یا احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ میں آپ کی اطاعت کروں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ نے آپ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ اگر آپ اجازت دیں، تو رُوح عالیہ کو قبض کر لوں، ورنہ نہیں جو آپ کی رضا ہے ارشاد فرمائیں" اتنے میں جبریل امین حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ملاء العلیٰ کی طرف رجوع کا ارشاد فرماتا ہے۔ اس پر حضور اکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو اجازت مرحمت فرما دی اور رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

آخری گفتگو

حضرت سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ زمانہ علالت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بکثرت وصیت غلاموں سے حُسن سلوک اور پابندی نماز کی تھی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک میں قوت کلام نہ رہی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بوقت سکرات آخری وصیت یہ تھی، اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔ (یعنی نماز کی پابندی کرو اور غلاموں سے حُسن سلوک کرو) اس کے ساتھ ہی رحلت مبارکہ ہو گئی۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے جو آخری کلمہ سُنا وہ یہ تھا اَللّٰھُمَّ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔ (یعنی اے اللہ تعالیٰ! اے میرے پروردگار! مجھ سے درگزر فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے)

مواہب لدنیہ میں بحوالہ سہیلی عن واقدی منقول ہے کہ سب سے پہلے جو کلمہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں ایام رضاعت میں فرمایا: وہ "اللہ اکبر" تھا آخری کلمہ جو زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا وہ بالرّفیق الاعلیٰ تھا۔

نکتہ: یہ بندہ مسکین ثبتہ اللہ تعالیٰ علیٰ طریق الحق والیقین ناچیز وحقیر مؤلف کتاب ہذا (محمد سعید الحسن) عرض گزار ہے کہ بشرط صحت روایت اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زبان وحی ترجمان سے ادا ہونے والا پہلا لفظ اللہ اور آخری لفظ الاعلیٰ ہے۔ جب اس اول وآخر کو جمع کیا جائے تو اللّٰہُ الاعلیٰ بنتا ہے۔ (سبحان اللہ تعالیٰ)

میرے آقا رسول عربی (فداہ روحی وجسدی امی وابی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے اسمائے گرامی ہیں: عبداللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ) آمنہ (یعنی امن ورحمت والی) ان مبارک ہستیوں کے توسط سے اللہ تعالیٰ کے جو برگزیدہ بندے پوری کائنات کے لئے امن اور رحمۃ للعالمین بن کر جلوہ گر ہوئے۔ اُن کی پوری زندگی اسی اعلائے کلمۃ الحق میں گزری کہ اَللّٰہُ الْاَعْلٰی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا وَنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی رُوْحِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ وَعَلٰی جَسَدِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْسَادِ وَعَلٰی قَبْرِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْقُبُوْرِ وَآتِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَدَرَجَةً الرَّفِیْعَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔

وصالِ مبارک پر اہل بیت وصحابہ کی حالت

جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کی رحلتِ مبارکہ ہوئی۔ اہل بیت و صحابہ کرام میں ایک عظیم پریشانی و بے چینی پھیل گئی۔ روتے روتے اُن کا بُرا حال ہو گیا، حتیٰ کہ بعض تو اپنے ہوش و حواس ہی کھو بیٹھے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود جری اور بہادر ہونے کے اس قدر حواس باختہ ہوئے کہ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: اِنّ رجالا من المنافقین

یزعموا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مات وانہ لم یمت

وانہ ذھب الی ربہ کما ذھب موسٰی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الی آخرہ

"بعض منافقین کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو گئے ہیں، حالانکہ وہ فوت نہیں ہوئے، بلکہ اپنے رب کے پاس گئے ہیں جس طرح موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام (چند روز کے لئے توراۃ لینے کوہِ طور پر) گئے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واپس آکر منافقوں کو سزا دیں گے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم جس نے کہا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) فوت ہو گئے ہیں، میں اُس کی گردن تلوار سے اُڑا دوں گا۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوشِ غضب میں وارفتگی و بیخودی میں یہ کہے جا رہے تھے اور کسی کو مجال نہ تھی کہ اُن کو تلوار نیام میں کرنے کا کہے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بڑے بڑے مصائب برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے زار و قطار رو رہے تھے۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حالت تھی کہ گویا اُن کی رُوح ہی نکال لی گئی ہو۔ امہات المومنین نے رو رو کر بُرا حال کر لیا تھا۔ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلک بلک کر رو رہے تھے۔ سب سے زیادہ غمِ مفارقت میرے آقا رسُولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی لاڈلی شہزادی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تھا۔ آپ بہت زیادہ رو رہی تھیں۔ مرقوم ہے کہ جناب سیدہ خاتونِ جنت کو پھر کسی نے ہنستے نہ دیکھا یہاں تک کہ جناب سیدہ کا (حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رحلت کے چھ ماہ بعد) وصال ہو گیا۔

انصارِ صحابہ کا چین و سکون تو ایامِ مرض میں ہی برباد ہو گیا تھا، اب یہ ہی کسر بھی جاتی رہی۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باغ کو پانی دے رہے تھے کہ اُن کا بیٹا بے تحاشا روتا ہوا آیا۔ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے سے اس قدر شدید گریہ کا سبب پوچھا تو بچے نے ہکلاتے ہوئے کہا: "اباجان! رسُول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) فوت ہو گئے ہیں۔" یہ بات حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بجلی بن کر گری۔ اُنہوں نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اور رو کر کہا: "اے اللہ تعالیٰ! تجھے معلوم ہے کہ میں آج تک اپنی ان آنکھوں سے صرف اس لئے محبت کرتا تھا کہ ان سے اپنے آقا و مولیٰ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کروں، اب مجھے اِن کی ضرورت نہیں ہے، تو اُن کو لے لے۔" یہ کہہ کر اتنا روئے کہ اُسی گھڑی نابینا ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی غم میں ایسے رنجیدہ کہ شدید بیمار ہو کر انتقال فرما گئے۔ یہ حالت پروانوں کی بعد میں بھی رہی۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت حاضر ہو کر اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ "مجھے رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ انور کی زیارت کروا دیجئے۔" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اُس کے لئے حجرہ شریفہ کا دروازہ کھول دیا۔ وہ عورت قبرِ انور کے قریب کھڑی ہو کر اتنا روئی کہ روتے روتے گر گئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جا کر اُسے اٹھانا چاہا تو دیکھا کہ وہ فوت ہو چکی تھی۔

اربابِ سِیَر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سرائے فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف انتقال فرمایا تو روزِ روشن شبِ دیجور کی طرح سیاہ ہو گیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ

کا کوئی دن اُس دن سے زیادہ روشن و تاباں نہ تھا کہ جس دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وآلہ وسلم کی مدینہ طیبہ میں جلوہ گری ہوئی اور اس دن سے زیادہ کوئی دن تاریک اور
دردناک نہ تھا کہ جس دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس جہان سے پردہ فرمایا۔

چوپائے بھی بدنصیب نہ تھے

جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کے بعد
سب سے زیادہ محبتِ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم نہیں ہے، اس سے بڑھ کر بدتر اور بدنصیب اور کون ہوگا؟ اس بختوں
جلے سے تو وہ حجر و شجر بھی ہزارہا درجہ افضل ہیں کہ جو محبوبِ کائنات فخرِ موجودات
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور سلام عرض کرتے تھے اور جُدائی میں روتے تھے۔
وہ تیرہ بخت تو ان چوپایوں کی گردِ راہ کو بھی نہ پا سکا کہ جن کے دل میں حبِ محبوبِ خدا
(علیہ التحیۃ والثناء) تھی۔ مرقوم ہے کہ وہ دراز گوش (گدھا) کہ جس پر بسا اوقات
حضور امام الانبیاء حبیبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سواری فرمایا کرتے تھے،
اُس نے مفارقت کا اتنا رنج و ملال کیا کہ بے چین ہو کر خود کو ایک کنوئیں میں گرالیا
اور جان قربان کر دی۔ وہ مبارک اونٹنی کہ جس پر میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
اکثر سواری فرمایا کرتے تھے، تصویرِ غم بن گئی۔ اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ ہر وقت
آنسو بہاتی رہتی اور اسی طرح اس نے بھی اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

تجہیز و تکفین اور صلوٰۃ الجنازہ

حضور سرورِ کائنات سرورِ انبیاء
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا
یومِ وصال دوشنبہ یعنی پیر کا دن ہے۔ یہی میرے آقا رسولِ عربی، نبیٔ مکرم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کا دن ہے۔ (عند البعض) یہی
دن اعلانِ نبوت کا ہے۔ یہی دن قباء شریف (یعنی مدینہ منورہ) میں تشریف آوری
کا ہے اور یہی دن رحلتِ مبارکہ کا۔ البتہ تاریخ میں قدرے اختلاف ہے۔

فقہائے حجاز ۲ ربیع الاوّل جبکہ واقدی اور دوسرے بہت سے سیرت نگار ۱۲ ربیع الاوّل بتاتے ہیں۔ تدفین مبارکہ عند البعض سہ شنبہ یا شب چہارشنبہ کو عمل میں آئی۔

مرقوم ہے کہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی رحلتِ مبارکہ سے قبل ہی فرمادیا تھا کہ مجھے غسل وہ دے جو حضرت میرے اہل بیت میں میرے سب سے زیادہ نزدیک ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ خصوصاً حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو حکم دیا کہ تم مجھے غسل دوگے اور خبردار کوئی میرے ستر کو نہ دیکھے ورنہ اندھا ہو جائے گا۔ کفن کے بارے میں کوئی خاص پابندی نہ لگائی، بلکہ اجازت دی کہ جو میسر آئے کفن پہنا دیں۔ بہتر ہے کہ سفید کپڑے ہوں۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم یہ وصیت ارشاد فرما رہے تھے تو حاضرین زار و قطار رونے لگے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُن کو تلقینِ صبر فرماتے ہوئے دُعائے خیر دی اور فرمایا: جب مجھے غسل و کفن دے چکو تو مجھے اس حجرے میں تنہا چھوڑ کر سب باہر چلے جانا۔ سب سے پہلے جو مجھ پر صلوٰۃ الجنازہ پڑھیں گے وہ جبریلِ امین ہوں گے۔ (ایک روایت میں پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ اور پھر جبریلِ امین علیہ السلام کا ذکر ہے) پھر میکائیل، پھر اسرافیل پھر عزرائیل (علیہم السلام) گروہِ ملائکہ کے ساتھ صلوٰۃ الجنازہ پڑھیں گے۔ اس کے بعد تم پڑھو گے۔ خبردار! مجھ پر فریاد و نوحہ نہ کرنا اور صلوٰۃ الجنازہ کی ابتدا میرے اہل بیت سے ہو۔ پھر صحابہ کرام پڑھیں اور میری قبر میں مجھے میرے اہل بیت فرشتوں کے ساتھ مل کر اتاریں گے۔

غسلِ مبارک

چونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے زمانۂ علالت میں فرمادیا تھا کہ مجھے میرے اہل بیت (خصوصاً علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) ہی غسل دیں، اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حجرۂ مبارکہ کا دروازہ غیر اہل بیت کے لئے بند کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ غسل دینے کے چاروں طرف یمنی چادروں سے

پردہ کر لیا گیا۔ پھر اس کے اندر حضرت عباس، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عباس کے دو بیٹے حضرت قثم اور فضل (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) داخل ہوئے۔ ایک روایت میں بجائے قثم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہے (یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا کے بیٹے ہیں) ان کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام حضرت اسامہ بن زید و شقران رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حاضر ہوئے۔ یکایک ایک آواز سی آئی کہ "یہ اللہ تعالیٰ کے نبی پاک و مطہر ہیں، ان کو غسل نہ دو" مگر کہنے والا نظر نہ آیا۔ پھر دوسری مرتبہ آواز آئی کہ "ان کو ضرور غسل دو، پہلی آواز دینے والا ابلیس تھا اور میں خضر (علیہ السلام) ہوں" پھر ایک اور آواز آئی کہ "ان کو برہنہ نہ کرنا، اسی طرح پیراہن میں ہی غسل دے دو" چنانچہ شقران اور اسامہ بن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) قمیض مبارک کے اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) دستانے پہن کر ہاتھ پیراہن مبارک میں داخل کر کے جسم انور کو ملتے تھے۔ حضرات قثم و فضل (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) پہلو شریف بدلانے میں معاون تھے۔ ان سب حضرات کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں (کیونکہ حکم مبارکہ کی خلاف ورزی پر بینائی بھی جا سکتی تھی) معلوم ہوتا تھا کہ غسل کے دوران کوئی غیبی قوت (ملائکہ) بھی معاون ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسم انور سے نہایت ہی پاکیزہ خوشبو آ رہی تھی، اور کسی قسم کی کوئی رطوبت وغیرہ خارج نہ ہوئی۔ اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:۔ "یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کس قدر صفائی اور کتنی بہترین خوشبو ہے آپ کے جسم انور کی حیات میں بھی اور بعد ممات بھی" حضور نبی اکرم رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تین مرتبہ پاک و صاف پانی میں بیری کے پتے ڈال کر اور کافور ملے پانی سے غسل دیا گیا۔ ابن ماجہ نے بسند جید

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے نقل کیا۔ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "مجھے بیر غرس" کے پانی کے سات مشکیزوں سے غسل دینا۔" (خیال رہے کہ "بیر غرس" ایک کنوئیں کا نام ہے۔)

مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک پلکوں کے نیچے آنکھوں کے قریب بوقتِ غسل جو پانی جمع تھا، اُسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہونٹوں سے چوس لیا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ اُس سے میرے علم اور قوتِ حافظہ میں زبردست اضافہ ہو گیا۔"

کفن مبارک

امام بیہقی علیہ الرحمہ بحوالہ حاکم نقل فرماتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن مغفل (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تین کپڑوں سے کفن دیا گیا، جس میں قمیص اور عمامہ شامل نہ تھا۔

حدیث مبارک میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تین سفید رنگ کے دُھلے ہوئے سُوتی کپڑوں میں کفن پہنایا گیا۔

عملِ مرتضیٰ

تکمیلِ غسل شریفہ کے بعد کفن پہنانے سے قبل حضور انور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقام ہائے سجدہ اور مفاصل شریفہ (جوڑوں) کو معطر کیا گیا، تو تھوڑا سا عطر اور کسی قدر مُشک بچ گیا، جسے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے سنبھال کر رکھ لیا اور اپنے شہزادوں کو وصیت فرمائی کہ اس کو میرے کفن میں لگانا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کفن شریفہ سے بچی ہوئی خوشبو ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے اس طرزِ عمل سے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کس قدر عقیدت اور وابستگی ظاہر ہوتی ہے

صلوٰۃ الجنازہ

حضور نبی اکرم رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر معروف طریقہ سے باجماعت نمازِ جنازہ ادا نہیں کی گئی، بلکہ حکمِ مبارکہ کے مطابق (جیساکہ قبل ازیں مذکور ہوچکا ہے) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جسدِ انور چارپائی پر حجرۂ اقدس میں رکھ دیا گیا۔ پھر (ملائکہ کے بعد) سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے صلوٰۃ الجنازہ پڑھی۔ پھر حضرت عباس اور دیگر اہل بیت نبوت (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے اس کے بعد مہاجرین صحابہ نے پھر انصار صحابہ نے صلوٰۃ الجنازہ پڑھی۔ حجرۂ مبارکہ میں تھوڑی جگہ ہونے کی وجہ سے تقریباً دس دس صحابہ کرام کی جماعت حجرۂ انور میں داخل ہوتی اور پھر جمالِ جہاں آرا کی زیارت کا شرف پاکر اور صلوٰۃ الجنازہ (درود شریف) پڑھ کر باہر آجاتی اسی طرح یہ عمل مسلسل جاری رہا اور آخری دیدارِ پُرانوار سے بہرہ ور ہوتے رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صلوٰۃ الجنازہ کی دُعا

جیساکہ قبل ازیں ذکر ہوچکا ہے کہ حضور نبی اکرم رسولِ محتشم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر مروجہ طریقہ پر باجماعت نمازِ جنازہ ادا نہیں کی گئی۔ امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے (کسی کے سوال کے جواب میں) فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ پر کسی نے امامت نہیں کرائی، اس لئے کہ حضور اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی حیاتِ مبارکہ میں بھی اور رحلتِ شریفہ کے بعد بھی ہم سب کے امام ہیں۔" اور یہ اس طریقہ سے گروہ در گروہ صلوٰۃ الجنازہ کا پڑھا جانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ چونکہ نمازِ جنازہ میں حمدِ خداوندی کے بعد درود شریف اور میت کے لئے دُعا ہوتی ہے جبکہ درود شریف بجائے خود ایک دعا ہے کسی الگ دُعا کی ضرورت نہیں، اس لئے حضور نبی مکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بطورِ صلوٰۃ الجنازہ درود شریف پڑھا گیا۔

مدارج النبوۃ میں ہے کہ جب اہل بیت اطہار نے صلوٰۃ الجنازہ پڑھ لی تو لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ کیا پڑھیں اور کیا دعا کریں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس بارہ میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے پوچھنا چاہیے۔ پھر جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: یوں پڑھو:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ط اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ صَلَوَاتُ اللّٰہِ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَالنَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ وَمَا سَبَّحَ لَکَ مِنْ شَیْءٍ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ عَلٰی مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَسَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الشَّاھِدِ الْبَشِیْرِ الدَّاعِیْ بِاِذْنِکَ السِّرَاجِ الْمُنِیْرِ وَعَلَیْہِ السَّلَامُ

اس دعا یعنی درود پاک کو شیخ زین الدین مراغی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "تحقیق النصرۃ" میں بیان کیا۔

اجتماعی دُعا

مدارج النبوۃ میں مذکورہ کتاب کے حوالہ سے مزید درج ہے کہ "حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، حضور نبی اکرم رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ شریفہ کے ایک جانب کھڑے ہوتے اور یوں دعا کی: "اے نبی مکرم رسول محترم! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کا نزول ہو۔ اے اللہ تعالیٰ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے (ہم کو) وہ سب کچھ پہنچایا جو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوا اور اپنی اُمت کو نصیحت کے تمام حقوق پورے فرما دیئے اور راہ خدا میں جہاد کیا، یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اپنے دین کو غلبہ عطا فرما دیا۔ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں ان لوگوں میں بنا جو ہم اُس (سب کچھ)

کی پیروی کریں، جو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوا اور ہمارا حشر قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فرما۔" حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی دعا پر لوگوں نے آمین کہی۔

تدفینِ مبارک حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دفن مبارک کے بارے میں مختلف آراء تھیں۔ قبر انور کس طرح اور کس جگہ بنائی جائے۔ بعض صحابہ کرام نے مشورہ دیا کہ حجرہ شریفہ میں، بعض نے فرمایا کہ مسجد نبوی شریفہ میں، کسی نے کہا کہ جنت البقیع میں، بعض کا خیال تھا کہ بیت المقدس میں کہ وہاں قبور انبیاء ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "ہر نبی کو اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں اس کی روح قبض ہوئی۔" حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: "روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے حضور اس سے بڑھ کر کوئی خطہ گرامی قدر نہیں کہ جس میں نبی کی روح عالیہ کو قبض کیا گیا ہو۔" اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بستر مبارک کو اٹھایا گیا اور خاص اسی جگہ قبر کھودنا طے پایا۔"

مدینہ طیبہ میں دو شخص قبر کھودنے والے تھے۔ ایک حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ بطریق شق (یعنی سیدھا گڑھا) قبر بناتے تھے اور دوسرے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ لحد والی قبر بناتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دعا مانگ کر کہ "اے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وہ چیز اختیار فرما جو تجھے محبوب ہو۔" دو آدمیوں کو دونوں قبر کھودنے والوں کو بلانے بھیج دیا اور فرمایا "جو پہلے آجائے وہی اپنے طریقے پر قبر کھودے۔" اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ ملے اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے اور بطریق لحد قبر انور تیار کر لی گئی۔

بعد دو پہر سہ شنبہ یعنی منگل اور بعض کے نزدیک بدھ کی رات کو حضور نبی اکرم رسول محتشم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قدم اقدس کی جانب سے قبر انور میں داخل کیا گیا۔ حضرت عباس، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فضل بن عباس اور حضرت قثم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم، قبر انور میں داخل ہوئے اور حضور پرنور شافع النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چشم و قلب نالاں کے ساتھ نہایت عقیدت و احترام اور محبت و نرمی کے ساتھ مقام لحد مثال عرش میں لٹا دیا۔ حضرت قثم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ آخری شخص ہیں جو قبر انور سے باہر نکلے۔ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں "میں وہ آخری شخص ہوں کہ جس نے قبر مقدس میں رخ انور مطہر کی خوب زیارت کی۔

میرے آقا رسول عربی (فداہ روحی وجسدی امی وابی، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دائماً ابداً) کی قبر انور کچی اینٹوں سے بنائی گئی" اس کے بعد لحد مبارک پر ..... (کس ہمت سے لکھوں کہ) ... مٹی ڈال دی گئی ... شکستہ دل حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی کا ایک مشکیزہ بھر لائے اور سرہانے کی طرف سے شروع کر کے پائنتی تک پانی چھڑک دیا۔ قبر انور تقریباً ایک بالشت اونچی بنائی۔ پھر اس پر سرخ و سفید سنگریزے جما دیئے گئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ میں تشریف لائے دس سال اور اس جہان فانی میں جلوہ گر ہوئے تریسٹھ برس پورے ہو گئے تھے۔

دفن کے بعد اہل بیت عظام و صحابہ کرام زار و قطار رو رہے تھے، ان کے دل اپنے آقا اور محبوب کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آتش فراق میں جل رہے تھے۔ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا روتے ہوئے بار بار فرما رہی تھیں کہ تمہارے دلوں نے یہ کس طرح گوارا کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر مٹی ڈالو۔ گویا ایک قیامت صغریٰ تھی جو (پورے عالم اسلام اور خصوصاً) اہل مدینہ

پرگزر رہی تھی۔ (جزی اللہ عنا سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کما ھو اھلہ الی یوم القیمۃ۔)

("وصال مقدس" کے اس مضمون کے حوالہ کے لیے ملاحظہ ہوں۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابنِ ماجہ، ترمذی، ابن خلدون، ابنِ ہشام، طبری، واقدی، وفاءالوفاء ــــ مواہب لدنیہ۔ مدارج النبوۃ)

باب پنجم

حلیہ مبارک

حقیقت تو یہ ہے کہ میرے آقا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (میرے ماں باپ، جسم و جان اُن پر قربان ہوں) سے بڑھ کر کامل و اکمل کوئی انسان، خالقِ کائنات نے پیدا ہی نہیں فرمایا جس کی دلیل حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ مشہورِ زمانہ اشعار ہیں کہ ؎

وَاَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِیْ ۔۔۔ وَاَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ ۔۔۔ کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ

"یعنی یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم)، آپ سے بڑھ کر کوئی حسین میری آنکھ نے دیکھا ہی نہیں، اور آپ سے زیادہ جمیل کسی عورت نے جنا ہی نہیں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) آپ کو ہر عیب اور نقص سے پاک مبرا پیدا فرمایا گیا ہے یوں لگتا ہے) جس طرح آپ نے چاہا (اللہ تعالیٰ نے) اسی طرح آپ کو تخلیق فرمادیا"

ان مبارک اشعار کو کسی شاعر کا جذبۂ عقیدت سمجھ کر نظر انداز کر دینا بدبختی و محرومی کی دلیل ہے، کیونکہ یہ اشعار حدیث تقریری ہیں یعنی وہ بات یا وہ عمل جو رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا جائے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُس کی نہ تو تردید فرمائیں اور نہ ہی منع فرمائیں حدیث تقریری ہے اور یہ حدیثِ قولی اور فعلی کی طرح قابل عمل ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا انکار نہ فرمانا ہی اُس بات یا اُس عمل کی تصدیق فرمانا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

کُتُبِ احادیث وسیرت میں حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارکہ بڑی تفصیل کے ساتھ مرقوم ہے (جن میں بعض احادیثِ مبارکہ کو اس بندہ ناچیز مؤلف کتاب ہذا نے اپنی دُوسری تالیف "رہبرِ زندگی مع طبِ نبوی" میں نقل کیا ہے، صاحبِ ذوق مطالعہ فرمائیں) اُن میں سے صرف دو احادیثِ مبارکہ یہاں نقل کی جاتی ہیں، اس پہلی حدیثِ مبارکہ کو امام ترمذی علیہ الرحمہ نے حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی روایت فرمایا کہ:

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے بھی شاندار تھے اور دُوسروں کی نظر میں بھی بُلند مرتبہ والے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا رُوئے انور چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن و تاباں تھا۔ قد مبارک، درمیانے قد والے سے کسی قدر لمبا اور طویل القامت سے ذرا چھوٹا تھا۔ سرِ انور قدرے بڑا تھا، بال مبارک ہلکے سے گھنگھریالے تھے۔ اگر سرِ اقدس کے بالوں میں خود بخود یا آسانی سے مانگ نکل آتی تو رہنے دیتے ورنہ خود بتکلف نہ نکالتے۔ جس زمانہ میں بال مبارک زیادہ ہوتے (یعنی ترشوانے میں دیر ہو جاتی) تو کانوں کی لَو سے بڑھ جاتے، ورنہ نہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ مبارک نہایت درجہ صاف اور چمکدار تھا، پیشانی مبارک کشادہ، ابرو مبارک خمدار، باریک اور گنجان تھے۔ دونوں ابرو جُدا جُدا تھے، ایک دوسرے سے پیوستہ نہیں تھے،

دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ (نارٹ) تھی جو غصہ کے وقت اُبھر آتی تھی۔ ناک شریفہ بُلندی مائل تھی، اس پر ایک چمکدار جھلک اور نور تھا۔ پہلی نظر دیکھنے والا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بڑی ناک والا خیال کرتا مگر غور سے دیکھتا، تو پتہ چلتا کہ یہ بُلندی اُن نورانی شعاعوں کی وجہ ہے، جو رُخِ زیبا سے پھوٹ رہی ہیں، ورنہ ناک مبارک معتدل ہے) ریش انور بھرپور اور گنجان بالوں والی تھی۔ آنکھ مبارک کی پتلی نہایت سیاہ تھی، رخسار مبارک نرم اور ہموار تھے۔ دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا۔ دندانِ مبارک باریک اور (موتیوں کی طرح) چمکدار تھے۔ سامنے کے دانتوں میں ذرا سا فاصلہ تھا۔ سینۂ انور سے ناف مبارک تک بالوں کی ایک باریک سی لکیر تھی۔ گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک جیسے مورتی کی صاف تراشی ہوئی گردن، اور رنگ میں چاندی جیسی صاف تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اعضاء مبارک نہایت متناسب اور پُر گوشت تھے جسم انور گٹھا ہوا، شکمِ انور اور سینہ انور فراخ (چوڑا) تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں کے درمیان قدرے زیادہ فاصلہ تھا۔ جوڑوں کی ہڈیاں مضبوط اور بڑی تھیں (عام لوگوں کے برعکس، کپڑوں سے باہر والا حصہ بدن بھی روشن و چمکدار تھا یعنی دھوپ کے اثر سے محفوظ تھا، سینۂ انور سے ناف مبارک بالوں کی ایک باریک دھاری کے سوا باقی شکمِ انور اور سینہ مبارک بالوں سے خالی تھا، ہاں البتہ سینہ مبارک کے بالائی حصہ دونوں بازوؤں اور کندھوں پر کچھ بال تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کلائیاں دراز اور پُر گوشت تھیں، ایسے ہی پائے اقدس بھی پُر گوشت اور نرم و گداز تھے۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لمبی تلوے گہرے اور قدم ہموار تھے، مبارک قدموں کے ستھرا اور ملائم ہونے کی وجہ سے پانی اُن پہ ٹھہرتا نہ تھا، بلکہ فوراً ڈھل جاتا۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چلتے تو قوت سے قدم اٹھاتے اور آگے کو تھوڑا سا جُھک کر چلتے (یعنی نظرِ مبارک نیچی رکھتے) قدم مبارک

زمین پر آہستہ رکھتے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تیز رفتار تھے، کشادہ قدم رکھتے، چھوٹے چھوٹے قدموں سے نہ چلتے تھے۔ جب چلتے تو یوں معلوم ہوتا گویا بلندی سے نیچے اُتر رہے ہیں۔ جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے، تو پوری طرح توجہ فرماتے، نظر مبارک نیچی رکھتے، بہت کم اوپر آسمان کی طرف دیکھتے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عموماً گوشۂ چشم سے ملاحظہ فرماتے، چلنے میں (بعض اوقات صحابہ کرام کو آگے کر دیتے اور خود بکمالِ شفقت کے) پیچھے رہ جاتے، جس سے ملتے سلام کرنے میں خود ابتداء فرماتے۔" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بقدرِ حُسن جمالہ) (ترمذی باب ما جاء فی خلق رسول اللہ)

یہ سچ ہے کہ ایسا کوئی محبوب نہ ہوگا نہ کہیں ہے
بیٹھا ہے چٹائی پہ مگر عرش نشیں ہے

دُوسری حدیث حضرت اُمّ معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی سے مروی کہ جب سفرِ ہجرت کے دُوران رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر بعد اُن کے خیمہ میں ٹھہرے اور دُودھ نوشِ جان فرمایا۔ ابو معبد اس وقت گھر پر نہیں تھے۔ جب وہ واپس آئے تو اُمّ معبد نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مُبارکہ بتلاتے ہوئے اپنے خاوند سے کہا:[1]

"وہ ایک چمکدار چہرے والے، روشن پیشانی والے، شاندار حسین اور خوش اخلاق آدمی تھے۔ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نہ تو بڑی توند والے بدہیبت تھے اور نہ ہی چھوٹے سر والے کہ حقیر معلوم ہوں۔ وہ سیاہ کشادہ چشم اور گھنی پلکوں والے تھے، ان کی آواز میں رعب و دبدبہ تھا۔ داڑھی گھنی، بھنوئیں پتلی، لمبی اور ملی ہوئی تھیں۔ خاموشی کے وقت، باوقار اور کلام فرماتے وقت پُر رونق۔ دُور سے رُخِ انور بہت ہی حسین اور روشن نظر آتا تھا

---

[1] پورا واقعہ کتاب "رہبرِ زندگی مع طبِ نبوی" میں "حضور اکرم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پینے کی اشیاء" "دُودھ" کے تحت درج ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اور قریب سے نہایت شیریں اور خوش گفتار اُن کا کلام نہایت فصیح و بلیغ اور ممتاز تھا نہ کم نہ ناقص زیادہ گوئی (کہ سننے والا اکتا جائے) گفتگو پروئے ہوئے موتیوں کی طرح تھی، اُن کا قد مبارک درمیانہ تھا، نہ تو اتنا طویل کہ بُرا معلوم ہو، نہ اتنا چھوٹا کہ حقیر نظر آئے۔ قامت زیبا گویا، دو ٹہنیوں کے درمیان کی ٹہنی تھی۔ نہایت خوش منظر اور عالی قدر تھے، ان کے ساتھی اُن کو گھیرے رکھتے۔ اگر وہ ارشاد فرماتے تو فوراً خاموشی سے کان لگا کر ان کی بات سنتے تھے، اور اگر وہ کسی کام کا حکم دیتے، تو تعمیل حکم میں ایک دوسرے پر پیش قدمی کرتے، وہ مخدوم تھے، مطاع تھے، بلند اخلاق والے تھے (یہ سُن کر اُن کے شوہر ابو معبد نے کہا: "اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ تو وہی ہیں جن کے مکّہ میں ظہور کا ہم سے ذکر کیا گیا تھا۔ میرا ارادہ تو ان کی خدمت میں رہنے کا تھا، اگر ممکن ہوا تو ضرور ایسا کروں گا۔"

(تفسیر مظہری، جلد پنجم)

باب ششم

اُمّہات المومنین ازواجِ مطہّرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

حضور نبی اکرم رسُولِ محترم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کی تعداد اور ترتیب میں علماء سِیر و تواریخ کا اختلاف ہے۔ بعض نے گیارہ بعض نے تیرہ، پندرہ اور بعض نے اس سے بھی زائد کا ذکر فرمایا۔ ان میں بعض ایسی تھیں، جن سے محض نکاح کے بعد ہی علیحدگی ہو گئی۔ وہ صاحبِ شرف و کرامت خواتین ذی وقار کہ جن کو امہات المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا، ان میں گیارہ متفق علیہ ہیں۔ (یعنی ان میں کسی کو اختلاف نہیں) ان میں سے چھ قریش سے ہیں یعنی حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ، سیدہ عائشہ[۲] صدیقہ، سیدہ حفصہ[۳]، سیدہ اُمّ حبیبہ[۴]، سیدہ اُم سلمہ[۵] سیدہ سودہ[۶] (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)، جبکہ چار عربیہ غیر قریشیہ یعنی حضرت سیدہ

زینبؓ بنت جحش، سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ، سیدہ میمونہؓ، سیدہ جویریہؓ۔
(رضی اللہ تعالیٰ عنہن) اور ایک غیر عربیہ بنی اسرائیل سے ہیں یعنی حضرت سیدہ
صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ان ازواجِ مطہرات میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ
اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وآلہ وسلم کی رحلت مبارکہ سے قبل وفات پائی۔ باقی نو ازواجِ مطہرات حضور اکرم
رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلتِ مبارکہ کے وقت موجود تھیں۔

(۱) اُمّ المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب شریفہ یوں ہے کہ
حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزّٰی بن قصی بن کلاب۔ اس جگہ یعنی
قصی بن کلاب سے ان کا نسب مبارکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نسب
میں شامل ہو جاتا ہے۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ بن الاصم،
بنی عامر بن لوی سے تھیں، یعنی اس جگہ یہ بھی نسبِ نبوی میں شامل ہو جاتی ہیں۔
حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیت ام ہند تھی۔ اس کا سبب
یہ تھا کہ ان کی پہلی شادی ابو ہالہ بن نباش بن زرارہ کے ساتھ ہوئی جس سے
ان کے دو فرزند ہند اور ہالہ پیدا ہوئے۔

حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دوسرا نکاح عتیق بن عائذ سے
مخزومی کے ساتھ ہوا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام ہند تھا۔ (مواہب لدنیہ)
صاحبِ روضۃ الاحباب کے نزدیک عتیق بن عائذ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا
کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

حضرت ہند بنت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم کی ربیبہ تھیں۔

جب حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شرف ام المومنین ملا۔ اُس وقت اُن کی عمر مبارکہ چالیس ۴۰ برس کی تھی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (مشہور قول کے مطابق) پچیس ۲۵ برس کے تھے۔ یہ وہ پہلی خاتون ہیں کہ جن سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح فرمایا اور اُن کی حیاتِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی دوسری خاتون سے شادی نہ فرمائی۔ یہ نہایت ہی عاقلہ فاضلہ اور فرزانہ خاتون تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی اُن کو طاہرہ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

عالی نسب اور مالدار ہونے کی وجہ سے ابوہالہ اور عتیق کے بعد بہت سے سردارانِ قریش نے ان سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا، مگر جنابِ سیدہ نے قبول نہ فرمایا حضرت اُمّ المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذاتِ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ خود اپنی طرف سے نکاح کی پیش کش کر دی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ انتخاب بھی آپ کے کمالِ فہم وشعور اور فراست کی دلیل ہے۔ حضور نبی اکرم رسولِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جنابِ سیدہ کی اس پیشکش کا تذکرہ اپنے چچاؤں سے فرمایا اور اُن کے مشورے سے اس پیشکش کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔ (جیسا کہ اِسی کتاب میں "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کے پچیسویں سال" کے تحت تفصیل درج ہے)

اہلِ سیر بیان کرتے ہیں کہ جنابِ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے سورج ان کے آنگن میں اُتر آیا ہے جس سے نہ صرف ان کا اپنا گھر بلکہ پورا شہر مکہ بقعۂ نور بن گیا ہے۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو یہ خواب اپنے چچا کے بیٹے حضرت ورقہ بن نوفل سے بیان کیا۔ (حضرت ورقہ بن نوفل سابقہ کتبِ سماوی کے عالم اور بہت دانا شخص تھے) انہوں نے اس خواب کی تعبیر یہ دی "کہ تم تاجدارِ دوجہاں نبی آخر الزماں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی زوجیت میں داخل ہوگی"۔ (مدارج النبوۃ)

حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ پہلی مبارک خاتون ہیں کہ جن پر حقیقت اسلام آشکارا ہوئی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تائید کی اور اپنا تمام مال وزر حضور نبی اکرم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رضا میں خرچ کر دیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت مالدار تھیں اور اہل مکہ میں بہت سے لوگ آپ ہی کے مال سے تجارت کرتے اور نفع میں ان کے شریک ہوتے، ان کی زندگی امیرانہ ٹھاٹھ کے ساتھ بسر ہو رہی ہوتی، غلام اور باندیاں ہمہ وقت حاضرِ خدمت رہتے مگر رسولِ محترم نبیٔ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آنے کے بعد رضائے مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی خاطر انہوں نے اپنے سب غلاموں کو آزاد اور مال و دولت کو مصطفےٰ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر قربان کر دیا۔ اس قدر صابرہ اور قانعہ تھیں کہ جَو کی سوکھی روٹی پانی میں بھگو کر تناول فرمالیتیں اور کبھی جَو کے آٹے کو پانی میں بھگو کر (یعنی ستو گھول کر) نوش جاں فرمالیتیں اور اسی پر گزارہ کر لیتیں۔

سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سب اولادِ اطہار ان ہی کے بطنِ مبارک سے متولد ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم شفیعِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے اللہ تعالیٰ نے خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے بہتر کوئی زوجہ عطا نہ فرمائی، کیونکہ خدیجہ اُس وقت مجھ پر ایمان لے کر آئیں، جب لوگ مجھے جھٹلاتے تھے اور انہوں نے اُس وقت اپنے مال سے میری امداد کی، جب لوگوں نے مجھے محروم کر رکھا تھا۔

اربابِ سِیَر بیان فرماتے ہیں کہ پہلی وحی کے نزول کے بعد جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا سے اپنے کاشانۂ انور کی طرف تشریف لائے تو حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بڑی احترام و عقیدت کے ساتھ پیار بھرے انداز میں آپ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ڈھارس بندھائی تھی (جیساکہ اسی کتاب میں "اعلانِ نبوت" کے تحت گزر چکا ہے) حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ تعاون و سلوک صرف پہلی وحی تک محدود نہ تھا، بلکہ ان کی پوری زندگی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر دل وجان قربان کرتے ہوئے ہی گزری۔

کفارِ مکہ کے ہاتھوں رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جو تکالیف ہوتیں۔ ان نابکاروں کے تیز وتند طعنوں اور نازیبا کلمات سے قلبِ اقدس کو جو صدمہ ہوتا، وہ سب سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہی جاتا رہتا، یعنی جب حضورِ انور رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، کافروں کے ستاتے ہوتے کاشانۂ منور میں جلوہ گر ہوتے، تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس قدر جاں نثاری، اور پاسِ خاطر کا اظہار فرمائیں کہ رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سکون میسر آجاتا۔ گویا تبلیغ رسالت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اہم ترین معاون و مددگار تھیں۔

رب ذوالجلال کو حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ عمل مبارکہ کتنا محبوب و مقبول تھا۔ اس کا بخوبی اندازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، اس حدیث مبارکہ سے ہوجاتا ہے، جسے امام بخاری و امام مسلم علیہما الرحمہ نے نقل فرمایا کہ "ایک مرتبہ جبریل امین (علیہ السلام) نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر عرض کیا": اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) آپ کے پاس (حضرت سیدہ) خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) دسترخوان لا رہی ہیں جس میں کھانا اور پانی ہے۔ جب وہ آئیں تو اُن کو کہنا کہ اُن کا رب ان کو سلام فرما رہا ہے اور میری طرف سے انہیں بشارت دینا کہ اُن کے لئے جنت میں جنتی موتی کا ایک ایسا گھر ہے جس میں نہ تو شور و غل ہوگا اور نہ ہی رنج و مشقت۔ (بخاری و مسلم)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنتی عورتوں میں سب سے افضل سیدہ خدیجہ بنت خویلد، سیدہ فاطمۃ الزہراء بنت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) حضرت مریم بنت عمران اور حضرت آسیہ (زوجہ فرعون) رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہیں۔ (مسند امام احمد)

حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مناقب و فضائل حد و شمار سے زیادہ ہیں، ان کے لئے تو یہی فضیلت کافی ہے۔ وہ شہزادیٔ مصطفےٰ سیدہ فاطمہ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

رحلتِ مبارکہ

حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً پچیس ۲۵ برس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شریکِ حیات رہیں۔ بالآخر حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے دسویں سال یعنی ہجرت مدینہ منورہ سے تقریباً تین سال قبل ماہِ رمضان المبارک میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

اس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارکہ پینسٹھ سال کی تھی۔ آپ مقبرہ حجون (جنت المعلّٰی مکہ مکرمہ کا قبرستان) میں دفن ہوئیں۔ حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ وآلہ وسلم خود ان کی قبرِ انور میں داخل ہوئے اور دعائے خیر فرمائی، کیونکہ اُس وقت تک نمازِ جنازہ شروع نہ ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس جاں نثار رفیقۂ حیات کی وفات سے غایت درجہ ملول و محزون ہوئے اور اُن کی وفات کے سال کا نام "عام الحزن" یعنی غم کا سال رکھا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے اقارب

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلے خاوند ابوہالہ بن نباش سے دو لڑکے ہند اور ہالہ پیدا ہوئے اور عند البعض دوسرے خاوند عتیق بن عایذ سے ایک لڑکے کا

طاہر اور ایک لڑکی ہند پیدا ہوئے۔ یہ سب صحابی ہوئے، ان میں سے:-

(۱) حضرت ہند بن ابو ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فصاحت و بلاغت میں یگانۂ روزگار تھے۔ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارکہ نہایت خوبی اور صحت کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصد شوق ان سے حلیہ مبارکہ کا بیان سنا کرتے تھے۔ (زیرِ نظر کتاب میں حلیہ کے تحت درج کی گئی حدیث مبارکہ انہی سے مروی ہے) حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کو خالِ یعنی ماموں جان کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ جنگ جمل میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی طرف سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش فرما گئے۔

(۲) حضرت ہالہ بن ابو ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے خصوصی طور پر دُعا فرمائی تھی جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

(۳) حضرت طاہر بن عتیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حاکمِ یمن مقرر فرمایا تھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت مبارکہ تک یہ حاکمِ یمن ہی رہے۔ رحلتِ مبارکہ کے بعد جب یمن کے لوگ مرتد ہو گئے، تو خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر حضرت طاہر اور حضرت مسروق بدالاجدع رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اہلِ یمن کے خلاف جہاد فرمایا اور شاندار فتح پائی۔ (فللّٰہ الحمد علی ذالک)

(۴) ہند بنت عتیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصالِ مبارکہ بصرہ میں طاعون کی وجہ سے ہوا (واللہ تعالیٰ اعلم) (حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولادِ مبارکہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی، ان کا ذکر مبارکہ اولادِ اطہار کے تذکرہ میں آئے گا۔

ہمشیرگان

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک ہمشیرہ حضرت ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صحابیہ تھیں۔ ان کی شادی ربیع بن عبد العزیٰ

کے ساتھ ہوئی' ان سے ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے جن کے ساتھ سیدہ زینب بنتِ رسول (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شادی ہوئی۔
دوسری ہمشیرہ کا نام رقیہ یا رقیقہ تھا۔ ان کی بیٹی امیمہ بنت عبد رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی صحابیہ ہیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائیوں کے نام

بُرادران نوفل بن خویلد اور عوام بن خویلد ہیں۔

نوفل بن خویلد: ان کے بیٹے ورقہ بن نوفل تھے۔ یہ سابقہ کتبِ سماوی کے زبردست عالم اور بہت دانا شخص تھے۔ پہلی وحی کے نزول کے وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور نبی اکرم رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان ہی کے پاس لے گئی تھیں۔ یہ اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔

عوام بن خویلد: ان کی شادی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ہوئی۔ ان سے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں' پیدا ہوئے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے قدآور اور بہادر جوان تھے۔ حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں ہمرکاب رہے۔ غزوہ بدر میں ان کے سر پر زرد رنگ کا عمامہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا' آج ملائکہ کا نزول (حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علامت یعنی زرد رنگ کے عماموں) کے ساتھ ہوا ہے۔ ان کی شہادت ۱۰ جمادی الاولیٰ ۳۶ھ بعمر چونسٹھ برس' وادی سفوان میں بحالتِ سجدہ ہوئی۔ ان کے قاتل کا نام عمرو بن جرموز تھا۔ پہلے ان کو وادی سباع میں دفن کیا گیا پھر بصرہ کی طرف منتقل کر دیئے گئے اور وہاں پر ان کی قبر کا ہونا مشہور ہے۔ صاحب مشکوٰۃ کے مطابق حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ سب سے اول جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تلوار سونتی وہ آپ ہی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مشکوٰۃ

(۲) اُمّ المومنین سیّدہ سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب شریف یوں ہے: سودہ بنتِ زمعہ بن قیس بن عبدالشمس بن عبدوُد بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی - اس جگہ یعنی لوی بن غالب پران کا نسب، نسب نبوی میں مل جاتا ہے - ان کی والدہ کا نام شموس بنت قیس ہے -

یہ ابتداء اسلام میں ہی شرفِ اسلام سے مشرف ہو گئی تھیں - یہ پہلے اپنے چچا زاد حضرت سکران بن عمرو بن عبدالشمس کی زوجیت میں تھیں - حضرت سکران رضی اللہ تعالیٰ عنہ قدیم الاسلام تھے - ان دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی - واپسی پر مکہ مکرمہ میں حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے ہیں اور ان کی گردن پر قدم رکھا ہے - انہوں نے دوسری مرتبہ خواب دیکھا کہ وہ ٹیک لگائے بیٹھی ہیں اور آسمان سے چاند اُتر کر اُن کی گود میں آ گیا ہے انہوں نے یہ دونوں خواب اپنے شوہر سے بیان کئے، تو انہوں نے کہا: "اگر تم سچ کہتی ہو تو عنقریب میں فوت ہو جاؤں گا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تم سے شادی فرمالیں گے" چنانچہ ایسے ہی ہوا، چند دن بعد ہی سکران فوت ہو گئے اور سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تہی دامن ہو گئیں -

جب اعلان نبوت کے دسویں سال سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پریشانی لاحق ہوئی، کیونکہ گھر بار، بال بچوں کا انتظام ان ہی سے متعلق تھا، اس پر حضرت خولہ بنت حکیم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، آپ نکاح فرمالیں - فرمایا: کس سے؟ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کچھ سوچ کر حضرت عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام لیا اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے

حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اجازت مرحمت فرما دی کہ اُن سے پوچھ لیں حضرت خولہ حضرت سودہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس گئیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے پیغامِ نکاح دیا، تو حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بخوشی قبول فرما کر کہا میرے والد سے بھی بات کر لو۔ چنانچہ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے باپ زمعہ کے پاس گئیں اور اظہارِ مُدعا کیا تو زمعہ نے کہا: محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) بڑے عزت والے شخص ہیں، لیکن سودہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے بھی پوچھ لو۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا کہ "وہ راضی ہیں" اس پر زمعہ نے کہا: محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو کہو کہ نکاح کے لئے آجائیں۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بارگاہِ اقدس میں "زمعہ" کا پیغام عرض کیا تو رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے، اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ نے ان کو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں دے دیا۔ جب ان کا بھائی عبداللہ بن زمعہ گھر آیا، تو بہن کے نکاح کا سُن کر اپنے سر میں خاک ڈالنے لگا، لیکن جب یہ عبداللہ بن زمعہ مسلمان ہو گئے، تو اپنے اس فعل پر اظہارِ ندامت کیا کرتے تھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا طبیعت کی بڑی فیاض تھیں۔ ایک مرتبہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی خدمتِ اقدس میں درہموں کی ایک تھیلی بھیجی۔ آپ نے لانے والے سے پوچھا: "یہ کیا ہے؟" اُس نے عرض کیا: "کہ درہم ہیں"۔ فرمایا: "درہم کھجوروں کی طرح تھیلی میں لاتے ہو۔" یہ کہا اور سارے کے سارے درہم اُسی وقت غرباء میں تقسیم فرما دیئے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے وقت ان کی عمر پچاس برس تھی اور یہی عمر مبارکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تھی۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو یہ ایک شب

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گزرگاہ میں بیٹھ گئیں۔ اس وقت رسول کائنات نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں جلوہ گر تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، مجھے کسی چیز کی خواہش نہیں میں اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو سونپتی ہوں میری بس ایک ہی تمنا ہے کہ قیامت کے دن میرا حشر آپ کی ازواج مطہرات میں ہو۔ میری خواہش ہے مجھے اپنے سے علیحدہ نہ فرمائیں" اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے علیحدگی کا ارادہ ترک فرما دیا۔

رحلتِ مبارکہ ان کی رحلتِ مبارکہ میں اختلاف ہے بعض نے خلافتِ فاروقی کے آخری زمانہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلتِ مبارکہ کا ذکر کیا اور بعض آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سنِ وصال ۵۴ھ یا ۵۵ھ بتاتے ہیں (واللہ اعلم)

اقارب حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلے خاوند سکران سے عبدالرحمٰن نامی ایک بیٹا تھا، جو شرفِ ایمان سے مالا مال ہوئے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت ۱۶ھ میں جلولار کے مقام پر ایرانیوں سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

بھائی: مالک بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ یہ حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے برادرِ ذی وقار ہیں ۔ یہ قدیم الاسلام ہیں انہوں نے اپنی زوجہ کی معیت میں ہجرتِ حبشہ کی تھی ۔ علاوہ ازیں حضرت عبدالرحمٰن بن زمعہ اور عبد بن زمعہ حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے باپ کی طرف سے جبکہ قرظہ بن عبد عمرو ماں کی طرف سے ان کے بھائی ہیں ۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

(۳) اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شجرۂ نسب یوں ہے :-
حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بنت حضرت ابوبکر صدیق بن ابوقحافہ عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔ اس جگہ یعنی مرہ بن کعب سے یہ سلسلہ نسب نبوی میں شامل ہو جاتی ہیں۔
حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ محترمہ حضرت اُم رُومان زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت عامر بن عویمر قبیلہ بنو کنانہ[1] سے تھیں۔

جیسا کہ ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سانحۂ ارتحال کے بعد خانگی معاملات سنبھالنے اور بچوں کی نگہداشت کے لئے حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول کریم نبی رؤوف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اجازت سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ اُمِ رُومان (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس گئیں اور رسول اکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی طرف سے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیلئے پیغامِ نکاح دیا۔ ام رُومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رضامندی ظاہر کر دی اور جب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر آئے تو ان سے اس پیغام نکاح کا ذکر کیا گیا جسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بخوشی قبول کر لیا اور حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے جاکر عرض کرو کہ نکاح کے لئے تشریف لے آئیں۔ چنانچہ ماہِ شوال سنہ ۱۰ نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح فرما دیا گیا۔ اس وقت

---

[1] کنانہ، چودھویں پشت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے جدِ اعلیٰ ہیں۔ ۱۲

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارکہ پچاس برس اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارکہ چھ برس کی تھی۔ ہجرت مدینہ کے دوسرے سال ماہِ شوال المکرم میں بعمر ۹ سال زفاف ہوا، یعنی بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئیں۔

اُمہات المومنین میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک مخصوص مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان سے کمالِ درجہ محبت فرماتے تھے اور یہ واحد اُم المومنین ہیں کہ جن کا نکاح کنوارے پن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا۔ ان کے سوا باقی تمام امہات المومنین مطلقہ یا بیوہ تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی بشارت حضرت جبریل امین علیہ السلام نے بحکم خدائے لم یزل قبل از نکاح بارگاہِ اقدس میں پیش کی جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا! میں تین شب تجھے اس طرح خواب میں دیکھتا رہا کہ ایک فرشتہ حریر (ریشم) کے سفید پارچے میں تیری تصویر مجھے دکھا کر کہتا رہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں اور جب میں تصویر کو دیکھتا تو مجھے گویا تم نظر آتیں۔ میں یہ کہتا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو پھر ایسے ہو کر رہے گا۔"

(صحیح مسلم کتاب الفضائل و صحیح بخاری شریف)

اِس حدیث مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کا اہتمام حظیرۃ القدس میں کیا گیا تھا۔ اِسی لئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس شادی کو منجانب اللہ قرار دیا۔

نزولِ قرآن درشانِ صدیقہ غزوۂ انمار جسے غزوۂ بنو مصطلق بھی کہتے ہیں، سے واپسی پر جب حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سواری کیمپ میں دیر سے پہنچی۔ (تفصیلی واقعہ قضیۂ افک ۵ھ کے تحت مُلاحظہ فرمائیں)، تو منافقین نے ان کی شانِ اقدس میں نہایت گستاخانہ الفاظ کہے بعض

مخلص مومنین بھی اس مکروہ اور گھناؤنی سازش کا شکار ہو گئے، تو خالق کائنات جل شانہٗ نے قرآن مجید نازل فرما کر اُن کی نصرت و امداد فرمائی اور ان کی بے قصوری کا اعلان فرماتے ہوئے ان کو "طیبہ" یعنی نہایت پاکیزہ قرار دیا اور خبر دی کہ مغفرت اور رزق کریم ان ہی کے لئے ہے۔ نیز یہ بھی بتایا کہ اس بہتان سے ان کی شان میں ذرا بھی فرق نہیں آیا، بلکہ رتبہ مزید بڑھ گیا اور ان کی پاکیزگی اور طہارت کی آواز سے زمین و آسمان گونج اُٹھے، وہ وحی اُتری کہ جس کی تا روزِ قیامت نمازوں اور مساجد میں تلاوت کی جائے گی، جب بھی سورۃ النور سے ؎ اَلطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ کو کوئی بھی صاحبِ ایمان پڑھے گا، تو اسے اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکیزگی و طہارت کا اندازہ، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزگی اور طہارت سے کرنا ہوگا۔ اللہ اکبر!

آیۂ تیمم کا نزول

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ (ایک سفر میں) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار جو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مانگا ہوا تھا، راستہ میں گم ہو گیا، راستہ میں اسے تلاش کرنے میں صحابہ کرام کو دیر ہو گئی اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا، پانی نہ ہونے کی وجہ سے بے وضو نماز ادا کرنا پڑی ۔ صحابہ کرام نے اس بات کا تذکرہ بڑے رنج و الم سے بارگاہ رسالت میں عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت تیمم کی آیت مبارکہ نازل فرمائی (جس میں ایمان والوں کو اجازت دی گئی کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کر کے نماز ادا کر لیا کرو) اس پر حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مخاطب ہو کر کہا:

جَزَاكِ اللّٰهُ خَيْرًا۔ "اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے" جب بھی آپ کو کوئی اُلجھن پیش آئی، تو اللہ تعالیٰ نے خود اُس کا حل پیش فرما دیا اور اُس کی وجہ سے مسلمانوں کو بھی برکت حاصل ہو گئی۔ (بخاری و مسلم)

اس میں شک نہیں کہ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی محبت اصل الایمان ہے، مگر میاں بیوی کی حیثیت سے تاجدارِ عرب وعجم نورِ مجسم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اور اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان جو رشتہ محبت تھا، وہ بھی اُسوہ حسنہ کی ایک بہترین مثال ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں گھر میں بیٹھی چرخہ کات رہی تھی، میرے قریب ہی میرے آقا رسُولِ عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما تھے آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اپنے نعلین مُبارک کو گانٹھ رہے تھے[1]

میں نے دیکھا کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی پیشانی مبارک پر پسینے کے قطرات ہیں اور ان (موتیوں جیسے) قطرات کے اندر نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں یہ ایک ایسا حسین و دل کش منظر تھا کہ میں سراپا حیرت بن کر اسی میں کھو گئی (اور چرخہ کاتنا بند کر دیا) رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے میری طرف نظرِ کرم اُٹھائی اور اور پُوچھا "اے عائشہ! یُوں حیرانی کے ساتھ تم (ٹکٹکی باندھے) میری طرف کیوں دیکھ رہی ہو؟" میں نے عرض کیا: "یا رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم! میں آپ کی جبینِ مقدس پر پسینے کے موتیوں میں چمکتا ہوا نور دیکھ رہی ہوں۔ (اسی پُر کیف نظارہ نے مجھے سراپا چشم کر دیا) اللہ تبارک وتعالیٰ کی قسم! اگر ابو کبیر ہذلی (زمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر) اگر آپ کو دیکھ پاتا، تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اُس کے اشعار کے صحیح مصداق صرف آپ ہی ہو سکتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: "اس کے اشعار کیا ہیں؟" تو میں نے یہ اشعار پڑھ کر سُنا دیئے ؎

---

[1] خود کو مسلمان کہلوانے والے امراء اور سُنتِ نبوی پر عمل کے زبانی دعویدار علماء کے لئے دعوتِ فکر ہے کہ محبوبِ خدا سرورِ انبیاء صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اپنے نعلینِ مُبارک کو تو خود گانٹھ رہے ہیں، جبکہ آج ہم معمولی معمولی کاموں کے لئے خادموں اور نوکروں کے محتاج ہیں۔ یا للعجب۔

ومُبرّءٌ من کلّ غبر حیضۃٍ فساد مرضعۃٍ وّداءٍ معضل
واذا نظرت الیٰ اسرۃ وجہہٖ برقت کبرق العارض المتہلل

"یعنی وہ تو ولادت و رضاعت کی تمام آلودگیوں سے مبرا ہیں۔ ان کے درخشاں رُخِ زیبا پر نظر کرو، تو معلوم ہوگا کہ نور کی شعاعیں ان کے رخسار و جبیں پر بجلی کی طرح جھلمل جھلمل کر رہی ہیں۔"

اِن پر رسولِ رحمت شفیعِ اُمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نعلین مبارک ہاتھ سے زمین پر رکھے اور آگے بڑھ کر جنابِ سیدہ کی پیشانی مبارک کو چوما اور ارشاد فرمایا:-

مَا سَرَرْتِ مِنِّیْ کَسُرُوْرِیْ مِنْکِ - "(اے عائشہ!) تجھے میرے (نظارے) سے اس قدر سرور حاصل نہ ہوا ہوگا، جس قدر سرور مجھے تیری اس گفتگو سے ہوا۔" (مدارج وغیرہ)

اسی موضوع پر ایک اور درخشاں و تاباں مثال ضبطِ تحریر میں لاتا ہوں کہ ۹ھ میں جب قضیۂ ایلاء وقوع پذیر ہوا یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ماہ تک امہات المومنین کے پاس تشریف نہ لے جانے کی قسم اٹھالی اور ایک ماہ بعد آیۂ تخییر نازل ہوئی یعنی امہات المومنین کو حضور سیدِ عالم شفیعِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہنے یا طلاق حاصل کرنے کا اختیار ملا، تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ازواجِ مطہرات میں سے سب سے اول حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے چونکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کم عمر تھیں، اس لئے ان کو اختیار والی آیۂ مبارکہ سنانے سے پہلے ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) "اے عائشہ! (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں تم سے کچھ پوچھوں گا اور تم جلدی میں کوئی لفظ نہ کہہ دینا، بلکہ اپنے والدین سے پہلے پوچھ لینا، پھر خوب سوچ سمجھ کر جواب دینا۔ اس کے بعد آیۂ تخییر یعنی سورۂ احزاب کی ۲۸ تا ۲۹ آیات مبارکہ تلاوت فرمائیں:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا

وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًاo
وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ
أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيْمًاo (۳۳: ۲۸، ۲۹)

"یعنی اے نبی! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اپنی ازواج (مطہرات) سے فرما دیجیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت (مال و اسباب) چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال و اسباب دے کر احسن طریقہ سے تمہیں اپنے سے علیحدہ کر دیتا ہوں اور اگر تم اللہ تعالیٰ اس کے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور آخرت کے گھر کی متمنی ہو تو پھر سنو، اللہ تعالیٰ نے تم میں جو بھی نیکی کرنے والیاں ہیں، اُن کے لئے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آیاتِ مبارکہ سنتے ہی فوراً عرض کیا "یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) کیا میں اس معاملہ میں بھی والدین سے مشورہ کروں گی؟ (مجھے ضرورت نہیں، بلکہ) میں تو اللہ تعالیٰ کو، اللہ تعالیٰ کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو اور آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔" (بخاری شریف، کتاب التفسیر)

حضور سیدِ عالم رحمتِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس جواب سے از حد درجہ خوش ہوئے، کیونکہ یہ جواب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عین رضا کے مطابق تھا، اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے ساتھ ساتھ دوسری ازواجِ مطہرات کے لئے ایک بہترین اُسوۂ مبارکہ بھی موجود تھا۔

ازالۂ شبہات حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جنگِ جمل میں شمولیت کو بعض لوگ بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں، چونکہ اس میں اُن کی خواہش سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شانِ رفیع میں تنقیص کا تلاش کرنا ہوتا ہے، اس لئے تاریخ ابن خلدون کے حوالہ سے اختصاراً چند باتیں

نقل کرتا ہوں تاکہ حق کے متلاشی کو سکونِ قلب میسر آئے۔

حضرت سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جو آتشِ فتنہ بھڑک اٹھی تھی، اُس کے نتیجہ میں حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور حضرت اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دوسرے کے مقابل آگئے۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے۔ یہ بات نہایت قابلِ غور ہے کہ ان حضرات میں سے کسی نے بھی امیر المومنین ہونے کا دعویٰ نہ کیا، بلکہ انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہی کو امیر المومنین تسلیم کیا۔ بات صرف یہ تھی فرقہ سبائیہ کے فتنہ پرداز کہ جنہوں نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی فوج میں شامل ہو چکے تھے، جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ کے ہمراہی خلافت نہیں، بلکہ قاتلینِ عثمان کو سزا دینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

چونکہ شہادتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ مکرمہ میں موجود تھیں، وہاں آپ کو اس غلط فہمی میں مبتلا کیا گیا کہ خدانخواستہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم قاتلینِ عثمانِ غنی کی حمایت کر رہے ہیں۔ اسی غلط فہمی کی وجہ سے جب حضرت عائشہ صدیقہ، حضرات طلحہ و زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے ساتھ خونِ عثمانِ غنی کے قصاص کے مطالبہ کے لئے مدینہ طیبہ کی طرف بڑھیں، تو آپ کے ساتھ کئی ہزار کا لشکرِ جرار تھا، جس کی راستہ (بصرہ) میں مڈبھیڑ بھی ہوئی اور بہت سا جانی نقصان بھی ہوا۔ القصہ جب اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بصرہ میں تھیں، تو امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بڑی فوج لے کر مقابلہ کیلئے نکلے۔ جب مقام "ذی قار" میں پہنچے، تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی اجازت و مشورہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی حضرت قعقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بصرہ میں اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی موجودگی میں گفتگو شروع کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیقاع نے ان حضرات سے خروج کا سبب دریافت کیا، تو جواباً انہوں نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے بدلہ لینے کا مطالبہ کیا، جس پر حضرت قیقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تقریر کی:

ترجمہ: "اس امر کا علاج (شہادتِ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پیدا ہونے والے فتنہ کو بالفعل فرو کرنا ہے اور صلح و صفائی سے کام لینا ہے تاکہ مسلمانوں کو عافیت حاصل ہو۔ آپ لوگ خیر و برکت کی کنجی ہیں۔ براہِ کرم آپ ہمیں بلا میں نہ ڈالیں، اسی طرح آپ خود بھی آزمائش میں مبتلا ہو جائیں گے اور اس سے ہم اور آپ دونوں کا نقصان ہوگا۔"

اس تقریر کا حضرت اُم المومنین اور حضراتِ طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بڑا اثر ہوا۔ انہوں نے متفق ہو کر کہا: "بے شک تمہاری رائے بہت ہی بہتر ہے۔ تم امیر المومنین علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس جاؤ، اگر وہ تمہاری اس رائے سے اتفاق کریں تو ابھی صلح ہو جاتی ہے۔" قیقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوٹ کر امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کل حالات عرض کئے۔ اس سے حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تعجب بھی ہوا اور بہت زیادہ خوشی بھی۔ اس وقت اہلِ بصرہ کے کچھ وفد بھی یہاں موجود تھے انہوں نے بھی اس صلح پر اتفاق کیا۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا عملی قدم

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے لشکر میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جن کو یہ صلح نہایت ناگوار گزر رہی تھی۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے تمام لشکر کو جمع کر کے اس صلح پر خطبہ دیا اور اگلے روز کوچ کا حکم صادر فرماتے ہوئے ان لوگوں کی نسبت جو کہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے حکم دیا کہ "وہ ہمارے اس لشکر سے نکل جائیں، وہ ہمارے ساتھ نہ چلیں۔"

سبائیوں کی فتنہ انگیزی

عبداللہ بن سبا کی پارٹی (اہلِ مصر) کو یہ مصالحت آمیز گفتگو نہایت ناگوار گزری۔ چنانچہ ابن السوداء، خالد بن ملجم، اشتر بمعہ اُن لوگوں کے کہ جنہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر کمرِ ہمت باندھی تھی اور اُن کے خلاف اعلانیہ بغاوت کی تھی، وہ سب ایک مقام پر جمع ہوئے، ان میں علیا بن الہیثم، عدی بن حاتم، سالم بن ثعلبہ اور شریح بن اوفی وغیرہم شریک جلسہ ہوئے اور کہا کہ قبل ازیں تو صرف طلحہ و زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہی قتلِ عثمان کا بدلہ لینے کی بات کرتے تھے، جبکہ اب علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی قصاص میں اُن کے ہمنوا ہو گئے ہیں۔ خوب یاد رکھو کہ اگر یہ سب اکھٹے ہو گئے اور ان میں صلح ہو گئی تو ہمارے خون (قتل) پر ہو گی۔ اشتر نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! ان سب کی رائے اب صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ہمیں قتل کر دیا جائے۔ اس لئے بہت صحیح بات یہ ہے کہ ہم علی اور طلحہ و زبیر (رضی اللہ عنہم) پر حملہ کر کے ان کو بھی عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس پہنچا دیتے ہیں، اس کے بعد خود بخود سکون ہو جائے گا۔" ابن السوداء نے مخالفت کرتے ہوئے کہا: "تم نے ذی قار میں ہزاروں کی جمعیت دیکھی ہے اور طلحہ کے ساتھی بھی تقریباً پانچ ہزار ہیں، جبکہ تمہاری تعداد صرف اڑھائی ہزار ہے اس لئے (دونوں فوجوں کے مقابلہ میں) تم اپنے پروگرام کے مطابق کامیاب نہ ہو سکو گے۔" علیا بن الہیثم بولا: "بہتر یہ ہے کہ تم دونوں کو چھوڑ دو، پھر دیکھو ان میں سے کون حاکم بنتا ہے؟" ابن السوداء نے کہا: "یہ بھی رائے غلط ہے۔ اگر تم الگ ہو گئے، تو یہ تم میں ایک ایک کو چن لیں گے۔" عدی نے کہا: "ہم اس صلح سے نہ تو راضی ہیں نہ ہی ناراض۔ اگر اتفاقاً لڑائی شروع ہو گئی تو ہمارے پاس بھی ہتھیار اور گھوڑے ہیں۔ جو ہماری طرف بڑھے گا، ہم بھی اُس کی طرف بڑھیں گے، جو ہم پر حملہ کرے گا ہم اس پر حملہ کریں گے۔" سالم اور شریح نے رائے دی کہ "فیصلہ ہونے تک ہمیں انتظار کرنا چاہیئے اور ایک طرف نکل جانا چاہیئے۔"

اہلِ اسلام کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا فیصلہ

مذکورہ بالا گفتگو کے بعد ابن السوداء نے یہ شیطانی مشورہ دیا کہ "اے بھائیو! تمہاری عزت اسی میں ہے کہ یہ آپس میں لڑ پڑیں۔ میرے نزدیک بہترین بات یہ ہے کہ کل جب فریقین جمع ہوں، تو جس طرح ممکن ہو سکے حکمت عملی سے لڑائی چھیڑ دو، لڑائی شروع ہو جانے پر وہ لوگ تم سے غافل ہو جائیں گے اور جس بات سے تم ڈرتے ہو اُس سے محفوظ رہو گے۔" الغرض حاضرین نے ابن السوداء کی اس تجویز کو پسند کیا، اور اسی اتفاق پر مجلس برخاست ہو گئی۔

فریقین کا آمنا سامنا

دُوسرے دن صبح ہوتے ہی امیر المومنین سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کوچ کا حکم دیا۔ راستہ میں قبیلہ بنو عبد القیس بھی ہمرکاب لشکر ہو گئے اور نصف ماہ جمادی الثانی ۲۶ھ کو بصرہ میں پہنچے۔ دُوسری طرف ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی فرضہ سے روانہ ہوئے اور بصرہ پہنچ گئے۔ دونوں لشکر تین دن تک بغیر کسی قتال و جدال کے وہاں ٹھہرے رہے۔ اس دوران حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض ساتھیوں نے لڑائی کا مشورہ دیا، جسے آپ نے سختی کے ساتھ رد فرما دیا اور فرمایا کہ قعقاع کی معرفت صلح کی گفتگو ہو رہی ہے جسے پسند کرتے ہوئے ہم غداری نہیں کریں گے۔ دُوسری طرف حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو بھی بعض لشکریوں نے جنگ کرنے کا مشورہ دیا، مگر آپ نے ویسا ہی جواب دیا۔ ابو سلامہ نے اس بارہ میں بحث شروع کر دی، تو امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں کو صاف فرما دیا ہے، امید ہے کہ لڑائی نہیں ہو گی۔" ابو سلامہ نے پھر سوال کیا کہ "اگر بالفرض کل لڑائی شروع ہو گئی، تو پھر ہمارا کیا حال ہو گا؟ اور اُن کا کیا انجام ہو گا؟" آپ نے فرمایا: ہمارے اور اُن کے مقتول جنت میں جائیں گے۔"

بعدازاں امیرالمومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لشکر سے باہر نکلے حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی باہر نکلے اور تینوں نے باہمی ملاقات کی حضرت امیرالمومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: تم لوگوں نے اس قدر فوج اور ہتھیار جو میرے خلاف جمع کئے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی کوئی معقول وجہ ہے؟ کیا میں تمہارا دینی بھائی نہیں ہوں۔؟ میرا خون تم پر اور تمہارا خون مجھ پر حرام نہیں ہے؟ کیا تم لڑائی کا کوئی جواز پیش کر سکتے ہو۔؟ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "کیا تم نے قتل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سازش میں شرکت نہیں کی؟" جواباً آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اپنے دین کو پورا کرے گا اور قاتلین عثمان پر لعنت بھیجے گا۔ اے طلحہ! کیا تم نے میری بیعت نہ کی تھی؟" حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اقرار بیعت کیا۔ اس کے بعد حضرت امیرالمومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "کیا تم کو وہ دن یاد ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تم سے فرمایا تھا کہ بے شک تم ایک ایسے شخص سے لڑائی کرو گے جس پر تم ہی زیادتی کرنے والے ہو گے۔" اس پر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "ہاں مجھے یاد آ گیا اے کاش کہ آپ مجھے اس سے پہلے یہ بات یاد دلا دیتے، تو میں ہرگز آپ کے خلاف خروج نہ کرتا اور اب اللہ تعالیٰ کی قسم! میں آپ سے ہرگز لڑائی نہ کروں گا۔ اس قدر گفتگو کے بعد حضرات اپنی اپنی فرودگاہ کی طرف واپس آ گئے۔

فریقین میں مصالحت کی آخری گفتگو

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا و حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لشکر کی تعداد تقریباً تیس ۳۰ ہزار اور حضرت امیرالمومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے لشکر کی تعداد تقریباً بیس ۲۰ ہزار تھی اور دونوں لشکر آمنے سامنے اُترے ہوئے تھے یعنی قبیلہ مُضر والے اپنے ہی خاندان مُضر کے مقابلہ میں اور بنو ربیعہ بنو ربیعہ کے مقابلہ میں۔ دونوں فریقوں کے آدمیوں کا آپس میں میل جول تھا اور صلح کے سوا کوئی گفتگو نہ کرتے تھے

حکیم و مالک جو حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس گئے تھے، وہ یہ خبر لے کر واپس آئے کہ ہم صلح کے معاہدے پر اسی طرح قائم ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔ پھر شام کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس اور حضرت طلحہ کے بیٹے محمد (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے، شرائطِ صلح طے ہو گئیں اور صبح کے وقت معاہدہ اور صلح نامہ لکھے جانے کی رائے قرار پائی۔

مخالفینِ صلح کی شیطانی کاروائی

اس سے ان لوگوں کی پریشانی بڑھ گئی جنہوں نے امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف خروج و بلوہ کیا تھا اور جو ان کو شہید کرنے والے تھے۔ یہ رات بھر مشورہ کرتے رہے کہ جس طرح ممکن ہو لڑائی چھیڑ دی جائے تاکہ صلح نامہ تحریر نہ ہو سکے، ورنہ ان فتنہ پردازوں کی گردن ماردی جائے، چنانچہ علی الصبح منہ اندھیرے جبکہ دونوں اطراف کے لشکر پورے اطمینان کے ساتھ آرام کر رہے تھے، ان فتنہ پردازوں نے لڑائی کا رنگ جما دیا۔ بلوایانِ مضر نے بنو مضر پر فتنہ پردازانِ ربیعہ نے ربیعہ پر باغیانِ یمن نے اہلِ یمن پر، بصرہ والوں نے اہلِ بصرہ پر، غرض ہر قبیلہ نے اپنے قبیلہ پر حملہ کر دیا۔ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما لڑائی کا شور سن کر اپنے خیمے سے باہر آئے تو معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے لشکر نے منہ اندھیرے دھوکے سے شب خون مارا ہے۔ اس پر طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا، افسوس کہ علی المرتضیٰ (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) نے ہمیں دھوکہ میں رکھا اور خون بہانے سے باز نہ آئے۔ یہ کہہ کر اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ مدافعت کریں اور حملہ آور کو قتل کرنے کی بجائے اُن کے ہاتھ وغیرہ کاٹیں تاکہ اُس کے شر سے بچ سکیں۔ دوسری طرف حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بھی شور سن کر خیمہ سے باہر تشریف لائے اور حال دریافت فرمایا

ذ فرقہ سبائیہ کے ایک شخص نے کہ جس کو اُس کے ساتھی فتنہ پردازوں نے پہلے ہی سکھار کھا تھا، جواب دیا کہ اس کے سوا ہمیں کچھ خبر نہیں کہ ہم تورات کو بے خوف ہو کر سوئے ہوئے تھے کہ طلحہ و زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے لشکر نے ہم پر شب خون مارا، اس پر ہمارے ساتھی جان بچانے کے لئے اُن کا مقابلہ کرنے لگے۔ امیرالمومنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے یہ سُن کر فرمایا کہ "افسوس صد افسوس! طلحہ و زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) خون بہائے بغیر نہیں مانیں گے۔"

مختصر یہ کہ ان خبیث فتنہ پردازوں نے ایک سازش کے تحت لڑائی چھیڑ دی و دراصل صورتِ حال کا کسی کو علم نہ ہو سکا۔ عجب بات ہے کہ ادھر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے بھی اپنے لشکر کو یہ ہی حکم دیا کہ وہ اپنی مدافعت کریں، حملہ آور و قتل کرنے کی بجائے اس کے ہاتھ وغیرہ کاٹیں تاکہ اُس کے شر سے محفوظ رہیں۔ کسی بھاگنے والے کا تعاقب نہ کریں اور نہ ہی کسی کا مال و اسباب لوٹیں۔ چنانچہ اختتامِ جنگ پر اس قدر ہاتھ کٹے ہوتے ملے کہ ایک الگ بڑی قبر کھود کر سب کے ہاتھ ایک جگہ جمع کر کے دفن کر دیئے گئے۔

جنگِ جمل

جمل عربی میں، اُونٹ کو کہتے ہیں اور اس جنگ کا نام جنگِ جمل، اس لئے پڑا کہ دونوں اطراف کے مخلص لوگ جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے حضرات علی المرتضیٰ و طلحہ و زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے اپنی اپنی فوج میں یہ اعلان کروایا تھا کہ بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے، جو لڑائی کرنے والا نہ ہو اُس سے نہ لڑیں نہ کسی زخمی کو قتل کریں اور نہ ہی کسی کا مال لوٹیں، جنگ شروع ہوتے ہی حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہودج (ڈولی نما ایک شے جو عورتوں کے بیٹھنے کے لئے اونٹ پر کسی جاتی ہے تاکہ پردہ برقرار رہے) میں بیٹھ کر میدانِ جنگ میں تشریف

لائیں۔ ہو سکتا ہے کہ لوگ اُمّ المومنین ہونے کے ناطے آپ کا حیا کریں اور اللہ تبارک و تعالیٰ آتشِ جنگ کو سرد فرما دے۔ چنانچہ حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُونٹ پر سوار ہو کر مصالحت کی غرض سے میدان جنگ میں تشریف لائیں۔ آپ کے ہودج کو دیکھ کر آپ کے ہمراہیوں کے جوش و خروش میں اضافہ ہو گیا اور جنگ کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصالحت کے لئے حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف آ رہے تھے کہ ایک بدبخت کو پتہ چل گیا، اُس نے آپ پر تیر چلایا جو آپ کی رگ اکحل میں لگا۔ جس سے خون شدت کے ساتھ بہنے لگا۔ آپ میدانِ جنگ سے باہر نکل گئے اور اسی حالت میں ہی رحلت فرما گئے اور رحلت فرمانے سے قبل آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک سپاہی کے ہاتھ پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی بیعت کی تجدید کی۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

چونکہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لئے جنگ شروع ہوتے ہی یہ لشکر سے باہر نکل آئے۔ ابنِ اثیر نے لکھا ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان پر نیزہ سے حملہ کر رہے تھے، جبکہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف اپنا دفاع کر رہے تھے، جوابی حملہ نہیں کر رہے تھے، ورنہ آپ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہیں زیادہ طاقتور تھے۔ غرض حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لڑائی سے جان بچا کر ایک طرف نکل گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک لشکری ابن جرموز نے آپ کا تعاقب کیا۔ وادی سباع میں پہنچ کر جبکہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے، دھوکے سے آپ کو شہید کر دیا۔ ابنِ جرموز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر انور لے کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خیمہ میں آیا اور دربان سے کہا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کرو کہ

زبیر کا قاتل اُس کا سر لے کر آیا ہے" اور اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے۔" حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: "اُسے اندر آنے کی اجازت دے دو اور جہنم کی بشارت بھی سُنا دو۔" اس پر ابن جرموز نے کہا "اے علی! تمہاری بھی حالت عجیب ہے جو تمہارے ساتھ لڑے وہ بھی جہنمی اور جو تمہارے دشمن کے ساتھ لڑے وہ بھی جہنمی۔" اس پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: "میں کچھ نہیں جانتا، میں نے تجھے وہی کچھ کہا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سُنا تھا۔"

القصہ میدانِ جنگ میں مرکزی لڑائی اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اونٹ کے گرد اگرد لڑی جا رہی تھی۔ فتنہ پرور حضرت اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے، جبکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لشکری ہر ممکن طور پر آپ کو بچانا چاہتے تھے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لڑائی رکنے کی غرض سے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اونٹنی کی مہار چھوڑ دو اور قرآن کریم لے کر صفِ لشکر سے باہر میدان میں چلے جاؤ اور لوگوں کو قرآنِ کریم کے احکامات کی طرف بلاؤ (کہ مسلمانوں کا آپس میں لڑنا درست نہیں) حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً اس حکم پر عمل کیا اور قرآن کریم لے کر صفِ لشکر سے باہر میدان میں آ گئے، لیکن سبائیوں نے اس ڈر سے کہ کہیں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا لشکر ان کی بات نہ مان جائے، ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور یہ شہید ہو گئے۔

اُونٹنی کا قتل اور اختتامِ جنگ

آتشِ جنگ پورے عروج پر تھی ہزاروں لوگوں کے ہاتھ پاؤں کٹ چکے تھے، قتل ہونے والوں کی بھی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی۔ محض سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اونٹنی کی مہار تھام کر قتل ہونے والوں کی تعداد ستر سے زیادہ تھی اور یہ سب کے سب قبیلہ قریش سے تھے۔

حضرتِ علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے جنگ کا یہ حال دیکھا تو حکم دیا کہ ہر ممکن طور پر

ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حفاظت کی جائے اور اونٹنی کو بٹھا دیا جائے۔ اس پر حضرت قیقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ایک فوجی "بجیر بن دلجہ" سے کہا کہ اپنی قوم سے سازش کرکے اونٹنی کو بٹھا دو کہیں ایسا نہ ہو کہ ام المومنین یا امیر المومنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ بجیر بن دلجہ اپنی قوم سے کے ان افراد سے کہ جو حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لشکر میں شامل تھے امن طلب کرکے ناقہ کے قریب پہنچ گئے اور ناقہ کی اگلی ایک ٹانگ پر تلوار ماری اور دوسری سے خود لپٹ گئے اس ترکیب سے اونٹنی بلبلا کر بیٹھ گئی حضرت قیقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور آدمی کو ساتھ لے کر تیزی کے ساتھ عماری (ہودج) کی رسیاں کاٹیں اور بحفاظت تمام عماری کو ناقہ سے نیچے اتار لیا۔ ناقہ کے گرتے ہی اصحاب جمل کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگنے لگے حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منادی کروا دی کہ خبردار! نہ تو کوئی کسی بھاگنے والے کا تعاقب کرے نہ کسی زخمی کو قتل کرے نہ کسی کا سامان چھینے اور نہ ہی کسی کے خیمے یا گھر میں گھسے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج میں تھے) کو حکم دیا کہ عماری کو بحفاظت تمام میدان جنگ سے ایک طرف لے جاؤ اور قبہ بنا کر پردے کا اہتمام کرو۔ بعد ازاں امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بنفس نفیس آئے اور خیریت دریافت کرتے ہوئے کہا "کَیْفَ اَنْتِ یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ" (اے ام المومنین! آپ کا کیا حال ہے؟)، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا: "بحمد اللہ خیریت سے ہوں۔" حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا "یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکِ" (یعنی جو کچھ ہوا، اس پر اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے) جواباً حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، "وَلَکَ اَیْضًا۔" (یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو بھی معاف فرمائے) بعد ازاں حضرت قعقاع اور دیگر سرداران لشکر نے حضرت ام المومنین

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور خیریت دریافت کی اور جب صحیح صورتِ حال واضح ہوئی کہ یہ جنگ چند فتنہ پرور لوگوں کی سازش کا نتیجہ تھی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت قعقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ "مجھے یہ بات بہت ہی پسند تھی کہ اے کاش! میں آج سے بیس برس پہلے ہی دُنیا سے انتقال کر گئی ہوتی۔" حضرت قعقاع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ بات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آ کر عرض کی تو آپ نے بھی بڑی حسرت کے ساتھ وہی جملہ کہا جو کہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تھا۔

جنگ کے بعد کا منظر

جب شام ہوئی تو حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کے مطابق اپنی ذی وقار ہمشیرہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بصرہ میں صفیہ بنت الحرث بن ابی طلحہ کے پاس ٹھہرایا، ادھر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ارشاد پر دونوں اطراف کے تمام زخمیوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا گیا اور ان کا علاج و معالجہ خود امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر نگرانی ہوا، حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم جب مقتولوں کو ملاحظہ فرمانے کے لئے میدانِ جنگ میں تشریف لاتے تو حضرت کعب حضرت عبد الرحمٰن بن عتاب اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی لاشوں کو دیکھ کر سخت غمزدہ ہو گئے اور فرمایا افسوس صد افسوس لوگ سمجھتے تھے کہ ہماری محض عوام الناس کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے، حالانکہ ان میں ایسی عظیم الشان اور رفیع المرتبت شخصیات بھی موجود تھیں، پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں اطراف کے مقتولین کو جمع کر کے سب پر نماز جنازہ پڑھی اور دفن کروایا، ہزاروں کی تعداد میں کٹے ہوئے ہاتھوں اور پاؤں کو ایک بڑی قبر کھود کر الگ دفن کیا گیا جو کچھ مال و اسباب ملا، سب کا سب مسجد میں جمع کر کے اعلان کروایا کہ جو شخص چاہے اپنے مال و اسباب کی پہچان کر کے لے جائے، البتہ وہ اسلحہ کہ جس پر سرکاری نشان بنا ہوا

تھا بیت المال میں جمع کرلیا گیا۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ دونوں فریقوں کے تقریباً دس ہزار آدمی اس جنگ میں کام آئے۔

حضرت امیر المومنین کی دانائی اور حضرت ام المومنین کی مکہ مکرمہ واپسی

ضروری کاموں سے فارغ ہوکر سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملنے کے لئے اُن کی رہائش پر پہنچے، تو راستے میں مقتول افراد کی عورتوں نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو سخت سُست کہا، جس کی آپ نے کوئی پرواہ نہ فرمائی۔ آپ کے بعض ہمراہیوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُبھارنا چاہا، تو آپ نے سختی کے ساتھ اُن کو جھڑک دیا۔ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملاقات کے بعد واپس آئے تو پتہ چلا کہ بعض بلوائی ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کررہے ہیں۔ امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو گرفتار کرواکر کوڑے لگوائے۔ ازاں بعد غرۂ رجب المرجب ۳۶ھ کو امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے سامان درست فرماکر حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اُن کے بھائی محمد بن ابی بکر اور رؤسا بصرہ کی چالیس عورتوں کی معیت میں بصرے سے روانہ کیا اور خود بنفسِ نفیس اس قافلہ کو الوداع کرنے کے لئے کئی میل تک قافلہ کے ہمراہ چلے اور پھر اپنے بڑے شہزادے حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ایک دن کی مسافت تک قافلہ کے ساتھ رہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے مکہ مکرمہ تشریف لے گئیں اور حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ طیبہ روانہ ہوگئیں۔ (ابن خلدون، تاریخ طبری)

محترم قارئین کرام! یہ طویل واقعہ صرف اس لئے نقل کیا ہے کہ انصاف پسند احباب کی الجھنیں دور ہوجائیں اور حقیقت حال اُن پر عیاں ہوجائے، جہاں تک نہ ماننے والوں کا تعلق ہے تو اس بارے میں اس قدر عرض کردینا کافی ہے کہ چاند کو اپنی نگاہوں کے سامنے ٹکڑے

کرٹے ہوتا ہوا دیکھ کر بھی سارے لوگ ایمان نہ لائے تھے اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔
ق تو یہ ہے کہ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

وفات حسرت آیات

جود و سخا، عمل و علم، زہد و تقویٰ، فہم قرآن و سنت میں اپنی مثال آپ، حضرت ام المومنین سیدہ زاہدہ، لیبہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ جن کے فضائل و محامد سے کتب احادیث و سیر مالا مال ہیں، شب سہ شنبہ مورخہ سترہ رمضان المبارک ۵۸ھ کو بعمر تریسٹھ[۶۳] برس ہر مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وبارک وسلم) مدینہ منورہ میں رحلت فرما گئیں۔ نا للہ وانا الیہ راجعون۔ مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ ھائی اور جنت البقیع میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دفن کر دیا گیا۔

اقارب

والد ذی وقار

آپ کے والد گرامی حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحیح نام عبداللہ[1] ہے اور سلسلہ نسب یوں ہے: عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب۔ اس جگہ یعنی مرہ بن کعب پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ نسب، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نسب عالی شان سے مل جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب کا احاطہ کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات مبارکہ خصوصاً سورۃ اللیل کی آیت ۱۷ تا ۲۱ آپ کی شان میں نازل ہوئیں۔

---

[1] بعض نے تحریر فرمایا کہ ان کا زمانۂ جاہلیت میں نام عبدالکعبہ تھا۔ ظہور اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ ابوبکر کنیت تھی، جبکہ صدیق اور عتیق لقب تھے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) ۱۲ منہ

مشہور روایات کے مطابق : (۱) بالغ مردوں میں سب سے پہلے آپ ہی نے اسلام قبول کیا (۲) آپ ہی کی انتھک کوششوں سے وہ نامور صحابہ کرام شرفِ ایمان سے مشرف ہوئے جو عشرۂ مبشرہ میں داخل ہیں (۳) آپ ہی نے سب سے پہلے حرمِ کعبہ میں کھڑے ہوکر کفارِ مکہ کے مجمع میں شانِ رسالت مآب پر ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس کے ردِ عمل کے طور پر آپ کو شدت سے پیٹا گیا (۴) آپ ہی نے مکۃ مکرمہ میں اپنے گھر کے قریب سب سے پہلے مسجد تعمیر فرمائی۔ (۵) آپ ہی نے اپنے مال سے اسلام کے سب سے پہلے مؤذن حضرت بلال اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان جیسے سات قدیم الاسلام صحابہ کرام کو کفار کی غلامی سے آزاد کرایا۔ (۶) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی شبِ ہجرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں روانہ ہوئے اور مسلسل تین شب و روز غارِ ثور کے اندر تنہائی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے رہے اور فریضۂ خدمت سر انجام دیتے رہے (۷) آپ ہی کی صحابیت اور معیتِ خدا و رسول کا اعلان قرآنِ کریم نے واضح ترین لفظوں میں فرمایا۔ (۸) یومِ بدر، آپ ہی عریش مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ موجود رہے۔ (۹) سب سے بڑے فوجی اجتماع غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان ہی کو علمِ اسلام (جھنڈا) عطا فرمایا تھا (۱۰) فرضیتِ حج کے پہلے سال ان ہی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے امیر الحاج مقرر فرمایا (۱۱) ان ہی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حالتِ مرض مبارکہ میں اپنی جگہ امامِ نماز مقرر فرمایا (۱۲) ان ہی کو خلیفۃ الرسول کے نام سے پکارا گیا، جبکہ باقی ہر سہ خلفائے راشدین کو امیر المومنین کے نام سے پکارا گیا۔ (۱۳) آپ ہی نے سب سے پہلے باغیانِ ختمِ نبوت، جھوٹے مدعیانِ نبوت کے خلاف باقاعدہ لشکر کشی کی اور ان کو تہس نہس کر دیا۔ (۱۴) آپ ہی نے

مانعین زکوٰۃ پر ایسی سختی فرمائی کہ آئندہ کسی کو کسی رکن اسلام سے سرتابی کی مجال نہ رہی۔

(۱۵) آپ ہی کی خواہش اور حکم پر قرآن کریم کو صحیفہ واحد میں لکھا گیا ہے اور اسے مصحف کا نام دیا گیا ہے۔ بعد میں حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مصحفِ صدیقی کے مطابق نسخے تیار کروا کر پوری دُنیائے اسلام میں روانہ فرمائے تھے۔

آپ کی رحلت مبارکہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ میں تریسٹھ برس کی عمر میں ہوئی اور ان کو روضۃ الرسول میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ زہے قسمت!

والدہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ محترمہ کا نام اُمِّ رُومان تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی برگزیدہ صحابیہ تھیں ۶ھ رمضان المبارک میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی قبرِ منور میں خود تاجدارِ انبیاء محبوبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اُترے اور بارگاہِ رب العزت میں عرض گزار ہوئے۔

اللّٰھم لا تخفٰی علیک ما لقیت اُمِّ رُومان فیک وفی رسولک۔

"اے اللہ تبارک و تعالیٰ! تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اُمِّ رومان نے تیری راہ میں اور تیرے رسول کے لئے کیا کچھ برداشت نہیں کیا۔" نیز آپ ہی کی شانِ اقدس میں رسولِ محترم، رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی اِمْرَاَۃٍ مِّنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اُمِّ رُوْمَانَ۔ (الاستیعاب ص۹)

"یعنی اگر کوئی شخص حورانِ جنت میں سے کسی عورت کی زیارت کرنا چاہتا ہو تو وہ اُمِّ رومان کی زیارت کر لے۔" [1]

---

[1] ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کسی نامحرم عورت کی زیارت کی اجازت یا حکم دیں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ آپ کی خصوصیت ہے دُوسرے یہ کہ ابتدائے اسلام میں عورتیں پردہ نہیں کیا کرتی تھیں۔ سب عورتیں اور مرد ایک دوسرے کے سامنے آتے جاتے تھے آیاتِ پردہ کے نازل ہونے کے بعد پردہ لازم ہوا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

بھائی (۱) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ یہ آپ کے حقیقی بھائی ہیں۔ یہ خود بھی صحابی تھے اور اُن کا بیٹا بھی صحابی تھا۔

اس اعتبار سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کی چار پشت صحابہ میں سے تھیں، یعنی آپ کے والدگرامی حضرت ابی قحافہ عثمان بھی صحابی آپ بھی صحابی، آپ کا بیٹا بھی صحابی۔ آپ کے لختِ جگر عبدالرحمٰن کا بیٹا یعنی آپ کے پوتے ابنِ عبدالرحمٰن بھی صحابی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بہت بڑے بہادر اور عظیم حق گو مجاہد تھے جنگ یمن کی فتح آپ کی بہادری ہی کا نتیجہ تھی۔ حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت معاویہ نے مروان کو لکھا کہ وہ اہلِ مدینہ کو یزید کی ولی عہدی پر آمادہ کرے تو مروان نے اہلِ مدینہ کو اکٹھا کیا اور حضرت معاویہ کے فرمانِ شاہی سے اہلِ مدینہ کو مطلع کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھرے مجمع میں کھڑے ہو کر مروان کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی قسم! اے مروان! تو بھی جھوٹا ہے اور تیرا معاویہ بھی جھوٹا ہے تم دونوں نے امتِ محمدیہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی بہتری تلاش نہیں کی، بلکہ تم خلافت کو حکومت "ہرقلیہ" بنانا چاہتے ہو کہ جب ایک ہرقل مر جائے تو اُس کی جگہ دوسرا ہرقل قائم ہو جائے۔"

حضرت سیدنا امام حسین بن علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے اس کلام کی تائید کی اور یوں جلسہ درہم برہم ہو گیا۔

گورنرِ مدینہ مروان نے تمام واقعات تحریر کر کے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی طرف ارسال کر دیئے۔ (ابن خلدون)

ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کو براہِ راست بھی یہ لکھا تھا، اهرقلية اذا مات كسرى قام كسرى مكانه لانفعلُ والله ابدا۔ "کیا یہ بھی دُنیا کی سلطنت ہے کہ جب ایک کسریٰ مر گیا تو دُوسرا اس کی جگہ کسریٰ بن بیٹھا، اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۵۳ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہتے ہوئے انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۲) حضرت عبداللہ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما: یہ سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاتی بھائی ہیں۔ ان کی والدہ کا نام قبیلہ بنت عامر بن لوی تھا۔ رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور نجران کے عیسائیوں کے درمیان جو معاہدہ طے پایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس معاہدہ کے آپ ہی کاتب تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ حنین میں زخمی ہوئے اور کچھ عرصہ بیمار رہ کر انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۳) محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، یہ بھی حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاتی بھائی ہیں۔ ان کی والدہ ماجدہ مشہور صحابیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ یہ پہلے حضرت سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں تھیں، اُن کی شہادت کے بعد یہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ان سے نکاح فرمالیا۔ ان کے ساتھ ہی حضرت محمد بن ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی زیر پرورش چلے گئے، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے بکثرت جنگوں میں حصہ لیا۔ حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے آپ کو گورنر مصر بنایا تھا۔ ۳۸ھ کو معاویہ بن خدیج نے ایک جنگ میں آپ کو شہید کر دیا۔

ہمشیرانِ محترم

(۱) حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما: یہ اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی علاتی اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حقیقی بہن ہیں، ان کی والدہ کا نام قبیلہ

بنت عامر بن لوی تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذات النطاقین کے نام سے مشہور ہیں۔ عربی میں "نطاق" کمر بند کو کہتے ہیں۔ ہجرت کی شب جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور یارِ غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہوتے تو زادِ راہ کو ایک تھیلے میں ڈالا، عجلت میں کوئی رسی نہ ملی تو حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوراً اپنے کمر بند کو درمیان سے پھاڑا، آدھے سے کمر کس لی اور دوسرے نصف سے تھیلے کا منہ باندھ دیا۔ زبان نبوت سے اسی وقت ان کو "ذات النطاقین" کا خطاب مل گیا۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی کے بعد قریش کے چند لوگ ہمارے گھر میں آئے جن میں ابوجہل بھی تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا: اَیْنَ اَبُوْکِ "یعنی تیرا باپ کہاں ہے؟" میں نے کہا: لَا اَدْرِیْ "یعنی میں نہیں جانتی"۔ یہ سنتے ہی ابوجہل نے میرے منہ پر زور سے ایک طمانچہ دے مارا۔ میں روتی ہوئی اندر چلی گئی، پھر یہ افراد بھی چلے گئے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ ان سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت اسماء حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے دس سال (تقریباً) بڑی تھیں۔ یہ ابتدائے اسلام میں ہی مشرف بہ اسلام ہو گئی تھیں۔ مرقوم ہے کہ ان کے اسلام لانے کے وقت صرف سترہ افراد نے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کے چند روز بعد ۷۳ھ میں بعمر ایک سو سال حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ مکرمہ میں رحلت فرما گئیں۔

(۲) اُمِ کلثوم بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا: یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی علاتی بہن ہیں۔ ان کی والدہ کا نام حبیبہ بنت خارجہ بن زید انصاری تھا۔ حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت کے بعد ہوئی۔ (بخاری۔ ترمذی۔ مشکوٰۃ۔ مدارج۔ ابن خلدون۔ اصابہ فی معرفۃ صحابہ۔ الاستیعاب وغیرہ)

(۴) حضرت اُمّ المؤمنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمّ المؤمنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت امیر المؤمنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لختِ جگر ہیں۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ ماجدہ کا نام، زینب بنت مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا اور یہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زوجیت میں آنے سے قبل یہ حضرت خنیس بن حُذافہ بن قیس بن عدی السلمی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت خُنَیس رضی اللہ عنہ سابقین اوّلین میں سے تھے، انہوں نے پہلے ہجرت حبشہ کی، پھر ہجرتِ مدینہ۔ بعض روایات کے مطابق حضرت خنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ بدر میں شمولیت کی اور بعد از غزوۂ بدر، انتقال فرما گئے، جبکہ بعض مؤرخین و اربابِ سیرت کے نزدیک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ بدر و اُحد دونوں میں شرکت فرمائی۔ غزوۂ اُحد میں زخمی ہوئے اور مدینہ طیبہ میں شہادت پائی۔ ان کے بھائی عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت مشہور و معروف صحابی ہیں۔

حضرت خُنَیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد (عدّت گزرنے کے بعد) حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیّدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کی پیشکش کی جسے سُن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہو گئے اور کوئی بھی جواب نہ دیا، جس سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ازحد رنج ہوا۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تو آپ نے جواب دیا کہ ابھی میرا شادی کا ارادہ نہیں ہے، کیونکہ ان دنوں سیّدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کی وجہ سے آپ دل برداشتہ تھے۔ شکستہ دل حضرت سیّدنا فاروقِ اعظم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوتے اور شکایت کے انداز میں حضرات صدیق و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: یتزوج حفصۃ من ھو خیر من عثمان ویتزوج عثمان من ھی خیر من حفصۃ ”حفصہ کی شادی اُس شخص سے ہوگی جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان کی شادی اُس سے ہوگی جو حفصہ سے بہتر ہے۔“

بعدازاں رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنابہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خود نکاح فرمالیا، جبکہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی اپنی شہزادی سیّدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمادی۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ”اے عمر! حفصہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے بارے میں تم مجھ سے ناراض ہوگئے تھے کہ میں خاموش کیوں ہوگیا؟ دراصل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مجھ سے اُمّ المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر کرچکے تھے اور اُس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ راز ظاہر نہیں کرسکتا تھا، ہاں البتہ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارادہ مبارک نہ ہوتا تو میں ضرور قبول کرلیتا۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے علیحدگی کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل امین علیہ السّلام نے حاضر ہوکر ان کے بارے میں بتایا کہ: فَاِنَّھَا قَوَّامَۃٌ صَوَّامَۃٌ وَاِنَّھَا زَوْجَتُكَ فِی الْجَنَّۃِ۔ ”وہ بہت ہی عبادت گزار اور روزے رکھنے والی ہیں اور یہ جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہیں۔“

اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے علیحدگی کا ارادہ ترک فرمادیا۔ اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ گویا آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے ۳۵ برس

چھوٹی تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً ساٹھ برس کی عمر میں ۱۴ھ میں انتقال فرما گئیں۔ (مدارج۔ الاستیعاب) جبکہ صاحبِ مشکوٰۃ نے تاریخِ وصال شعبان المعظم ۴۵ھ تحریر فرمائی ہے۔ (مشکوٰۃ اکمال فی اسماء الرجال)

اقارب

والدِ ذی وقار حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نہایت ہی مشہور اور معتبر صحابی ہیں۔ قرآن کریم کی بہت سی آیاتِ مبارکہ آپ کی خواہش و تائید میں نازل ہوئیں (تفصیلات کے لئے تاریخ الخلفاء للعلامہ سیوطی کا مطالعہ فرمائیں) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اہم ترین مشیروں میں آپ کا اسمِ گرامی شامل ہے۔ تاریخ الخلفاء میں آپ کا نسب یوں درج ہے:

(حضرت) "عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بن خطاب بن عبد العزیٰ بن رباح بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوئی" اس جگہ یعنی کعب بن لوی پر آپ کا سلسلہ نسب حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نسبِ عالیہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

لقبِ فاروق کا سبب حافظ ابی نعیم علیہ الرحمہ نے (دلائل میں) اور ابن عساکر نے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ ایک روز میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ "آپ کا لقب فاروق کیونکر ہوا؟" تو آپ نے (اپنے اسلام قبول کرنے کا تفصیل سے ذکر فرماتے ہوئے فرمایا) دارِ ارقم میں میرے اسلام قبول کرنے پر صحابہ کرام نے خوشی سے اس زور کے ساتھ تکبیر کہی کہ پورے شہرِ مکہ میں اس کی آواز سنائی دی۔ پھر میں نے بارگاہِ رسالت مآب میں عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟" آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیوں نہیں، ہم یقیناً حق پر ہیں۔"

اس پر میں نے عرض کیا، پھر یہ چھپ کر عبادت کیوں؟ چنانچہ ہم سب مسلمان دو صفیں بنا کر گھر سے باہر نکلے۔ ایک صف کے آگے میں تلوار لئے جا رہا تھا اور دوسری صف کے آگے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جا رہے تھے۔ ہم اسی طرح مسجد بیت الحرام میں داخل ہوئے۔ قریش مکہ نے جب مجھے اور حضرت حمزہ کو اہل ایمان کی حمایت میں دیکھا تو حد درجہ ملول و غمگین ہوئے، اسی دن سے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام فاروق (یعنی حق و باطل میں فرق کر دینے والا) رکھ دیا۔

(تاریخ الخلفاء، نیز ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ فارسی ص۶۱۶)

حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: "اے عمر! مجھے اس اللہ تعالیٰ کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ جس راہ سے تو آ رہا ہوتا ہے، شیطان وہ راہ ہی چھوڑ دیتا ہے۔ (یعنی شیطان تم سے اس قدر ڈرتا ہے کہ سامنا بھی نہیں کر سکتا)

(بخاری و مسلم، عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

ابھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرف اسلام سے مشرف نہ ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں دعا مانگتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا: اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔

"اے اللہ تعالیٰ! عمر ابن الخطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ذریعے اسلام کو عزت عطا فرما۔"

اس دعائے نبوی کا صدقہ تھا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف یہ کہ شرف ایمان سے مشرف ہوئے، بلکہ امیر المومنین کے منصب عظیم پر بھی فائز ہوئے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں اسلام کو جو عزت و عظمت ملی، اس کا اندازہ کتب تواریخ کے مطالعہ سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ کے مفتوحہ و مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ بائیس لاکھ اکیاون ہزار تیس مربع میل

(۲۲۵۱۰۳۰) تھا۔ یعنی مکہ مکرمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶، مشرق کی طرف ۱۰۸۷، جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب یعنی جدہ کی جانب چونکہ سمندر (بحیرۂ احمر) ہے، اس لئے وہ قابلِ ذکر نہیں ہے۔

اِس میں شام، مِصر، عراق عرب، عراق عجم، جزیرہ، خوزستان، آرمینہ، آذر بائیجان، فارس (ایران وغیرہ) کرمان، خراسان، مکران اور کچھ حصہ بلوچستان بھی شامل تھا۔ یہ تمام فتوحاتِ خاص حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات ہیں، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات کی مدت محض دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ (الفاروق)

اِس جگہ ایک انگریز مؤرخ کا قول دُہرانا باعثِ حیرت نہیں ہوگا کہ "دُنیا والوں کو خداوند کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اسلام میں کوئی دُوسرا عمر پیدا نہیں ہوا اور اگر ایسے ہو جاتا تو پوری دُنیا کا مذہب صرف اور صرف اسلام ہوتا۔" (اللہ اکبر! ایوانِ کفر پر کس قدر ہیبت ہے جناب سیدنا فارُوقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی!)

شہادت

رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سچے غلام حضرت سیدنا فارُوقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر دُعا مانگا کرتے تھے کہ اُن کو درجۂ شہادت نصیب ہو اور مدینہ طیبہ میں دفن ہونے کی سعادت بھی ملے (بخاری)

خالق کائنات جل شانہٗ نے آپ کی دونوں دُعاؤں کو زیورِ قبولیت سے کچھ اس طرح آراستہ فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک آتش پرست (پارسی) غلام ابولؤلؤ فیروز نے حضرت سیدنا امیرالمومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنے آقا حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت کی کہ "وہ اس سے زیادہ ٹیکس وصول کرتے ہیں"۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت نہ کی کہ کہیں غلام اپنے آقا پر جری نہ ہو جائے، اس لیے اسے فرمایا کہ کوئی بات نہیں، یہ ٹیکس زیادہ نہیں ہے، جبکہ دل میں یہ تھا

کہ مغیرہ کو ٹیکس کم کرنے کا کہہ دیا جائے گا۔ اس طرح غلام سمجھے گا کہ میرے آقا نے مجھ پر رحم کیا ہے اور یوں آقا و غلام کے تعلقات میں استحکام آ جائے گا مگر بدبخت پارسی غلام کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جواب نہایت ناگوار گزرا اور وہ غصہ سے تلملاتا ہوا واپس چلا گیا۔ اس نے حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا اور ایک دودھاری خنجر کو زہر آلود کر کے اپنے پاس سنبھال رکھا۔ ایک روز موقع پا کر یہ آتش پرست غلام منہ اندھیرے صبح کے وقت مسجد میں داخل ہوا اور جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ فجر پڑھانا شروع کی تو اس بدبخت لعین آتش پرست ابو لؤلو نے اچانک گھات سے نکل کر دورانِ نماز حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کر دیا اور یکے بعد دیگرے چھ زخم لگائے جن میں سے ایک ناف کے نیچے لگا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر گئے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو آپ کے پیچھے کھڑے تھے)، اس حال میں نمازِ فجر پڑھائی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب ہی پڑے تڑپ رہے تھے[1]۔ لوگوں نے قاتل کو گرفتار کرنے کی کوشش کی، تو اس نے کئی اور لوگوں کو بھی شدید زخمی کر دیا، جن میں سے بعض مرتبہ شہادت پا گئے۔ بالآخر ایک صحابی نے اس کے اوپر چادر پھیلا کر پھینکی تاکہ یہ نابکار اس میں الجھ جائے۔ جب اس سیاہ بخت غلام نے دیکھا کہ اب وہ گرفتار ہو جائے گا، تو اس نے اسی خنجر سے خودکشی کر لی۔ بعد ازاں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اٹھا کر گھر لایا گیا۔ آپ نے پوچھا کہ "میرا قاتل کون تھا؟" لوگوں نے بتایا کہ "ابو لؤلو فیروز نامی مجوسی غلام۔" آپ نے

---

[1] اللہ اکبر! آج کا مسلمان نماز سے کس قدر غافل ہے جبکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نماز تو نماز جماعت کا بھی کس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ اس قدر عظیم المرتبت امیر المومنین موت و حیات کی کشمکش میں قریب ہی تڑپ رہے ہیں مگر اس حال میں بھی نماز باجماعت ترک کرنا گوارا نہیں۔ ۱۲

کہا، "الحمدللہ کہ مجھے ایسے آدمی نے قتل نہیں کیا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو ایک بھی سجدہ کیا ہو۔"

اِس وقت آپ کے پاس حضرات ذی وقار علی المرتضیٰ، عثمان غنی، زبیر اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا، "تم تین دن تک طلحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا انتظار کرو، اگر وہ آجائیں تو اُن کو شریکِ مشورہ کرلینا، ورنہ تم آپس میں مشورہ کر کے اپنے میں سے کسی ایک کو امیر مقرر کرلینا۔ اِس دوران طبیب حاضرِ خدمت ہوگیا، اُس نے آپ کو انگور کا شیرہ نکال کر پلایا تو وہ زخم کے راستے سے باہر نکل گیا، پھر دودھ پلایا گیا تو وہ بھی یوں ہی نکل گیا۔ اہلِ مدینہ اِس صورتِ حال پر سخت بے چین تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم مسلسل آپ کے سرھانے موجود رہے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمتِ اقدس میں بھیج کر حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت مانگی۔ جنابِ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بخوشی اجازت دے دی، اس پر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ از حد مسرور ہوئے اور شکرِ الٰہی بجالائے۔ بالآخر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مورخہ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ شب چہار شنبہ کو اپنی خلافتِ حقّہ کے دس سال چھ ماہ ۴ دن پورے فرماکر جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وانّا الیہ راجعون۔

حضرت صہیب رُومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت علی المرتضٰے، حضرت عثمانِ غنی، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کو قبرِ انور میں اتارا۔ (طبری۔ ابن خلدون۔ فتح الباری)

ہمشیران و برادران چونکہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کثیر الاولاد تھے، اِس لئے حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے برادران و ہمشیران کی تعداد کئی ایک ہے۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت حضرت عبداللہ ابنِ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو ملی۔ یہ مکہ مکرمہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

ساتھ ہی دولتِ ایمان سے مالا مال ہو گئے اور اکثر غزوات میں ہمرکابِ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) رہے۔ آپ فقہ اور حدیث کے امام مانے جاتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں اور ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" میں ان کا بالتفصیل ذکر فرمایا۔ نیز اُصابہ فی معرفۃ الصحابہ" کے مطالعہ سے آپ کے فضل و کمال کا پتہ چلتا ہے۔

شہادت ایک مرتبہ حجاج بن یوسف حرم کعبہ میں خطبہ دے رہا تھا۔ عین اسی حالت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کھڑے ہو کر اُس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "یہ دشمنِ خدا ہے، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو شہید کیا ہے۔" چنانچہ اس کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو متعین کیا، جس نے زہر آلود آلے سے آپ کو زخمی کر دیا اور اسی صدمے سے آپ کی شہادت واقع ہو گئی۔

(طبری - الفاروق)

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے علاوہ حضرت عبیداللہ، حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی شہرت ملی، لیکن حضراتِ ابو شحمہ عبدالرحمٰن، زید، مجید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو زیادہ شہرت نہ ملی۔

(۵) اُمّ المومنین سیدہ اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُمّ المومنین سیدہ اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صحیح نام رملہ یا ہند تھا، جبکہ اُمِّ حبیبہ کنیت تھی۔ آپ کا شجرہ نسب یوں ہے؛ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابوسفیان بن حرب بن اُمیہ بن عبدالشمس بن عبدمناف۔ اِس جگہ اِن کا شجرہ نسب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبدمناف تھیں جو کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پھوپھی تھیں۔

سیدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابتدائے اسلام میں ہی دولتِ ایمان سے مالا مال ہوگئیں۔ یہ پہلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی عبیداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں، یہ بھی صاحبِ ایمان تھے۔ اس کے ساتھ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ عبیداللہ نے حبشہ جاکر نصرانیت کو قبول کرلیا اور مُرتد ہوگیا اور اسی حال میں مرگیا۔ عبیداللہ سے ان کے ہاں ایک بیٹی ہوئی تھی جس کا نام حبیبہ تھا، اسی بنا پر ان کی کنیت اُمِ حبیبہ ہوگئی۔

سیدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص مجھے یا اُمّ المؤمنین کہہ کر پکار رہا ہے۔ میں نے اس خواب کی تعبیر یہ نکالی کہ "رسُولِ محترم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے اپنے حبالۂ عقد میں لائیں گے"۔ ۔ ۔ حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ حضور نبی اکرم رسُولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور ایمان لانے والوں کا سخت اور بدترین دشمن تھا۔ نیز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شوہر عُبیداللہ مرتد ہوکر مرگیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ آبائی شہر مکہ مکرمہ سے کوسوں دُور حبشہ کے غیر مانوس اجنبی ملک میں جہاں کوئی مادری یا پدری رشتہ دار بھی موجود نہ ہو۔ یہ سب باتیں حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے مصائب کے وہ کوہِ گراں تھے کہ جن کا برداشت کرجانا ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں، مگر خلاقِ عالم جل شانہٗ کی کروڑہا کروڑ رحمتوں کا نزول سیدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر کہ ان کے پائے استقلال میں ذرا بھر بھی لغزش نہ آئی۔ تاجدارِ عرب و عجم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو سیدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مصائب و آلام کا پورا پورا احساس تھا۔ وہ کریم آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اپنے کسی بھی اُمتی کی تکلیف پر بے چین ہوجاتے ہیں۔ سیدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دگرگوں حالات سے بے خبر نہ تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کمال رحمت و شفقت سے کام لیتے ہوئے غموں کے

بوجھ تلے دبی سیدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکستہ دل پر یوں مرہم رکھا کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پیغام دیں اور نکاح کریں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم نے حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا وکیل مقرر فرمایا۔ اس پر حضرت سیدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ نے حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی طرف سے وکیل مقرر فرمایا اور حضرت سیدنا جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت وہ تمام مسلمان جو کہ حبشہ میں موجود تھے اس تقریب سعید میں شامل ہوئے۔ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خطبہ پڑھا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَيْمِنِ الْعَزِيْزِ الْجَبَّارِ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَجَبْتُ اِلٰى مَا دَعٰى اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ اَصْدَقْتُهَا اَرْبَعَمِائَةِ دِيْنَارًا ذَهَبًا

یہ کہتے ہوئے حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار سو دینار حاضرین کے سامنے رکھ دیئے پھر حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو کہ حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وکیل تھے) نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا؛ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَحْمَدُهٗ وَاَسْتَعِيْنُهٗ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ اَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ اَجَبْتُ اِلٰى مَا دَعٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ عليه وسلم وَزَوَّجْتُهٗ اُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ اَبِيْ سُفْيَانَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم

اس کے بعد حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دینار حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دیئے اور انہوں نے دینار وصول کر کے چاہا کہ کھڑے ہو جائیں۔ نجاشی نے کہا کہ بیٹھو، اس لئے کہ مجلسِ نکاح میں کھانا کھلانا سُنّتِ انبیاکرام علیہم السّلام ہے۔ اس کے بعد نجاشی نے کھانا منگوایا اور سب حاضرین نے کھایا اور رخصت ہو گئے۔

(کذا فی المواہب لدنیہ و مدارج النبوۃ)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ شاہِ نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف سے پیغام نکاح اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سیّدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھیجا تھا تو اس وقت سیدہ امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا تمام زیور اس پیامِ جاں فزا کی خوشی میں اس لونڈی ابرہہ کو عطا فرما دیا تھا۔ نکاح کے بعد حضرت شاہِ نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ تمام زیور مع مزید تحائف و ہدایہ کے واپس سیدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں پیش کر دیا اور عرض کیا کہ چونکہ آپ رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمتِ فیض درجت میں حاضری دے رہی ہیں، اس لئے اس سارے مال کی صرف آپ ہی مستحق ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت نجاشی کی عورتوں نے بھی خوشبو، عطریات و تحائف پیش خدمت کیے۔ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہلوا بھیجا کہ "جب آپ بارگاہِ رسالت مآب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوں، تو آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی بارگاہ اقدس میں میرا اسلام عرض کرنا اور عرض کرنا کہ میں آپ کے صحابہ کے دین پر ہوں اور آپ پر ہمیشہ درود وسلام بھیجتا رہتا ہوں۔"

حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حبشہ کی طرف روانہ فرمایا تا کہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینہ طیبہ لائیں، چنانچہ غزوۂ خیبر کے ایام میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حاضرِ خدمت

ہو گئیں۔ اس وقت ان کی عمر مبارکہ کچھ اوپر تینتیس ۳۳ برس کی تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوتے ہی حضرت نجاشی کا سلام عرض کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اظہارِ خوشی فرمایا اور حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے رحمت و برکت کی دُعا فرمائی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف تقریباً ستاون ۵۷ برس تھی۔

سیدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۴۴ھ میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔

وفات سے قبل حضرت سیدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت سیدہ اُمِ سلمہ و سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ "ایک خاوند کی چند عورتوں میں کچھ نوک جھونک ہو جایا کرتی ہے۔ جو کچھ میں نے کہا سُنا ہو، مجھے معاف کر دو۔" دونوں نے کہا کہ "ہم خوشی سے معاف کرتی ہیں۔" اس پر اُم المومنین سیدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا "تم نے مجھے خوش کر دیا اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں خوش رکھے۔"

حضرت اُم المومنین سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں یہ بات نہایت عظیم الشان ہے کہ جب فتحِ مکہ سے قبل ان کا باپ ابو سفیان تجدید عہد کے لئے مدینہ طیبہ آیا تو سیدھا اپنی بیٹی کے گھر آیا۔ یہ باپ اور بیٹی کی کئی سال کی جُدائی کے بعد ملاقات تھی۔ ابو سُفیان کا خیال تھا کہ میری بیٹی اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، والہانہ انداز میں میرا استقبال کرے گی، وہ میری راہوں میں آنکھیں بچھا دے گی اور پھر میں اپنی بیٹی کی وساطت سے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے منوالوں گا۔ انہی خیالوں میں غلطاں ابو سُفیان جب حضرت سیدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں پہنچا تو سریرِ اقدس پر رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بستر بچھا ہوا تھا۔ ابو سُفیان نے چاہا کہ وہ بسترِ اقدس پر بیٹھے، مگر حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: "ابا! ذرا ٹھہرو، اِس بستر پر نہ بیٹھنا۔" ابو سُفیان رک گیا۔ حضرت سیدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آگے بڑھ کر بستر لپیٹ دیا، پھر بیٹھنے کی اجازت دی۔

تو ابوسفیان نے حیران ہو کر پوچھا کہ اے بیٹی! کیا تم اس بستر کو مجھ سے بچاتی ہو؟" تو حضرت سیدہ اُمّ المؤمنین اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: "یہ بستر مبارک حضور سید المطہرین ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہے جبکہ تم مشرک اور ناپاک ہو، میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ تم اس پاکیزہ و مقدس بستر پر بیٹھو۔" اس پر وہ خفا ہو کر واپس چلا آیا۔ سیدہ اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کی ناراضگی کی ذرا برابر بھی پرواہ نہ کی۔

اللہ اکبر! دولتِ ایمان دراصل اسی عظمت کا نام ہے۔ میرے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (فداہ روحی وجسدی) کا فرمان ذی شان ہے کہ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّلَدِہٖ وَوَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ "تم میں سے کوئی بھی شخص اُس وقت تک مومن نہ ہوگا کہ جب تک وہ مجھے اپنی اولاد، اپنے والدین اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ جانے۔"

اقارب

ابوسُفیان بن صخر بن حرب یہ سیدہ اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ تھا، جو ابتداء میں بدترین دشمنِ اسلام تھا۔ زمانہ جاہلیت میں مشہور سردارانِ قریش میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ قریش کا سب سے بڑا علم "عقاب" اسی کے خاندان اور اسی کے پاس تھا۔ جب وہ علم (جھنڈا) گھر سے باہر رکھا جاتا تو تمام قبائل کے لوگ اس کے نیچے جمع ہو جایا کرتے تھے۔ غزوہ اُحد اور خندق میں بھی کفار کی طرف سے یہی سپہ سالارِ اعظم تھا۔ سارے قریشِ مکہ اور ان کے حلیف اسی کے ماتحت تھے۔ غزوہ احد میں اسی کی بیوی ہندہ نے سید الشہداء اسد اللہ و رسولہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیٹ چاک کر کے جگر نکال کر چبایا تھا، گویا یہ گھرانہ ہر اعتبار سے بدترین دشمنِ اسلام

تھا، مگر رَبِّ ذوالجلال والاکرام کی قدرت کہ فتحِ مکہ کے وقت شروع میں قدرے تذبذب کے ساتھ، پھر حقیقتاً ابوسُفیان اور اس کی بیوی ہندہ کو دولتِ اسلام مل گئی اور صاحبِ ایمان ہو گئے۔ چنانچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ طائف اور حنین میں ہمرکابِ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رہے۔

غزوۂ طائف میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی، تو انہوں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ جنگ یرموک میں بھی حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی دلیری اور شجاعت کے ساتھ رُومیوں کا مقابلہ کیا اور خوب جنگی جوہر دکھائے۔ مسلمانوں کو اہل رُوم کے مقابلہ میں برانگیختہ کرتے تھے۔ اس جنگ میں ان کی دُوسری آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔ حضرت ابوسُفیان کل ۳۳ھ میں بعمر تقریباً ۹۶ سال مدینہ طیبہ میں انتقال ہوا اور جنّت البقیع میں مدفون ہوئے۔

برادران حضرت سیّدہ اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سگے بھائی یزید بن ابی سُفیان ہیں، ان کو یزید الخیر کہتے ہیں۔ یہ یزید لعین بن معاویہ کے چچا تھے۔ یہ بھی فتحِ مکہ کے دن شرفِ ایمان سے مشرف ہوئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن سرداروں کو فتحِ شام کے لئے مامور کیا، اُن میں ایک یہ بھی تھے۔ اِن کی وفات ۱۹ھ میں دمشق میں ہوئی۔ اس وقت یہ گورنرِ شام تھے۔ حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دوسرے بھائی (جو کہ دُوسری ماں سے تھے) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ انہوں نے تقریباً بیس سال تک شام کی گورنری کی اور پھر تقریباً ساڑھے اُنیس سال شام پر حکومت کی۔ سلطنتِ بنو امیہ کے آپ ہی بانی ہیں۔ ۲۰ رجب ۶۰ھ کو تقریباً ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت سیدہ اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیٹی حبیبہ جو کہ پہلے خاوند عبیداللہ بن جحش سے تھیں، افسوس کہ تلاشِ بسیار کے باوجود ان کے حالاتِ زندگی نہ مل سکے۔

(۶) اُمّ المومنین سیّدہ زینبؓ بنتِ خزیمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا

اُمّ المؤمنین سیدہ زینب بنتِ خزیمہ بن حارث رضی اللہ تعالٰی عنہا جُود و سخا کی پیکر تھیں۔ اس لئے لوگ انہیں ام المساکین کہتے تھے، کیونکہ وہ نادار اور مسکینوں کو کھانا کھلاتیں اور کمال شفقت و مہربانی فرماتی تھیں۔ رسُولِ خدا سرور انبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے قبل آپ رضی اللہ تعالٰی عنہا حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زوجیت میں تھیں، وہ غزوۂ اُحد میں مرتبۂ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

بعض کتب میں ہے کہ یہ پہلے عبیداللہ بن الحارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زوجیت میں تھیں، یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے بیٹے تھے کہ جنہوں نے میدانِ بدر میں جامِ شہادت نوش فرمایا اور یہ بھی مرقوم ہے کہ ان کا پہلا نکاح تو طفیل بن حارث بن عبدالمطلب کے ساتھ ہوا، انہوں نے طلاق دے دی، تو دُوسرا نکاح طفیل کے بھائی حضرت عبیداللہ بن حارث رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہوا، جبکہ دُوسرے قول کے مطابق حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان کا نکاح ہوا۔ (ملاحظہ ہو: مواہب لدنیہ، روضۃ الاحباب، مدارج النبوۃ)

بہرحال ۳ھ کو غزوۂ احد کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم ان کو حبالۂ عقد میں لائے۔ اُمّ المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا بہت ہی قلیل عرصہ خدمتِ اقدس میں رہیں، نکاح کے چند ماہ بعد یعنی با ختلافِ روایات دو، تین یا چھ ماہ بعد ان کا انتقال مبارکہ ہوگیا اور جنت البقیع میں مرقدِ مقدس بنا۔ یہ والدہ کی طرف سے حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی ہمشیرہ محترمہ تھیں۔

(۷) اُمّ المؤمنین سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام "ہند" اور کنیت اُمّ سلمہ تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کا نام ابو امیہ سہل بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم تھا، جبکہ والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھا۔ (کذا فی الجامع و مواہب (بحوالہ مدارج النبوۃ)

اُمّ المؤمنین حضرت سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زوجیت میں آنے سے قبل حضرت ابو سلمہ عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم کے نکاح میں تھیں۔ گویا سیّدہ اُمّ سلمہ اور اُن کے شوہر ابو سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) دونوں عبداللہ بن عمرو بن مخزوم کی اولاد سے ہیں۔

حضرت سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت قدیم الاسلام ہیں، جبکہ آپ کے خاوند حضرت ابو سلمہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند البعض گیارہویں اسلام لانے والوں میں ہیں یعنی آپ سے قبل صرف دس افراد ہی شرفِ اسلام سے مالا مال ہوتے تھے۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی حقیقی پھوپھی برّہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ یہ رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پھوپھی زاد ہونے کے ساتھ ساتھ رضاعی بھائی بھی تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور آپ (حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دودھ نوش جاں فرمایا تھا۔

حضرت سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے خاوند کی معیت میں (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حکم پر) حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ بعد ازاں مکہ مکرمہ میں واپس آگئے۔ پھر جب دوسری مرتبہ حضرت اُمّ سلمہ اپنے شوہر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور

بچوں کے ساتھ ہجرت کے لئے مدینہ طیبہ کی طرف نکلیں تو اُن کے خاندان والے جمع ہو گئے اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زبردستی اُن کی بیوی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو چھین لیا اور کہنے لگے کہ "اے ابو سلمہ (تم جا سکتے ہو، مگر ہم اپنی لڑکی کو نہیں جانے دیں گے۔ اسی طرح حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان والے ان دونوں میاں بیوی سے ان کے بچے چھین کر لے گئے۔ گویا ان لوگوں نے پوری کوشش کی کہ ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت نہ کریں، مگر ربِ کریم جلّ شانہٗ کی بے شمار رحمتوں کا نزول ہو حضرت سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کہ ان کے پائے استقلال میں ذرا برابر بھی جنبش نہ آئی۔ یہ آنسو بہاتی ہوئی دفا شعار رفیقۂ حیات اور بلکتے ہوئے بچوں کو چھوڑ کر در رسُول (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) پر حاضری کے لئے مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے۔

سُبحان اللہ تعالیٰ! صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قلوبِ مقدس میں جانِ ایمان، رحمتِ کون و مکاں، محبوبِ ربِ دوجہاں حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی محبت کا دریا کس طرح جوش زن تھا کہ دنیا جہان کی ہر شے حتیٰ کہ جان بھی قربان کی جا سکتی ہے، مگر دامنِ مصطفٰے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم) سے علیحدگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي اتِّبَاعَهُمْ بِحُرْمَةِ

حَبِيبِكَ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْن عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِيْم۔

الغرض حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تو ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جا پہنچے، مگر غموں کے بوجھ تلے دبی سسکتی سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ جن کے بچے بھی چھین گئے تھے اور شوہر جاتا رہا، روزانہ شام کو اس مقام پر آ کر بیٹھ جاتیں جہاں ڈبڈبائی آنکھوں سے محبوب شوہر کو الوداع کیا تھا، جہاں ان کے جگر کے ٹکڑوں کو ظالموں نے زبردستی چھین لیا تھا۔ گزرتے ہوئے وقت کو یاد کر کے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہاں تا دیر روتی رہتیں۔ ایک سال برابر اسی طرح روتے اور ربّ العزّت کی بارگاہ میں دعا کرتے

گزر گیا، تو خالقِ کائنات جل شانہٗ نے ظالموں کے دلوں میں احساسِ ندامت پیدا فرما دیا۔ چنانچہ سیدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بچے بھی واپس مل گئے اور مدینہ طیبہ روانگی کی اجازت بھی۔ عزم و استقلال کی پیکر، مہر و وفا کی دیوی حضرت سیدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچوں کے ہمراہ تنِ تنہا پیدل ہی مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ عثمان بن ابی طلحہ کلید بردار کعبہ مکرمہ اگرچہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اُن کا دِل جذبۂ رحم سے لبریز فرما دیا۔ وہ اُونٹ لے کر حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے اور ان کو اُونٹ پر سوار کروا لیا اور خود مہار پکڑ کر پیدل چلنے لگے، اور جب کسی منزل پر پہنچتے، تو عثمان اُونٹ بٹھا کر خود دُور فاصلے پر جا کر بیٹھ جاتے۔ جب اسی طرح منزل بہ منزل چلتے ہوئے مدینہ طیبہ کے قریب جا پہنچے اور نخلستانِ مدینہ منورہ نظر آنے لگے تو عثمان بن طلحہ نے کہا "اے اُمِ سلمہ! جس شہر میں تجھے جانا ہے، وہ سامنے نظر آ رہا ہے، تم آگے بڑھو، میں واپس جاتا ہوں" یہ کہا اور عثمان بن ابی طلحہ واپس لوٹ گئے۔ [1]

جب حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ طیبہ پہنچیں، تو اہلِ ایمان کو اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ حضرت ابو سلمہ عبد اللہ اور حضرت اُمِ سلمہ ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر پھر سے خوشیوں کا گہوارہ بن گیا۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

حضرت سیدنا ابو سلمہ عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میدانِ بدر میں بھی اپنی بہادری کے جوہر دکھائے تھے۔ پھر غزوۂ احد میں بھی شامل ہوئے اور کفار کا مقابلہ کرتے ہوئے شدید زخمی ہو گئے۔ بالآخر جمادی الآخر ۳ھ کو

---

[1] حضرت عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ کے سال یا اس سے قبل خود بھی مسلمان ہو گئے رب کریم کی بیشمار رحمتوں کا نزول ہو آپ پر کہ آپ نے کس قدر دیانتداری اور شفقت سے یہ فریضہ سرانجام دیا۔

زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون
بوقتِ رحلت مبارکہ آپ کی زبان مبارک پر یہ دُعا تھی:۔

اَللّٰھُمَّ اخلفنِیْ فِیْ اَھلی بخَیرٍ۔

"اے اللہ تعالیٰ! میرے بعد میرے اہل خانہ کی بہترین نگہداشت فرمانا۔"

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پس ماندگان میں (دیگر اہل ایمان کے علاوہ) ایک بیوی یعنی سیدہ ام سلمہ، دو خورد سال بیٹے حضرت سلمہ اور حضرت عمر اور دو ننھی بچیاں حضرت زینب اور حضرت درّہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) چھوڑے۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسُول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ جب بھی کوئی اہم شے جاتی رہے اور مصیبت آجائے تو یہ دعا پڑھا کرو، اَللّٰھُمَّ اٰجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا۔

"اے اللہ تعالیٰ! میری مصیبت پر مجھے اجر عطا فرما اور مجھے اس سے بہتر قائم مقام عطا فرما۔" (مدارج النبوۃ)

دُوسری روایت میں الفاظ یُوں ہیں: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَسٰی رَبُّنَا اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْھَا ۝ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا رَاغِبُوْنَ ۝ اَللّٰھُمَّ اٰجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا۔

"بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں۔ اور اُسی کی طرف لوٹ کر جاتے والے ہیں۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔ عنقریب ہمارا پروردگار ہم کو (گزشتہ کا) بہترین بدل عطا فرمائے گا۔ بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ! میری مصیبت پر مجھے اجر عطا فرما اور مجھے اس کا بہترین قائم مقام عطا فرما۔"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ تعلیمِ نبوی کے مطابق میں یہ ورد

کرتی ضرور تھی، مگر سوچتی تھی کہ کیا کوئی شخص بحیثیتِ خاوند ابوسلمہ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اچھا ہو سکتا ہے؟ لیکن جوں ہی ایامِ عدت پورے ہوئے، خود تاجدارِ عرب و عجم، فخرِ بنی آدم، رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے پیغامِ نکاح بھیج دیا جو ہر اعتبار سے سب سے نہایت ارفع و اعلیٰ تھے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پوری زندگی تھی۔ اسلام کی خاطر اللہ تعالیٰ کی راہ میں حضرت اُم سلمہ اور ان کے خاوند ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو تکالیف و مصائب برداشت کئے تھے، وہ ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ میں جان دینے والے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ننھے منّے بچوں کی پرورش کا بھی مسئلہ تھا کہ جن کی فکر ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بوقتِ رحلت بھی تھی۔ یہ وہ حالات و اسباب تھے کہ بیکسوں کے کس، بے سہاروں کے سہارے، بیواؤں کے آسرا، یتیموں کے والی، غریبوں، فقیروں کے ملجا و ماویٰ، اُمت کے غمخوار سیّد الابرار تاجدارِ عرب و عجم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے اس بے بس گھرانے کو اپنے زیرِ کفالت لینے کا پروگرام بنایا تاکہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قلبِ نازنین پر غم و اندوہ کے پے در پے لگنے والے زخموں پر مرہم رکھا جا سکے، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے پیغامِ نکاح بھیجا۔ اس فرحت پرور پیغامِ مسرت کو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مَرْحَبًا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم) کہتے ہوئے دل و جان سے قبول کر لیا چنانچہ ۴ھ ماہ شوال المکرم میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اُمّ المومنین بننے کا عظیم اعزاز نصیب ہو گیا اور ان کے بچے بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی زیرِ تربیت پرورش پانے لگے۔

امہات المومنین میں سے سب سے آخر آپ کی رحلت مبارکہ ہوئی۔ بعض کتب سیرت و تواریخ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سن وصال ۵۹ھ درج ہے اور بعض میں ۶۲ھ ہے، لیکن ۶۲ھ والا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کی مؤید وہ حدیث پاک ہے جس کو حضرت امام ترمذی علیہ الرحمہ نے ایک انصاری صحابی کی زوجہ حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالہ سے نقل فرمایا کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی تو وہ زار و قطار رو رہی تھیں۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا تو ام المومنین نے فرمایا، "میں نے ابھی ابھی خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا سر مبارک اور محاسن شریفہ گرد آلود ہیں (گویا آپ سفر کر کے آئے ہیں) اور آنکھوں میں آنسو ہیں۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) کیا بات ہے کہ آپ رو رہے ہیں؟" تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "میں حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقتل گاہ سے آرہا ہوں انہیں شہید کر دیا گیا ہے (ترمذی)

اسی کی مثل "خصائص کبریٰ" میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مٹی عطا فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ اسے سنبھال کر رکھنا۔ جب یہ مٹی خون بن جائے، تو سمجھ لینا کہ میرا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کر دیا گیا ہے چنانچہ حادثہ کربلا کے روز وہ مٹی خون بن گئی اور اس وقت آپ حیات تھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتب احادیث میں ان سے تین سو اٹھہتر احادیث مروی ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور جنت البقیع مدفن بنا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارکہ تقریباً چوراسی برس کی تھی۔

اقارب حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت خالد بن ولید (سیف اللہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چچا زاد ہمشیرہ تھیں۔ حضرت خالد بن ولید کے دوسرے بھائی ہشام بن ولید اور حضرت ولید بن ولید (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی مسلمان تھے۔

سیدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد

(۱) حضرت سلمہ بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما: یہ آپ کی اولاد میں بڑے بیٹے ہیں، ان ہی کی وجہ سے آپ کی کنیت ام سلمہ ہوئی۔ ورنہ پہلے آپ کو اصلی نام "ہند" سے پکارا جاتا تھا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امامہ بنت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرما دیا تھا ان کی رحلتِ مبارکہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ہوئی۔

(۲) حضرت عمر بن ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ ۲ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف سے فارس اور بحرین کے حاکم رہے۔ ۸۳ھ میں وفات پائی حضرت سعید ابن المسیب اور ابو امامہ بن سہل و عروہ بن زبیر (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

(۳) حضرت زینب بنت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ان کی ولادت حبشہ میں ہوئی تھی۔ ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت یزید پلید کے دور میں ہوئی، جبکہ بحکم یزید اس کے ملعون سپہ سالار مسلم بن عقبہ (مسرف) نے مدینہ طیبہ پر حملہ کیا تھا، اس کو واقعہ "حرۃ" کہتے ہیں۔ (تاریخ مدینہ)

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ یہ ابھی چھوٹی سی بچی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زیر پرورش تھیں۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غسل فرما رہے تھے (خیال رہے کہ رسول نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ تہبند شریفہ باندھ کر غسل فرمایا کرتے تھے، حتیٰ کہ غسل خانہ میں بھی) یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قریب چلی گئیں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیار کے ساتھ ان کے منہ پہ پانی کے چھینٹے پھینکے، جس کی برکت یہ ہوئی کہ ضعیف العمری میں بھی ان کا چہرہ نوجوانوں کی طرح تر و تازہ تھا، اس پہ کبھی بڑھاپے کے آثار نمودار نہ ہوئے

علاوہ ازیں یہ اپنے زمانے کی عورتوں میں سب سے زیادہ فقیہہ تھیں۔ واقعہ "حرہ" میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو بیٹوں نے بھی مسلم بن عقبہ بے دین کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔

(۴) حضرت ام کلثوم بنت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ان کا ذکر تفصیلاً نہ مل سکا، البتہ کتب احادیث میں ان سے حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں شاہ نجاشی کی وفات کا ذکر ہے۔

(۵) درہ بنت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ان کے تفصیلی واقعات بھی میسر نہ آسکے۔ بخاری شریف میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی حدیث پاک میں ان کا ذکر ملتا ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ کیا آپ درہ سے شادی فرمانا چاہتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ نہیں، کیونکہ اگر وہ میری ربیبہ (یعنی بیوی کی بیٹی) نہ بھی ہوتی، تب بھی حلال نہ تھی، کیونکہ اس کا باپ ابو سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میرا دودھ شریک بھائی ہے۔

حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائیوں کے نام زہیر، عامر، عبداللہ اور مہاجر تھے۔ ان میں زہیر غیر معروف ہیں۔ عامر مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔ عبداللہ پہلے دشمن اسلام تھا، پھر بتوفیق الٰہی فتح مکہ سے قبل دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے اور غزوہ فتح مکہ، غزوہ حنین اور طائف میں شریک جہاد ہوئے اور بہادری کے جوہر کھاتے ہوئے طائف میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے، جبکہ حضرت مہاجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شاہ یمن حارث بن عبد کلال کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو یمن کی حکومت پر بھیجا اور حضر موت کا قلعہ حضرت مہاجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے تھے، جبکہ عبداللہ اور معبد بھتیجے تھے۔

(مدارج النبوۃ، بخاری شریف، ترمذی شریف، تاریخ مدینہ، الاستیعاب، اصابہ فی معرفۃ صحابہ)

اُمّ المؤمنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمّ المؤمنین سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نام "برّہ" اور کنیت ام الحکم تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام بدل کر زینب رکھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سلسلہ نسب یوں ہے: زینب بنت جحش بن ایاب بن لیعمر بن صبیرہ بن مرّہ بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمۃ الاسدی۔ ان کی والدہ ماجدہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب تھیں۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا عقد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔ خود حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے پیغامِ نکاح دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم زمانہ جاہلیت کا یہ اثرِ بد زائل فرمانا چاہتے تھے کہ جو اہلِ عرب کے دل میں گھر کر چکا تھا۔ ان کے نزدیک غلام شرفِ انسانیت کا کچھ حصہ نہیں رکھتے تھے جبکہ قرآنِ کریم نے واضح ترین لفظوں میں اعلان فرما دیا کہ: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ
"تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے"

چونکہ حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا عالی نسب تھیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں، صاحب جمال اور نہایت غیرت مند خاتون تھیں، جبکہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پہلی شادی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آزاد کردہ لونڈی سیّدہ اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہو چکی تھی۔ اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا عمر میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہیں زیادہ بڑی تھیں اور ان کے شکمِ اطہر سے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بیٹا اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی پیدا

چکا تھا۔ اندریں حالات حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پیغامِ نکاح کو قبول
نے سے اعراض برتا۔ ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس بارہ
اپنی ہمشیرہ سے متفق تھے۔ چونکہ رسول محترم نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت
ے قبل ہی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد فرما کر اپنی فرزندی میں قبول فرمالیا تھا،
وران پر بے اندازہ لطف وکرم فرماتے تھے، اس لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
ے ارشاد فرمایا کہ "انکار کی گنجائش نہیں، ماننا ہی بہتر ہے۔" سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ
نہا نے عرض کیا کہ "مجھے سوچنے کا موقع دیا جائے۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ حضرت
بریل امین یہ حکم لے کر حاضرِ خدمت ہو گئے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا
اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ (۳۶: الاحزاب)

"اور کسی بھی صاحبِ ایمان مرد وعورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا
رسول کوئی فیصلہ فرما دے، تو اُن کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے
(یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر فیصلہ یا حکم کو
ماننا فرض ہے، انکار کی کوئی گنجائش نہیں) اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اُس
کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی، بیشک وہ کھلی گمراہی میں پڑا۔"

اِس آیہ مبارکہ کے نازل ہونے پر حضرت سیدہ زینب اور ان کے بھائی حضرت
عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، دل وجان سے راضی ہو گئے اور کہا کہ ہماری کیا مجال ہے کہ
ہم اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے درمیان میں لائیں۔ جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے
رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مرضی ہے ہماری بھی وہی رضا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حق مہر وغیرہ

امام محی السنۃ نقل فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دس دینار، ساٹھ درہم، ایک اوڑھنی، ایک پاجامہ، یا تہبند ایک چادر، تقریباً پچاس کلو غلہ اور تقریباً چار من چھوہارے عطا فرمائے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً ایک سال یا کچھ زیادہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہیں۔ اس کے بعد ربِ ذوالجلال نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وأصحابہ وسلم کو مطلع فرمایا کہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی زوجیت میں داخل ہوں گی چنانچہ اس مسبب الاسباب جل شانہٗ نے اس کا سبب یوں بنایا کہ حضرت زید و سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان ناسازگاری پیدا ہوتی۔ بات یہاں تک پہنچی کہ ایک دن حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو طلاق دے دوں

---

[۱] امام بغوی علیہ الرحمہ نے بروایت سفیان بن عیینہ بروایت علی بن زید بن جدعان، حضرت علی بن حسین یعنی امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشادِ گرامی نقل فرمایا کہ "صحیح بات یہی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے ہی سے اطلاع دے دی تھی کہ زید، زینب کو طلاق دے دیں گے اور وہ آپ کی بیوی ہو جائیں گی" (مظہری جلد ۹) اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ، اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیا اور ایک آزاد کردہ غلام کہ جسے بطورِ شوہر قبول کرنا سخت ناگوار تھا، دل و جان سے قبول کر لیا تو ربِ ذوالجلال نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس وفاشعاری اور فرمانبرداری کا کتنا عظیم انعام عطا فرما دیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دنیا و آخرت میں رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نہایت اعلیٰ درجہ کا قرب عطا فرما دیا، یعنی "ام المؤمنین" بننے کے شرفِ عظیم سے مشرف فرمایا۔ ۱۲ منہ

(سبحان اللہ تعالیٰ وبحمدہ)

کیونکہ وہ میرے ساتھ نہایت تند خوئی سے پیش آتی ہیں اور زبان درازی کرتی ہیں اور میرے دل میں بھی اب اُن کی محبت باقی نہیں رہی، اگرچہ میں نے خدا کی قسم ان میں نیکی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ چونکہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو قبل ازیں بارگاہِ ربّ العزت جلّ شانہٗ سے اس امر کی اطلاع مل چکی تھی کہ کیا ہونے والا ہے۔ بایں ہمہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کمال حیار کی وجہ سے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اصل بات کو ظاہر نہ فرمایا، بلکہ ارشاد فرمایا کہ "اپنی بیوی کو طلاق نہ دو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔"

علاوہ ازیں خاطرِ اقدس میں اس خیال سے بھی پریشانی تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے مُنہ بولے بیٹے یعنی متبنیٰ کو اپنے سگے بیٹے کی طرح سمجھتے تھے، وہ نہ صرف اُن کی وراثت کا پُورا پُورا حق دار ہوتا، بلکہ اس کی بیوی کو حقیقی بہو کی طرح اُس کا منہ بولا باپ ہمیشہ کے لئے حرام جانتا، ڈر تھا کہ نہ صرف کفار اس پر طعنہ زنی کریں گے، بلکہ نومسلم افراد بھی تذبذب کا شکار ہو جائیں گے۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ دراصل حضرت زید رضی اللہ عنہ کو روکنے میں اُن کا امتحان مقصود تھا تاکہ واضح ہو جائے کہ اُن کے دل میں اُن کی بیوی کی رغبت باقی ہے یا بالکل ہی متنفر ہو گئے ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم)

القصہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت تو رُک گئے، مگر دوبارہ بارگاہِ قدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ "یا رسُول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) میں نے زینب کو طلاق دے دی ہے۔" اس وقت سُورۃ احزاب کی یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی کہ:

اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۔ (آیت: ۳۷)

"اور جب آپ اُس شخص (زید) سے فرما رہے تھے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے بھی نعمت عطا فرمائی اور آپ نے بھی جسے نعمت عطا فرمائی کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رہنے دو (یعنی طلاق نہ دو)

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے تھے، جسے اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا تھا۔ آپ کو لوگوں (کی طعنہ زنی) کا خوف تھا (کہ لوگ کہیں گے اللہ تعالیٰ کے رسول نے زید کی بیوی کو اپنے نکاح میں لینے کے لیے طلاق دلوا دی) حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔"

امام مسلم، احمد، نسائی، ابویعلیٰ، ابن ابی حاتم، طبرانی اور بغوی (علیہم الرحمہ) نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت نقل فرمائی، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عدت پوری ہو گئی، تو رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی بھیجا کہ جاؤ اور میری طرف سے سیدہ زینب کو پیغامِ نکاح دو۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں اُن کے ہاں پہنچا تو وہ آٹا خمیر کر رہی تھیں (واللہ) اُن کو دیکھتے ہی میرے دل میں اُن کی ایسی عظمت و بزرگی پیدا ہوئی کہ میں اُن کا سامنا کرنے کی تاب نہ لاسکا، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ اب اُم المومنین کے بلند و ارفع مقام پر فائز ہونے والی ہیں۔ چنانچہ میں نے فوراً ان کی طرف اپنی پشت کر لی اور ایڑیوں کے بل مڑ کر اُن سے کہا "اے زینب! مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے پیام دوں۔" حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواباً کہا، "میں اپنے اللہ تعالیٰ سے مشورہ کیے بغیر کچھ نہیں کروں گی۔" اس کے بعد وہ اُٹھیں اور نماز پڑھنے کی جگہ پر تشریف لے گئیں۔

مدارج النبوۃ میں ہے کہ "بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا دو رکعت نماز پڑھ کر سجدہ میں چلی گئیں اور عرض کیا: "اے میرے مولیٰ تعالیٰ! تیرے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میری خواستگاری فرمائی ہے۔ اگر میں اس لائق ہوں تو مجھے ان کی زوجیت عطا فرما۔" [1]

[1] شاید اس کا سبب یہ بھی ہو کہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا غیرت مند اور کچھ تیز مزاج

(باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

الغرض ربِ ذوالجلال نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی التجا کے جواب میں آیہ مبارکہ نازل فرمادی:-

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ (سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۷)

"پھر جب زید کا دل اس سے بھر گیا (اور اس نے طلاق دے دی) تو ہم نے اس کو (حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو) آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے نکاح میں دے دیا تاکہ اہلِ ایمان پر (ان کے لئے پالک بیٹوں اور ان کی مطلقہ یا بیوہ) بیویوں سے (نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہ رہے۔ جب ان کی بیویوں سے ان کا کام ختم ہو چکا ہو (یعنی طلاق ہو چکی ہو) اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، جیسے ناقد ہو کر ہی رہنا ہے۔"

جب مذکورہ بالا آیہ کریمہ نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین کو اس کی اطلاع دی اور آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خادمہ حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوڑتی ہوئی گئیں، اور سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ خوش خبری سنائی۔ اس بشارتِ عظمیٰ پر سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس قدر خوشی ہوئی کہ وہ تمام زیورات جو کہ آپ نے پہن رکھے تھے، حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عطا فرما دیئے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر ادا کرتے ہوئے بطورِ شکرِ نعمت، دو ماہ کے روزے رکھنے کی منت مانی۔

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ: خاتون تھیں (جیسا کہ قرآن سے عیاں ہے) وہ ڈرگئی ہوں کہ بحیثیت زوجہ بارگاہِ اقدس میں رہتے ہوئے خدانخواستہ کوئی ایسا کلمہ زبان سے نکل جائے جو خرمنِ ایمان کو جلا کر خاکستر بنادے، ورنہ اگر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں گنجائش انکار نہیں، تو حضور نبی اکرم رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیونکر ہو سکتی ہے؟ (واللہ تعالیٰ اعلم) ۱۲ منہ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دُوسری بیویوں پر فخر کرتی اور فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمہارے گھر والوں نے کرایا، جبکہ میرا نکاح سات آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ نے کرایا۔

دوسری روایت کے مطابق سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ مُیرے نکاح کا ولی اللہ تعالیٰ ہوا اور تمہارے نکاح تمہارے اولیاء (باپ، دادا اور بھائی وغیرہ) نے کراتے۔"

امام محی السنۃ بحوالہ امام شعبی نقل فرماتے ہیں: حضرت سیدۃ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کرتی تھیں کہ مجھے آپ کے سلسلہ میں (دُوسری بیویوں پر) تین باتوں میں امتیاز حاصل ہے، جو کسی دُوسری ام المومنین کو میسر نہیں۔ یعنی میرا اور آپ کا دادا محترم ایک ہے۔ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ آسمان پر کیا۔ میرے نکاح کے سفیر جبریل امین (علیہ السلام) ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جیسا ولیمہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کیا، ایسا ولیمہ کسی اور کا نہ فرمایا۔ آپ کے ولیمہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بکری ذبح فرمائی اور مسلمانوں کو پیٹ بھر کر گوشت اور روٹی کھلائی۔ (پورا مضمون بحوالہ: بخاری۔ مسلم۔ نسائی۔ احمد ابن ابی حاتم طبری۔ دار قطنی۔ ابن جریر۔ مظہری۔ مدارج النبوۃ۔ روضۃ الاحباب۔ ابن ہشام)

شیخ محقق الشاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ پردہ کی مشروعیت بھی اسی قصہ میں وارد ہوئی (یعنی قبل ازیں مسلمان عورتیں مردوں سے پردہ نہیں کیا کرتی تھیں) اور یہ قصہ اسی طرح مذکور ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ محققین کے نزدیک یہی معتبر و ثابت ہے۔ بعض اہل سیر و اہل تفسیر و تواریخ یہ واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں جو

نہ تو واقعہ کے مطابق ہے اور نہ ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ عالی قدر کے لائق ہے۔ محققین اس کو مفسرین کی غلطیوں میں شمار کرتے ہیں۔ یہ قصہ حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے قصہ کا کچھ حصہ حضرت داؤد علیہ السلام کا اوریا کا قصہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری کے گم ہو جانے کا قصہ۔ یہ سب قصے اہلِ تحقیق کے نزدیک متروک و مخطو اور طریقۂ صدق و صفا اور ادائے ادب سے دور ہیں

اسرائیلی مشینری (یہود و نصاریٰ) نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قصۂ نکاح میں خوب خوب رنگ بھرے اور یہ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی کہ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ تعالیٰ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر شیدا ہو گئے تھے اور اپنے منہ بولے بیٹے سے طلاق دلوا کر خود شادی رچالی۔

نعوذ باللہ من ذالک، سبحانک اللھم ھذا بھتان عظیم۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری اس کا جواب دیتے ہوئے خوب فرماتے ہیں :۔

"جب حضرت زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا اس وقت اُن کی عمر چھتیس ۳۶ سال کی تھی اور اسلام میں حجاب کا حکم اُس وقت تک نازل نہ ہوا تھا، ان دونوں فقروں (یعنی باتوں) کو یاد رکھنے کے بعد کوئی بھی شخص اس لغو داستان کو باور نہ کر سکے گا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے حسن کو یکایک دیکھ کر اُن پر مائل ہو گئے تھے۔ زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی پھوپھی کی بیٹی ہیں، آنکھوں کے سامنے پلیں بڑھیں۔ اُن کی شکل و صورت کیونکر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پوشیدہ رہ سکتی تھی خصوصاً جبکہ پردے کا حکم بھی جاری نہ ہوا تھا۔ پھر چھتیس ۳۶ سالہ عورت کا حُسن، اور وہ بھی عرب جیسے گرم ملک کی عورت کہ جہاں عورتوں کا شباب جلد ڈھل جاتا ہے، ایسا کیونکر مانا جا سکتا ہے کہ زید (ایک آزاد کردہ غلام کہ جو قبل ازیں اُم ایمن (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جیسی بیوی کے ساتھ

کہ جو عمر میں زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو چند بڑی تھیں، جو بیوہ اور حبشی الاصل تھیں، ان کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے (۵) تو اس (حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے بیزار ہو جائے اور سید الانبیاء، امام الاتقیاء (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس پر شیفتگی کا اظہار کریں۔ عقل، عادت، تجربہ اور مشاہدہ ایسی واہی تباہی باتوں کے انکار کے کافی ہے۔"

("رحمۃ للعالمین" جلد ثانی)

نکاح زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسلامی تعلیمات پر اثر

(۱) غلامی کی ذلت: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پوری نوع انسانیت کے نجات دہندہ بن کر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آدمیت کا بول بالا کر دیا، اولادِ آدم کو غلامی کی ذلت و پستی سے نکال کر عزت و عظمت کا تاج پہنا دیا۔ دنیا والوں کو صاف صاف بتا دیا کہ انسان اپنی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوتا ہے پھر لوگ اسے غلام بنا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور کسی عربی کو عجمی پر، گورے کو کالے پر، کسی آزاد کو غلام پر یا کسی اونچے خاندان والے کو ادنیٰ قبیلہ والے پر کوئی فضیلت نہیں، اس کے حضور وہی زیادہ عزت و شرف والا ہے، جو زیادہ صاحبِ تقویٰ ہے۔ اس کا عملی مظاہرہ اس کائناتِ ہستی میں خدائے واحد القہار کے بعد یعنی پوری مخلوقات میں سب سے زیادہ عزت و اختیار رکھنے والے حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سگی پھوپھی کی بیٹی کا نکاح بازارِ مکہ میں بکنے والے ایک غلام کے ساتھ کر کے فرمایا —— اللہ اکبر!

(۲) اطاعتِ رسول اور اس کا ثمر: اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ارشادِ ذی شان کہ: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء ۶۴)

"اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا، مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے"

کی شاندار تصویر سامنے آئی کہ جب اللہ تعالیٰ کے رسُول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کوئی حکم صادر فرما دیں گے، تو پوری مخلوق میں سے کسی کو نافرمانی کا حق حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا حکم سب احکامات پر غالب و فائق ہے۔ اور یہ وہ فیصلہ ہے جسے چیلنج نہیں کیا جا سکتا، اور پھر دل و جان سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے فیصلہ کو قبول کر لیتا ہے، رب تعالیٰ جل شانہٗ اس کے اخلاص اور تقویٰ کے مطابق اسے دونوں جہانوں میں عزت و سربلندی عطا فرما دیتا ہے۔

(۳) **مُتبنّیٰ کی رسم کا بُطلان:** اسلام سے زمانۂ جاہلیت میں متبنّیٰ (یعنی مُنہ بولا بیٹا) بنانے کا رواج تھا۔ وہ بچہ اپنے منہ بولے باپ کا بیٹا کہلاتا اور اُس کی وراثت کا حقدار مانا جاتا۔ اسلام نے اِس رسمِ بد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ قرآن کریم نے حکم دیا کہ اولاد کو ان کے اصلی والد کی طرف منسوب کرو کسی دُوسرے کی طرف منسوب کرو جبکہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: (مفہوم حدیث) "جو اپنے آپ کو اپنے والدِ حقیقی کی بجائے کسی اور کی طرف منسوب کرے، وہ جہنّمی ہے۔"

وراثت کے حقدار اصلی رشتہ دار ہیں نہ کہ بناوٹی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہٗ نے اس رسم کے اختتام کی ابتداء اپنے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سے فرمائی، تاکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا عمل مبارکہ پوری اُمت کے لئے اُسوۂ حسنہ بنے۔

(۴) **احکامِ پردہ** ان ہی کے دعوتِ ولیمہ کے موقع پر نازل ہوئے، جن کو اسلام میں بہت ہی اہمیت حاصل ہے۔ گویا بے راہ روی کا اعلیٰ انداز میں سدِباب فرمایا۔

سیدہ زینب کی رحلتِ مُبارکہ

حضرت سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سے ۵ھ میں ہوا، اس وقت ان کی عمر مبارکہ چھتیس ۳۶ برس تھی، جبکہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی عمر شریفہ ستاون ۵۷ برس کی تھی۔ حضرت

زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چھ سال خدمتِ نبوی میں گزارے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصالِ مبارک کے بعد دس سال زندہ رہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اَطْوَلُکُنَّ یَدًا اَسْرَعُکُنَّ۔

"یعنی تم میں سے جس کے ہاتھ لمبے ہیں، وہ تم سب سے پہلے سبقت کرنے والی ہے۔"
مطلب یہ کہ میرے اس دنیا سے جانے کے بعد تم سب سے پہلے وفات پا جائے گی۔

اس کے بعد ازواجِ مطہرات نے بانس کا ٹکڑا لے کر اپنے اپنے ہاتھوں کو ماپنا شروع کر دیا تاکہ پتہ چلے کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھ دراز ہیں۔ اور جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلتِ مبارکہ کے بعد ازواجِ مطہرات میں سے سب سے اوّل سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی تو تب پتہ چلا کہ دراصل لمبے ہاتھوں سے مراد کثرت کے ساتھ خیرات کرنے والی ہے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے ہاتھوں سے محنت کرتیں اور حاصل ہونے والی مزدوری صدقہ وخیرات فرما دیتیں۔

مروی ہے کہ جب ان کی وفات کی خبر حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہنچی تو آپ نے فرمایا، ذَھَبَتْ حَمِیْدَۃٌ مُّفِیْدَۃٌ مَفْزُوعَۃُ الْیَتَامٰی وَالْاَرَامِلِ۔
"پسندیدہ خصلت والی، فائدہ دینے والی، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرنے والی دنیا سے چلی گئی۔"

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلتِ مبارکہ مشہور قول کے مطابق ۲۰ ھ میں ہوئی۔ اس وقت عمر شریف تقریباً باون ۵۲ برس کی تھی۔ ان کی نماز جنازہ سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور اعلان کروایا کہ اہلِ مدینہ اپنی ماں کی نماز جنازہ میں حاضر ہوں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزارِ مقدس جنت البقیع شریف میں ہے۔

ان سے مرویات کی تعداد گیارہ ہے۔

اقارب

اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تین بھائی حضرت عبداللہ، حضرت ابو احمد عبداللہ اور عبید اللہ تھے، (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جبکہ تین ہی بہنیں تھیں: سیّدہ زینب، اُمِ حبیبہ اور حضرت حمنہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

(۱) حضرت سیّدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ: نہایت قدیم الاسلام ہیں ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ ان کو ۲ھ میں حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بطنِ نخلہ کی جانب بارہ[۱۲] مہاجرین پر کمانڈر بنا کر بھیجا اور امیر المومنین کے معزز لقب سے سرفراز فرمایا۔ بدر اور اُحد میں شریکِ جنگ ہوئے اور اسی جنگِ اُحد میں درجۂ شہادت پر فائز ہو کر اسداللہ و رسولہٗ سیّدنا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں مدفون ہوئے۔ مزارِ مقدس جبلِ اُحد کے دامن میں آج بھی زیارت گاہِ خلائق ہے۔

حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میدانِ اُحد میں جنگ شروع ہونے سے قبل حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے کہا کہ آؤ ہم اپنے اللہ تعالیٰ سے اپنی اپنی آرزوؤں کی دُعا کریں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ ہم ایک کنارہ کی طرف ہو گئے۔ پہلے میں نے دُعا مانگی کہ اے اللہ تعالیٰ! کل جب ہم دشمن کے مقابل ہوں تو میرا مقابلہ ایسے شخص سے ہو جو حملہ میں بھی سخت اور مدافعت میں بھی ماہر ہو۔ میں اور وہ لڑ پڑیں، میرا لڑنا صرف اور صرف تیری رضا کے لئے ہو پھر فتح پاؤں اور اُس کافر کو قتل کر کے مالِ غنیمت حاصل کروں۔ میری اس دُعا پر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا آمین! پھر انہوں نے اپنے لئے یہ دُعا مانگی: اَللّٰھُمَّ ارزقنی غدًا رجلاً شدیدًا باسہ شدیدًا احرہ أقاتلہ فیک ویقاتلنی فیقتلنی ثم یاخذنی فیجدع انفی واذنی فاذا لقیتک قلت یا عبداللہ فیم جدع انفک واذنک فاقول فیک وفی رسولک فیقول صدقت۔

"اے میرے اللہ تعالیٰ! کل میرا مقابلہ ایسے آدمی کے ساتھ ہو جو سخت لڑائی کرنے والا اور دفاع کرنے والا ہو، ہم دونوں لڑ پڑیں، میرا لڑنا صرف تیری رضا کے لیے ہو، پھر وہ مجھے قتل کر ڈالے پھر وہ میری ناک اور کان کاٹ ڈالے پھر جب میں تیرے حضور حاضر ہوں تو تُو فرمائے اے عبداللہ تیری ناک اور کان کیوں کاٹے گئے، تب میں عرض کروں اے اللہ تعالیٰ! یہ تیری راہ میں اور تیرے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی راہ میں کاٹے گئے، تو پھر تُو ارشاد فرمائے کہ ہاں تو نے سچ کہا ہے"

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی دعا پر میں نے بھی آمین کہا، پھر دوسرے دن جب لڑائی شروع ہوئی، تو ہم دونوں کی دعائیں اس طرح قبول ہوئیں کہ جس طرح مانگی تھیں۔ (خمیس)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی۔ شام کو میں نے دیکھا کہ کفار نے ان کے کان اور ناک کاٹ کر ایک دھاگے میں پروئے ہوتے ہیں۔ (اصابہ)

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(۲) حضرت ابو احمد عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: آپ نابینا تھے اور بہترین شاعر تھے۔ نابینا ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو مرتبہ ہجرت کی۔ ایک مرتبہ تو حبشہ کی طرف، جبکہ دوسری مرتبہ مدینہ منورہ کی طرف۔ ان کے گھر میں ابو سفیان کی بیٹی فارعہ تھی۔ اس اعتبار سے یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہم زلف بنتے ہیں انہوں نے ۲۰ھ میں اپنی ہمشیرہ محترمہ اُمّ المومنین سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد وفات پائی۔ ہجرتِ مدینہ طیبہ کے سلسلہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار بہت مشہور رہیں۔

(۳) عبیداللہ بن جحش: یہ بدنصیب بھی مسلمان ہو کر اپنے بھائیوں کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت کر گیا تھا، مگر شراب کی عادتِ بد اس کو لے ڈوبی۔ یہ عیسائی ہو کر شراب کے

تشے میں دھت رہتا تھا اور اسی حال میں مرگیا۔ اس کی زوجیت میں حضرت اُمِّ حبیبہ بنتِ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو خاوند کے مُرتد ہوجانے کے باوجود دامنِ اسلام سے وابستہ رہیں، جن کو عبیداللہ بن جحش کے مرنے کے بعد امّ المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

اُمّ المؤمنین کی ہمشیرانِ محترم (رضی اللہ تعالیٰ عنھن)

(۱) حضرت حبیبہ المعروف اُمِّ حبیب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا:۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں تھیں۔

(۲) حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا: یہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ جب آپ میدانِ احد میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوگئے، تو اُن کا نکاح حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا، ان سے دو بیٹے محمد اور عمر پیدا ہوئے۔

(۹) اُمّ المؤمنین حضرت سیدہ جویریہ بنت الحارث (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کا نام حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن خزیمہ تھا، جو بنو خزاعہ کی ایک شاخ بنو مصطلق سے متعلق ہیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نام "برّہ" تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تبدیل فرماکر جویریہ رکھ دیا جیسا کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام "برہ" کی بجائے زینب رکھ دیا تھا۔ برّہ کا لفظی معنی نیکی ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس نام کو اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ کوئی یہ کہے کہ ہم "برّہ" کے پاس سے نکل آئے ہیں یا یہ کوئی کہے کہ اس گھر میں "برہ" نہیں ہے۔

حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۵ھ میں غزوہ مریسیع (بنو مصطلق)

میں گرفتار ہو کر آئیں اور تقسیم غنائم میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مکاتب[1] بنا دیا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بدلِ کتابت مانگنے کے لیے حضور رحمۃ للعالمین ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ انور میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، میں مسلمان ہو چکی ہوں، میں اپنے قوم کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں، مجھے ثابت بن قیس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے مکاتب بنایا ہے، میں اس لئے حاضر ہوتی ہوں کہ میں اس قدر رقم ادا نہیں کر سکتی۔ میں امید رکھتی ہوں کہ آپ (اپنی شانِ کریمی کے لائق) تعاون فرمائیں گے"۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا یہ ٹھیک نہیں کہ میں اس سے بھی بہتر سلوک کروں؟" انہوں نے عرض کیا کہ "وہ کیا؟" تو ارشاد فرمایا: "اگر تو چاہے تو تیری طرف سے بدلِ کتابت ادا کر کے تجھے آزاد کر دوں، پھر تجھے اپنی زوجیت میں لے لوں؟ (دراصل حضور رحمتِ عالم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی سے اُس کے شایانِ شان سلوک فرمانا چاہتے تھے، حالانکہ اُس زمانہ میں قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا اسی لئے اُن سے یہ ارشاد فرمایا تھا) حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ سُنا تو بہت خوش ہوئیں اور اس پیشکش کو دل و جان سے قبول کر لیا۔ چنانچہ حضور نبی اکرم رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدلِ کتابت ادا فرما کر، حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے حبالہ عقد میں لے لیا۔ ایک روایت کے مطابق چار سو درہم حق مہر قرار دیا۔ مرقوم ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس صورتِ حال سے

---

[1] مکاتب سے مراد یہ ہے کہ:۔ آقا اپنے کسی غلام کو یہ اختیار دیتا ہے کہ اگر وہ غلام اس قدر رقم کما کر اپنے آقا کو دے دے تو وہ آزاد ہے۔ اس بات کو عموماً تحریر کر لیا جاتا۔ جو رقم مقرر ہوتی اسے بدلِ کتابت یا زرِ کتابت کہا جاتا ہے۔ ۱۲

باخبر ہوئے تو باہم کہنے لگے ہمیں یہ بات ہرگز زیب نہیں دیتی کہ جن کو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حرمِ محترم میں داخل فرما کر اُمّ المومنین کے بلند مرتبہ پر فائز فرما دیا ہے ہم اُن کے رشتہ داروں کو اپنی قید میں رکھیں، یہ سوچ کر صحابہ کرام نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ ان کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ فَمَا رَأَيْنَا امْرَأَةً أَعْظَمُ بَرَكَةً عَلٰى قَوْمِهَا مِنْهَا (ابوداؤد، بیہقی)

" میں کسی عورت کو نہیں جانتی، جو اپنی قوم کے لئے ان (جویریہ) سے بڑھ کر برکت والی ہو"

سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پہلی شادی مسافع بن صفوان مصطلق کے ساتھ ہوئی جب یہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئیں تو اُن کی عمر بیس ۲۰ سال کی تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہونے سے قبل میں نے اپنے قبیلہ میں ایک خواب دیکھا تھا کہ مدینہ طیبہ کی طرف سے ایک چاند طلوع ہو کر میری طرف آرہا ہے یہاں تک کہ وہ میری آغوش میں آگیا ہے۔ میں نے یہ خواب کسی کو نہ بتایا، بلکہ خود ہی اس کی تعبیر لی جو الحمد للہ پوری ہو گئی۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت درجہ عابدہ زاہدہ اور صائم النہار تھیں۔ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر سے صبح نماز فجر کے لئے تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ مصلی پر تھیں۔ بوقتِ چاشت جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے، تو یہ ابھی تک مصلی پر ہی بیٹھی تھیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تم اسی وقت سے یہاں بیٹھی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں! تو فرمایا جس وقت میں تمہارے پاس سے گیا ہوں، چار کلماتِ مقدسہ ایسے پڑھے ہیں کہ اگر ان کو تمہارے اس ورد سے موازنہ کیا جائے، تو وہ وزنی نکلیں اور وہ یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ (بخاری)

مقصود یہ تعلیم دینا تھا کہ دوسرے اوراد کے ساتھ ان کو بھی اپنے ذکر میں شامل کر لینا چاہیے۔ (مدارج النبوۃ)

حضرت سیدہ ام المومنین جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت مبارکہ ۵۰ھ کو مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر شریفہ پینسٹھ برس کی تھی۔ ان کی نماز جنازہ مردان نے پڑھائی جو کہ اس وقت حاکم مدینہ تھا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرویات کی تعداد سات ہے، جن میں دو کو امام مسلم، دو کو امام بخاری اور تین دیگر محدثین نے نقل فرمائی ہیں۔

اقارب

کتب سیر سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دو بھائیوں عبداللہ بن حارث اور عمر بن حارث، جبکہ ایک بہن عمرہ بنت الحارث کا ذکر ملتا ہے یہ سارے صاحب ایمان ہوئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ مریسیع (بنو مصطلق) کے بعد اپنی قوم کے قیدیوں کی رہائی کے لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور گفتگو کرنے آئے تھے۔ ان کے ساتھ کچھ اونٹنیاں (مادہ شتر) اور ایک حبشی لونڈی تھی۔ یہ راستے میں آتے ہوئے ان سب کو پہاڑ کی گھاٹی میں چھپا آئے۔ جب انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اسیران جنگ کے بارے میں گفتگو کی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ "تم فدیہ کے لئے کیا لے کر آئے ہو؟" عبداللہ نے کہا "کچھ بھی نہیں، میں تو خالی ہاتھ آیا ہوں"۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وہ اونٹنیاں کیا ہوئیں؟ اور وہ لونڈی کدھر گئی؟ جسے تم پہاڑ کی گھاٹی میں چھپا کر آئے ہو" اس پر حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت حیران ہوئے اور کہا:

"میرے ساتھ تو کوئی بھی شخص نہ تھا اور نہ ہی کوئی آنے والا مجھ سے قبل اس طرف سے آیا ہے۔ جس نے آپ کو بتایا ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ یہ کہتے ہوتے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بجان و دل اسلام قبول کر لیا۔

(کتاب الاستیعاب)

(۱۰) اُمّ المؤمنین حضرت سیدہ صفیہ بنت الحیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُم المومنین حضرت سیدہ صَفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کا نام حیّ بن اخطب بن شعبہ تھا۔ یہ حضرت سیدنا ہارون علیہ السّلام کی اولاد میں سے تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ کا نام بَرّہ بنت سموال یاسمال تھا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ، حیّ بن اخطب قبیلہ بنو نضیر کا سردار اور رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمنوں میں سے ایک تھا۔ اللہ ربّ العزت جلّ شانہٗ کی شانِ بے نیازی ہے کہ جس طرح بدترین دشمنانِ اسلام ابوجہل اور ولید بن مغیرہ، رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے بیٹوں حضرت عکرمہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اسلام کے نامور سپوت بنادیا۔ اسی طرح دشمنِ اسلام حیّ بن اخطب کی لختِ جگر حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اُمّ المؤمنین بننے کا شرفِ عظیم عطا فرمادیا۔ (ذٰلک فضل اللہ یُوتیہِ من یّشآء من عبادہٖ)

سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پہلی شادی سلام بن مشکم کے ساتھ ہوئی، جبکہ دُوسرا نکاح یہودیوں کے سردار کنانہ بن ربیع بن الحقیق کے ساتھ ہوا۔ کنانہ غزوہ خیبر میں اہلِ ایمان کے ہاتھوں مارا گیا۔ فتحِ خیبر کے بعد قیدیوں اور مالِ غنیمت میں حضرت سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں، ان کی عمر ابھی صرف سترہ برس کی تھی اور نئی نئی شادی ہوئی تھی۔

(یُوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پہلی شادی سلام بن مشکم سے بہت چھوٹی عمر میں ہوئی ہوگی)

جب مالِ غنیمت اور قیدی تقسیم ہوئے تو سیّدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصّہ میں آگئیں۔ اس پر صحابہ کرام میں ایک بے چینی سی پھیل گئی کہ خیبر کے سردار کی بیٹی ایک صحابی کے حِصّہ میں آگئی ہے، حالانکہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کسی بھی قبیلہ کے سردار کا اکرام و لحاظ فرمایا کرتے تھے، اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو؛

علاوہ ازیں حضرت صفیہ، حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں، اولادِ نبی ہونے کے اعتبار سے لائق ترین بات یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم ان کو اپنے لیے منتخب فرمالیں، لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو جو چاہیں سلوک فرمائیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ صفیہ کے علاوہ کسی اور قیدی کا انتخاب کر لو۔ بعض روایتوں کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے سات باندیوں کے عوض جبکہ عند البعض حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچا کی بیٹی کے عوض۔ (مدارج النبوۃ) حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے لیا اور حکم دیا کہ ان کو خیمہ میں لے جاؤ۔ اس کے بعد خود رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم خیمہ میں تشریف لائے، تو سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہ تعظیم فوراً کھڑی ہو گئیں اور وہ بستر جو خیمہ میں لپیٹ کر رکھا ہوا تھا، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے بچھا دیا اور خود نہایت ادب سے زمین پر بیٹھ گئیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "اے صفیہ! تمہارے والد نے میرے ساتھ ہمیشہ دشمنی اور عداوت رکھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا" انہوں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کسی ایک بندے کے گناہ پر کسی دوسرے کی گرفت نہیں فرماتا۔" اس کے بعد حضور سید الکونین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "اے صفیہ! تم کو اختیار ہے کہ تم آزاد ہو کر اپنی قوم کے پاس چلی جاؤ اور اگر چاہو تو شرفِ اسلام سے مشرف ہو کر میری خدمت میں رہو۔" حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ غایت درجہ عاقلہ و فرزانہ اور حلیم الطبع تھیں، عرض گزار ہوئیں: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم! میں اسلام کی آرزومند تھی اور اب بھی ہوں، میں نے آپ کی تصدیق اُس وقت کی جب نہ تو ابھی حاضرِ خدمت ہوئی تھی، اور نہ ہی آپ نے مجھے دعوتِ اسلام دی تھی، اب جبکہ حاضرِ خدمتِ اقدس ہو چکی ہوں تو مجھے کفر و اسلام کے درمیان اختیار دیا جا رہا ہے

مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! میرے نزدیک اپنی آزادی اور قوم کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم) کہیں زیادہ محبوب ہیں۔" اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد فرما دیا اور ان کی رضا کے مطابق ان سے عقد فرما لیا۔

منقول ہے کہ حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے غزوۂ خیبر کے وقت ایک خواب دیکھا تھا کہ چودھویں رات کا چاند میری آغوش میں آگیا ہے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ خواب اپنے (سابقہ) شوہر کنانہ کو سنایا تو اُس نے کہا:
"شاید تو یہ خواہش رکھتی ہے کہ تو اس بادشاہ (یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی بیوی بنے جو اس میدان میں فروکش ہے۔" یہ کہتے ہوئے اُس لعین نے ایک طمانچہ اتنے زور سے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رخسار پر مارا کہ اُن کی آنکھ نیلی ہو گئی (یہی بات حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسلام لانے کا باعث بنی کہ وہ نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کو پہچان چکی تھیں۔ اس خواب کی مزید تصدیق اس وقت ہو گئی، جب بارگاہِ اقدس میں شرفِ حاضری نصیب ہو گیا) شبِ زفاف میں بھی کنانہ کے طمانچہ کا اثر سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رخسارۂ اقدس پر نمایاں تھا۔ رسُولِ محترم نبیٔ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا سبب دریافت فرمایا تو حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ساری حقیقت حال بیان کر دی۔ (مدارج النبوۃ)

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ جب لشکر کی واپس مدینہ طیبہ روانگی کا وقت آیا اور بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سواری پیش کی گئی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پائے مبارکہ رحلہ پر رکھا تا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ران مبارک پر اپنا پاؤں رکھ کر اونٹ پر سوار ہو جائیں، مگر سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ادب کو ملحوظِ خاطر رکھا اور پاؤں کی بجائے اپنا زانو

ران مبارک پر رکھ کر سوار ہو گئیں۔ حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے سوار کروایا اور پردہ باندھا۔

اُم المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ولیمہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حیس (ایک قسم کا کھانا) تیار کروایا، جو مقدار میں اگرچہ کم تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برکت اور اعجاز سے تمام لوگ شکم سیر ہو گئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ولیمہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بڑی عزت و شان والا تھا۔ حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ بہت ہی مشفقانہ سلوک فرماتے تھے۔

حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ منورہ پہنچیں، تو انصار کی عورتیں اُن کو دیکھنے کے لئے جمع ہو گئیں کیونکہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حسن و جمال کا شہرہ انہوں نے پہلے ہی سن رکھا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی نقاب اوڑھے چادر لپیٹے (تاکہ پہچانی نہ جا سکیں) حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھنے آئیں۔ جب وہ واپس لوٹیں، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُن کے پیچھے تشریف لے گئے اور فرمایا "اے حمیرا! تم نے صفیہ کو کیسا پایا؟" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: "ایک یہودیہ کو عورتوں کے درمیان بیٹھے ہوئے دیکھا ہے" حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! ایسے نہ کہو، کیونکہ وہ اسلام قبول کر چکی ہیں اور ان کا اسلام حُسنِ قبول بن گیا ہے۔

حضرت اُم المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہایت وفاشعاری اور جاں نثاری کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ زمانہ علالت میں جبکہ تمام ازواجِ مطہرات حاضرِ خدمت تھیں۔ حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہایت غمزدہ عالم میں عرض کیا کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم،

خدا کی قسم! میں محبوب رکھتی ہوں کہ آپ کا مرض مجھے لگ جائے (اور میں آپ قربان ہو جاؤں)
اس پر دیگر تمام ازواج مطہرات نے آپس میں ایک دوسری کے ساتھ ان کے بارے میں
باتیں کیں۔ جب اس بات کا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا تو رسول کریم
علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس پر اظہارِ کراہت و ناراضگی فرمایا اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی قسم!
صفیہ اپنے دعوے میں سچی ہے۔"

منقول ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدہ صفیہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے، تو وہ رو رہی تھیں۔ حضور نبیِ کائنات
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رونے کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کی کہ
فلاں فلاں ازواجِ مطہرات میرے پاس آئیں اور مجھے کہا کہ "ہم تجھ سے بہت بہتر ہیں کیونکہ
ہمارا نسب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے۔" حضور نبیِ محتشم رسولِ اکرم
رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔
"تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ تم مجھ سے کس طرح اعلیٰ ہو سکتی ہو، جبکہ میرے باپ حضرت ہارون
علیہ السلام، میرے چچا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور میرے بھی شوہر حضرت سیدنا
محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

اُمّ المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلتِ مبارکہ ۳۶ھ میں ہوئی۔
بعض نے کہا کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔
اور اِن کی نمازِ جنازہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی، جبکہ
عند البعض سنِ رحلت ۵۲ھ یا ۵۵ھ بھی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں انتقال فرمایا،
اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ ان کی روایت سے صرف دس حدیثیں منقول ہیں جن
میں صرف ایک متفق علیہ ہے۔

(۱۱) اُمّ المؤمنین سیّدہ میمُونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ام المؤمنین سیدہ میمُونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد کا نام حارث بن بجیر بن محرم بن روبیہ عبداللہ بن ہلال بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن تھا۔ اِن کا نسب اٹھارہویں پشت میں جاکر رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سے مل جاتا ہے۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام ہند بنت عوف تھا۔ یہ قبیلۂ حمیر یا کنانہ سے تھیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا نام بھی حضرت زینب و حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرح برہ تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے تبدیل فرما کر یمن بمعنی برکت سے ماخوذہ میمونہ رکھا۔

زمانۂ جاہلیت میں حضرت سیدہ میمونہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا نکاح مسعود بن عمر ثقفی سے ہوا، مگر نا اتفاقی کی وجہ سے علیحدگی ہوگئی۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حویطب بن عبدالعزیٰ سے ہوا۔ بعدازاں اُن کی شادی ابورہم بن عبدالعزیٰ سے ہوئی۔ ۷ھ کو جب رسُولِ محتشم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم عمرۃ القضاء کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم میں عرض کیا کہ میمونہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بیوہ ہوگئی ہیں (خیال رہے کہ سیدہ میمونہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اُم الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ ہیں) چنانچہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ان کی خواہش کے مطابق ماہِ ذی القعدہ ۷ھ میں مقام "سرف" میں ان سے نکاح فرمالیا۔ اس وقت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر مبارکہ ۳۶ برس تھی، جبکہ تاجدارِ انبیاء محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی عمر مبارکہ ۵۹ سال تھی۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تقریباً سوا تین برس خدمتِ نبوی کا شرف حاصل ہوا۔

وفات: حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلتِ مبارکہ مشہور تر قول کے مطابق سنہ ۵۱ھ ہے، البتہ بعض کتب میں سنہ ۶۲ھ یا سنہ ۶۳ھ بھی درج ہے۔ آخری قول پر اعتبار کیا جائے تو امہات المومنین میں سب سے آخر میں وفات پانے والی آپ ہی بنتی ہیں، حالانکہ نہایت مشہور قول یہ ہے کہ امہات المومنین میں سب سے آخر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال شریفہ ہوا (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

مرقدِ انور: یہ عجیب اتفاق ہے کہ ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح، زفاف اور وفات سب مقامِ "سرف" میں ہوئے۔

"سرف" شہر مکۂ مکرمہ سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے، وہاں برلب سڑک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزارِ مقدس[1] ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نمازِ جنازہ آپ کے بھانجے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پڑھائی اور ان کے ساتھ مل کر دوسرے بھانجوں نے بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قبر میں اتارا۔ (مدارج النبوۃ)

حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی نکاح نہیں فرمایا۔ اس اعتبار سے یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آخری زوجہ مطہرہ ہیں۔

کتبِ احادیث میں ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۷۶ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

اقارب: سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چار حقیقی ہمشیران گرامی قدر اور چار صرف ماں کی طرف سے ہیں۔ اِن کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے:

حقیقی ہمشیران: (۱) حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا محترم

---

[1] یہ بندۂ ناچیز مؤلف کتاب ہذا محمد سعید الحسن ۱۸ سنہ ۱۴ھ کو سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزارِ مقدس کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہاں چار دیواری بنی ہوئی اور اندر جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں، قبرِ انور کا معمولی نشان پتھروں کی بنی دیوار سے نظر آتا ہے۔ ۱۲ منہ

حضرت سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ ان کی اولاد میں سب سے زیادہ شہرت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ملی۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صاحبزادی حضرت لبابہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دودھ کی ماں تھیں۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت مبارکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی اور آپ کی نمازِ جنازہ بھی حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔

(۲) لبابہ الصغریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: یہ مشہور سردارِ مکہ ولید بن مغیرہ کی زوجیت میں تھیں۔ ان کی اولاد میں سب سے زیادہ شہرت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی۔ (انہیں سیف اللہ کا خطاب حاصل تھا) اربابِ سیر کے مطابق لبابہ الصغریٰ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنے بیٹے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحابیہ تھیں۔

(۳) عصماء بنت الحارث: یہ ابی بن خلف کی زوجیت میں تھیں۔

(۴) عزّہ بنت الحارث: ان کے خاوند کا نام تھا: زیاد بن مالک۔

نوٹ: ان دونوں کے ایمان کے بارے میں پتہ نہ چل سکا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

والدہ کی طرف سے ہمشیران

(۱) اُمّ المؤمنین سیدہ زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ان کی شادی ماہ ذیقعدہ ۳ھ میں بعمر تیس ۳۰ برس ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چند ماہ ہی رفاقت رہی۔ یہ جلد ہی خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔

(۲) حضرت سلمیٰ بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ان کا پہلا نکاح اسدُاللہ و رسولہٗ سید الشہداء حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا جن سے ایک صاحبزادی اُمۃ اللہ عمارہ بنت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) پیدا ہوئیں۔ غزوۂ احد میں حضرت امیر حمزہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے، تو ان کا دُوسرا نکاح شداد بن اُسامہ سے ہوا ان سے دو صاحبزادے عبداللہ اور عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔

(۳) حضرت سلامہ بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا:۔ اِن کا نکاح حضرت عبداللہ بن کعب بن منبہ خثعمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔

(۴) حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا:۔ یہ نہایت درجہ عقلمند، دانا اور صاحبۂ حُسن و جمال مشہور عورت تھیں۔ ان کی سب سے پہلی شادی حضرت سیدنا جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی، جن سے تین صاحبزادے عون بن جعفر، محمد بن جعفر اور عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پیدا ہوئے۔ حضرت جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ موتہ میں درجۂ شہادت پا گئے، تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دُوسری شادی حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی، جن سے ایک صاحبزادے حضرت محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلتِ مبارکہ کے بعد ان کی تیسری شادی حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوئی۔ اِن سے دو صاحبزادے حضرت عون اور حضرت یحییٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ایک صاحبزادی سیدہ رقیہ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔

مُطلّقاتُ النّبی

اس باب میں اُن عورتوں کا تذکرہ ہوگا کہ جو بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوئیں، مگر کسی نہ کسی سبب سے علیحدگی ہو گئی، اگرچہ اس موضوع پر تحریر کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی، مگر اس بندۂ ناچیز (مؤلف کتاب ہذا) کے خیال میں چونکہ پروردگارِ عالم جل شانہٗ نے اپنے محبوب اور ہمارے آقا رسُول محتشم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو پوری کائنات کے لئے ایک کامل ترین نمونہ بنا کر بھیجا اور تمام جن وانس کو حکم دیا کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ (الاحزاب ۲۱)

اور بحمد اللہ تعالیٰ ادیانِ عالم میں یہ شرف صرف اور صرف دین فطرت یعنی دینِ اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے ماننے والوں کو زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی بہم پہنچائی۔ حسد و تعصب سے بالاتر ہو کر دینِ اسلام کا مطالعہ کرنے والا ہر دانشور خواہی نہ خواہی یہ اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ پوری دنیا میں انسانیت کی راہنمائی اور ہدایت کے لئے دینِ اسلام سے بڑھ کر کامل ترین دین کوئی بھی نہیں ہے۔

زندگی کے اہم ترین خانگی معاملات میں جہاں بحیثیتِ شوہر تاجدارِ انبیاء سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اعلیٰ ترین کردار سامنے آتا ہے، وہاں ضرورت اس امر کی بھی تھی کہ اگر خدانخواستہ میاں بیوی کی راہیں جدا ہو جاتی ہیں اور وہ ایک دوسرے کا ساتھ نہیں نبھا سکتے، تو وہاں سُنّتِ نبوی کے مطابق طلاق کی کیا صورت ہو گی؟

خالقِ کائنات جل شانہ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے بعض ایسے مواقع فراہم فرمائے کہ اُمتِ مرحومہ کے سامنے یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا۔ ذیل میں مدارج النبوۃ جزء ثانی کے حوالہ سے اس بارہ میں اختصاراً درج کیا جاتا ہے:

(۱) اسماء کندیہ مواہبِ لدنیہ کے مطابق اس کا نام اسماء بنت نعمان بن ابی الکندیہ جونیہ ہے، جبکہ صاحب جامع الاصول نے اس عورت کا نام "اسماء جونیہ" تحریر کیا۔

اسماء بنت نعمان جونیہ کا باپ نعمان بن ابی الجون کندہ کا رئیس تھا، اور وہ بہت خوبصورت اور حسین و جمیل عورت تھی۔ مرقوم ہے کہ بعض ازواجِ مطہرات نے اس پر رشک کیا اور سکھلایا کہ تو رئیس زادی ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تیرے پاس خلوت میں تشریف لائیں تو تو اُن سے کہنا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ۔ اس طرح وہ تم سے بہت ہی اچھا سلوک فرمائیں گے۔ چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

"جونیہ" کے پاس تشریف لائے، تو اُس نے کہا: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْکَ - یہ سُنتے ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فوراً اُس کے پاس سے دُور ہو گئے اور فرمایا:
"تو نے بہت عظیم ہستی کی پناہ مانگی ہے، اُٹھ اور اپنے خاندان میں چلی جا"

بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے رئیس زادی ہونے کی وجہ سے بارگاہِ رسالت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں کلماتِ تکبر و غرور کہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسند فرمایا اور اسے طلاق دے دی اور حضرت اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ "اے اُسید! اس کو دو جامے دے کر اس کے اہل میں پہنچا دو۔" اور حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکمِ نبوی کے مطابق عمل کر دیا۔

مرقوم ہے کہ بعد ازاں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا گیا کہ اس کے ساتھ دُوسری ازواجِ مطہرات نے مکر و فریب کیا اور اسے ایسے کلمات (یعنی کہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْکَ) کہنے پر برانگیختہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّهُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ وَاِنَّ كَيْدَهُنَّ عَظِيْمٌ
"بے شک یہ عورتیں یوسف (علیہ السلام) والی ہیں اور بیشک ان کا مکر بہت بڑا ہے۔"

(۲) **ملیکہ بنتِ کعب** عند البعض یہ قبیلہ بنو لیث کی ایک لڑکی تھی اور اسی نے جملہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْکَ کہا تھا، جبکہ مذکورۃ الذکر اسماء کندیہ جُونیہ نے صرف کلماتِ غرور کہے تھے۔ یہ تکبر و غرور کے الفاظ طبعِ اقدس کو ناگوار گزرے تھے، جو اُس کی جُدائی کا سبب بنے۔ بہر کیف اس عورت کے بارے میں بھی رسولِ محتشم نبیِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ انور میں کراہت پیدا ہو گئی۔ (خواہ اس کا سبب کوئی بھی کیوں نہ ہو) اس لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے طلاق دے دی۔

فائدہ: ان دونوں واقعات میں بہت سے مسائل و نکات (مثلاً مدخولہ و

غیر مدخولہ کی طلاق اور اس کو دیئے جانے والے مال ومتاع کے مسائل کے علاوہ اُسوۂ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم) کی جو چیز نمایاں طور پر سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر خاوند کے دل میں عورت کے بارے میں نفرت وکراہت ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں اس عورت کو سچی محبت نہیں دے سکتا، تو منافقت کی زندگی بسر کرنے کی بجائے اُس عورت کو داغدار کئے بغیر اس سے علیحدگی اختیار کرے تاکہ کسی اور خاوند کے ساتھ وہ ہنسی خوشی ایّام زیست پورے کر سکے۔ بلا وجہ اس بے چاری کو قیدِ نکاح میں رکھنا اور ادائیگی حقوق میں کوتاہی برتنا، کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔

دُوسرے یہ کہ اگر خاوند بیوی کو کسی وجہ سے طلاق دینا چاہتا ہے تو اس بے چاری پر کوئی الزام لگا کر طلاق نہ دے کہ اس کی آئندہ زندگی ہی اجیرن ہو جائے، بلکہ حتیٰ الامکان (اگر نقصان دینے والے نہ ہوں تو) اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مُطلقاتِ نبوی کی اصل وجۂ طلاق کا پتہ نہ چل سکا، بلکہ اختلاف ہے کہ شاید یہ بات ہوئی تھی یا وہ بات تعلیماتِ نبوی ہی کا سبب تھا کہ بزرگانِ دین نے اس بارے میں نہایت احتیاط فرمائی۔

"کیمیائے سعادت" میں امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک برگزیدہ شخصیت نے کسی وجہ سے اپنی زوجہ کو طلاق دینا چاہی۔ اُن کے شاگرد کو پتہ چلا تو اُس نے پوچھا کہ اے اُستادِ محترم! آپ کی اہلیہ میں کیا نقص ہے جو باعثِ طلاق بنا ہے؟ تو آپ نے سختی کے ساتھ شاگرد کو ڈانٹ دیا اور فرمایا "کیا میں کوئی بے غیرت ہوں کہ اپنی بیوی کی باتیں تجھ کو بتاؤں؟" پھر جب طلاق دے چکے، تو وہی شاگرد پھر دوبارہ حاضر ہوا اور کہا "اب تو آپ طلاق دے چکے ہیں اور وہ عورت اب آپ کے لئے اجنبی ہے، اب آپ اس کا عیب بتا دیں؟" تو انہوں نے جواباً فرمایا: "میں کوئی بے حیا یا فحش گو ہوں کہ اجنبی عورتوں کی باتیں تجھ سے کروں؟" الغرض انہوں نے اپنی سابقہ بیوی کا عیب نہ بتایا۔

(۳) لیلیٰ بنت الخطیم اس نے خود بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو کر نکاح کی درخواست کی اور عرض کیا کہ

"میں اس لئے حاضر ہوئی ہوں کہ اپنا نفس آپ پر ہبہ کر دوں۔" حضور نبی کریم رسُولِ اعظم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے اس سے نکاح فرما لیا۔ تو جب یہ عورت اپنے خاندان میں واپس گئی اور اُن کو اس بات سے مطلع کیا تو قبیلہ کے لوگوں نے اُسے کہا "تو نے بُرا کیا ہے، کیونکہ تو ایک غیور عورت ہے، جبکہ اُن کی کئی بیویاں ہیں اور تو غیرت میں جلتی رہے گی اور اگر غصے میں کوئی ایسی بات، تیرے مُنہ سے نکل گئی جو حضور نبی اکرم رسُولِ معظم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ناگوار گزری تو وہ تجھے دُعائے بد دیں گے، اُن کی دُعا کبھی رد نہیں جاتی، اس طرح تو برباد ہو جائے گی۔ جا اور فسخِ نکاح کی درخواست کر۔" وہ عورت اُن کے بہکاوے میں آ کر واپس آئی اور فسخِ نکاح کا مطالبہ کیا جسے منظور فرماتے ہوئے رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس کو طلاق دے دی۔

اس عورت نے کسی اور سے شادی کر لی جس سے کئی بچے پیدا ہوئے۔ ایک دن یہ مدینہ طیبہ کے ایک باغ میں غسل کر رہی تھی کہ ایک بھیڑیا ادھر آ نکلا، اس نے اس عورت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) (مدارج النبوۃ)

فائدہ: شرفِ انسانیت کے اعتبار سے یہ کتنا عظیم الشان عمل ہے کہ ایک عورت نکاح کے فوراً بعد طلاق کا مطالبہ کرے اور شوہر ہو بھی ہر اعتبار سے بے عیب مگر پھر بھی شوہر نہ تو غصے میں انکار کرے، نہ ہی بہانہ بازی کرے، نہ ہی عورت کو طعنہ دے اور نہ ہی اُس کو لٹکائے رکھے بلکہ بغیر کسی حیل وحجت کے محض یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے کہ یہ بھی میری ہی طرح ایک انسان ہے، اس کی بھی کچھ خواہشات ہیں۔ اگر اس کا جی کسی بھی سبب سے میرے ساتھ نباہ کرنے کو نہیں چاہتا، میں بلا وجہ اس کو قیدِ نکاح میں کیوں رکھوں؟ شرفِ انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ میں اس کو آزاد کر دوں اور اس پر

ناراض بھی نہ ہوں - اللہ اکبر! اخلاقِ کریمہ کا یہ عظیم الشان کارنامہ پوری دنیا کے لئے مینارۂ نور ہے اور بتا رہا ہے کہ پیغمبرِ اسلام حضور تاجدارِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کس قدر کریم النفس، حلیم الطبع اور درگزر والے ہیں -

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ کما ھو اھلہ وبارک وسلم -

واضح رہے کہ ان کے علاوہ بعض ایسی عورتوں کا ذکر کتب سیر و احادیث میں ملتا ہے کہ جن سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خواستگاری فرمائی مثلاً: سیدہ ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا) یا بعض نے خود نکاح کے لئے پیش کش کی یا بعض کے اقرباء نے پیش کش کی، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح نہ فرمایا- مثلاً امامہ بنتِ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، عروہ بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا- قبیلہ بنو سعد بن عوف کی ایک عورت اور بنو سلیم کی ایک عورت وغیرہ، مگر ان سب کے یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں- اگر کوئی صاحب مطالعہ کا شوق رکھتا ہو تو ملاحظہ فرمائے طبری، مواہب لدنیہ، روضۃ الاحباب، مدارج النبوۃ وغیرہ -

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی باندیاں

مدارج النبوۃ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی باندیوں کی تعداد چار

(۱) سیدہ ماریہ بنت شمعون قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا: آپ کو مقوقس حاکم مصر نے بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھیجا تھا- یہ نہایت ہی حسین و جمیل اور صاحب اخلاق کریمہ تھیں- تاجدار عرب و عجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لختِ جگر حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ہی کے شکم انور سے تھے- ان کی دوسری بہن حضرت سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں تھیں، ان سے حضرت عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے-

(۲) حضرت ریحانہ بنت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہا:- عند البعض ان کے باپ کا نام بھی شمعون تھا۔ یہ بنو نضیر میں سے تھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور باندی حاضر رہیں۔ بعض ارباب سیر کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد فرما کر ان سے نکاح فرمالیا تھا۔ واقدی اس قول کو ترجیح دیتے ہیں، جبکہ ابن عبدالبر وغیرہ کے نزدیک قولِ اول صحیح ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)
ان کی رحلت مبارکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر ہوئی اور جنت البقیع میں ان کا مرقدِ منور بنا۔

(۳) جمیلہ: یہ کسی سرایا میں دربارِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئیں، ان کے زیادہ حالات معلوم نہ ہوسکے۔

(۴) حضرت سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بارگاہِ اقدس میں ایک باندی پیش کی تھی۔ ان کے مفصل حالات معلوم نہ ہوسکے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

اُمہاتُ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے تاریخی حالات ایک نظر میں (خیال رہے کہ عمر مبارک اور زمانہ کی مدت تقریباً ہے نہ کہ بالکل پوری)

نمبر شمار	اسمائے گرامی قدر اُمہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن	والد کا نام	والدہ کا نام	سنِ ولادت بمطابق مشہور روایات	مولد یعنی بمقام	سنِ نکاح	بوقتِ نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تقریباً	بوقتِ نکاح اُمہات المومنین کی عمر مبارک تقریباً	دربارِ رسالت میں حاضری کی مدت تقریباً	سنِ وفات	کل عمر تقریباً	مرقدِ منور
۱	حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	خویلد	فاطمہ بنت زائدہ	سنہ ۵۵۵ء	مکہ مکرمہ	۲۵ سنِ ولادت	۲۵ سال	۴۰ سال	۲۵ سال	رمضان المبارک سنہ ۱۰ نبوی	۶۵ سال	جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ
۲	حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	زمعہ	شموس بنت قیس	[illegible]	—	۱۰ سنِ نبوت	۵۰ سال	۵۰ سال	۱۴ سال	سنہ ۱۸ھ	۷۲ سال	جنت البقیع مدینہ منورہ
۳	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	ابوبکر صدیق	ام رومان زینب	پنجم سنِ نبوت	مکہ مکرمہ	۱۰ سنِ نبوت رخصتی سنہ ۱ھ	نکاح ۵۰ سال رخصتی ۵۳ سال	۹ سال	۹ سال	۱۷ رمضان سنہ ۵۸ھ	۶۳ سال	جنت البقیع مدینہ منورہ
۴	حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	عمر فاروق	زینب بنت مظعون	سنہ ۶۰۵ء	مکہ مکرمہ	شعبان سنہ ۳ھ	۵۵ سال	۲۰ سال	۸ سال	جمادی الاول سنہ ۴۵ھ	۵۹ سال	مدینہ منورہ
۵	حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا	خزیمہ	ہند بنت عوف	سنہ ۵۹۶ء	مکہ مکرمہ	رمضان سنہ ۳ھ	۵۵ سال	۳۰ سال	۲ یا ۳ ماہ	سنہ ۴ھ	۳۰ سال	مدینہ منورہ
۶	حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	ابی امیہ	عاتکہ بنت عامر	سنہ ۶۰۲ء	مکہ مکرمہ	سنہ ۴ھ	۵۶ سال	۲۶ سال	۷ سال	سنہ ۵۹ھ / ۶۲ھ	۸۴ سال	مدینہ منورہ
۷	حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا	جحش	امیمہ بنت عبدالمطلب	سنہ ۵۹۲ء	مکہ مکرمہ	سنہ ۵ھ	۵۷ سال	۳۶ سال	۶ سال	سنہ ۲۰ھ	۵۱ سال	مدینہ منورہ
۸	حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	حارث	—	سنہ ۶۰۸ء	—	سنہ ۵ھ	۵۷ سال	۲۰ سال	۶ سال	سنہ ۵۶ھ	۶۵ سال	مدینہ منورہ
۹	حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	ابوسفیان	صفیہ بنت ابی العاص	سنہ ۶۰۳ء	مکہ مکرمہ	سنہ ۶ھ	۵۷ سال	۳۶ سال	۴ سال	سنہ ۴۴ھ	۷۲ سال	مدینہ منورہ
۱۰	حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	حیی بن اخطب	برہ بنت سموال	سنہ ۶۱۳ء	مدینہ منورہ	سنہ ۷ھ	۵۹ سال	۱۷ سال	۴ سال	سنہ ۵۰ھ	۵۹ سال	مدینہ منورہ
۱۱	حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	حارث بن بجیر	ہند بنت عوف	سنہ ۵۹۴ء	سرف نزد مکہ مکرمہ	سنہ ۷ھ	۵۹ سال	۳۶ سال	۳ ½ سال	سنہ ۵۱ھ	۸۰ سال	سرف نزد مکہ مکرمہ

بعض امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے نسبی تعلق

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱) حضرت عبداللہ
(۲) عبدالمطلب
(۳) ہاشم
(۴) عبدالمناف
(۵) قصی
(۶) کلاب
(۷) مرہ
(۸) کعب
(۹) لوی
(۱۰) غالب
(۱۱) فہر یعنی قریش
(۱۲) مالک
(۱۳) نضر
(۱۴) کنانہ
(۱۵) خزیمہ
(۱۶) مدرکہ
(۱۷) الیاس
(۱۸) مضر
(۱۹) نزار
(۲۰) معد
(۲۱) عدنان

حضرت ام حبیبہ: ابوسفیان، حرب، امیہ، عبدالشمس ← (۴) عبدالمناف

حضرت خدیجہ: خویلد، اسد، عبدالعزیٰ ← (۵) قصی

حضرت عائشہ: ابوبکر صدیق، ابوقحافہ عثمان، عامر، عمرو، کعب، سعد، تیم ← (۷) مرہ

حضرت حفصہ: عمر فاروق، خطاب، نفیل، عبدالعزیٰ، رباح، عبداللہ، قرط، رزاح، عدی ← (۸) کعب

حضرت ام سلمہ: ابوامیہ، مغیرہ، عبداللہ، عمرو، مخزوم، یقظہ ← (۸) کعب

حضرت سودہ: زمعہ، قیس، عبدالشمس، عبدود، نصر، مالک، حسل، عامر ← (۹) لوی

حضرت زینب: جحش، رباب، یعمر، صبرہ، مرہ، کبیر، غنم، دودان، اسد ← (۱۵) خزیمہ

حضرت میمونہ: حارث، بجیر، محرم، رویبہ عبداللہ، ہلال، عامر، صعصعہ، معاویہ، بکر، ہوازن، منصور، عکرمہ، حفصہ، قیس، عیلان ← (۱۸) مضر

(رحمۃ للعالمین جلد دوم)

بابِ ہفتم:

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولادِ اطہار کا بیان

صاحب "مدارج النبوۃ" الشیخ المحقق شاہ عبدالحق محدثِ دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہٖ وسلم کی اولادِ کرام صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے متفق علیہ اولادِ اطہار کی کل تعداد چھ عدد ہے۔ یعنی چار صاحبزادیاں اور دو رسول زادے ان کے اسماء ذی شان یہ ہیں : حضرت قاسم۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سیدہ زینب، سیدہ رُقیہ، سیدہ اُمِ کلثوم، سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ اِن کے سوا باقی میں اختلاف ہے۔ عند البعض طیب و طاہر اور حضرت عبداللہ بھی صاحبزادگانِ والاشان کے اسماء گرامی ہیں، اس طرح کل تعداد صاحبزادگان کی پانچ ہو جاتی ہے، جبکہ اکثر علمائے نسب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو رسول زادے کا اسمِ گرامی تھا، جبکہ طیب و طاہر القاب تھے۔ یہ اصحابِ سیر و تواریخ کے نزدیک سب سے زیادہ صحیح قول ہے۔ (و اللہ تعالیٰ اعلم و علمہٗ اتم) (اختصاراً از مدارج النبوۃ)

ہم اس اجمالی گفتگو کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی آل اطہار کے قدرے مفصل حالاتِ قدس نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ جل شانہٗ اپنی شانِ کریمی کے لائق شرفِ قبولیت سے نوازے۔ (آمین!)

حضرت سیدنا قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور قول کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سب سے بڑے فرزند ذی شان ہیں جو کہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطنِ اطہر سے قبل از اعلانِ

نبوت پیدا ہوئے۔ ان ہی فرزند ذی وقار کی وجہ سے رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابوالقاسم کنیت اختیار فرمائی۔ یہ پاؤں چلنے کی عمر تک رونق افروز عالم رہے، پھران کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت میں بلالیا۔ اولاد نبوی میں سب سے پہلے پیدا بھی یہی ہوتے اور رحلت مبارکہ بھی ان ہی کی ہوئی۔ کتب سیر وتواریخ میں ان کی عمر سترہ ماہ سے دو سال تک درج ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)

حضرت سیدنا عبداللہ الملقب بہ طیب وطاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن اطہر سے ہی اس جہان رنگ وبو میں جلوہ گر ہوئے۔ عہد طفولیت ہی میں جنت کو سدھار گئے۔ جب ان کی رحلت مبارکہ کی خبر شہر مکہ میں مشہور ہوگئی تو خوش قسمت بیٹے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدبخت ترین باپ عاص بن وائل سہمی نے کہا: محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے دونوں بیٹے چھوٹی عمر میں وفات پاگئے ہیں اب یہ (معاذ اللہ تعالیٰ) ابتر ہوگئے ہیں، یعنی نہ ان کی نسل باقی رہے گی اور نہ ہی کوئی اُن کا نام لیوا ہوگا، کیونکہ ابتر کے معنی، اپنی نسل باقی نہ رکھنے والا، دُم کٹا، بے فرزند اور بے نام کے ہیں۔ عاص بن وائل کی اس گستاخی کے جواب میں رب ذوالجلال نے سورۃ الکوثر کا نزول فرمادیا جس میں واضح طور پر اعلان فرمادیا گیا کہ (اے محبوب علیک الصلوٰۃ والسلام) آپ تو صاحب کوثر ہیں جبکہ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ یعنی یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ آپ کا ہر دشمن (خواہ وہ عاص بن وائل ہو یا کوئی اور) وہی ابتر ہے، یعنی عزت وعظمت سے تہی دامن اور دُم کٹا ہے، کوئی اُس کا نام عزت واحترام سے نہ لے گا، اگر کوئی نام لے گا بھی تو اُس کی تذلیل کرتا ہوا گویا وہ بدنصیب دونوں جہان میں برباد ہوگیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان یوں بیان فرمائی گئی: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ

علماء کرام فرماتے ہیں کہ کوثر بر وزن فوعل مبالغے کا صیغہ ہے جو بہت کثرت کو چاہتا ہے۔ اس اعتبار سے معنی یوں بنے گا کہ "دونوں جہان کی ساری بھلائیاں جو کثرت میں اتنی عظیم ہیں کہ مخلوق کے علم کی وہاں تک رسائی ہی ممکن نہیں اور مخلوق میں جو بھی کوئی بیان کرتا ہے، وہ شانِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس بحرِ عظیم کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں۔" ظاہر ہے کہ جس کی شان خود خالقِ کائنات اپنی زبانِ قدرت سے بیان فرمارہا ہے اُس کی شانِ بے پایاں کما حقہٗ بیان کرنا کسی انسان اور دیگر مخلوق کے بس کا روگ نہیں اور جہاں تک جنت کی نہر حوضِ کوثر کا تعلق ہے، وہ میرے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ملنے والی اس خیرِ کثیر کا ایک قطرہ ہے۔

باقی رہ گئی بات اس اقلیمِ عزت و شرافت کے تاجدار سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اولادِ نرینہ کی، تو یاد رکھنا چاہیے کہ ربِ ذوالجلال نے اپنے کلامِ بے مثال میں ارشاد فرمایا: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ

"یعنی یہ نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ایمان والوں کے لئے اُن کی جانوں سے بھی زیادہ قریب یا مالک یا محبوب تر ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ان (ایمان والوں کی (روحانی) مائیں ہیں۔"

سبحان اللہ تعالیٰ! بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ امہات المومنین کے زوجِ نامدار سید ابرار اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب ایمان والوں کے روحانی باپ ہیں۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰی ذٰلِكَ۔

حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے شہزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے آقا ومولیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آخری صلبی اولاد ہیں۔ ان کی ولادت باسعادت ۸ھ ماہِ مقدس ذی الحجۃ المکرم میں ہوئی۔ ان کی والدہ ماجدہ

کا اسم گرامی حضرت سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ ان کو بادشاہِ اسکندریہ مقوقس نے دیگر تحائف کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھیجا تھا جیسا کہ ۶ھ کے واقعات میں سلاطینِ زمانہ کے نام رسولِ اکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

ان کی قابلہ (یعنی بوقت ولادت دایہ) حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضرت سلمٰی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔

حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت پر حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے خاوند کو مطلع کیا اور وہ پیغام مسرت لے کر بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اس مژدہ جانفزا کو سُن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلامی سے آزاد فرما دیا۔ اتنے میں حضرت جبریل امین حاضرِ خدمت ہوئے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یَا اَبَا اِبْرَاهِيْم کہہ کر مخاطب کیا۔ حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کنیت پر بہت خوش ہوئے اور لختِ جگر کا نام اپنے جدِ بزرگوار حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا کہ آج رات (میرے ہاں) ایک فرزند پیدا ہوا ہے، میں نے اُس کا نام اپنے جدِ امجد کے نام پر ابراہیم رکھا ہے۔ (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو بھیڑوں، جبکہ دوسری روایت کے مطابق بکری کو ذبح فرما کر حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیقہ فرمایا اور اُن کے سر کے بالوں کو منڈوا کر ان بالوں کے برابر وزن کی چاندی صدقہ فرمائی اور بالوں کو زمین میں دفن کر دیا۔

---

[1] حضرت سیدۃ النساء خاتونِ جنت طیبہ طاہرہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سب اولاد کی قابلہ (دایہ) حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی ہیں۔ ۱۲ منہ

حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دودھ پلانے کی خدمات حضرت ابوسیف (لوہار) کی بیوی حضرت ام سیف (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے سپرد کر دی گئیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دودھ کی دوسری دایہ حضرت براء بن اوس کی زوجہ حضرت ام بردہ بنت المنذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تھیں، جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس خدمت کے صلہ میں کھجوروں کا ایک باغ عطا فرمایا۔

منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے لختِ جگر کو دیکھنے کے لئے حضرت ابوسیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت پیار فرماتے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے کسی شخص کو اپنے اہل و عیال پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر شفقت و مہربانی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ چونکہ حضرت ابوسیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوہار کا کام کرتے تھے، اس لئے اُن کے گھر عموماً بھٹی کا دھواں ہوتا، کبھی ایسے بھی ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُن کے ہاں تشریف لے جانا چاہتے تو میں پہلے جا کر اُن کو مطلع کر دیتا تاکہ وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنا کام بند کر دیں۔

وفات حسرت آیات

حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارکہ مشہور قول کے مطابق ابھی صرف سترہ یا اٹھارہ ماہ ہی تھی کہ یہ بہشتِ بریں کی طرف تشریف لے گئے۔ (صحیح بخاری، مسند امام احمد)

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بارگاہِ اقدس میں عرض کیا گیا یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) حضرت ابراہیم عالمِ نزع میں ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس وقت بارگاہِ عالیہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حاضر تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو اپنی معیت میں لے کر اُن کا ہاتھ پکڑا اور جماعتِ صحابہ کے ہمراہ حضرت ابوسیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے اور جب حضرت سیدنا

ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرہانے پہنچے تو دیکھا کہ وہ عالم نزع میں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنی آغوش رحمت و محبت میں اٹھا لیا۔ اُس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے اور زبان وحی ترجمان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ لَوْلَا اَنَّہٗ اَمْرٌ حَقٌّ وَّوَعْدٌ صِدْقٌ وَّاِنَّ اٰخِرَنَا سَیَلْحَقُ اَوَّلَنَا لَحَزِنَّا عَلَیْکَ ھُوَ اَشَدُّ مِنْ ھٰذَا وَاِنَّا بِکَ یَا اِبْرَاھِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ تَبْکِی الْعَیْنُ وَیَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُوْلُ مَا یُسْخِطُ الرَّبَّ۔

"ہم جانتے ہیں کہ موت تو امر حق ہے اور (اللہ تعالیٰ کا) وعدہ بھی سچا ہے اور ہم بھی جو پیچھے رہ جانے والے ہیں، پہلے جانے والوں سے جا ملیں گے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اے ابراہیم! ہمیں تیرا غم اس سے بہت شدید ہوتا (اے ابراہیم) میری آنکھیں رو رہی ہیں، دل نہایت غمزدہ ہے (اس کے باوجود) ہم کوئی ایسی بات نہیں کہیں گے جو ہمارے رب کو ناپسند ہو۔"

اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لخت جگر حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام کی طرف سدھار گئے۔

حضور رحمت عالم شفیع معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو روتے ہوئے دیکھ کر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم کیا آپ بھی رو رہے ہیں؟ آپ نے تو میت پر رونے سے منع فرمایا ہے۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے ابن عوف! یہ جو تم دیکھ رہے ہو یہ میت پر رحمت شفقت کی وجہ سے ہے جو اس کی حالت دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے اور جو میں نے منع کیا ہے تو وہ دو قسم کی آوازیں ہیں، ایک تو وہ جو گانا گاتے، لہو و لعب، اور شیطانی مزامیر (سازوں) سے ہے اور دوسری آواز وہ جو مصیبت کے وقت آہ و بکا اور بین کرنا ہے۔ خبردار! میں تم کو منہ نوچنے، چہرہ پیٹنے سے، کپڑے پھاڑنے سے اور بین کرنے سے منع کرتا ہوں، لیکن

آنکھوں سے آنسوؤں کا جاری ہونا رحمت اور شفقت کی وجہ سے ہے (یاد رکھو) جو کسی پر شفقت و رحم نہیں کرتا (قیامت کو) اُس پر بھی رحم نہ ہوگا۔"

حضرت حسان بن ثابت کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اپنی والدہ حضرت سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ تھیں، روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، میں حضرت ابراہیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے سرہانے (بوقتِ رحلت) موجود تھی۔ پھر یکایک میں اور میری ہمشیرہ ماریہ فریاد کرنے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں منع نہ فرمایا، جب روح قبض ہو گئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فریاد (آہ و بکا) کرنے سے منع فرما دیا۔ (رونے سے منع نہ فرمایا)

راوی بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت پر جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلا چلا کر رونے لگے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو منع فرمایا اور ارشاد فرمایا:

اَلْبُکَاءُ مِنَ الرَّحْمَةِ وَالصُّرَاخُ مِنَ الشَّیْطٰنِ۔

(آنکھوں سے) رونا رحمت ہے، جبکہ چیخنا چلانا شیطانی عمل ہے۔"

اہلِ سیر نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُن کی دایہ نے غسل دیا، جبکہ دوسرے قول کے مطابق ان کو غسل حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دیا۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی ڈالتے تھے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی قریب ہی تشریف فرما تھے۔ نماز جنازہ کے بعد ان کو جنت البقیع شریف میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے قریب دفن کر دیا گیا اور قبرِ انور پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا گیا اور قبرِ انور پر نشان لگا دیا۔ نشان لگانے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنفسِ نفیس خود پتھر اٹھا کر لائے اور ان کی قبرِ اطہر پر رکھ دیا۔"

سُورج گرہن اتفاق کی بات ہے کہ جس دن حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا، اُسی دن سورج گرہن لگا۔ قدیم اہلِ عرب کا اعتقاد تھا کہ سورج یا چاند کا گرہن کسی بڑے آدمی کی وفات یا عظیم حادثہ کی وجہ سے لگتا ہے۔ اس وجہ سے بعض مسلمان بھی کہنے لگے کہ سورج کو گرہن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ سے لگا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا یَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ وَلٰکِنَّہُمَا اٰیَتَانِ مِنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْہَا فَصَلُّوْا۔

"بے شک یہ سورج اور چاند کسی انسان کی موت کی وجہ سے گہن زدہ نہیں ہوتے یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جب تم ان کو گہن لگا ہوا دیکھو تو نماز پڑھا کرو"

(پورا مضمون بحوالہ بخاری مسلم۔ ابوداؤد، مسند امام احمد، ابن ماجہ، مواہب لدنیہ، مدارج النبوۃ)

اُسوۂ نبوی کا ایک نمایاں پہلو اس بندۂ ناچیز (مؤلف کتاب ہذا) نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جگر گوشہ حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلتِ مبارکہ کا واقعہ قدرے تفصیل سے اس لئے نقل کیا کہ ہر ذی شعور پر یہ بات عیاں ہو جائے کہ سخت ترین رنج والم میں اُسوۂ نبوی تعلیمِ اُمت کے لئے مینارۂ نور ہے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس جہانِ رنگ و بُو میں تشریف لائے تقریباً اکسٹھ برس ہو گئے تھے اور حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت کے تقریباً ۲ سال بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس جہانِ فانی سے عالمِ بالا کی طرف انتقال فرما گئے۔ اس عمر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولادِ نرینہ کا ملنا ایک عظیم نعمت تصور کیا جاتا ہے۔ پھر اس نعمت کا ظاہراً چھن جانا، جبکہ پہلے بھی کوئی اولادِ نرینہ موجود نہ ہو کس قدر تکلیف دہ صدمہ کا باعث بنتا ہے۔ عام طور پر اس حالت میں انسان آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور اس کے قول و فعل سے ایسی باتیں سرزد ہوتی ہیں کہ جو اس

کی بے بسی و بے صبری کی غماز ہوتی ہیں، مگر پروردگارِ عالم کی بے انتہا رحمتوں کا نزول ہو ہمارے
آقا و مولیٰ رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم (فداہ رُوحی وجسدی) پر کہ اس
سانحہ عظیمہ پر بھی صبر و استقامت کے اس کوہِ گراں کی زبانِ حق ترجمان سے کوئی ایسا
جملہ نہیں نکلا جو ربِ ذوالجلال جل شانہٗ کے شایانِ شان نہ ہو، بلکہ حضرت امام بخاری
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو الفاظ نقل فرمائے وہ یہ ہیں:

فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ
یَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یُرْضِیْ رَبَّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ یَا اِبْرَاھِیْمُ
لَمَحْزُوْنُوْنَ ۔ (بخاری کتاب الجنائز، تھوڑے سے اختلاف سے ابی داؤد)

(حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلتِ مبارکہ کے وقت) رسولِ کائنات
فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس میں شک نہیں کہ آنکھیں
آنسوؤں سے اُبل رہی ہیں اور دل غم سے بھرا ہوا ہے، لیکن ہم کوئی بات نہ کہیں گے
سوائے اس بات کے کہ جس سے ہمارا رب راضی ہو جائے اور بے شک اے ابراہیم!
تیری جدائی میں ہم نہایت غمگین ہیں۔"

علاوہ ازیں سورج گرہن کے سلسلہ میں غیر مسلم مدبرین کی آنکھیں کھول دینے
کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اقتدار و عزت کا جھوٹا خواہشمند ہر اہم و غیر اہم واقعہ
کو اپنی عزت و سچائی کی دلیل بنانے کی کوشش کرتا ہے، مگر مصداق اس بات کے
کہ "سچائی دلیل یا حسنِ بناوٹ کا محتاج نہیں۔"

رسولِ محترم، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے صاف صاف اعلان فرمادیا کہ
سُورج کو گرہن میرے لختِ جگر نورِ نظر کی وفات کی وجہ سے نہیں لگا، بلکہ یہ تو اللہ
تبارک و تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔

دختران فی شانِ حضور سیدالانس و الجان (صلوات اللہ تعالیٰ علیہ و علیہن اجمعین)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خالقِ کائنات جل شانہٗ نے چار صاحبزادیاں عطا فرمائیں اور یہ چاروں حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطنِ اطہر سے تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ساری اولاد پاک سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکمِ اطہر سے تھی ان میں سے حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ امِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت فرمانے سے قبل پیدا ہوئے، جبکہ سیدہ فاطمۃ الزہراء، حضرت سیدنا عبداللہ الملقب بہ طیب و طاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہا اعلانِ نبوت فرمانے کے بعد رونق افروزِ عالم ہوئے۔[1]

---

[1] اصولِ کافی از ابی جعفر محمد بن یعقوب الکلینی مطبوعہ کراچی ص۵۴۲ و حیات القلوب جلد دوم مؤلفہ ملا باقر مجلسی ایرانی مطبوعہ لاہور کے صفحات نمبر ۱۶۹، ۴۲۲، ۶، ۸۷ پر بھی یہی ثابت و موجود ہے۔ ملا باقر مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ "یہی قول زیادہ مشہور اور صحیح ہے۔" (حیات القلوب ص۸۷) ان کو ربیبہ ماننا غلط ہے، کیونکہ قرآن کریم میں ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ (۳۳ : ۵۹) اس آیتِ مبارکہ میں ایمان والی عورتوں کی تین اقسام بیان فرمائی گئی ہیں یعنی ۱۔ ازواج النبی ۲۔ بنات النبی ۳۔ نساء المومنین۔ یہ سارے جمع کے صیغے ہیں۔ عربی میں جمع دو سے زیادہ کے لئے ہے اور یہ بات ناقابلِ تردید ہے لفظ بنات "بنت" کی جمع ہے جو کم از کم تین کے لئے ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس سے ایمان والی عورتیں مراد ہیں تو یہ تحصیل حاصل ہے کیونکہ نساء المومنین کا ذکر تو الگ فرما دیا گیا، جبکہ قرآن کریم میں کسی زائد یا لغو کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی قرآنِ کریم میں تعارض ہے۔ لوگوں نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زید بن محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کہنا شروع کیا، تو رب کریم نے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ:-

(باقی اگلے صفحہ پر)

علمائے انساب کے نزدیک رسُول علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی شہزادیوں میں سب سے بڑی سیّدہ زینبؓ، ان سے چھوٹی سیّدہ رقیہؓ پھر سیّدہ اُمِّ کلثومؓ، پھر سیّدہ فاطمۃُ الزّہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) ہیں۔ اسی ترتیب سے ان رسُول زادیوں کا ذکرِ خیر نقل کیا جائے گا۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ (الاحزاب)

"ان کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارا کرو یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح انصاف کی بات ہے" پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ خود اللہ تعالیٰ اپنے قانون کو توڑ کر نبی کی بیوی کے پہلے خاوند کی بیٹیوں کو نبی کی بیٹیاں قرار دے دے۔ پھر تاریخی اعتبار سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری زوجہ محترمہ حضرت سیّدہ اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایک بیٹے کا نام عمر بن ابو سلمہ اور دوسرے بیٹے کا نام سلمہ بن ابو سلمہ تھا۔ علاوہ ازیں ان کی ابو سلمہ سے تین بیٹیاں زینبؓ، اُمِّ کلثومؓ، درہؓ تھیں۔ ان سب کو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اولاد کیوں نہیں کہا جاتا۔ پھر خود حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلے خاوند ابو ہالہ سے تین بیٹے پیدا ہوئے یعنی ہالہؓ، طاہرؓ اور ہندؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ تینوں صحابی ہیں، اگر ان کو اپنائے نبی مانا جائے تو آیہ مبارکہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ کی حقیقت کیا ہوگی؟ لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چاروں شہزادیاں آپ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی صلبی بیٹیاں ہیں۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت سیّدۃ النّساء کے سوا کوئی دوسری شہزادی ہوتی، تو اس کی شان بھی سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرح ہونی چاہیے تھی، ان کی اولاد بھی سادات ہوتی وغیرہ وغیرہ اس قسم کے خیالات و سوالات منفی سوچ کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک باپ کی اولاد میں سے کسی ایک کا باقی تمام اولاد سے ممتاز ہونا باعثِ تعجب نہیں۔ بحمد اللہ ہم سارے انسان اولادِ آدم علیہ السّلام ہیں مگر مراتب برابر نہیں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے کئی بیٹے تھے، مگر ذی شان اسماعیل و اسحاق علیہما السّلام ہی ہوئے، اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے بارہ فرزند عطا فرمائے، لیکن حضرت یعقوب علیہ السّلام کو جو محبت و پیار حضرت یوسف علیہ السّلام سے تھا، باقی فرزندوں سے نہ تھا۔ تو کیا باقی فرزندوں کا انکار کر دیا جائے گا؟ (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

(۱) سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا: جمہور کے نزدیک شہزادہ حضرت سیدنا قاسم بن رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چھوٹی اور باقی سب اولاد سے بڑی رسول زادی سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ شادی کے پانچویں سال ہوئی۔ اس وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریفہ تیس ۳۰ برس کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی شادی کمسنی میں قبل از اعلانِ نبوت ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبدالشمس بن عبد مناف کے ساتھ حضرت اُم المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خواہش پر کی۔ ابوالعاص بن ربیع کے اصل نام میں اختلاف ہے۔ عند البعض ان کا نام قاسم یا مقسم یا پھر یاسر تھا۔ اکثر اصحاب سیر نے ان کا نام لقیط تحریر کیا ہے۔ ابن عبدالبر علیہ الرحمہ کے نزدیک یہی قول زیادہ معتبر ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب) یہ اپنے اصل نام کی بجائے اپنی کنیت "ابوالعاص" سے زیادہ پہچانے جاتے ہیں۔ ابوالعاص حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حقیقی بہن ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے۔ ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے بہت پیار فرماتی تھیں، اور ان کو اپنا فرزند فرمایا کرتی تھیں، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت کم اختلاف فرماتے تھے اس لیے اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خواہش پر اپنی سب سے بڑی شہزادی سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) حضرت عقیل بن ابی طالب، حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت علی المرتضیٰ بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب بھائی ہی تو تھے، مگر شان میں کوئی بھی حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا ہم پلہ نہیں ہے۔ خود حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے اٹھارہ یا انیس صاحبزادے تھے، جن میں سے چھ میدان کربلا میں شہید ہوئے، مگر ان میں سے کسی کا بھی مرتبہ حسنین کریمین کے برابر نہ ہو سکا۔ تو کیا ان سب کا انکار کر دیا جائے گا؟ ذرا سوچیں! اللہ تعالیٰ عقلِ سلیم عطا فرمائے آمین!

ابوالعاص سے کردی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ سیدہ زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا بھی شرفِ ایمان سے مشرف ہو گئی تھیں، مگر ابوالعاص اس وقت دولتِ ایمان سے محروم رہے۔

(طبقات ابن سعد۔ سیرت ابن ہشام۔ زرقانی۔ مدارج النبوۃ)

اشاعتِ اسلام کے ساتھ ہی اکثر قریشِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سخت ترین مخالف ہو گئے تھے اور ایذا رسانی کا کوئی ایسا طریقہ نہ تھا جو اہلِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر آزمایا نہ ہو۔ بایں ہمہ چند معتدل قسم کے لوگ ایسے بھی تھے، جو اگرچہ اس وقت ایمان تو نہ لائے تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے والوں کی مخالفت کرتے تھے اور اپنے دل میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا جذبہ رکھتے تھے[1] ابوالعاص بھی انہی میں سے ایک تھے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے قبل حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دو دوسری شہزادیوں سیدہ رقیہ و اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نکاح کمسنی میں ہی ابولہب کے بیٹوں سے ہو چکا تھا (جیسا کہ تفصیلاً ذکر آئے گا) محض اور محض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے کے لئے ابولہب کے دونوں بیٹوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں کو طلاق دے دی، مگر کفارِ مکہ کی ترغیب کے باوجود حضرت ابوالعاص نے سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

---

[1] مثلاً ابولہب لعین کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قبیلہ بنو ہاشم کے تقریباً سارے افراد نے جب کفارِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاشی بائیکاٹ کیا تو ابولہب کے سوا باقی تمام بنو ہاشم نے خواہ وہ مسلم تھے یا غیر مسلم خود کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہی شعب ابی طالب میں محصور کر لیا تھا اور تمام تر تکالیف کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر برداشت کیا۔ ۱۲ منہ

کو طلاق نہ دی، حالانکہ کفارِ مکہ نے ان کو پیشکش کی اور اصرار کیا کہ تم قریشِ مکہ کی کسی بھی لڑکی کی طرف اشارہ کرو، ہم تمہارا نکاح اُس سے کروا دیں گے، بشرطیکہ تم حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی کو طلاق دے دو۔ مگر حضرت ابوالعاص نے کفارِ مکہ کی اس خواہش اور اصرار کو سختی کے ساتھ رد کر دیا۔ چونکہ یہ اسلام کا ابتدائی دور تھا، کوئی عورت مسلمان تھی اور کوئی مرد، اس لئے اس زمانہ میں مشرک مرد و عورت کا مسلمان عورت و مرد سے نکاح حرام ہونے کا ابھی حکم نہیں آیا تھا، اس لئے رسُولِ اکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف اس نکاح کو باقی رکھا، بلکہ ابوالعاص کے کفارِ مکہ کے مقابلہ میں، کردار کی اکثر تعریف فرمایا کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸، ۲،۱، زرقانی جلد ۲، ابوداؤد جلد اوّل، طبری جلد اوّل، ابن ہشام)

اعلانِ نبوت کے تیرھویں سال جب رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے سسرال میں تھیں۔ ۲ھ میں غزوہ بدر کے موقع پر کفارِ مکہ نے رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محترم چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ابوالعاص بھی میدانِ بدر میں آئے اور حضرت عبداللہ بن جبیر بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں گرفتار ہو کر بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پہنچے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قیدیوں کو حکم دیا کہ وہ مکہ مکرمہ سے زرِ فدیہ منگوالیں اور ادا کر کے رہا ہو جائیں، تو ابوالعاص نے بھی مکہ مکرمہ میں پیغام بھیجا۔ اس کے جواب میں سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے گلے کا وہ ہار جو کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بوقتِ شادی سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عطا فرمایا تھا، اپنے دیور عمرو بن ربیع کے ہاتھ بھیجا تاکہ اس کو بطورِ ہدیہ قبول کیا جائے۔

جب یہ یمنی ہار بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پیش کیا گیا تو ملاحظہ فرماتے ہی رسُولِ اکرم نبی محتشم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دل بھر آیا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام

پر رقت طاری ہو گئی۔ اُم المومنین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یاد پھر سے تازہ ہو گئی۔ شفیع اُمت، نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا:

ان رایتم ان تطلقوا لہا اسیرہا وتردوا علیہا مالہا فافعلوا۔

"اگر تم لوگ مناسب خیال کرو تو میری بیٹی زینب کا قیدی رہا کر دو اور اس کا ہار بھی واپس کر دو (ابن ہشام) لوگوں نے عرض کیا کہ ہم بسر وچشم تعمیل حکم کے لئے تیار ہیں، چنانچہ وہ (ابو العاص) رہا کر دیئے گئے اور وہ ہار بھی واپس کر دیا گیا۔ (طبقات ابن سعد)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابو العاص بن ربیع کو رہا کرتے وقت، اُن سے یہ وعدہ لیا کہ وہ مکہ مکرمہ جا کر حضرت سیدہ زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دیں اور اسی بات کو ان کا فدیہ قرار دے دیا گیا۔ (ابن سعد)

سیدہ زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا سفر مدینہ اور مشکلات

ابو العاص بن ربیع کے مکہ مکرمہ روانہ ہو جانے کے بعد حضور نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک اور انصاری صحابی کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ تم "بطن یاجج" (ایک جگہ کا نام) میں جا کر ٹھہرو، جب سیدہ زینب وہاں آ جائیں، تو انہی کو ہمراہ لے کر تم مدینہ چلے آنا۔ چنانچہ وہ دونوں صحابی اُسی وقت چلے اور مکہ مکرمہ سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر بطن یاجج میں جا کر ٹھہرے۔ یہ واقعہ غزوۂ بدر سے تقریباً ایک ماہ بعد کا ہے۔

مکہ مکرمہ پہنچ کر ابو العاص نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے اور وہ جانے کی تیاری فرمانے لگیں۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت بیان کی کہ جب میں اپنے والد بزرگوار جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کی تیاری کر رہی تھی،

میرے پاس عتبہ کی بیٹی "ہندہ" آئی اور کہا: "اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی! مجھے خبر ملی ہے کہ تم اپنے والد کے پاس مدینہ طیبہ جانے کا ارادہ رکھتی ہو؟" میں نے (چھپانے کے انداز میں) کہا "ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" ہندہ نے کہا: "اے میرے چچا کی بیٹی! یوں نہ کہو (یعنی بات نہ چھپاؤ) اگر تمہیں کسی سامان کی ضرورت ہے جو تمہارے سفر میں تمہارے کام آسکے یا والد تک پہنچنے کے لئے رقم کی ضرورت ہو تو تم بلا جھجک مجھ سے لے سکتی ہو، اس لئے مجھے بتانے میں بخل سے کام نہ لو، کیونکہ عورتوں کے تعلقات میں وہ چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی جو مردوں کے درمیان پیدا ہو چکی ہے۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: "اللہ تعالیٰ کی قسم: میں نے تو یہی سمجھا کہ وہ جو کچھ کہتی ہے، وہی کرے گی، لیکن مجھے اس سے خوف ہوا اور میں نے اپنا ارادہ اس پر ظاہر نہ کیا اور خفیہ تیاری کر لی۔" (سیرت ابن ہشام)

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی سفر کی تیاری مکمل فرما چکیں، تو ابوالعاص کے کہنے پر اُس کا بھائی کنانہ بن ربیع اُونٹ لایا، سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس پر سوار ہو گئیں اور کنانہ بن ربیع دن کے وقت اُونٹ کی نکیل پکڑ کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُونٹ پر سوار ہودج (ایک قسم کی ڈولی نما شے جو عورتوں کے پردے اور حفاظت کے لئے بنائی جاتی تھی) میں بیٹھی تھیں، جبکہ کنانہ بن ربیع پیدل چل رہا تھا۔ جونہی اس بات کا چرچا لوگوں میں ہوا قریش ان کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے، حتیٰ کہ ان کو ذی طویٰ[1] میں جا گھیرا۔ سب سے پہلا جو شخص ان تک پہنچا، وہ ہبار[2] بن اسود (بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن الفہری) تھا، اُس نے نیزے

---

[1] "ذی طویٰ" ایک جگہ کا نام ہے۔ یہ مدینہ منورہ کی طرف جانے والے راستہ پر تنعیم کے برابر ہے۔ مکہ مکرمہ سے تقریباً سات آٹھ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہوگا۔

[2] ہبار حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچازاد بھائی کا بیٹا تھا۔ ۱۲

سے اُونٹ کو ڈرایا، تو اُونٹ اُچھلا، جس کی وجہ سے ہودج زمین پر گر گیا۔ اِس طرح حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نہ صرف چوٹ آئی، بلکہ ان کا حمل بھی ضائع ہو گیا۔ ہبار بن اسود کی اس بے جا حرکتِ شنیع پر کنانہ بن ربیع غصہ میں آ گیا۔ اُس نے اپنے ترکش کو زمین پر الٹ دیا اور کمان تھام لی اور چلّا کر بولا، مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! جو بھی میرے قریب (بُری نیت سے) آئے گا، میں اسے اپنے تیر کا نشانہ بناؤں گا۔ یہ حالت دیکھ کر لوگ دُور ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ پھر ابو سفیان اپنی قوم کے بڑے بوڑھوں کو لے کر آگے بڑھا اور کہا: "اے نوجوان! اپنے تیروں کو روک لے، ہم تیرے ساتھ کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔" یہ سُن کر کنانہ نے کمان زمین پر رکھ دی۔

ابی سُفیان کا اعترافِ شکست و ذلت

ابو سُفیان آگے بڑھا اور کنانہ بن ربیع سے کہا: "اے جوان! تُو نے صحیح طریقہ اختیار نہیں کیا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی بیٹی کو اس طرح دِن دہاڑے سب لوگوں کے سامنے (مدینہ کی طرف) لے جا رہا ہے، تجھے ہماری اُس مصیبت اور ذلّت کا بھی علم ہے (جو ہمیں میدان بدر میں نصیب ہوئی) اور (اس لڑکی کے باپ) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ہاتھوں جیسی بربادی اور تباہی ہم پر آئی، وہ بھی تم پر پوشیدہ نہیں ہے اور اب اگر تو اس طرح اعلانیہ طور پر (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی بیٹی کو لے کر جائے گا تو لوگ سمجھیں گے کہ یہ واقعہ بھی ہماری ذلّت و رُسوائی کی وجہ سے ہوا ہے اور ہم (میدانِ بدر میں مار کھا کر) اتنے ضعیف اور کمزور ہو گئے ہیں (کہ مسلمان اعلانیہ طور پر ہجرت کرنے لگے ہیں)۔ مجھے میری عمر کی قسم! ہمیں اس لڑکی کو اپنے والد سے ملنے پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ ہی ہم محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی بیٹی سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ اس وقت تو اس کو لے کر واپس لوٹ جا۔ جب آوازیں خاموش ہو جائیں اور لوگ کہنے لگیں کہ ہم نے اسے واپس لوٹا دیا ہے تو پھر چپکے سے کسی شب لے کر نکل جا اور اسے اس کے باپ تک پہنچا دے۔"

راوی نے کہا، کنانہ نے ایسے ہی کیا۔ چند روز تک سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو روکے رکھا، جب ماحول سازگار ہوا تو رات کے وقت کنانہ بن ربیع ان کو لے کر روانہ ہوا اور "بطن یا جبح" کے مقام پر انہیں حضرت زید بن حارثہ اور ان کے ساتھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے سپرد کر دیا اور وہ دونوں حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پورے احترام و اکرام سے لئے بارگاہِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو گئے۔ (سیرت ابن ہشام)

کنانہ کے اشعار

علامہ عبدالملک بن ہشام نے اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف "سیرت النبی" میں اس واقعہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابوخثیمہ کے اشعار نقل فرماتے ہیں، جن کا ترجمہ نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، البتہ ابوالعاص بن ربیع کے بھائی کنانہ بن ربیع کے دو اشعار نقل کئے جاتے ہیں تاکہ پتہ چلے کہ بعض لوگ اگرچہ مشرکین تھے، مگر اپنے وعدہ کو نبھانے میں کتنی استقامت سے کام لیتے تھے۔

جب کنانہ بن ربیع حضرت سیدہ زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے ساتھی کے سپرد کر چکا تو کہا:

عَجِبْتُ لِهَبَّارٍ وَّاَوْبَاشِ قَوْمِهٖ   يُرِيْدُوْنَ اِخْفَارِيْ بِبِنْتِ مُحَمَّدٍ

وَلَسْتُ اُبَالِيْ مَا حَيِيْتُ عَدِيْدَهُمْ   وَمَا اسْتَجْمَعَتْ قَبْضًا يَدِيْ بِالْمُهَنَّدِ

"مجھے بہت حیرانی ہبار اور اُس کی قوم کے اوباشوں (غنڈوں) پر کہ وہ چاہتے ہیں کہ میں (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی بیٹی کے بارے میں جو وعدہ کر چکا ہوں، اُس کو توڑ دوں، اور وہ یاد رکھیں کہ جب تک میں زندہ ہوں اور میرے ہاتھ مضبوطی سے یہ تیغ ہندی تھامے ہوئے ہیں، مجھے اُن کی عددی کثرت کی کوئی پرواہ نہیں۔" (یعنی میں اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے اُن کا آخری سانس تک مقابلہ کروں گا)

ہبّار کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا فرمان حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا

اپنے والدِ ذی وقار حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت فیضدرجت میں حاضر ہونا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لئے حد درجہ مسّرت وشادمانی کا باعث تھا، لیکن ہبار بن اسود اور اُس کے ساتھی کی سفاکانہ حرکت حضور رحمت عالم، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے قلب نازک پر نہایت گراں گزری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ہبار بن الاسود اور اس کے ساتھی کی تلاش میں ایک جماعت روانہ فرمائی۔ اس جماعت میں میں (ابوہریرہ) بھی شامل تھا۔ ہمیں یہ حکم ہوا،

اِنْ ظَفِرْتُمْ بِهَبَّارِ بْنِ الْاَسْوَدِ اَوِ الرَّجُلِ الْاٰخَرِ الَّذِیْ سَبَقَ مَعَهٗ اِلٰی زَیْنَبَ فَحَرِّقُوْهُمَا بِالنَّارِ	اگر تم ہبار بن الاسود یا اُس شخص پر جو اس کے ساتھ زینب کی جانب بڑھا تھا، قابو پاؤ تو اُن دونوں کو آگ میں جلا دینا۔

ابن ہشام فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق نے اس دوسرے شخص کا نام نافع بن عبدقیس بتایا۔ ابن اسحاق حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب دوسرا دن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ہمیں حکم بھیجا کہ:

اِنِّیْ کُنْتُ اَمَرْتُکُمْ بِتَحْرِیْقِ هٰذَیْنِ الرَّجُلَیْنِ اِنْ اَخَذْتُمُوْهُمَا ثُمَّ رَاَیْتُ اَنَّهٗ لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یُّعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا اللّٰهُ فَاِنْ ظَفِرْتُمْ بِهِمَا فَاقْتُلُوْهُمَا۔	بے شک میں نے تمہیں ان دونوں آدمیوں کے بارے میں حکم دیا تھا کہ اگر تم ان کو گرفتار کرو تو جلا دینا، پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو یہ بات سزاوار نہیں کہ وہ آگ کی سزا دے اس لئے اگر تم ان پر قابو پاؤ تو انہیں قتل کر دینا۔

(زرقانی جلد ۳، سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری، طبقات ابن سعد

حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ کریمی

ہبار بن الاسود نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بہت ایذائیں دیں، مگر اس کی یہ حرکت شنیعہ اس قدر خبیث تھی کہ غیرت کا یہی تقاضا تھا کہ ہبار اور اُس کے ساتھی کے ناپاک وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا، اسی لئے فتحِ مکہ کے موقع پر امنِ عام کا اعلان فرماتے وقت جن لوگوں کے قتل کا حکم دیا گیا، اُن میں سے ایک ہبار بن الاسود بھی تھا، مگر یہ اُس وقت کہیں چھُپ گیا اور صحابہ کرام اس کو تلاش نہ کر سکے۔ جب رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فتحِ مکہ سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ میں جلوہ گر ہو گئے، تو ایک دن جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جماعتِ صحابہ میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ہبار ابن الاسود نمودار ہوا اور چلا چلا کر کہنے لگا: "اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) میں اسلام کا اقرار کرتا ہوا حاضر ہوا ہوں، اس میں کوئی شک نہیں کہ میں قبل ازیں ذلیل اور گمراہ تھا۔ اب اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت دے دی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) اُس کے بندے اور رسول ہیں؛ میں آپ کی نظر میں بہت شرمسار اور گنہ گار ہوں۔"

ہبار کی یہ گفتگو سُن کر حضور نبی اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا سرِ انور جھکا لیا اور اِس بات پر حیا فرمائی کہ اس پر عتاب کیا جائے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہبار بن الاسود کے اسلام کو قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اے ہبار! جا میں نے تجھے معاف کر دیا۔ یقیناً اسلام زمانۂ جاہلیت کے تمام جرموں کو ختم کر دیتا ہے اور گزشتہ گناہوں کی بنیادوں کو فنا کر دیتا ہے۔" (مدارج النبوۃ جلد ثانی)

ابوالعاص بن الربیع کا قبولِ اسلام

چونکہ ابوالعاص تجارتی تجربہ اور دیانتداری کے لحاظ سے بہت مشہور تھے، اس لئے قریشِ مکہ عموماً اپنا مالِ تجارت ان کے ہاتھ فروخت کرنے کے لئے بھیج دیا کرتے تھے

جمادی الاولی ۶ھ میں ابو العاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ ملک شام کی طرف تجارت کے لئے روانہ ہوئے۔ حسب سابق بہت سے دوسرے افراد نے بھی تجارت کی غرض سے ان کو اپنا مال دے دیا۔ شام پہنچ کر انہوں نے مالِ تجارت سے خوب نفع حاصل کیا جب یہ واپس لوٹ رہے تھے، تو مقام "عیص" پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک سو ستر صحابہ کرام پر مشتمل ایک فوجی دستہ کہ جس کی قیادت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کر رہے تھے، مڈبھیڑ ہو گئی (چونکہ مسلمانوں کو حضرت ابو العاص سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا علم تھا، اس لئے) لشکرِ اسلام نے ابو العاص کو تو کچھ نہ کہا البتہ سارا مالِ تجارت بھی لوٹ لیا اور دیگر مشرکین کو بھی گرفتار کر لیا اور مدینہ طیبہ آ گئے۔ ابو العاص نے جب یہ حالت دیکھی تو یہ بھی مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پناہ مانگنے کیلئے اُس وقت پہنچے، جبکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے مسجدِ نبوی شریفہ میں تشریف لے جا چکے تھے۔

حضرت سیدہ زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی پناہ

یزید بن رُومان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے اور آپ نے تکبیر فرما کر نماز شروع فرما دی اور تمام صحابہ باجماعت نماز میں مشغول ہو گئے، تو اچانک حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آواز عورتوں کے چبوترے کی جانب سے سُنائی دی کہ " اِنِّیْ قَدْ اَجَرْتُ اَبَا الْعَاصِ "

"یعنی میں نے ابو العاص کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔"

جب رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام سے فرمایا: کیا تم نے بھی کچھ سُنا ہے جو میں نے سُنا ہے؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: "جی ہاں! ہم نے بھی سُنا ہے"۔ تو رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،

أَمَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ مَا عَلِمْتُ بِشَيْءٍ مِنْ ذَالِكَ حَتّٰی سَمِعْتُ مَا سَمِعْتُمْ إِنَّهٗ يُجِيْرُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ أَدْنَاهُمْ

(سیرت ابن ہشام)

سنو! مجھے اُس ذات کی قسم کہ جس کے قبضہ قدرت میں (مجھ) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم) کی جان ہے مجھے کسی بات کا علم نہیں تھا یہاں تک کہ میں نے وہ آواز سنی جو تم نے بھی سُنی، وہ بات یہ کہ مسلمانوں کی طرف سے ایک ادنیٰ شخص بھی پناہ دینے کا حق رکھتا ہے۔

مال کی واپسی

پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم اپنے کاشانۂ مقدس میں اپنی صاحبزادی کے پاس تشریف لائے اور اپنی لختِ جگر کو حکم دیا کہ

أَيْ بُنَيَّةُ أَكْرِمِيْ مَثْوَاهُ وَلَا يُخْلِصَنَّ إِلَيْكِ فَإِنَّكِ لَا تَحِلِّيْنَ لَهٗ

"اے میری بیٹی! اس مہمان کی خاطر و مدارت خوب کرنا، لیکن اس کو اپنے سے الگ رکھنا، اس لئے کہ تم اس کے لئے (اب) حلال نہیں ہو۔"

حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم صحابہ کرام کی اُس جماعت کی طرف کہ جنہوں نے ابوالعاص کا مال حاصل کیا تھا پیغام بھیجا کہ "یہ شخص (ابوالعاص) جو ہمارے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور جو اس کا میرے ساتھ رشتہ ہے، تم اس سے بخوبی واقف ہو، اس لئے اگر تم اس پر احسان کرو گے اور اس کا مال اس کو واپس لوٹا دو گے، تو یہ میرے لئے خوشی کا باعث ہوگا۔ لیکن اگر تم اس بات کا انکار کرو تو تمہیں اس کا زیادہ حق، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تم نے اسے مالِ غنیمت کے طور پر حاصل کیا ہے۔"

یہ پیغام پاکر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا "ہم وہی کریں گے جو آپ کی رضا کے عین مطابق ہو۔ چنانچہ ابوالعاص کا سارا مال ان کو واپس لوٹا دیا گیا یہاں تک کہ کوئی شخص ڈول، کوئی مشک، کوئی لوٹا لاتا اور کوئی ٹیڑھے سر والی وہ لکڑی

لا رہا تھا، جو گٹھڑیوں کو اٹھانے کے لئے اُن میں (بطور رنگ) لگائی جاتی تھی۔ اس طرح اُن کا سارا مال بلا کم و کاست اُن کو واپس لوٹا دیا۔ پورے مال میں کوئی معمولی سی شے بھی کم نہ ہوئی۔ اس کے بعد ابو العاص اس تمام سامان کو لے کر مکہ مکرمہ پہنچے اور قریش کے ہر سامان والے کو اُس کا سامان اور تجارت کے نفع کی ایک ایک پائی ادا کر دی۔

ابو العاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا اعلانِ اسلام

جب سارا مال اُس کے اصل مالکوں کے قبضہ میں چلا گیا تو ابو العاص نے اہلِ مکہ سے کہا "اے گروہِ قریش! کیا کوئی ایک بھی ایسا فرد موجود ہے جس کا حساب میرے ذمے باقی رہ گیا ہو۔" سب نے کہا "اے ابو العاص! اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے کوئی حق باقی نہیں رہا۔ ہم نے تجھے اعلیٰ درجہ کا دیانت دار، حق کا ادا کرنے والا اور شریف النفس پایا ہے۔" اِس پر ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش کو مخاطب ہو کر فرمایا "تو پھر غور سے سُن لو، میں اعلان کرتا ہوں کہ:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے بارگاہِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہونے کے بعد اسلام قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہیں تھا سوائے اس کے کہ کہیں تم یہ خیال کر لو کہ تمہارا مال غصب کرنے کے لئے میں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و ہمت سے میں تمہارا مال تم تک پہنچا چکا ہوں اور اس کام سے فارغ ہو گیا ہوں، تو میں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا ہے۔" یہ کہا اور ہجرت کر کے مدینہ طیبہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو گئے۔ یہ واقعہ محرم الحرام ۷ھ ہجری کا ہے۔

علامہ ابن ہشام نے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبدالوارث بن سعید التنوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ جب ابو العاص مالِ تجارت لے کر ملک شام سے واپس لوٹے، تو اُن کو کہا گیا کہ چونکہ تمہیں اسلام کی طرف رغبت ہے چاہو تو اسلام

قبول کرلو، یہ سارا مال تمہیں بطورِ مالِ غنیمت مل جائے گا۔ ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "اپنے اسلام کی ابتداء امانت میں خیانت کرکے نہیں کرنا چاہتا" (اِس لیے پہلے مشرکین کا مال اُن کی طرف لوٹا دوں گا)

چونکہ اُس وقت ابھی سورۃ برآت نازل نہ ہوئی تھی، اس لیے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بعقدِ اوّل ہی سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت ابُوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں دے دیا۔

(طبقاتِ ابن سعد۔ سیرتِ ابنِ ہشام۔ زرقانی۔ اصابہ کتاب النسا۔ استیعاب، دُرِّ منثور)

حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صلب سے جنابہ سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ

اولاد عنہا کے ہاں دو اولادیں ہوئیں۔ ایک فرزند کہ جس کا اسمِ گرامی علی تھا اور دُوسری دُخترِ نیک اختر کہ جس کا مبارک نام امامہ تھا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

۱۔ **حضرت علی** بن ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما: یہ ہجرتِ مدینہ طیبہ سے قبل پیدا ہوئے۔ ان کو تاجدارِ انبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی زیرِ کفالت لے لیا اور یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سایۂ عاطفت میں فخر و تربیت حاصل کرتے رہے۔ فتحِ مکّہ کے دن جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو یہ صاحبزادے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایامِ سنِ بلوغ میں اپنے والد حضرت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں ہی انتقال فرمایا، لیکن ابن عساکر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگِ یرموک میں موجود تھے اور اسی جنگ میں لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرماگئے (اصابہ صفحہ)

امامہ بنت العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک عرصہ تک زندہ رہیں۔ رسُولِ اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنی اس نواسی سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ اُن کو اپنی آغوشِ محبت

میں لے کر تما زادا فرمائی جیسا کہ صحیح مسلم، نسائی اور ابوداؤد میں ہے۔

حضرت سیدہ زاہدہ طیبہ طاہرہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی بھانجی سے کس قدر محبت تھی؛ اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوتا ہے کہ بوقتِ رحلت مبارکہ جنابہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو وصیت کی تھی کہ وہ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت و تربیت کے لئے امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے شادی کر لیں۔ چنانچہ اس وصیت کے مطابق حضرت امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ہوا اور اُن کے بطنِ اطہر سے حضرت محمد اوسط بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے[1]

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم مجروح ہوئے تو مرتبہ شہادت پر فائز ہونے سے قبل حضرت سیدہ امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو مغیرہ بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کریں۔ حضرت مغیرہ بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حارث بن عبدالمطلب کے پوتے تھے؛ چنانچہ امیر المومنین حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت و حکم سے اس وصیت پر عمل کیا گیا اور مغیرہ بن نوفل کی صلب سے جنابہ سیدہ امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا، جس کا نام یحییٰ تھا۔

رحلتِ مبارکہ

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلتِ مبارکہ ۸ھ میں واقع ہوئی۔ حضرت سیدہ سودہ بنت زمعہ، حضرت سیدہ اُم سلمہ، حضرت اُمِ ایمن اور حضرت اُمِ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے اُن کو غسل دیا۔ حضرت

---

[1] خیال رہے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی اولاد میں ایک محمد اکبر ہیں ان کو محمد بن حنفیہ یا امام حنیف کہا جاتا ہے۔ دوسرے محمد اصغر ہیں۔ ان کی والدہ ام ولد ہیں یہ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔ تیسرے یہ محمد اوسط ہیں جن کی والدہ سیدہ امامہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۱۲

سیدہ اُمِ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالہ سے امام بخاری علیہ الرحمہ نے کتاب الجنائز میں صاحبزادی صاحبہ کے غسلِ میت کے بارے میں دو احادیث مبارکہ نقل فرمائی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ امِ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ ہم آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی صاحبہ کو غسل دے رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان کو تین مرتبہ، پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ جیسے مناسب ہو غسل دو۔ غسل کی ابتداء داہنی جانب اور اعضائے وضو سے کرو۔ بہتر ہے کہ بیری کے پتے پانی میں ملالو اور آخری مرتبہ جو پانی بہاؤ اس میں کافور ملا ہو یا کافور والی کوئی شے ہو (ایک روایت میں مُشک بھی آیا ہے) نیز فرمایا: جب تم غسل دے کر فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔ حضرت اُمِ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب ہم فارغ ہوئیں، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع عرض کی گئی — آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا تہبند شریفہ ہمیں عطا فرمایا اور حکم دیا اسے اس میں لپیٹ دو۔[1] حضرت اُمِ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "ہم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بالوں کے کنگھی کے ساتھ تین حصے کئے اور ان کو پس پشت ڈال دیا"

(بخاری شریف کتاب الجنائز)

تجہیز و تکفین کے بعد نمازِ جنازہ ہوئی اور ان کو دفن کر دیا گیا۔ اسد الغابہ میں ہے: حضور نبی اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود ان کی قبر انور میں اترے، اور اپنی

---

[1] صحیح مسلم شریف کی روایت کے مطابق حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ہے، جبکہ امام ابن ماجہ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث حضرت سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں نقل فرمائی۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں صاحبزادیوں کو حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہی غسل دیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ ۲؎ صاحب مدارج النبوۃ فرماتے ہیں: "اس حدیث سے صالحین کے تبرکات سے برکت لینا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے (مدارج)

صاحبزادی کو سپردِ خاک فرمایا۔ اس وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے رُخِ انور پر رنج و ملال کے آثار بہت نمایاں تھے۔ بوقت دفن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اُن کے ضعف کو یاد فرما کر بارگاہِ ربّ العزت میں یہ دُعا فرما رہے تھے "اے اللہ تعالیٰ! تو زینب کی مشکلات کو آسان فرمادے اور اس کی قبر کی تنگی کو کشادگی میں بدل دے۔" (اسد الغابہ ص ۴۶۸)

حضرت ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سانحۂ ارتحال کے چند روز بعد حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ (اسد الغابہ۔ دُرِّ منثور)

حضرت سیدہ رقیہ بنتِ رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضور نبی اکرم رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی دُوسری صاحبزادی حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی عمر شریف کے تینتیسویں سال یعنی اعلانِ نبوت فرمانے سے قبل حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطنِ اطہر سے پیدا ہوئیں جمہور کے نزدیک یہ اپنی بڑی ہمشیرہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تین سال چھوٹی تھیں۔ اعلانِ نبوت فرمانے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح اپنے چچا ابو لہب کے بیٹے عتبہ سے کر دیا تھا، جبکہ دُوسری صاحبزادی سیدہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ابو لہب کے دُوسرے بیٹے، عتیبہ کے ساتھ کر دیا تھا۔[1] جب رسولِ اکرم نبی محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اعلان نبوت فرمایا تو کفارِ مکہ نے

---

[1] اکثر کتب سیر و تواریخ میں اسی طرح درج ہے، البتہ "روضۃ الاحباب" میں اس کے برعکس مرقوم ہے یعنی عتبہ کی جگہ عتیبہ اور عتیبہ کی جگہ عتبہ۔ خیال رہے کہ عتیبہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ۱۲ منہ

ابوالعاص بن ربیع، عتبہ بن ابولہب، اور عتیبہ بن ابولہب کو ترغیب دی کہ وہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادیوں کو طلاق دے دیں۔ ابُوالعاص نے انکار کر دیا، لیکن ابولہب کے دونوں بدبخت بیٹے طلاق دینے پر آمادہ ہو گئے۔ (طبری جُز ثالث؛ ابن ہشام)

صحیح روایت میں آیا ہے کہ جب سُورۃ تبت یدا نازل ہوئی، تو ابولہب اور اُس کی بیوی حمالۃ الحطب اُمِ جمیل نے کبیدہ خاطر ہو کر عتبہ سے کہا "او عتبہ! تیرا سر مجھ پر حرام ہے اگر رقیہ بنتِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو طلاق نہ دے تو تیرا ہمارے ساتھ رہنا سہنا اُٹھنا بیٹھنا حرام ہے۔ اس وقت تک حضرت سیدہ رقیہ و سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چونکہ ابھی بچپنا تھا، اس لئے رخصتی بھی نہ ہوئی، محض زبانی عقد ہوا تھا۔

(طبقات ابن سعد۔ اصابہ کتاب النساء)

بدبخت عتبہ اپنے والدین کو راضی کرنے کے لئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور گستاخانہ لہجے میں رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دی۔ اہلِ سیر کے نزدیک اِس بدبخت نے نہ صرف بدکلامی کی، بلکہ حضور سیدِ عالم رسُولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کُرتہ مبارک چاک کر دیا اور اپنا ناپاک تھوک اِمام الطاہرین سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جانب پھینکا اور کہا کہ میں نے رُقیہ کو طلاق دے دی ہے۔ اس کی اس خبیث حرکت پر اُس مخبرِ صادق رسُولِ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے اللہ تعالیٰ نے یہ جملہ نکلوا دیا؛

اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْبًا مِّنْ کِلَابِکَ۔

"اے اللہ تعالیٰ! اس (ملعون) پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط فرما دے"

اہلِ سیر فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت ابوطالب مجلسِ شریفہ میں حاضر تھے۔ انہوں نے فرمایا؛

"میں نہیں جانتا کہ اب کونسی چیز تجھے اس دُعا کے تیر سے بچا سکے گی؟"

الغرض یہ سیاہ باطن اپنے بدبخت باپ کے ساتھ مُلکِ شام کی طرف تجارت کی غرض سے روانہ ہوا۔

تو راستہ میں ایک جنگل میں حسبِ سابق پڑاؤ کیا۔ ابولہب نے اہل قافلہ سے کہا کہ آج رات تم سب میری مدد کرو کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں آج (حضرت) محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی دُعا میرے بیٹے کے حق میں اثر نہ کر جائے۔ اس پر سب اہل قافلہ نے اپنے اونٹوں پر لدا ہوا مالِ تجارت ایک جگہ جمع کرکے ایک بُلند چبوترہ بنایا، پھر اُس کے اوپر پوری حفاظت کے ساتھ عتبہ کے لیے سونے کی جگہ بنا دی اور خود اس کے گرداگرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔ جب یہ اپنا انتظام کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے اِن پر نیند کو مسلط فرما دیا۔ اس کے بعد ایک شیر آیا اس نے ان میں سے ایک ایک کے منہ کو سُونگھا (اس وقت اگرچہ ان سب کو اس چیز کا احساس تو ہوا، مگر نیند کا غلبہ ایسا تھا کہ حرکت نہ کر سکے) شیر نے ان میں سے کسی کو کچھ نہ کہا پھر اُس نے جست لگائی اور مالِ تجارت کے اس ڈھیر پر چڑھ گیا جہاں عتبہ سویا ہوا تھا شیر نے اُسے گردن سے جا دبوچا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (مدارج النبوۃ)

سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قبول اسلام

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنی والدہ محترمہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ہی اعلانِ اسلام کیا اور اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ اپنے ذی شان والدِ گرامی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ (طبقات)

حضرت عثمانِ غنی کا قبولِ اسلام اور سیدہ رقیہ سے عقد

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک دن حرمِ کعبہ کے صحن سے اُٹھ کر اپنے گھر گیا، تو اتفاق سے میری خالہ سعدہ تشریف فرما تھیں، ان کو کتبِ سابقہ اور کہانت میں بہت مہارت حاصل تھی، انہوں نے مجھے دیکھتے ہی فی البدیہہ اشعار پڑھے[1]۔

---

[1] "اصابہ فی معرفۃ الصحابہ" صفحہ ۶۲۸ پر اشعار درج ہیں۔ اس جگہ صرف اُن کا ترجمہ نقل کیا جا رہا ہے۔ شائقین اصابہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ منہ

ترجمہ: "اے عثمان! تجھے مبارک ہو، تجھے خوشخبری ہو اور تم پر سلام ہو، تین مرتبہ، پھر تین مرتبہ، پھر تین مرتبہ، پھر ایک مرتبہ، یوں پورے دس سلام ہوں تمہیں بھلائی نصیب ہو اور برائی سے محفوظ رکھے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! تم نے ایک نہایت ہی پاکیزہ کردار عفت مآب حسینہ جمیلہ خاتون سے نکاح کیا۔ تم بھی ناکتخدا (یعنی کنوارے) ہو، وہ بھی ناکتخدا ہی تجھے عطا ہوئی۔ تم نے ایک بہت بڑے جلیل القدر عظیم المرتبہ شخص کی بیٹی سے نکاح کیا۔"

حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں، "مجھے ایسی گفتگو سے سخت تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا: "اے خالہ! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" انہوں نے فرمایا:

ترجمہ اشعار: "اے عثمان! اے عثمان! اے عثمان! تم صاحب جمال ہو اور صاحب شان وہ نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) صاحب حق ہیں اور صاحب برہان، وہ رسول برحق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں اور ان پر فرقان (حق و باطل کو جدا جدا کر دینے والا یعنی) قرآن کریم نازل ہوا ہے، اُن کی اتباع کرو اور اوثان (یعنی بتوں) کے قریب بھی نہ جاؤ۔"

میں اس مرتبہ بھی پوری طرح نہ سمجھ سکا اور کہا: "خالہ! اشارات میں نہیں بلکہ واضح طور پر فرمائیں۔" تو انہوں نے فرمایا:

إِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللهِ
رَسُولُ اللهِ مِنْ عِنْدِ اللهِ بِتَنْزِيلِ
اللهِ يَدْعُوا بِهِ إِلَى اللهِ مِصْبَاحُهُ
مِصْبَاحٌ وَدِينُهُ فَلَاحٌ مَا يَنْفَعُ
الصِّيَاحُ وَلَوْ وَقَعَ الذِّبَاحُ وَ
سُلَّتِ الصِّفَاحُ وَمُدَّتِ
الرِّمَاحُ۔ (اصابہ)

بے شک محمد بن عبداللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم لے کر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں۔ اس کا چراغ ہی دراصل چراغ ہے۔ اس کا دین ذریعہ فلاح ہے۔ اس وقت شور و غل کوئی نفع نہ دے گا جب [illegible] شروع ہو جائے گا اور تلواریں سونت [illegible] برچھیاں تن جائیں گی

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "ان کی اس خاص گفتگو سے میرے دل کی کیفیت بدل گئی اور میں انجامِ کار پر غور کرنے لگا۔ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اکثر بیٹھا کرتا تھا۔ اس واقعہ کے دو روز بعد میں ان کو ملنے کے لئے گیا۔ اس وقت یہ تنہا بیٹھے تھے۔ مجھے پریشان دیکھ کر سبب پوچھا، تو میں نے خلاصہ عرض کر دیا، وہ چونکہ میرے گہرے دوست تھے، اس لئے مجھے سمجھانے کے انداز میں انہوں نے فرمایا: "عثمان! تم سمجھدار آدمی ہو، اگر تم بھی حق و باطل میں تمیز نہ کر سکو تو بے حد تعجب ہے۔ تمہاری قوم جن بُتوں کی پرستش کرتی ہے کیا وہ پتھر کے بنے ہوئے نہیں ہیں نہ وہ دیکھ سکتے ہیں نہ سُن سکتے ہیں اور نہ تو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان" میں نے کہا "بے شک ایسے ہی ہے، آپ نے جو کچھ فرمایا ہے صحیح ہے" پھر (حضرت) ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا: "اے عثمان! بے شک اللہ تعالیٰ کی قسم جو کچھ تم کو تمہاری خالہ نے کہا ہے، بالکل صحیح کہا ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ حضرت محمد بن عبداللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لئے بھیجا ہے۔ اب اس میں کیا حرج ہے کہ تم اُن کی خدمت میں جاؤ، اور جو کچھ وہ فرمائیں، بڑے غور سے سنو"

چنانچہ میں بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے عثمان! اللہ تعالیٰ تم کو جنت کی طرف بلاتا ہے تم اس کو قبول کرو، میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں جو تمہاری اور تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔" خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان جملوں میں کیا اثر تھا کہ میں بے قابو ہو گیا اور بے اختیار اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا اور مسلمان ہو گیا۔ (اصابہ)

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شرفِ اسلام سے مشرف ہونے کے بعد

رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی زوجیت میں دے دیا۔ (طبقاتِ ابن سعد۔ درا لمنشور)

ہجرت ۵ ھ نبوت میں جب اہلِ مکہ کا ظلم وستم عروج پر تھا تو رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثار صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم صادر فرمایا۔ جس ہستی نے سب سے پہلے اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت حبشہ کی۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو اپنی زوجہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق حبشہ کی طرف تشریف لے گئے۔ جب سلامتی کے ساتھ حبشہ پہنچنے کی اطلاع ملنے میں دیر ہوگئی تو حضور نبی کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فکر دامن گیر ہوئی۔ پھر جب ایک عورت نے آکر خبر دی کہ میں نے حضرت عثمان کو حضرت سیدہ رقیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ساتھ دراز گوش پر سوار ہوکر جاتے دیکھا ہے تو رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اظہارِ اطمینان فرمایا اور ارشاد فرمایا: عثمان بن عفان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وہ پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے حضرت ابراہیم و حضرت لُوط (علیہما السلام) کے بعد اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔" اس کے بعد دُوسرے صحابہ بھی حبشہ پہنچ گئے (جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے۔ (طبقات، اصابہ، مدارج)

حبشہ میں ایک عرصہ تک قیام کرنے کے بعد حضرت عثمانِ غنی، حضرت سیدہ رقیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف واپس آگئے، پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بمعہ اہل وعیال بحکم نبوی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

علالت و رحلت ۲ ھ میں سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار ہوگئیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چیچک نکل آنے کی وجہ سے کمزوری اس قدر بڑھ گئی کہ آپ صاحب فراش ہوگئیں۔ یہی زمانہ جنگِ بدر کی تیاری کا تھا، اس لیے رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی اور حضرت اُسامہ بن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

کو صاحبزادی صاحبہ کی تیمارداری کے لئے مدینہ طیبہ میں ٹھہرنے کا حکم[1] دیا اور خود جماعت صحابہ کے ساتھ جنگ بدر میں تشریف لے گئے۔

یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ ہجرت کو ایک سال اور سات ماہ گزر چکے تھے کہ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال پُرملال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ عین اُس وقت جبکہ سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبرِ انور پر مٹی ڈالی جارہی تھی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتحِ بدر کی خوشخبری لے کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ (طبقات، اصابہ۔ مدارج)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری پر حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کا حال عرض کیا گیا تو رسول اکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کمالِ صبر و استقامت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَلْحِقِیْ بِسَلَفِنَا عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ ۔ (طبقات ابن سعد ص ۵۳۳)

"ہمارے پہلے گئے ہوئے صحابی عثمان بن مظعون کے پاس (عالمِ برزخ میں) یہ بھی روانہ ہوگئیں۔" (حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جلیل القدر اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب صحابی تھے، مہاجرین میں سے سب سے پہلے آپ ہی کا انتقال ہوا)

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک پر وہاں پر موجود تمام عورتیں رونے لگیں، اتنے میں حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آگئے اور عورتوں کو دیکھ کر ڈانٹ ڈپٹ فرمانے لگے۔ رسولِ محترم نبی مکرم پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا اے عمر! ان کو چھوڑ دو، کچھ نہ کہو، کیونکہ جب رونے کا تعلق قلب اور آنکھ سے ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر مبنی ہوتا ہے اور اگر ہاتھ اور زبان کھو یعنی بین اور ماتم، ہو تو اسے شیطان کی تحریک سمجھنا چاہیے۔ (اسد الغابہ۔ طبقات، اصابہ)

---

[1] ثواب کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو غازیانِ بدر میں شمار فرمایا کیونکہ یہ حکم نبوی کے مطابق ہی مدینہ طیبہ میں رکے تھے، اس لئے ان کو مالِ غنیمت سے بھی حصہ دیا گیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں تعزیت کرتے ہوئے حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے کلمات تعریف ذکر کئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ دُفِنَ الْبَنَاتُ مِنَ الْمَکْرُوْھَات ۔ (مدارج النبوۃ)

یعنی سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کہ دنیا کے تمام عیوب سے دامن بچا کر بیٹیاں عالم برزخ میں چلی گئیں۔" لیکن "استیعاب" میں یہ عبارت یوں ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ دُفِنَ الْبَنَاتُ الْمُکَرَّمَات ۔ (الاستیعاب ص۷۴۹)

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کہ عزت و کرامت والی بیٹیاں دفن کی گئیں۔"

ایک روایت میں ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک کے کنارے حضور نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کے پہلوئے مبارک میں بیٹھ کر (اپنی بڑی ہمشیرہ کی جدائی پر) رونے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی چادر شریفہ کے گوشوں سے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ (طبقات ابن سعد-اصابہ)

حبشہ میں قیام کے دوران حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن اطہر

اولاد سے ایک صاحبزادہ تولد ہوئے، ان کا اسم حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا اور ان ہی کی وجہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ تھی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر شریفہ ابھی چھ برس کی تھی کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ مار دی، جس پر تمام چہرے پر ورم آگیا اور یہی صدمہ بالآخر آپ کی وفات کا سبب بنا۔ چنانچہ جمادی الاول ۴ھ کو مدینہ طیبہ میں انتقال فرما گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ حضور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو لحد میں اتارا، اس کے بعد سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ (اسد الغابہ۔ طبقات ابن سعد)

حضرت سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حضور سیدِ عالم نبی محتشم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تیسری شہزادی حضرت سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ ان کے اصل نام میں اختلاف ہے۔ مدارج النبوۃ میں ہے کہ ان کا اسمِ گرامی آمنہ تھا، جبکہ اُمِ کلثوم کنیت تھی۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ اُمِ کلثوم، سیدہ رقیہ او سیدہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) سے بڑی تھیں، لیکن اربابِ سیر اس کے برعکس کہتے ہیں اور یہی زیادہ مشہور ہے۔

نکاحِ اوّل جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے کہ حضرت سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح بھی ابولہب کے بیٹے سے ہو چکا تھا، ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی کہ طلاق ہوگئی۔ اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا مخصوص انعام واکرام تھا کہ ربِ دوجہاں نے دونوں شہزادیوں (سیدہ رقیہ وسیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو دشمنِ حق ابولہب کے گھر میں جانے سے محفوظ رکھا اور قبل از رخصتی علیحدگی ہو گئی۔

نکاحِ ثانی جب سنہ ۲ ہجری میں حضرت سیدہ رُقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال پُرملال ہوگیا، تو حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جانکاہ صدمہ سے بہت زیادہ مغموم ومحزون رہنے لگے۔ حضور نبی اکرم، رحمتِ عالم رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جاں نثار صحابی اور محبوب داماد کی یہ حالت دیکھی تو ارشاد فرمایا "عثمان! کیا وجہ ہے کہ میں تم کو ہر وقت رنج والم میں ڈوبا ہوا پاتا ہوں" حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میں پریشان نہ ہوں تو اور کیا کروں؟ کہ مجھ پر تو وہ مصیبت پڑی ہے جو کسی پر نہ پڑی ہو گی۔ آپ کی شہزادی کے سانحۂ ارتحال نے میری کمر کو توڑ کر رکھ دیا ہے، کیونکہ جو رشتۂ قرابت

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے وابستہ تھا، اب منقطع ہو گیا ہے اور میں اس شرف سے محروم ہو گیا ہوں۔ ابھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ پُر ملال گفتگو مکمل نہ ہوئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، عثمان! یہ دیکھو جبریل امین مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پہنچا رہے ہیں کہ میں اپنی بیٹی اُمِ کلثوم کو اُسی مہر پہ جو میری بیٹی رقیہ کا تھا، تمہارے عقد میں دے دوں۔" (ابن ماجہ عن ابی ہریرہ و نور الابصار، اسد الغابہ صفحہ ۶۱۲-۶۱۳)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ماہِ ربیع الاوّل شریف ۳ھ کو جنابہ سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقد میں دے دیا اور نکاح کے دو ماہ بعد جمادی الآخر ۳ھ کو رخصتی عمل میں آئی۔ (طبقات ابن سعد)

فضیلت سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جب حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال پُر ملال ہو گیا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میری بیٹی سیدہ حفصہ سے شادی کر لو تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تامل سے کام لیا، کیونکہ وہ سُن چکے تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُن سے نکاح فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربارِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، اے عمر! کیا حفصہ کے لئے عثمان سے بہتر شوہر اور عثمان کے لئے حفصہ سے بہتر زوجہ نہ بتا دوں؟" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ ضرور یا رسول اللہ ارشاد فرمائیے! چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ام المومنین بنا لیا اور سیدہ ام کلثوم کا عقد حضرت عثمانِ غنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے کر دیا۔ (طبقات ابن سعد)

اور یوں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ شرف ملا کہ پوری نسلِ انسانی میں جو کسی کو نہ ملا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دو شہزادیوں کا (یکے بعد دیگرے) شوہر بننا۔

اسی بنا پر آپ کا لقب ذُوالنّورین ہے۔ (یعنی دو نوروں والے)
علامہ سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "سوائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور کسی شخص کو یہ شرف حاصل نہیں کہ یکے بعد دیگرے کسی نبی کی دو بیٹیاں اُس کے عقد میں آئی ہوں۔" (تاریخ الخلفاء)

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: حضرت عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن اُمیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف۔ اس جگہ یہ شجرۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں شامل ہو جاتے ہیں۔
والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یوں ہے: اُروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدالشمس بن عبد مناف۔
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نانی کا نام اُم حکیم البیضاء بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھا۔ اُم حکیم البیضاء اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ اس رشتہ کے اعتبار سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سگی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ (تاریخ الخلفاء)

سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہجرت

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی تو اپنے اہل و عیال کو مکہ مکرمہ میں ہی چھوڑ دیا تھا۔ جب حالات مکہ زیادہ نازک اور خطرناک ہو گئے، تو اُم المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی معیت میں حضرت اُم کلثوم اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئیں۔ (طبقات ابن سعد)

اَولاد حضرت سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی (طبقات ابنِ سعد)

وَفات سَیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شادی کے پانچ سال گزرنے کے بعد ماہِ شعبان المعظم ۹ھ کو انتقال فرمایا۔

حضرت اسماء بنت عمیس، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انصار کی عورتوں کہ جن میں حضرت اُمِ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شامل تھیں مل کر اُن کو غسل دیا۔ نماز جنازہ سرورِ کون و مکاں، محبوبِ ربِ دو جہاں، رحمتِ عالمیاں حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود پڑھائی۔ حضرت ابو طلحہ، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کو قبر انور میں اتارا۔ (طبقات ابن سعد۔ اسد الغابہ۔ نور الابصار)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلتِ مبارکہ سے حضور نبی مکرم رسولِ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سخت صدمہ پہنچا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی قبر انور کے قریب ہی تشریف فرما تھے۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مُبارک آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ (الاستیعاب)

حضرت سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت مبارکہ کے بعد حضور رحمت عالم نبی اکرم رسُولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری دس لڑکیاں بھی (غیر شادی شدہ) ہوتیں، تو میں اُن کو یکے بعد دیگرے (اگر وہ اسی طرح فوت ہوتی رہتیں تو) عثمان کے نکاح میں دے دیتا۔ (طبقاتِ ابنِ سعد)

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادیوں میں سب چھوٹی اور سب سے بڑھ کر محبوب شہزادی کا اسمِ گرامی حضرت فاطمہ اور کنیت ام محمد ہے۔ میرے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ وہ شہزادی ہیں کہ جن پر تمام مکارمِ اخلاق اور اوصاف وفضائل ختم تھے۔ گویا تاجدارِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے ایک بہترین نمونہ کا دوسرا نام فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے القابات میں سیدۃ النساء، زہراء، طیبہ، طاہرہ، مطہرہ، زاکیہ، راضیہ، مرضیہ، عابدہ، زاہدہ، اور بتول مشہور اور نہایت مقبول القابات ہیں۔ علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ شرح قصیدہ ہمزیہ کی شرح میں فاطمہ، بتول، زہراء کی وجہ تسمیہ یوں تحریر فرماتے ہیں کہ "فاطمہ" اس وجہ سے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے محبت رکھنے والے کو آتشِ دوزخ سے محفوظ فرمایا۔ "بتول" اس لئے کہ آپ زمانہ بھر کی عورتوں میں ممتاز اور صاحبِ فضیلت تھیں۔ "زہراء" اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو حیض سے محفوظ و مامون رکھا۔

صاحب اخبار الدول "زہراء" کی وجہ تسمیہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ولادت باسعادت عصر ومغرب کے درمیان ہوئی۔ آپ اسی وقت نفاس سے پاک ہوئیں اور نمازِ مغرب ادا فرمائی۔

علامہ قسطلانی علیہ الرحمہ "مواہب لدنیہ" میں تحریر فرماتے ہیں "فطم" کا لفظی معنی بچے کو دودھ پینے سے روکنے کے ہیں، تو گویا "فاطمہ" سیدہ عالم لوگوں کو آتشِ دوزخ سے روکنے والی ہیں، جبکہ "بتول" مشتق ہے بتل سے، جس کے معنی ہیں قطع کرنے کے "منتہی الادب" میں لکھا ہے کہ بتول بروزن صبور اس عورت دوشیزہ کو کہتے

ہیں، جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا ہر شے سے الگ ہو، اسی لئے حضرت مریم والدۂ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب بھی "بتول" تھا۔

ولادت باسعادت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت کی تاریخ میں قدرے اختلاف ہے۔ امام ابوبکر رازی حضور نبی اکرم رسولِ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اکتالیسویں سال ولادت باسعادت تحریر فرماتے ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل سن ولادت تحریر فرمایا، اور یہی مشہور ہے۔ (مدارج النبوۃ)

حضرت ابن سعد فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولادت باسعادت اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مشغول تھے (طبقات)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایت مروی ہے۔ نیز یہ کہ اس وقت رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر شریف ۳۵ برس کی تھی اور آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عمر میں پانچ سال بڑی تھیں۔ (اصابہ فی معرفۃ صحابہ)

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اپنی والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ہمشیرانِ ذی وقار کے ساتھ ہی رسولِ اکرم، نبیٔ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعتِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔

نکاح مبارکہ جب رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ طیبہ میں جلوہ گر ہوئے تو کئی صحابہ کرام علیہم الرضوان نے رسولِ کریم نبیٔ عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے شرفِ نسبت حاصل کرنے کے لئے جنابِ سیدہ کی خواستگاری کی مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کو یہی جواب دیا کہ "ابھی اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار ہے۔" (طبقات ابنِ سعد)

"جلاء العیون" میں ہے کہ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس تشریف لے گئے، جبکہ آپ ایک باغ کو پانی دے رہے تھے۔ ان دونوں حضرات نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خواستگاری کی ترغیب دی۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اپنی بے سروسامانی کا ذکر کیا، تو ان دونوں دوستوں نے اصرار کیا کہ اے علی! تم ضرور جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ کے لئے خاص کر رکھا ہے۔ چنانچہ اس ترغیب پر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے، مگر شرم کی وجہ سے کچھ عرض نہ کر سکے۔ رسولِ کریم سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نگاہِ نبوت سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے منشا کو سمجھ گئے اور فرمایا کہ اے علی! کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اصل مدعا عرض کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہت مسرور ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اے علی! اللہ تعالیٰ نے تمہارا نکاح آسمانوں پر فاطمہ سے فرمایا ہے۔ پھر فرمایا: "تمہارے پاس حق مہر کے لئے کیا ہے؟" تو شیرِ خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے عرض کیا: ایک اونٹ، ایک تلوار اور ایک زرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زرہ کو فروخت کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے زرہ فروخت کر کے رقم بارگاہِ اقدس میں پیش کر دی۔ رسولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس رقم میں سے ایک مٹھی بھر کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی اور حکم دیا کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے عطر و خوشبو لے آؤ۔ دو مٹھیاں بھر کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ گھریلو سامان خرید لاؤ۔ پھر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور جماعتِ صحابہ کو بازار بھیجا۔ بحکم رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء جو کوئی جو شے بھی خریدتا تھا حضر

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ سے خریدتا تھا۔ چنانچہ ایک پیراہن سات درہم میں، ایک مقنعہ چار درہم میں ایک چادر سیاہ مصری، ایک کرسی جس کے دونوں پاٹ خرمے کی چھال سے جڑے ہوئے تھے، دو عدد توشک جامہ ہائے مصری، ایک خرما کی چھال سے بھرا، دوسرا بھیڑ کی اون سے، چار تکیے کہ جن میں اذخر گھاس بھرا ہوا تھا۔ ایک پردہ پشم اور بوریائے ہجری، چکی اور بادیہ مسی، ایک ڈول چمڑے کا، ایک پیالہ لکڑی کا، ایک مشکیزہ پانی کے لئے، ایک آفتابہ روغنی، ایک سبوئے سبز اور مٹی کے پیالے خریدے گئے۔ جب صحابہ کرام نے یہ سامان بارگاہِ اقدس میں پیش کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک چیز کو دست مبارک میں لے کر ملاحظہ فرمایا اور پسند بھی فرمایا اور اپنے اہل بیت کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ بروایتِ دیگر آنسو چشمہائے مبارک سے جاری ہوئے اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر دُعا فرمائی کہ "اے اللہ تعالیٰ! اس گروہ کو برکت عطا فرما کہ جن کے برتن زیادہ تر مٹی کے ہوں۔" (خلاصہ روایات جلاء العیون اردو، جلد ۱ مطبوعہ: شیعہ جنرل بک ایجنسی، لاہور، ص ۱۶۹ تا ۱۷۴)

دیگر: حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ جب میں نے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے پیغام نکاح دینے کا ارادہ کیا، تو میرے پاس حق مہر ادا کرنے کے لئے کوئی شے نہ تھی۔ میں اسی شش و پنج میں تھا تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ "تم مہر کیا دو گے؟" میں نے عرض کیا "میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔" فرمایا: "وہ زرہ حطمی کہاں ہے؟ جو میں نے تمہیں جنگ بدر کے بعد دی تھی؟" میں نے عرض کیا: "وہ تو میرے پاس ہے۔" فرمایا: "وہی مہر میں دے دو۔" چنانچہ وہی زرہ (یعنی اُس کی رقم) حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حق مہر بنی۔ (طبقات ابن سعد)

سامانِ جہیز کی دیگر روایت

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لاڈلی شہزادی سیدہ عالم حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو درج ذیل جہیز عطا فرمایا" ایک نقشی تخت، ایک تکیہ (کہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی) ایک پیالہ، ایک جوڑا لباس، ایک مشکیزہ، دو چکیاں اور دو گھڑے۔ (طبقات ابن سعد)

ولیمہ

مدارج النبوہ میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ میں نے ایک یہودی سے قرض لے کر چند صاع کھجوریں او رجو خرید کر ولیمہ کیا۔

(مدارج النبوۃ، بحوالہ احمد۔ مواہب لدنیہ)

طبقات ابن سعد میں ہے: "جب نکاح سے فراغت ہوگئی تو حضور اکرم سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شادی کے لئے ولیمہ بھی ضروری ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک بھیڑ ہے، اس سے ولیمہ کر دیا جائے اور اسی طرح انصار کے ایک قبیلہ نے حسبِ استطاعت انتظام ولیمہ کیا۔ (طبقات)

بوقتِ شادی عمر شریف

مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح بدر سے واپسی پر ماہِ رمضان المبارک ۲ھ میں ہوا اور ماہِ ذوالحجہ میں رخصتی ہوئی۔ تقریب نکاح کے بارے میں ایک قول ماہ رجب اور دوسرا قول ماہِ صفر المظفر کا بھی ہے۔ عمر شریفہ پندرہ سال ساڑھے پانچ ماہ تحریر ہے، جبکہ دوسری روایت کے مطابق عمر مبارک اٹھارہ سال تھی اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی عمر شریفہ اکیس سال پانچ ماہ تھی (مدارج)

جلاء العیون میں ہے: شیخ مفید اور ابن طاؤس اور اکثر اعاظم علماء نے لکھا ہے کہ یہ مزاوجت (شادی) باسعادت پنجشنبہ ۲۱ ماہِ محرم ۳ھ کو واقع ہوئی ہے۔ شیخ طوسی نے امالی میں روایت کی کہ زفاف جناب امیر و جناب فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

سولہ روز بعد از وفات سیدہ رقیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بعد مراجعت جنگِ بدر ہوئی اور چند روز شوال کے گزر گئے تھے۔ کشف الغمہ میں جنابِ صادق علیہ السلام سے روایت ہے تزویج جنابِ امیر ماہِ مبارک رمضان میں اور زفاف ماہِ ذوالحجہ ۲ھ میں ہوا۔ (جلاء العیون جلد ۱)

اصول کافی میں جناب سیدہ کی ولادت باسعادت ۵ھ بعثت تحریر ہے اور عمر شریفہ بوقتِ رحلت ۱۸ سال ۷۵ یوم بتائی گئی، جن میں سے ۷۵ یوم بعد از وفات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تھے اور ولادت امام حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ۲ھ یا ۳ھ درج ہے۔ (اصول کافی از شیخ محمد یعقوب کلینی)

اس اعتبار سے ولادتِ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر شریفہ دس سال یا گیارہ سال بنتی ہے۔ البتہ "الاستیعاب" میں ہے کہ ولادتِ سیدہ پہلے سنِ نبوت کو ہوئی۔ گویا بوقتِ نکاح عمر شریفہ تقریباً ۱۵ سال تھی (واللہ اعلم)

رخصتی بطرف خانۂ مرتضوی

یہ ایک فطرتی بات ہے کہ لڑکی کو اپنے والدین کا مانوس گھر چھوڑ کر ایک نئے گھر کو آباد کرنا ہوتا ہے۔ اپنے والدین کے گھر کے در و دیوار اس کے لیے یک بیک بیگانے بن جاتے ہیں وہ شفیق والدین کہ جن کا سایۂ رحمت حرزِ جاں تھا، ان سے مفارقت اختیار کرنا پڑتی ہے یہ وہ لمحات ہیں کہ ایک باوفا بیٹی تقاضائے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر زار و قطار روتی رہتی ہے۔

جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کچھ ایسے ہی ہوا جب بخیالِ مفارقت آپ رو رہی تھیں، تو رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور اپنی لختِ جگر کو دلاسا دیتے ہوئے فرمایا: بیٹی! کیوں رو رہی ہو تمہاری شادی ایک ایسے شخص سے ہو رہی ہے جو علم و حلم میں سب سے افضل اور اسلام لانے میں سب سے اول ہے۔ (اسد الغابہ)

حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں تشریف لائے، تو سعادتِ قیام حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کو ملی جب جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو حکم دیا کہ تم کوئی مکان کرایہ پر لے لو۔ چنانچہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کاشانۂ نبوی سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے لیا۔ حضور نبی اکرم رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسی مکان میں سیدہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کی رخصتی فرمائی اور جناب شیرِ خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ارشاد فرمایا: "اے علی! تم میرا انتظار کرو، جب تک کہ میں نہ آؤں۔" تھوڑی دیر بعد رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی کے گھر تشریف لائے۔ اس وقت اس گھر میں جناب سیدہ کی خدمت و تعظیم کے لیے حضرت اُمِّ ایمن اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی موجود تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پانی طلب فرمایا جو کسی پیالہ وغیرہ میں پیش کیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانی سے اس میں وضو فرمایا اور وہ پانی حضرت علی المرتضیٰ کے دونوں شانوں، بازوؤں اور سینہ پر چھڑکا، پھر جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلب فرمایا جو شرم و حیاء سے جھجکتی ہوئی حاضر ہوئیں، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن پر بھی پانی چھڑکا اور دُعا فرمائی:۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِمَا وَبَارِكْ عَلَيْهِمَا وَبَارِكْ لَهُمَا فِيْ نَسْلِهِمَا.

(خلاصہ روایات طبقات، اسد الغابہ، اصابہ)

رخصتی کے کچھ عرصہ بعد ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں جلوہ افروز تھے اور جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حاضرِ خدمت تھیں، اثنائے گفتگو میں ارشاد فرمایا: بیٹی! میرا جی چاہتا ہے کہ تم کو اپنے قریب بلا لوں؟ جناب سیدہ نے عرض کیا: آپ حارث بن نعمان سے فرمائیے

ن کے مکانات آپ کے قریب ہیں، وہ کوئی مکان ہمیں دے دیں۔" رسُول محترم نبی اکرم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: بیٹی! حارث بن نعمان سے یہ بات کہتے ہوئے
ے شرم آتی ہے۔" اتفاق سے اس بات کی خبر حضرت حارث بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ہو گئی، وہ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ
اپنی صاحبزادی صاحبہ کو اپنے قریب کے مکان میں منتقل کرانا چاہتے ہیں، لہٰذا میرے
کانات موجود ہیں، آپ پسند فرمالیں اور فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو بُلا لیجئے۔
یری جان اور میرا مال، اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول پر قربان ہے اور اللہ تعالیٰ کی قسم
و چیز آپ مجھ سے قبول فرمائیں گے، مجھے اُس کا آپ کے پاس رہنا میرے پاس
ہنے سے زیادہ محبوب ہوگا۔ رسُول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم بہت خوش ہوئے
اور ارشاد فرمایا: اے حارث! تم نے سچ کہا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں تم پر
ا زل ہوں۔" پھر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت حارث بن نعمان
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں منتقل کروالیا۔ (طبقات، اصابہ)

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فضائل

فضائل و مُناقب

مُناقب بے شمار ہیں اور آپ فضل و کرامت کی اس بُلندی
پر فائز ہیں کہ اُس کی گردِ راہ کو پانا بھی ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں۔ اِس
اعترافِ حقیقت کے ساتھ یہ بندۂ ناچیز (مؤلف کتاب ہذا) جنابہ سیدۃ النساء
فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کچھ فضائل و مناقب کتب سیر و احادیث سے
نقل کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ ربّ کریم غفور الرحیم کی بے پایاں رحمت سے کچھ
بعید نہیں کہ اس ناچیز کا یہی عمل اس کی بخشش کا بہانہ بن جائے۔ (آمین) اس لئے بھی
کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "کوئی شخص اُس وقت تک
کامل مومن نہیں ہوتا، جب تک میں اُس کو اُس کی جان سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں"

اور میری اولاد اُس کو جان سے پیاری نہ ہو جائے اور میرے اہل اُس کو اپنے اہل سے پیارے نہ ہو جائیں اور میری ذات (سب مخلوق) سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب نہ ہو جائے۔"

اور فرمایا: "جو مجھ سے توسّل کی تمنا رکھتا ہو اور وہ چاہتا ہو کہ قیامت کے دن اسے میری شفاعت نصیب ہو، اسے چاہیے کہ وہ میرے اہل بیت کی نیاز مندی کرے اور ان کو خوش رکھے۔ (بیہقی۔ دیلمی)

نیز فرمایا: "جو (میرے) ان اہل بیت سے لڑائی کرے گا، میں اس سے لڑوں گا اور جو اُن سے صلح کرے گا، میں اُس سے صلح کروں گا۔" (ترمذی۔ ابن ماجہ، حبان۔ حاکم)

نیز ارشاد فرمایا: "فاطمہ میرا جزو ہیں جو انہیں ناگوار ہوگا، وہ مجھے بھی ناگوار ہے، جو اُنہیں پسند ہوگا، وہ مجھے بھی ناپسند ہے۔ (یاد رکھو) قیامت کے دن میرے نسب، سبب، اور رشتہ داری کے سوا باقی تمام لوگوں کے نسب منقطع (یعنی بے فائدہ) ہو جائیں گے۔ (رواہ احمد، حاکم)

اللہ رب العزت جل شانہ نے حضور سیدِ عالم رسولِ مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادی کو جو عزت و رفعت عطا فرمائی ہے، وہ ان ہی کا حصہ ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بے شک میرے پاس ایک فرشتہ آیا جو آج رات کے سوا پہلے کبھی بھی زمین کی طرف نہیں اُترا، اُس نے اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگی کہ وہ مجھ کو سلام کرے اور خوشخبری دے کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن و حسین نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔" (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) (رواہ الترمذی)

ابن عمیر بیان فرماتے ہیں کہ میں اپنی پھوپھی صاحبہ کے ساتھ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے ام المؤمنین سے عرض کیا کہ فرمائیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب انسانوں میں سے زیادہ

کس سے محبت فرماتے تھے"؟ انہوں نے فرمایا کہ "فاطمہ سے"۔ میں نے عرض کیا کہ مردوں میں محبوب کون تھا"؟ فرمایا: "اُن کے شوہر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم (ترمذی)

مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زمین پر چار خط کھینچے اور فرمایا "تم جانتے ہو یہ کیا ہے"؟ سب نے عرض کیا کہ "اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسُول زیادہ واقف ہے۔" تو فرمایا: فاطمہ بنت محمدؐ۔ خدیجہ بنت خویلد۔ مریم بنت عمران۔ آسیہ بنت مزاحم۔(زوجہ فرعون) ان عورتوں کو جنت کی سب عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ (الاستیعاب)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی اکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے جسمِ انور پر ایک اُونی سیاہ منقش چادر اوڑھے تشریف فرما تھے، اتنے میں حضرت حسن بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) آئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اِن کو اس میں داخل کرلیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے ان کو بھی چادر میں داخل فرمالیا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں ان کو بھی اس چادر میں داخل کرلیا۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم آئے ان کو بھی چادر مبارکہ میں داخل فرمالیا اور کہا (یعنی یہ آیۂ کریمہ پڑھی)

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ "اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی دُور فرمادے (اے میرے) اہل بیت اور تم کو خوب خوب پاک اور ستھرا بنادے۔" (صحیح مسلم)

جب رسُولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر یا جنگ واپس تشریف لاتے تو سب سے اول مسجد میں جاکر (اگر وقت ممانعت نہ ہو تو) دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ پھر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے۔ پھر

امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے حجراتِ مبارکہ میں جلوہ افروز ہوتے (الاستیعاب)
حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے ہر انداز مثلاً کھانے پینے، بول چال،
غرض کہ ہر کام میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پوری پوری تقلید فرماتی تھیں۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ "میں نے فاطمہ
(رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے زیادہ نشست و برخاست، عادات و خصائل طرزِ گفتگو اور
لب و لہجہ میں حضور نبی اکرم شفیعِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا۔
جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے والدِ ذی وقار کی خدمت میں حاضر ہوتیں، تو
اللہ تعالیٰ کے رسولِ مقبول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کھڑے ہو جاتے اور اپنی لختِ جگر
کی پیشانی کو چومتے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھا لیتے۔ یہی طریقہ اور عمل حضرت فاطمۃ الزہراء
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا" (الاستیعاب۔ ابوداؤد)

دُوسری روایت میں ہے کہ جنابِ سیّدہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے
مُبارک ہاتھوں کو بوسہ دیتی تھیں۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہایت متقی، پرہیزگار، دیندار
خاتون تھیں۔ آپ کی مبارک زندگی کا تمام تر حصّہ زہد و قناعت پر بسر ہوا۔ صبر و تحمل،
زُہد و بُردباری، دُنیاوی تکالیف و مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لینا، درگزر
اور عفو و کرم سے کام لینا، ایثار و سخاوت، یہ تو سب کچھ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے
والدِ گرامی قدر سے وراثت میں ملا تھا۔ اپنے گھر کا سارا کام کاج خود اپنے ہاتھوں سے
سر انجام دیتیں۔ چکی پیسنا، کپڑے دھونا، گھر میں جھاڑو دینا، بچوں کو سنبھالنا،
کھانا تیار کرنا، پانی بھرنا، یہ سب فرائضِ خانگی میں شامل تھا۔

فتوحات کی کثرت تھی، خالقِ کائنات جلّ شانہٗ کی عطا سے رسولِ رحمت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مال و زر کے خزانے لٹا رہے تھے، مگر اس میں اہلِ بیتِ نبوی

کے لئے کوئی حصہ نہ تھا۔ اگر کبھی اس بارہ میں عرض کیا بھی جاتا تو رسُول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی دوسرے طریقہ سے تسکین و تشفی فرما دیتے۔ کبھی وعظ و نصیحت فرماتے ہوئے دُنیا کی بے ثباتی کا ذکر کرکے کوئی وظیفہ ارشاد فرما دیتے۔

ائمۂ حدیث فرماتے ہیں کہ چکی پیس پیس کر جنابہ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نرم و نازک ہاتھوں پر چھالے اور گھٹے سے بن گئے تھے۔ چولہا پھونکتے پھونکتے رُخ زیبا متغیر ہو جاتا، دُھوئیں سے آنکھیں سُرخ ہو جاتیں لیکن قدرت نہ تھی کہ ایک کنیز ہی رکھ لیں۔

ایک دن حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا میرے فاطمہ! اب تو پانی بھرتے بھرتے سینہ بھی درد کرنے لگا ہے، آج کل دربارِ نبوت میں بہت سے قیدی آئے ہوئے ہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم غلام اور کنیزیں تقسیم فرما رہے ہیں تم بھی جاؤ اور ایک خادم یا خادمہ مانگ لاؤ۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے حکم پر جناب سیدہ خیر النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا دربارِ اقدس میں حاضرِ خدمت ہوئیں۔ حضور نبی رحمت، سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی لختِ جگر سے آنے کا مقصد پوچھا تو عرض کیا کہ "بس زیارت اور سلام کرنے کے لئے حاضر ہوئی ہوں"۔ شرم و حیا کی وجہ سے اصل مدعا عرض نہ کر سکیں، ایسے ہی خالی ہاتھ واپس تشریف لے آئیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تو صاف صاف بتا دیا کہ بس سلام کرکے واپس آگئی ہوں، میری شرم و حیا نے مجھے سوال کرنے کی اجازت نہ دی۔ پھر دونوں میاں بیوی حضور رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے عرض کیا: "یارسُول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم) پانی بھرتے بھرتے سینہ درد کرنے لگا ہے"۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی

لہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ہمارے گھروں میں بعض اوقات ایک ایک ماہ تک کچھ نہ پکتا۔ اِس دوران ہمارا کھانا محض کھجوریں اور ستو ہوتا۔ (اللہ اکبر)

عرض کیا، چکی پیستے پیستے ہاتھوں پر گھٹے پڑ گئے ہیں، حضور کی بارگاہ میں بہت سے قیدی آئے ہوئے ہیں، کرم فرمائیے' ان میں سے کوئی ہمیں بھی عطا کر دیجئے۔" حضور نبی اکرم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تم کو کوئی خادم نہیں دوں گا۔ کیا میں اہلِ صفہ کے حق کو چھوڑ دوں اور اُن کو بھول جاؤں؟ جو فقر و فاقہ کی وجہ سے ایک ایک روٹی کے محتاج ہیں۔ میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ جو اُن پر صرف کروں اور اُن کی امداد کروں۔ سوائے ان قیدیوں کے، میں ان غلاموں کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے اصحابِ صفہ کی ضروریات پوری کروں گا۔"

جب یہ دونوں میاں بیوی یہ جواب سُن کر صبر و شکر کرتے ہوئے گھر واپس آگئے' تو خود رسُولِ محترم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُن کے کاشانۂ مقدس میں تشریف لائے۔ اس وقت دونوں اپنے فقیرانہ بستروں پر لیٹ چکے تھے، لیکن جوں نبیٔ رحمت شفیعِ اُمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو تعظیم و تکریم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: "تم دونوں میرے پاس جو کچھ لینے کے لئے گئے تھے اور جس خواہش کا اظہار کیا تھا کیا میں تم کو اس سے اعلیٰ چیز نہ دے دوں"۔ انہوں نے عرض کیا: "ضرور ارشاد فرمائیے!" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ہر نماز کے بعد دس دس بار سُبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر پڑھا کرو اور سوتے وقت سُبحان اللہ ۳۳ بار، الحمد للہ ۳۳ بار اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کرو۔ یہی تمہارے لئے بہترین خادم ہے۔ (طبقات۔ اصابہ)

سُبحان اللہ تعالیٰ! کیا پورے زمانے میں (یعنی از ابتدا تا انتہا) کوئی ایسی کریم شخصیت مل سکتی ہے کہ جو اپنی محبوب ترین اولاد پر دُوسرے مسکینوں کو ترجیح دے دے۔ نہیں یقیناً میرے آقا رسُولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا زمانے بھر میں کوئی ثانی ہی نہیں۔ ایسی ہی اعلیٰ تربیت کا یہ نتیجہ تھا کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا و سیدنا علی المرتضیٰ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ وظیفہ پاکر غایت درجہ خوش ہوگئے اور شکر بجا لائے۔
سیّدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ محترمہ کو دیکھا کہ وہ گھر کی مسجد میں ساری ساری رات مشغولِ نماز رہتیں، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔ میں نے انہیں ہمیشہ مسلمانوں کے حق میں بہت زیادہ دعائیں کرتے ہوئے سُنا۔ اُنہوں نے اپنی ذات کے لئے کوئی دُعا نہ مانگی۔ میں نے عرض کیا کہ اے مادرِ مہربان! کیا وجہ ہے کہ آپ اپنے لئے کوئی دُعا نہیں مانگتیں؟ تو ارشاد فرمایا، یَا بُنَیَّ اَوَّلَ الْجِوَارِ ثُمَّ الدَّار۔
"اے میرے لاڈلے بیٹے! پہلے ہمسایہ پھر (اپنا) گھر"۔ (مدارج النبوۃ)
اس جگہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ خدانخواستہ یہ گھرانہ کوئی غریب گھرانہ تھا۔ معاذاللہ تعالیٰ ثم معاذاللہ تعالیٰ! بات یہ نہیں، بلکہ حق یہ ہے اس گھرانے سے بڑھ کر کوئی سخی گھرانہ ہے ہی نہیں۔ جو کچھ ہوتا وہ راہِ خدا میں تقسیم کر دیا جاتا۔ ذیل میں دو واقعات اسی موضوع پر نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ محترم نبیٔ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے تو وہ اپنے گلے سے سونے کا ہار اتار کر ہند بنت ہبیرہ کو دکھا رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ یہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے لاکر دیا ہے۔ رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے ہاتھ میں یہ ہار دیکھا، تو واپس تشریف لے آئے۔ حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سمجھ گئیں۔ انہوں نے وہ ہار فوراً فروخت کر دیا اور اُس کی قیمت سے ایک غلام خرید کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی، تو بہت خوش ہوئے اور الحمد للہ فرمایا (نسائی)۔
مروی ہے کہ شہزادگانِ گرامی قدر حضرت امام حسن مجتبیٰ و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے

جناب شیر خدا علی المرتضیٰ و سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ روزہ رکھنے کی منت مان لو تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو شفا عطا فرمائے۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ، مخدومہ عالم سیدۃ النساء اور حضرت فضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے منت مانی کہ شہزادے صحت یاب ہوگئے تو یہ تینوں حضرات تین روزے رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سبطین کریمین کو صحت عاجلہ کاملہ عطا فرمادی، تو ان تینوں نے روزہ رکھ لیا۔ پہلے روز افطاری سے قبل جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو پیس کر روٹی تیار کی، ابھی افطاری نہ فرمائی تھی کہ دروازے پر کسی فقیر نے روٹی کا سوال کیا، ان بزرگوں نے تمام کھانا اٹھایا اور سائل کو عطا فرمادیا خود پانی پی کر گزارا کر لیا۔ دوسرا دن ہوا روزہ رکھا، بوقت افطاری جو پیس کر روٹی تیار کی، تو آج پھر ایک سائل آگیا اور کہا کہ میں ایک یتیم ہوں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ کھانے کو دو۔ حضرت علی المرتضیٰ و فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آج بھی سائل کو سارا کھانا صدقہ کر دیا خود پانی پر افطار کرکے تیسرے روزے کی نیت کر لی تیسرے دن افطاری کے وقت حسب سابق کھانا جو تیار ہوا تو آج ایک قیدی کی آواز سنائی دی کہ میں کسی کی قید سے آزاد ہوا ہوں، ہے کوئی جو مجھے اللہ تعالیٰ کے نام پر کھانا دے، چنانچہ تیسرے دن کا کھانا بھی اسے عطا فرمادیا گیا۔ ادھر یہ بندگان خدا ایثار و قربانی کا یہ مظاہرہ کر رہے تھے۔ ادھر حضرت جبریل امین یہ آیہ مبارکہ لے کر بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں آرہے تھے کہ

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ (سورۃ الدھر ۷، ۸)

"وہ اپنی مانی ہوئی نذر کو پورا کرتے ہیں، اس دن سے ڈرتے ہیں کہ جس کی برائی پھیل جاتی ہے، اور کھانا کھلاتے ہیں اُس کی محبت پر، مسکینوں کو، یتیموں کو اور اسیروں کو۔"

خاندان مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سخاوت کے واقعات سے کتب احادیث و سیر و تواریخ بھری پڑی ہیں جس کا جی چاہے مطالعہ کرے، یہاں صرف حصول برکت کے لئے یہ دو واقعات نقل کئے گئے ہیں۔

والدین کے لئے ایک روشن مثال

جیسا کہ قبل ازیں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور نبی اکرم رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی لاڈلی لختِ جگر تھیں۔ ان کی تھوڑی سی رنجیدگی بھی گوارا نہ تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صاف صاف اعلان فرما دیا تھا کہ:

"فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو اسے دُکھ پہنچے گا، وہ مجھے پہنچے گا اور جس نے اسے اذیت دی (یعنی ستایا) اُس نے مجھے اذیت دی (ستایا)۔ (صحیح بخاری شریف)

کسی بھی لاڈلی بیٹی کا سسرال والوں کی شکایات کا والدین سے ذکر کرنا حیران کن نہیں، والدین کا بھڑک اٹھنا بھی قرینِ قیاس ہے مگر دُنیا بھر میں بیٹیوں کے والدین کے لئے رسولِ محترم نبی محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عمل مینارۂ نور ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان کچھ ناراضگی سی ہو گئی۔ اس میں کوتاہی حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی تھی۔ حضرت سیدہ کبیدہ خاطر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت فیضدرجت میں حاضر ہو گئیں اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شدتِ مزاج اور غصے کی شکایت کی (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے پیچھے روانہ ہو گئے اور ایسی جگہ چھپ کر کھڑے ہو گئے جہاں گفتگو سُن سکیں) جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بات سُن کر آقائے دو عالم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے میری بیٹی! میں جو کچھ کہوں، اس کو پورے غور سے سُنو اور اس پر عمل کرو۔ وہ مرد و عورت ہی کیا ہیں کہ جن کے درمیان کبھی کوئی امر واقع نہ ہوا ہو (یعنی ایسی معمولی معمولی باتیں تو عموماً ہو ہی جایا کرتی ہیں) اور کیا یہ ضروری ہے کہ مرد ہر کام عورت کی مرضی کے مطابق ہی کرے اور شوہر اپنی بیوی کو کچھ نہ کہے۔ (یعنی مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کام اپنی مرضی کے موافق کرے اور عندالضرورت عورت کو ڈانٹ بھی سکتا ہے)۔ (طبقات ابنِ سعد)

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر اس حکیمانہ اور مصلحانہ جواب کا اس قدر اثر ہوا کہ آئندہ کبھی کوئی ایسی بات نہ کی کہ جس سے مخدومۂ کائنات سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رنج و ملال ہو۔ بایں ہمہ اگر کبھی کبھار کو معمولی رنجش ہو بھی جاتی تو رسُولِ کبریا، محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم ان میں صلح کروا دیتے۔ ان دونوں کی مصالحت سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو بہت مسرت ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ایسا ہی اتفاق پیش آیا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ہاں تشریف لے گئے اُس وقت رُخِ زیبا پر رنج و ملال تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ان دونوں میں صلح کروادی۔ پھر جو آپ باہر تشریف لائے، تو رُوئے مبارک ہشاش بشاش تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم، آپ جب گھر کے اندر تشریف لے گئے تھے تو غمزدہ تھے اور جب باہر تشریف لائے تو نہایت مسرور شادماں ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ رسُولِ رحمت شفیعِ اُمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا "میں نے ایسے دو شخصوں میں صلح کروائی ہے، جو مجھے از حد محبوب ہیں۔" (طبقات - اصابہ)

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو دُنیا کی زیب و زینت سخت ناپسند تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا مشہور ارشاد گرامی ہے کہ:-

اَلدُّنیَا جِیفَۃٌ وَطَالِبُھَا کِلَابٌ۔ "دنیا مُردار کی مانند ہے اور اس کے چاہنے والے (یعنی اسی میں غرق ہونیوالے) کُتے ہیں۔"

دین کے مقابلہ میں دُنیا کو ترجیح دینا ابن آدم کو کسی صورت بھی زیبا نہیں، لیکن وہ مال و دولت کہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جمع ہو اور اُس کی رضا میں صرف ہو، وہ دنیا نہیں بلکہ توشہ آخرت بن جاتا ہے۔ بایں ہمہ رسُولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اپنی اہل بیت کو اس سے کلی طور پر محفوظ دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے، تو حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے

بطورِ خیر مقدم گھر کے دروازوں پر پردے لٹکا دیئے اور صاحبزادوں امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنا دیئے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حسبِ معمول جنابِ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے تو اس ساز و سامان کو دیکھ کر واپس تشریف لے گئے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب واپسی کا پتہ چلا، تو سمجھ گئیں کہ میرا یہ کام مزاجِ اقدس کے خلاف ہو گیا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فوراً پردوں کو پھاڑ ڈالا اور شہزادوں کے ہاتھوں سے کنگن اتار دیئے۔ دونوں شہزادے روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے (اور کنگن چھین جانے کی شکایت کی) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگرچہ یہ میرے اہل بیت ہیں (میں ان کو رُلانا نہیں چاہتا) مگر مجھے پسند نہیں کہ یہ دُنیا کے زخرفات سے آلودہ ہوں (اور کنگن سونے یا چاندی کے پہنیں) پھر صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ان کے لئے ہاتھی دانت کے کنگن خرید لاؤ۔" (ابوداؤد۔ نسائی شریف)

رازدارِ مُصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء

مشہور روایت کے مطابق حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر شریفہ تقریباً چوبیس سال کی تھی۔ (عند البعض ۲۸ یا ۲۹ سال کی) کہ والدِ بزرگوار، محبوب کردگار، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم داغِ مفارقت دے گئے۔ یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب ترین اولاد تھیں۔ علاوہ ازیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سارے بہن بھائی اور والدہ محترمہ تو پہلے ہی فردوسِ اعلیٰ کی طرف تشریف لے جا چکے تھے۔ ماں، باپ، بہن بھائیوں سب کا پیار، رسولِ خدا محبوبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی تھی، اس لئے یہ صدمہ نہایت ہی جانکاہ تھا۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (وفات سے قبل) ایک روز ہم ازواج النبی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھیں، سیدہ فاطمۃ الزہرا

رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لے آئیں۔ اُن کے چلنے کا انداز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے تو، مخفی نہ تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو دیکھا تو فرمایا مرحبا بابنتی۔ پھر اپنے قریب ہی بٹھا لیا اور ان کے کان میں چپکے سے کوئی بات کی، جسے سنتے ہی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زار و قطار رونے لگیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کا یہ حزن و ملال ملاحظہ فرمایا، تو دوبارہ اُن کے کان میں چپکے سے کوئی بات کہی جس پر وہ ہنس پڑیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے تو میں نے حضرت فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے پوچھا کہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے کان میں کیا کہا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ "میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو ظاہر نہیں کروں گی۔" اور جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت مبارکہ ہو گئی، تو پھر ایک دن یہ واقعہ مجھے یاد آیا اور میں نے فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ "میں تمہیں اُس حق کا واسطہ دیتی ہوں، جو آپ پر میرا ہے، بتائیے کہ وہ کیا بات تھی؟" تو انہوں نے فرمایا "اب جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت شریفہ ہو گئی ہے، تو چھپانے کی بات باقی نہ رہی (اس لئے بتا دیتی ہوں) پہلی مرتبہ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا، وہ یہ تھا کہ فرمایا، ہر سال جبریل امین میرے ساتھ قرآن پاک کا ایک مرتبہ دَور کیا کرتے تھے، لیکن اس مرتبہ دو مرتبہ دَور کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ میری وفات کا زمانہ قریب آ چکا ہے، تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تم تقویٰ و صبر کا دامن نہ چھوڑنا بے شک میں تیرے لئے بہترین پیش رو ہوں۔ یہ سُن کر میں رو پڑی۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرا غم دیکھا تو دوسری مرتبہ ارشاد فرمایا "اے فاطمہ! تم اس بات پر راضی نہیں کہ تو جنتی عورتوں (یا فرمایا) مومن عورتوں کی سردار ہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے خبر دی کہ میں اس بیماری میں فوت ہو جاؤں گا، میں رو پڑی پھر میرے کان میں سرگوشی کی کہ میرے اہل بیت میں سب سے اول تم ہی مجھے ملو گی، اس پر میں ہنس پڑی۔"

(بخاری۔ مسلم۔ طبقات۔ اسد الغابہ۔ اصابہ۔ مدارج النبوۃ)

وفات حسرت آیات سیدۂ عالم مخدومہ کائنات حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جس طرح ہمشیران گرامی قدر عین عالم شباب میں فردوس اعلیٰ کی طرف سدھاریں۔ اسی طرح سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی بعمر شریفہ ۲۹ برس، بروایت دیگر ۲۴ برس مطابق ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت مبارکہ کے تقریباً چھ ماہ بعد رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرماگئیں۔ (طبقات ابن سعد۔ اسد الغابہ۔ مدارج النبوۃ)

حضرت سیدہ خیر النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت مبارکہ کا اصل سبب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سانحہ ارتحال ہے۔ یوں تو حضرت سیدۂ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد پردہ فرمایا، مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کا دکھ آپ پر کوہ گراں بن کر گرا اور آپ کی زندگی اسی دن ختم ہو گئی جس دن یہ صدمۂ جانکاہ دیکھنا نصیب ہوا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت مبارکہ کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت غمزدہ رہا کرتی تھیں۔ چنانچہ بقیہ ایام حیات میں کسی نے آپ کو ہنستا ہوا نہ دیکھا۔ (اسد الغابہ۔ درالمنثور۔ مدارج النبوۃ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر صحابہ کرام جناب سیدہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا کو تسلی و تشفی دینے لگے، تو انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: "کیا تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، کو دفن کر آئے ہو؟ آپ نے فرمایا، جی ہاں دفن کر

لہ جنابہ سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر شریفہ اور رحلت مبارکہ میں بہت اختلاف ہے۔ جمہور علماء و محققین کے نزدیک جو صحیح ہے، وہ یہی ہے جو درج کی گئی ہے۔ باقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے، وہی خوب جانتا ہے۔ ۱۲

آ ئے ہیں ۔ تو جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آہ بھر کر کہا: تمہارے دلوں نے یہ کیسے گوارا کر لیا کہ تم نے منوں خاک کے نیچے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کر دیا۔ (اسد الغابہ)

اِس کے بعد جنابہ سیدہ خیر النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا قبر انور پہ حاضر ہوئیں اور ایک مشتِ خاک قبر انور سے لے کر اُسے سونگھا اور آنکھوں سے لگایا اور پھر فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے ؎

ماذا علی من شم تربۃ احمد — ان لا یشم مدی الزمان غوالیا
صبت علیّ مصائب لو انہا — صبت علی الایام صرن لیالیا

" اس شخص کو اور کیا چاہیئے کہ جسے احمدِ مجتبیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تربت انور کی خوشبو سونگھنے کو مل جائے (اُسے تو لازم ہے کہ) وہ تمام عمر کوئی دوسری خوشبو نہ سونگھے۔ (کہ اس سے اعلیٰ خوشبو نہ ملے گی) مجھ پر جو مصیبتیں پڑی ہیں، اگر وہ (روشن) دنوں پر پڑتیں تو وہ (سیاہ) راتیں بن جاتے۔" (در المنثور۔ مدارج النبوۃ)

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب وفاتِ سیدہ کا وقت قریب ہوا تو سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم گھر پہ نہیں تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھے حکم فرمایا کہ پانی کا انتظام کرو، میں غسل کروں گی۔ میں نے حسب الحکم انتظام کر دیا تو سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خوب اچھی طرح غسل کیا اور پھر صاف ستھرے (یعنی دھلے ہوئے) کپڑے زیب تن فرما کر تیار ہو کر بستر پر قبلہ رُو ہو کر لیٹ گئیں اور مجھے فرمایا، اب مفارقت کا وقت قریب ہے میں غسل کر چکی ہوں اس لئے دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی میرا بدن کھولا جائے۔ چنانچہ اس کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ جب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تشریف لائے تو میں نے سارا واقعہ سنا دیا۔ انہوں نے اسی غسل پر اکتفا کیا اور نماز جنازہ کے بعد اُن کو دفن کر دیا۔ اصابہ میں بھی یہ روایت ام رافع سے مروی ہے۔ (طبقات۔ اصابہ)

جبکہ دوسری روایت کے مطابق جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اُن کی وصیت کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت اسماء بنت عمیس (زوجہ حضرت ابوبکر صدیق) (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے غسل دیا۔ (الاستیعاب)

حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزاجِ اقدس میں انتہا درجہ شرم و حیا تھی۔ رحلتِ مبارکہ سے قبل آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: عورتوں کا جنازہ جس طرح قبرستان کی طرف لے جایا جاتا ہے یہ مجھے پسند نہیں، اس میں نہ تو مرد و عورت کے جنازہ میں کوئی تفریق ہے، اور نہ ہی پردہ۔ یُوں ہی کھلا جنازہ لے کر جانا مجھے سخت ناپسند ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ میں نے حبشہ میں ایک بہترین طریقہ دیکھا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں وہ طریقہ عرض کروں؟ فرمایا: "بتاؤ"۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کھجور کی چند شاخیں منگوائیں، ان کو چارپائی کے دونوں بازوؤں سے باندھ کر اوپر کپڑا تان دیا۔ (یُوں پردے کی ایک بہترین صورت نکل آئی) جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا تو بہت پسند فرمایا اور حکم دیا کہ میرا جنازہ اسی طرح لے جایا جائے اور جب میں رحلت کر جاؤں تو مجھے غسل بھی تم اور سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہی دیں، کسی دوسرے کو شامل نہ کریں۔ چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا۔ اسلام میں پہلی خاتون ہیں کہ جن کا جنازہ اس انداز سے باپردہ لے جایا گیا۔ (اسد الغابہ۔ الاستیعاب)

واقدی تحریر کرتے ہیں کہ جنابہ سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نمازِ جنازہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی، جبکہ قبرِ انور میں حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عباس اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہم نے اتارا۔ (اسد الغابہ۔ استیعاب)

لیکن دُوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ خود علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ تجہیز و تکفین و تدفین کے مراحل سے فارغ ہو کر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ

وجہہ الکریم گھر آئے تو نہایت غمزدہ تھے۔ شدید پریشانی اور حالتِ غم والم میں آپ نے یہ اشعار کہے:

۱؎ اریٰ علل الدنیا علیّ کثیرۃٌ	وصاحبھا حتی الممات علیلُ
۲؎ لکل اجتماع من خلیلین فرقۃ	وکل الذی دون الفراق قلیلُ
۳؎ وان افتقادی فاطمۃ بعد احمد	دلیلٌ علیٰ ان لا یدوم خلیلُ

(۱) "میں دیکھ رہا ہوں کہ دُنیا کی بکثرت بیماریوں (یعنی مصیبتوں) نے مجھ پر حملہ کر دیا ہے اور یہ بیماریاں (مصیبتیں) چمٹی ہی رہتی ہیں۔ جب تک بیمار موت کے منہ میں نہ چلا (جائے)

(۲) ہر دو جاں نثار دوستوں میں بالآخر جدائی تو ہو جایا ہی کرتی ہے اور وہ زمانہ جو جدائی کے بغیر (یعنی قرب وصل کا زمانہ) ہوتا ہے، بہت ہی مختصر ہوتا ہے۔

(۳) اور اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا داغ مفارقت دے جانا اس بات کی دلیل ہے کہ جاں نثار دوست ہمیشہ نہیں رہا کرتے۔" (در المنثور)

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ایک عرصہ تک روزانہ جناب سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبرِ انور پر تشریف لے جاتے، اُن کو سلام کرتے اور فراق اشعار پڑھتے۔ (دُر المنثور میں کئی اشعار بھی نقل کئے گئے ہیں)

مزارِ مقدس حضرت سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے محل مدفن میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی دفن فرمائی گئیں۔ جب مسجد نبوی کو وسعت دی گئی تو اس جگہ کو شاملِ مسجد کر لیا گیا۔ اصولِ کافی میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے۔ اکثر کا خیال ہے کہ بقیع شریف میں حضرت امام حسن، حضرت امام زین العابدین اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبورِ مقدس کے پاس پہلو بہ پہلو ہے، اسے قبۂ عباس کہا جاتا ہے۔ ابن بیتا طہار اسی جگہ آسودہ لحد ہیں

مسعودی نے "مروج الذہب" میں بیان کیا کہ ۳۳۲ھ میں بقیع شریف میں، حضرت امام حسن، امام زین العابدین، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور مقدس کی جگہ پر ایک پتھر پایا گیا جس پر لکھا ہوا تھا، ھٰذَا قَبْرُ فَاطِمَۃَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَیِّدَۃُ النِّسَاءِ الْعَالَمِیْنَ وَقَبْرِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ وَحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ وَجَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِمُ التَّحِیَّۃُ وَالسَّلَامُ۔ (مدارج النبوۃ)

واقدی کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن ابی یعلیٰ سے پوچھا کہ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنت البقیع میں آسودۂ خاک ہیں، اس بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اُن کو بقیع میں نہیں، دارِ عقیل میں دفن کیا گیا۔ اُن کی قبر انور اور راستہ کے درمیان تقریباً سات ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ (اصابہ)

ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوقتِ شہادت فرمایا تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پہلو میں دفن کرنا، لیکن اگر لوگ (مروان اور اُس کے ساتھی) مزاحمت کریں تو جھگڑا نہ کرنا مجھے میری والدہ مکرمہ کے پہلو میں جنت البقیع کے اندر دفن کر دینا۔ نیز اگر گھر میں دفن کرنا ہوتا اور جنازہ باہر نہ لے جانا ہوتا تو کھجور کی شاخوں سے چارپائی پر پردے کی صورت بنانے کی حاجت نہ تھی، اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار پُر انوار جنت البقیع شریف میں دیگر اہل بیت اطہار کے مزاراتِ مقدسہ کے پاس ہی موجود ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولادِ اطہار

حضرت سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطنِ اطہر سے دو صاحبزادے

حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دو صاحبزادیاں حضرت سیدہ زینب و سیدہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئیں ۔ (الاستیعاب)

دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے سوا ایک شہزادہ حضرت محسن اور شہزادی سیدہ رقیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بھی بطنِ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا ہوئے مگر عہدِ طفولیت میں ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے ۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۲۳۳)

مؤخر الذکر اولادِ اطہار کا چونکہ چھوٹی عمر میں ہی انتقال ہو گیا تھا، اس لئے کتبِ تواریخ و سیر میں ان کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہے ۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) جبکہ مقدم الذکر اولادِ پاک ایسے عظیم الشان فرزندانِ توحید ہیں کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ اُن کے بلند کردار اور انداز زندگی پر اُن کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے اور اُن کا ممنونِ احسان ہے ۔ کتبِ احادیث ان کے فضائل و محامد سے مالا مال ہیں ۔ ذیل میں قدرے اختصار سے اُن کا تذکرہ کیا جاتا ہے ۔ مولیٰ تعالیٰ جل شانہ، شرفِ قبول سے نوازے ۔ (آمین ثم آمین)

حضرت سیدنا امام حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

آپ کا اسمِ گرامی حسن کنیت ابو محمد اور القاب سید شباب اہل الجنۃ، سبط و ریحانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے ۔ عمران بن سلیمان سے مروی ہے کہ حسن اور حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) دونوں نام اہل جنت کے ہیں ۔ عہدِ جاہلیت میں یہ نام کبھی نہیں رکھے گئے ۔ (طبقات ابن سعد)

ولادت باسعادت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ میں ہوئی ۔ جب یہ مبارک خبر بارگاہِ نبوی میں عرض کی گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شاداں و فرحاں خانہ میں تشریف لائے اور فرمایا "میرے بیٹے کو مجھے دکھاؤ ۔ حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شہزادہ

دایک زرد رنگ کے کپڑے میں لپیٹ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش محبت میں دیا۔
حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زرد رنگ کا کپڑا دیکھ کر فرمایا: میرے بیٹے کو زرد رنگ
کے کپڑے میں نہ لپیٹا کرو۔ چنانچہ اسی وقت سفید کپڑے میں لپیٹ لیا گیا۔ حضور نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پیارے شہزادہ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں
اقامت ارشاد فرمائی۔ پھر حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے پوچھا کہ
اس بچے کا کیا نام تجویز کیا جائے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس کا اختیار تو آپ کو ہے اگر چاہیں
تو نومولود کا نام "حرب" رکھ لیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ
میں وحی کا منتظر ہوں۔ اتنے میں حضرت جبریل امین علیہ السلام سبز کپڑے یعنی پارچہ جنتی پر آپ کا
مقدس مبارک نام لے کر حاضر خدمت ہو گئے۔ رسول محترم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے
حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو خبر دی کہ حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون
(علیہما السلام) کے بڑے بیٹے کا نام شبر تھا، اس کا عربی میں ترجمہ "حسن" بنتا ہے، میرے
بیٹے کا نام یہی ہوگا۔

عقیقہ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ساتویں دن
دو مینڈھے ذبح کر کے پیارے شہزادہ کا عقیقہ فرمایا اور سر کے بالوں
کے برابر چاندی کا صدقہ دیا۔ (نسائی) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
مروی ہے کہ عقیقہ میں ایک مینڈھا ذبح کیا گیا۔ (ابوداؤد)

فضائل و مناقب حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے
کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سر سے لے کر سینہ تک
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ (ترمذی شریف)
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرماتے ہیں کہ "میں نے اُن سے بڑھ کر کسی کو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہم شکل نہ دیکھا۔" (صحیح بخاری)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے دوش مبارک پر اٹھا رکھا ہے اور کہہ رہے ہیں "اے الٰہی! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔" (بخاری مسلم) . . . . . حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سیدۃ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا یہاں ایک بچہ ہے، یہاں ایک بچہ ہے (یعنی پیار سے آوازیں دے رہے تھے) اس بچے سے مراد حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اتنے میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو اپنے گلے لگا لیا اور وہ بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے لپٹ گئے پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یُوں گویا ہوئے "اے اللہ تعالیٰ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما اور جو شخص اس سے محبت کرے تو اُس سے بھی محبت فرما۔" (بخاری مسلم)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منبر شریف پر رونق افروز تھے۔ آپ کے پہلو میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے تھے۔ حضور والا کبھی لوگوں کی طرف دیکھتے، اور کبھی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف۔ پھر فرمایا "میرا یہ بیٹا سید ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کروائے گا۔" (بخاری شریف)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "حسن اور حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) دنیا میں میرے پھول ہیں۔" (بخاری شریف)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔" (ترمذی۔ حاکم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ کسی شخص نے دیکھ کر کہا: "واہ صاحبزادے! تمہاری سواری کتنی اچھی ہے۔" یہ سُن کر حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "(دیکھو!) سوار بھی کتنا اچھا ہے۔" (حاکم)

حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے تمام لوگوں کے مقابلہ میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت مشابہ تھے[1] اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ میں نے بچشمِ خود دیکھا کہ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں ہوتے اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی گردن یا پیٹھ پر سوار ہو جاتے اور جب تک وہ خود نہ اُترتے حضور نبی اکرم رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُن کو نہ اتارتے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حالتِ رکوع میں تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آتے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں کے درمیان سے ہوتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے۔ (طبقاتِ ابن سعد)

حضرت زہیر بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت امام حسن

---

[1] ایسی ہی احادیثِ مبارکہ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہیں گویا دونوں شہزادے ہی شبیہہِ مصطفٰے (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تھے۔ ۱۲ منہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ دینے کے لیئے کھڑے ہوئے تو قبیلہ ازدشنو کا ایک شخص کھڑا ہوا اور اُس نے کہا کہ لوگو! میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گود میں لئے ہوئے فرمارہے تھے "جو مجھ سے محبت کرتا ہے کہ اُسے چاہیئے کہ وہ ان سے بھی محبت کرے۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ میری یہ بات اُن لوگوں کو پہنچا دیں، جو یہاں موجود نہیں ہیں"۔ اُس شخص نے مزید کہا :"اگر مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ذیشان کی اطاعت منظور نہ ہوتی، تو میں یہ بات اپنی زبان پر نہ لاتا۔" (رواہ حاکم)

حضرت امام حسن علیہ السلام بڑے ہی بُردبار، حلیم الطبع، عزت وشان والے پُروقار اور صاحب جاہ وحشم تھے۔ آپ فتنہ وفساد اور خوں ریزی کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ سخاوت میں بے بدل تھے۔ بسا اوقات ایک ایک شخص کو ایک ایک لاکھ درہم عطا فرما دیتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی)

حاکم نے عبداللہ بن عبید بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پچیس حج پیدل چل کر ادا فرمائے۔ حالت یہ ہوتی تھی کہ اعلیٰ قسم کے اُونٹ ہمراہ ہوتے، مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن پر سوار نہ ہوتے (حصول ثواب کی خاطر) پا پیادہ راستہ طے فرماتے۔ ابن سعد یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ "آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شیریں کلامی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ کسی سے گفتگو فرماتے تو جی چاہتا کہ بس اسی طرح سلسلہ کلام جاری رکھیں اور خاموش نہ ہوں، میں نے آپ کی زبان مبارک سے کبھی کوئی بددعا نہ سُنی، سوائے ایک بار کے کہ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمرو بن عثمان کے درمیان زمین کے سلسلہ میں کچھ تنازعہ تھا۔ آپ نے اِن سے تصفیہ کے بارے میں کوئی بات کہی، جسے انھوں نے منظور نہ کیا تو آپ نے فرمایا: "تمہاری ناک خاک آلودہ ہو" بس یہی ایک سخت جملہ میں نے آپ کی زبان سے سُنا"۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت امام عالی مقام علیہ السلام از حد زیادہ حلیم الطبع اور بُردبار

حلم و بُردباری تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک اعرابی حاضرِ خدمت ہوا، اور اُس نے آتے ہی آپ کے آباؤ اجداد کی شان میں گستاخیاں بکنا شروع کر دیں۔ جب وہ خوب گستاخیاں کر چکا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خادم کو طلب فرما کر اسے بہت کچھ (اُس کے طلب کرنے پر) عطا فرما دیا۔ پھر معذرت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اس وقت مجبور ہوں، یہی کچھ موجود تھا جو دے دیا ہے، ورنہ اور عطا فرماتا۔ وہ اعرابی یہ حلم اور شانِ سخاوت دیکھ کر رو پڑا اور قدموں میں گر کر کہنے لگا: "اَشْهَدُ اَنَّكَ اَبْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ حضور! میں نے جو گستاخیاں کی ہیں، وہ بنامِ خدا معاف فرما دیجیے، میں نے یہ سب کچھ بطورِ امتحان کیا تھا۔"

ابنِ سعد، عمر بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں: مروان جب حاکمِ مدینہ تھا، تو وہ منبر پر علی الاعلان حضرت سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو گالیاں بکا کرتا تھا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کمال تحمل و بردباری کے ساتھ) اُس کی اُن گستاخیوں کو سنا کرتے تھے اور صبر و ضبط سے کام لیا کرتے تھے۔ ایک دن مروان (خبیث) نے ایک شخص کو امیر المومنین حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کہلا بھیجا کہ "علی پر ..... علی پر ..... اور تجھ پر ..... تجھ پر ..... تجھ پر ..... اور تمہاری مثال تو بس خچر جیسی ہے کہ اس سے پوچھا جائے کہ تمہارا باپ کون تھا تو جواب دیتا ہے کہ میری ماں گھوڑی تھی۔" (بدبخت) مروان کے فرستادہ کی باتیں سن کر (شہزادۂ کونین) حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا "جاؤ مروان سے کہہ دو تمہاری یہ باتیں بخدا مجھے یاد رہیں گی۔ تم کو یقین تھا کہ میں تمہاری گالیوں کے بدلہ میں تم کو بھی گالیاں دوں گا، لیکن میں صبر کرتا ہوں، بے شک قیامت آنے والی ہے اگر تم سچے ہوئے تو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے گا اور اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تبارک تعالیٰ کی

گرفت اور انتقام بہت شدید ہے۔" (تاریخ الخلفاء)

ابن سعد، زریق بن سوار سے روایت کرتے ہیں کہ مروان اور حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مابین کسی معاملہ میں گفتگو ہو رہی تھی کہ مگا اُس ذلیل نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلیظ گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش رہے (اور کوئی جواب نہ دیا) اسی دوران مروان نے اپنے دائیں ہاتھ سے ناک صاف کی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے فرمایا: افسوس! تجھے اتنا بھی معلوم نہیں کہ دایاں ہاتھ، منہ دھونے کے لیئے اور بایاں ہاتھ مقاماتِ بول و براز کے لیے ہے۔" (یعنی تجھے بائیں ہاتھ سے ناک کرنا چاہیے تھی) یہ سُن کر مروان خاموش ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء)

بدترین دشمن کا اعتراف

ابن عساکر نے جویریہ بن اسماء کے حوالہ سے لکھا، حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ پر جب مروان نے گریہ و زاری کی، تو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا "اب تو روتا ہے؟ (یعنی مگرمچھ کے آنسو بہاتا ہے) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں تو نے ان کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا اور انہیں کیا کچھ نہ کہا؟" یہ سُن کر مروان بولا: "آپ کو معلوم ہے کہ میں یہ سب کچھ ایک ایسے شخص کے ساتھ کیا کرتا تھا، جو اس پہاڑ سے بھی زیادہ حلیم اور بُردبار تھا۔" (مذکورہ)

توکل علی اللہ تعالیٰ

ابن عساکر علیہ الرحمہ نے مبرد کے حوالے سے نقل کیا کہ کسی شخص نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں غریبی کو امیری سے اور بیماری کو تندرستی سے بہتر سمجھتا ہوں" یہ سُن کر آپ نے ارشاد فرمایا، "اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے، میں تو کسی بھی چیز کی تمنا نہیں کرتا اپنے تمام معاملات اپنے اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں، جس طرح وہ راضی ہے، میں بھی اسی پر راضی ہوں، یہ حالت برضائے الٰہی کے کمال کو ظاہر کرتی ہے۔ (مذکورہ)

منصبِ خلافت پر رونق افروزی

حق یہ ہے کہ سبط و ریحان رسول حضرت سیدنا امیر المومنین حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک کے مطابق آخری خلیفہ راشدین ہیں (مذکورہ)۔ امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد لوگوں (اہلِ کوفہ) نے بالاتفاق حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ واقعہ ۴۰ھ کا ہے۔ (ابن اثیر)

سب سے اول قیس ابن سعد نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا کر کہا: "اُبْسُطْ يَدَكَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ وَقِتَالِ الْمُلْحِدِيْنَ۔" اپنا ہاتھ بڑھائیے (اور بیعت قبول فرمائیے) قرآن و سنت کے نفاذ اور ملحدوں سے قتال کے لئے۔"

آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: علی کتاب اللہ وسنۃ رسولہ وما تیان علی کل شرط۔ اس کے بعد اور لوگ بھی بیعت کرنے لگے۔ آپ فرماتے جاتے تھے کہ تم لوگ میرے کہنے کو سنتے رہنا، میری اطاعت کرنا، جس سے میں صلح کروں، تم بھی اس سے صلح کرو، جس سے میں جنگ کروں، تم بھی اس سے لڑنا۔ ان فقروں سے لوگوں کو شبہ پیدا ہو گیا اور (اہلِ کوفہ) آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ یہ تمہارا امیر نہیں ہے اور نہ ہی یہ جنگ کا ارادہ رکھتا ہے۔ (ابن خلدون)

عراقی فوج کی غداری

امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے مرتبہ شہادت پر فائز ہونے سے محض چند روز پیشتر ملکِ شام پر حملہ کرنے کے لئے دعوئ محبت کرنے والے عراقیوں کا ایک لشکر ترتیب دیا تھا اور چالیس ہزار آدمیوں سے امیر شام کے خلاف جنگ و موت پر بیعت لی تھی، لیکن ابھی یہ لشکر اپنی منزل کی طرف روانہ نہ ہوا تھا کہ حضرت امیر المومنین شہید کر دیئے گئے۔ پھر جب لوگوں نے امیر المومنین حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر مشہور ہوگئی تو امیر شام ایک لشکر جرار لے کر حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کرنے کے لئے کوفہ کی طرف بڑھا۔ یہ واقعہ سنہ ۴۱ھ کا ہے۔ (کامل ابن اثیر)

حضرت امام عالی مقام علیہ السلام بھی اپنے ہمراہیوں کا لشکر لیکر مقابلہ کے لئے کوفہ سے باہر آئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدمۃ الجیش (یعنی آگے چلنے والے فوجی دستہ) پر بارہ ہزار کا لشکر تھا، جس کی کمان قیس بن سعد یا بروایتِ دیگر حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے ہاتھ میں تھی، جبکہ قیس ساقہ پر (لشکر کے ایک حصے پر کمانڈر) تھے۔ جب یہ لشکر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں مدائن پہنچا، تو قیام کے ساتھ ہی مشہور ہوگیا کہ قیس بن سعد کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس خبر کے پھیلتے ہی لشکر میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوگئی۔ لوگ ایک دوسرے سے الجھ پڑے۔ کچھ (ناعاقبت اندیش) حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمے پر حملہ آور ہوگئے۔ جو کچھ پایا لوٹ لیا، اندر داخل ہوئے تو نہ صرف یہ کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نیچے سے جائے نماز کھینچ لیا، بلکہ وہ چادر بھی چھین لی، جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوڑھے ہوتے تھے۔ ایک بدبخت نے مزید ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ کیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ران مبارکہ پر نیزہ مار دیا۔[1] یہ صورتِ حال دیکھ کر خاندان ربیعہ و ہمدان آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ یوں اوباشوں کے مجمع کو منتشر کر دیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی حالت میں ایک تخت پر اٹھا کر مدائن لایا گیا اور قصرِ ابیض میں ٹھہرایا گیا۔ (ابن خلدون)

---

[1] اللہ اکبر! یہ وہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے چند روز پہلے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور وفاداری کا حلف دیا، جنہوں نے قبل ازیں امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے حلف اٹھایا تھا کہ وہ یا تو امیرِ شام اور لشکرِ شام کو تہہ تیغ کر دیں گے یا خود قتل ہو جائیں گے، مگر کردار سب کے سامنے ہے۔ ۱۲ منہ

خلافت سے دستبرداری اس بے ہنگم شور و غل کے ختم ہونے کے بعد حضرت امیر المومنین امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کوفہ کی بے وفائی اور غداری دیکھ کر امیر شام کی طرف سے خط تحریر کیا کہ "میں خلافت سے دست کش ہونا چاہتا ہوں، بشرطیکہ مجھ کو جو کوفہ کے بیت المال میں ہے دے دیا جائے (اس وقت وہاں تقریباً پانچ لاکھ دینار تھے) اور دار الجبر (مضافات فارس) کا خراج مجھے دیا جائے لے اور میرے والد بزرگوار کو میرے سامنے گالیاں نہ دی جائیں اور نہ ہی اُن کو میرے سامنے سخت و ناملائم کلمات سے یاد کیا جائے۔" خط روانہ کرنے کے بعد حضرت امیر المومنین سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا ذکر حضرت امام حسین و حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کیا۔ انہوں نے آپ کو بہت سمجھایا بجھایا، مگر آپ اپنی رائے پر قائم رہے۔ دربارِ شام میں اس خط کے پہنچنے سے قبل امیر شام حضرت معاویہ ایک سادہ کاغذ پر دستخط اور مہر لگا کر عبد اللہ بن عامر اور عبد اللہ بن سمرہ کی معرفت حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیج چکے تھے۔ ساتھ ہی دوسرے کاغذ پر لکھا تھا کہ صلح کے لیے جو شرائط آپ چاہیں تحریر فرما دیں، ہمیں منظور ہے۔" حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کاغذ پر کہ جس کے نیچے حضرت معاویہ کی مہر اور دستخط تھے۔ پہلی شرائط کے علاوہ چند شرائط اور بھی تحریر فرما دیں جسے حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ صرف وہی شرطیں کافی ہیں جن کا تم پہلے ذکر کر چکے ہو۔" (تاریخ ابن خلدون)

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت

لے اس جگہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ سیدنا امام حسن مال و دولت کا بھوکا تھا، نہیں نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ آپ بیت المال کی امانت کو اپنے ہاتھوں سے اہل حاجت میں تقسیم فرمانا چاہتے تھے تاکہ عند اللہ سرخرو ہوں۔ ۱۲ منہ

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ کے درمیان ان شرائط پر صلح ہوئی کہ فی الوقت حضرت معاویہ خلیفہ بنائے جاتے ہیں لیکن ان کے انتقال کے بعد خلیفۃ المسلمین حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے۔ عراق اور حجاز کے باشندوں پر مزید کوئی ٹیکس عاید نہیں کیا جائیگا بلکہ صرف وہی ٹیکس وصول کیا جائے گا جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے وصول کیا جا رہا ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمے جو قرض ہے اُس کی ادائیگی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کریں گے۔ ان شرائط کو دونوں فریقوں نے قبول کیا اور انہی پر باہمی صلح ہو گئی اور رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ معجزہ ظاہر ہو گیا کہ جو آپ نے فرمایا تھا کہ "میرا یہ بیٹا مسلمانوں کی جماعتوں کے درمیان صلح کروائے گا۔" (تاریخ الخلفاء)

بعد تفویضِ امارت، آپ کے لشکریوں

بے وفا دعویٰ دارانِ محبت نے خراج دارا لجبر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ تو ہمارا مالِ غنیمت ہے ہم اسے نہیں دے سکتے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ عراق کو جمع کر کے خطبہ دیا۔ بعد حمد و ثناء کے ارشاد فرمایا:

"اے اہلِ عراق! میں نے تین مرتبہ تم سے درگزر کیا، تم نے میرے والد گرامی قدر کو شہید کیا میرے گھر کو لوٹا (میں نے ہر مرتبہ صبر کیا) پھر فرمایا: تم پر یہ واضح ہو جانا چاہیئے کہ تم نے دو مقتولوں کے درمیان صلح کی ایک مقتول توصفین کے ہیں کہ جن کو تم رو رہے ہو اور دوسرے مقتول نہروان کے کہ جن کے معاوضہ کا مطالبہ کر رہے ہو اور جو باقی ہیں وہ خاذل ہے اور رونے والے بدلہ لینے والے ہیں۔ جناب معاویہ نے مجھے ایک امر پیش کیا ہے جس میں نہ تو عزت ہے اور نہ ہی انصاف۔ پس اگر تم موت پر راضی ہو (یعنی جنگ کر سکتے ہو) تو ہم اس امر کو قبول نہ کریں اور ان سے اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر تلواروں سے فیصلہ کریں (لشکرِ شام کا مقابلہ میدانِ جنگ میں کریں) لیکن اگر زندگی کو محبوب رکھتے ہو (یعنی جنگ کرنے سے احتراز کرتے ہو) تو ہم (معاویہ کے) اُس امر کو قبول کر لیں

ورنہیں راضی کردیں۔" لوگوں نے ہر طرف سے چلا چلا کر کہا: "صلح قائم رکھیئے، صلح قائم رکھیئے۔" چنانچہ حضرت امام عالی مقام علیہ السّلام نے اپنی خلافت کے چھٹے مہینے حضرت معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی بیعت کرلی۔ (ابن خلدون)

علامہ سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ماہ ربیع الاوّل ۴۱ھ یا بقولِ دیگر ماہِ ربیع الثانی ۴۱ھ میں خلافت سے دستبردار ہوئے (تاریخ الخلفاء)

مدینہ طیبہ کی طرف روانگی

زمانۂ خلافت میں امیر المؤمنین حضرت شیرِ خدا سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ میں منتقل ہو گئے تھے اور شہر کوفہ کو دارالخلافہ قرار دے دیا تھا۔ مذکورۃ الذکر واقعات اور اہل کوفہ کی مسلسل بے وفائی کی وجہ سے آپ نے خلافت سے دستبرداری کے بعد کوفہ کو چھوڑ دیا اور مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ابن خلدون میں ہے "حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع اپنے اہل بیت اور متعلقین کے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تو اہل کوفہ آپ کو الوداع کرنے کیلئے کوفے کے باہر دُور تک روتے ہوئے آئے۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ میں ہی مقیم رہے۔

لہ بیوفایانِ کوفہ کا بھی عجب حال ہے کہ جب تک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں موجود تھے اُن کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے رہے اور ان کو خوب ستاتے رہے، لیکن جب آپ کی شہادت ہو گئی، تو اُن کی یاد میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اسی طرح امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو انہوں نے سلوک کیا، اُس کا ایک حصہ ابھی پچھلی سطور میں گزرا (کتب تواریخ میں اس سے کہیں زیادہ بدسلوکی کا ذکر ہے میں نے قصداً اسے نقل نہیں کیا) لیکن جب آپ نے کوفہ سے ہجرت کی تو یہ زار و قطار رونے لگے اور یہی سلوک انہوں نے حضرت امام حسین علیہ السّلام سے کیا کہ خود ہی شہید کیا اور خود ہی رو رو کر پاگل ہو گئے بحار العیون جلد ثانی میں ملا باقر مجلسی نقل فرماتے ہیں کہ "اہلِ کوفہ نے ایسا ماتم کیا کہ دیدۂ روزگار نے ایسا ماتم نہ دیکھا۔"

یہاں تک کہ ۴۹ھ بروایت ابوالفرج اصفہانی ۵۱ھ میں فردوسِ اعلیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ (ابن خلدون)

اللہ تعالیٰ سے طلب کا نتیجہ

بیہقی اور ابن عساکر نے ابو ہشام کے حوالہ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت تنگدست ہو گئے، اس لئے کہ امیرِ شام جو ایک لاکھ درہم سالانہ اُن کی خدمت پیش کیا کرتے تھے، وہ انہوں نے روک لیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک شام کی طرف خط لکھنے کا پروگرام بنایا۔ اس مقصد کے لئے قلم دوات بھی منگوا لیا۔ پھر کچھ سوچ کر باز رہے اور خط نہ لکھا۔ اسی شب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے بیٹے! کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا "بحمداللہ صحیح ہوں، البتہ تنگدست ہوں۔" فرمایا "کیا اسی لئے قلم و دوات منگوائی تھی کہ اپنی حاجت کسی مخلوق سے کہو؟" عرض کیا، "ارادہ تو یہی تھا۔" تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "نہیں، بلکہ تم یہ دُعا پڑھو۔

اَللّٰهُمَّ اقْذِفْ فِي قَلْبِي رَجَاءَكَ وَاقْطَعْ رَجَائِي عَمَّنْ سِوَاكَ حَتّٰى لَا اَرْجُوْ اَحَدًا غَيْرَكَ اَللّٰهُمَّ وَمَا ضَعُفَتْ عَنْهُ قُوَّتِي وَمَا قَصُرَ عَنْهُ عَمَلِي وَلَمْ تَنْتَهِ اِلَيْهِ رَغْبَتِي وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْئَلَتِي وَلَمْ يَجْرِ عَلٰى لِسَانِي مِمَّا اَعْطَيْتَ، اَحَدًا مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ مِنَ الْيَقِيْنِ فَخُصَّنِي بِهٖ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔

(اے اللہ تعالیٰ! میرے دل میں تو اپنی آرزو پیدا فرما دے اور دُوسروں سے میری تمنائیں اس طرح ختم فرما دے کہ میں تیرے سوا کسی سے کوئی امید ہی نہ رکھوں اے اللہ تعالیٰ! میری قوتوں کو کمزور نہ بنا میرے نیک اعمال کو کوتاہ نہ فرما مجھے اپنی رحمت

سے دُور نہ فرما، تو مجھے اپنے فضل و کرم سے توکل و توفیق کی ایسی قوت عطا فرما کہ میں کسی مخلوق کے پاس اپنی حاجت نہ لے جاؤں، تو ہی میرے مسائل کو حل فرما اور مجھے وہ سب کچھ دے دے جو اب تک پچھلے یا آنے والے شخص کو نہیں دیا۔ اے ربّ العالمین! مجھے یقین کی دولت سے مالا مال فرما دے۔" (آمین!)

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی قسم! میں نے یہ دعا ایک ہفتہ بھی نہ پڑھی ہو گی کہ امیر شام نے مجھے پانچ لاکھ درہم بھیج دیئے جس پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ تمام تعریفیں اُس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کہ جو اپنے یاد کرنے والوں کو کبھی فراموش نہیں فرماتا اور مانگنے والوں کو کبھی محروم و نا امید نہیں رکھتا۔ اسی شب میں نے خواب میں پھر (نانا محترم) رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ جو مجھ سے میرا حال دریافت رہے تھے کہ "کیسے ہو؟" میں نے عرض کیا: "الحمد للہ" اور تمام واقعہ کہہ سنایا۔ یہ سُن کر آپ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے میرے بیٹے! اللہ تبارک و تعالیٰ سے امیدیں وابستہ رکھنے اور مخلوق سے التجا نہ کرنے کا یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے۔" (تاریخ الخلفاء)

ابن سعد نے عمران بن عبداللہ کے حوالہ سے تحریر فرمایا کہ

شہادت حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خواب دیکھا کہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" لکھا ہوا ہے۔ اہل بیت نے یہ خواب سُنا، تو بہت خوش ہوئے، لیکن جب حضرت سعید ابن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خواب سُنا تو عرض کیا کہ حضور! اگر یہ خواب پورا ہو گیا تو آپ کی زندگی مبارک قریب الاختتام ہے (یعنی اشارہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی باقی رہنے والا ہے) چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد ہی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دے دیا گیا (تاریخ الخلفاء)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت زہر خورانی سے ۵ ربیع الاول

۵۰ھ کو واقع ہوئی۔ بعض کے نزدیک یہ حادثہ عظیمہ ۴۹ھ اور عند البعض ۵۱ھ کو پیش آیا۔ (تاریخ الخلفاء، طبری۔ ابن خلدون)

جب سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دیا گیا، تو آپ کی طبیعت شریفہ سخت بے چین ہو گئی۔ آپ نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا: بھائی! مجھ کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا، مگر ہر بار اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا، لیکن اس مرتبہ اتنا سخت زہر دیا گیا ہے کہ اس نے میرا کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ اسی دوران سخت کرب اور تکلیف کے ساتھ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خون کی قے آئی جس میں احشاء اور جگر کے کئی ٹکڑے تھے۔ جب چند مرتبہ ایسے ہی خون کی قے آئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم انور کا رنگ بدل گیا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سخت بے تابی کے عالم میں روتے ہوتے پوچھا کہ بھائی جان بتائیے؛ آپ کے ساتھ یہ ظلم کس نے کیا ہے؟ یہ زہر کس نے دیا ہے؟ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، "کس لئے پوچھ رہے ہو؟ کیا تم اُس کو قتل کر دو گے؟ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا" یقیناً ایسے ہی کروں گا"؛ تو شہسوار میدان رضا سید الاذکیا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "بھائی جان! اگر وہ وہی ہے کہ جس کے بارہ میں میرا گمان ہے، تو اللہ تعالیٰ اس سے زبردست انتقام لینے والا ہے اور اگر وہ نہیں تو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کسی بھی بے گناہ کو میری وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے۔"

اِنصاف کی بات

زہر دہندہ کے بارے میں مختلف کتب سیر و تواریخ میں کئی نام آتے ہیں۔ بندۂ ناچیز (مؤلف کتاب ہذا) کے نزدیک قرینِ انصاف بات یہ ہے کہ جس بھی کسی نے نوجوانانِ جنت کے سردار حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لاڈلے نواسہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دیا، یا مشورہ دیا، یا معاون بنا، یا راضی ہوا، وہ بحکم قرآن و حدیث جہنمی ہے۔

خبیث ہے، ملعون ہے، خواہ کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ جب صاحبِ حق نے نام لینے سے گریز کیا تو پھر ہمیں کسی کو نامزد کرنے کا حق نہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

آخری وصیت حضرت امام حسن علیہ السلام نے رحلتِ مبارکہ سے قبل حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: میں نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک بار ذکر کیا تھا کہ وہ مجھے اپنے گھر (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو) میں دفن ہونے کی اجازت دے دیں۔ انہوں نے میری اس بات سے اتفاق کیا تھا، ہوسکتا ہے کہ اُس وقت انہوں نے میری شرم کی وجہ سے ہاں کر دی ہو۔ اب تم میری وفات کے بعد اُن کے پاس جانا اور یہی درخواست کرنا۔ اگر وہ بخوشی اجازت دے دیں تو مجھے وہاں دفن کر دینا، لیکن ہاں! میرا خیال ہے کہ شاید اہلِ حکومت مجھے وہاں دفن نہ ہونے دیں۔ اگر ایسا ہوا تو لڑائی نہ کرنا، مجھے میری امّی جان کے پہلو میں جنّت البقیع میں دفن کر دینا۔"

اس کے بعد حضرت امام عالی مقام امیر المومنین حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رُوحِ مبارکہ جنّت الفردوس کی طرف پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

مُدفنِ مقدس رحلتِ مبارکہ کے بعد، وصیت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے تو وہ رو رہی تھیں۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دفن کی اجازت مانگی تو انہوں نے جواب دیا:

نَعَمْ وَکَرَامَۃً "ہاں ہاں! اور میں اسے عزت سمجھتی ہوں۔"

حاکمِ مدینہ مروان (خبیث لعین) نے یہ بات سُنی تو وہ بولا: "وہ بھی جھوٹا ہے اور وہ بھی جھوٹی ہے۔ حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہاں کبھی دفن نہ ہوگا۔ حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے گھر میں دفن کرنے کی اجازت میں ہرگز نہ دوں گا۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے ہتھیار سنبھال لئے مگر برادرِ شہید حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت آڑے آگئی۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

والدہ ماجدہ سیدۃ النساء العالمین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو میں جنت البقیع شریف میں دفن کر دیا گیا۔ عمر مبارک تقریباً ۴۶ برس تھی۔ (مختلف کتب تواریخ وسیرت)

حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام کی ازواج اولاد اطہار

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی شادیاں فرمائیں، جن میں بعض ازواج مطہرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (۱) حضرت فاطمہ بنت ابو مسعود عقبہ بن عمر بن ثعلبہ الخزرجی انصاری، ان کے شکم اطہر سے حضرت زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پیدا ہوئے۔

(۲) حضرت خولہ بنت منظور بن ریان بن عمر بن جابر بن عقیل۔
اِن کے بطن اطہر حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔

(۳) حضرت سلمٰی بنت امراء القیس۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

(۴) حضرت ام اسحاق بن طلیحہ بن عبید اللہ۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ان کے ساتھ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح فرمایا۔

(۵) حضرت حبدہ بنت ہبیرہ مخزومی (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

(۶) حضرت عائشہ بنت حضرت عثمان غنی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

(۷) حضرت ام کلثوم بنت فضل بن عباس بن عبد المطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)
اِن کے بطن اقدس سے حضرت ابوبکر، عبد اللہ اور عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پیدا ہوئے۔ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ صاحبزادے تھے یعنی؛ حضرت زید[۱]۔ حسن مثنیٰ[۲]، طلحہ[۳]، اسمٰعیل[۴]، عبد اللہ[۵]، حمزہ[۶]، یعقوب[۷]، عبد الرحمٰن[۸]، ابوبکر[۹]۔ حسین[۱۰]، قاسم[۱۱]۔ عمر[۱۲]۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)
پانچ صاحبزادیاں یعنی فاطمہ[۱]، ام سلمہ[۲]۔ ام عبد اللہ[۳]۔ ام الحسین[۴]، ام الحسن[۵]۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسلِ پاک ان کے چاروں فرزندوں حضرت زید[1]، حسن مثنیٰ[2]، حسین الاثرم[3] اور عمر[4] (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے جاری ہوئی۔ مگر حضرات حسین الاثرم و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سلسلۂ نسل ختم ہو گیا اور اب دنیا میں حضرت زید اور حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد باقی ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عمر، حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی رفاقت میں مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

حضرت زید بن حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان سے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسلِ پاک چلی۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت ابو مسعود عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ الخزرجی الانصاری تھا۔ ان کے صاحبزادے حضرت ابو محمد حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلطنت منصور میں گورنرِ مدینہ بن گئے تھے۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلتِ مبارکہ ۱۲۰ھ میں ہوئی۔

حضرت حسن مثنیٰ بن امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ان کی والدہ محترمہ حضرت خولہ بنت منظور بن ریان بن عمرو بن جابر بن عقیل بن سمی بن مازن بن فزارہ ہیں۔ حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ صغریٰ تھیں۔ جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تو یہی فاطمہ صغریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں کہ جن کو ان کے خاوند حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تیمارداری کے لئے مدینہ طیبہ چھوڑ گئے تھے۔ ان کے بطنِ اطہر سے حضرت ابراہیم الغمر، حضرت حسن مثلث اور حضرت عبداللہ المحض (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پیدا ہوئے۔

ان صاحبزادوں کو زمانہ بھر میں یہ شرف حاصل ہے کہ یہ طرفین سے فاطمی یعنی حسنی اور حسینی ہیں۔ یعنی ان کے والد حضرت امام حسن علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور والدہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی لختِ جگر ہیں۔ ان میں سے :- (۱) حضرت ابراہیم الغمر کہ ان کا نام ابراہیم بن حسن مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھا، بہت زیادہ سخی تھے، اسی جود و سخا کی وجہ سے ان کا لقب الغمر مشہور ہو گیا۔ ان کی کنیت ابو اسماعیل تھی — ان کا چونسٹھ سال کی عمر میں ۱۴۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۲) حضرت حسن المثلث بن حضرت حسن المثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما : ان کی کنیت مبارکہ ابو علی تھی۔ ان کی رحلتِ مبارکہ بھی ۱۴۵ھ میں ہوئی۔

(۳) حضرت عبداللہ المحض بن حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما :- ان کا لقب شیخ بنو ہاشم تھا۔ ان کے پانچ صاحبزادے تھے — محمد ذی النفس الزکیہ۔ ابراہیم۔ موسیٰ الجون۔ سلیمان اور ادریس۔ محمد ذی النفس الزکیہ نے دعویٰ خلافت کیا تھا اور حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی رفاقت و حمایت کا اعلان اور فتویٰ دیا تھا۔ ان کے دوسرے بھائی حضرت ابراہیم بن عبداللہ محض نے بھی دعویٰ خلافت کیا تھا۔ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ اور حسن کو کافی شہرت ملی۔ دنیا میں ان کی نسل باقی ہے۔

حضرت موسیٰ الجون بن عبداللہ محض رضی اللہ عنہ کی نسل بھی خوب پھیلی۔ امام الاولیا سید الاتقیا حضرت سیدنا غوثِ اعظم عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ ہی کی نسل پاک سے ہیں۔

سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلۂ نسب

محبوب سبحانی قطب ربانی الشیخ سید عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ بن یحییٰ الزاہد بن داؤد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن بن علی بن ابی طالب — یعنی ان کے والدِ گرامی حضرت امام حسن کے بیٹے ہیں اور والدہ ماجدہ حضرت امام حسین کی لختِ جگر ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اس طرح سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نسباً حسنی حسینی ہوئے۔

حضرت سیدنا حسن مثنیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک رومیہ عورت سے بھی شادی کی، جس کے بطن اطہر سے دو فرزند حضرت داؤد اور جعفر پیدا ہوئے - ان میں حضرت داؤد بن حسن مثنیٰ، حضرت امام جعفر صادق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے رضاعی بھائی تھے - ان کی نسل پاک ان کے بیٹے حضرت سلیمان سے چلی - سلیمان کی والدہ سیدہ ام کلثوم بنت امام زین العابدین علی اوسط (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہیں - سیدنا سلیمان کے چار بیٹے ہیں: موسیٰ - داؤدؒ - اسحٰقؒ اور حسنؒ - ان ہی چاروں سے ان کی نسل مبارک چلی -

ان کے دوسرے بھائی حضرت جعفر بن حسن مثنیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی کنیت ابوالحسن تھی - ان کا ایک بیٹا حسن تھا - جن کی نسل ان کے بیٹوں حضرت عبداللہ، جعفر اور محمد الشیلق سے آگے چلی - (بحوالہ رحمۃ للعالمین)

شجرہ مبارک اولاد سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
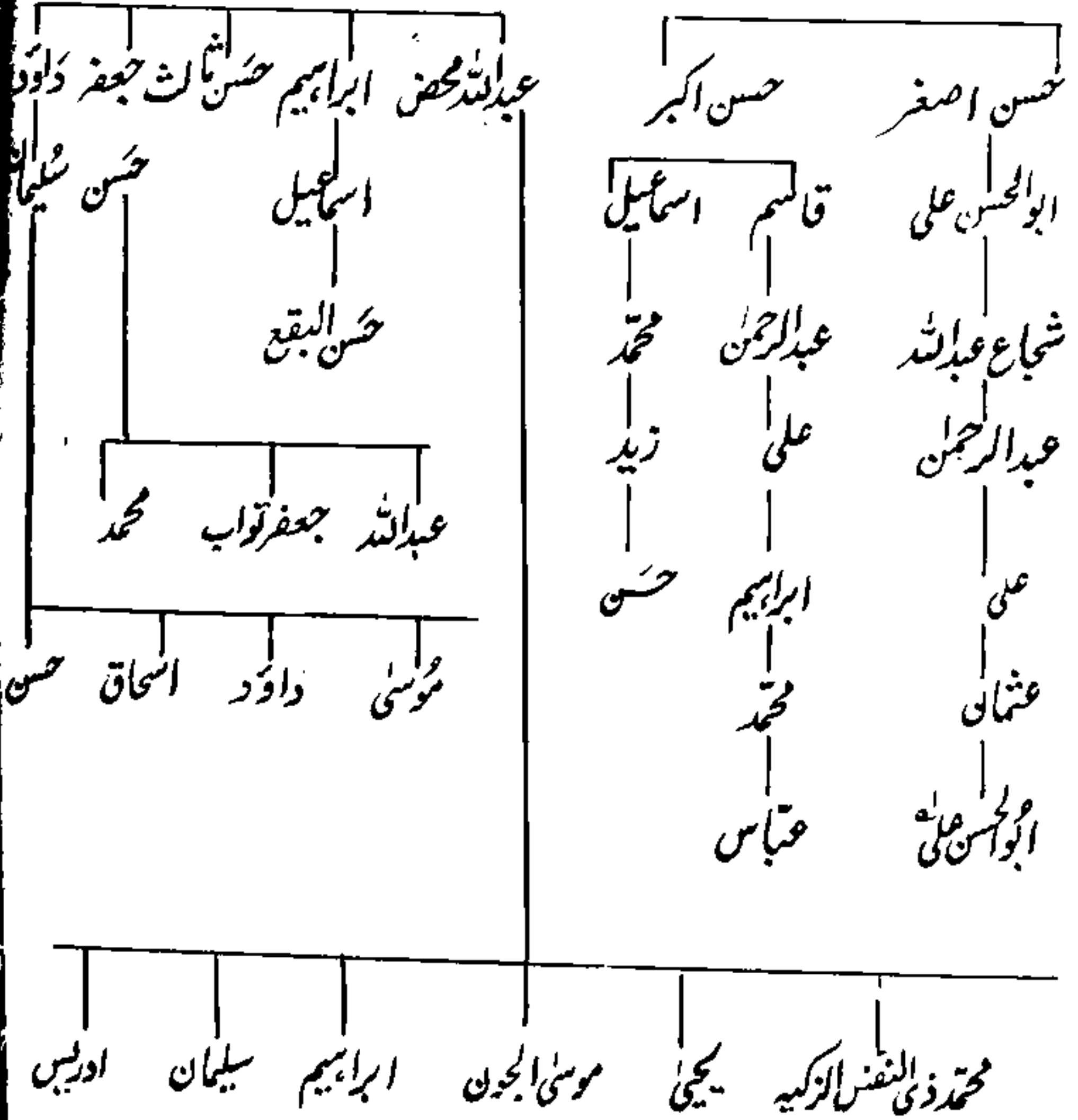
لہ یہ حضرت داتا گنج بخش ابو الحسن علی ہجویری ثم لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔

حضرت سیدنا امام حسین بن علی المرتضیٰ علیہما السلام

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسمِ گرامی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ہارون علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے، شبیر کے نام پر رکھا۔ اس کا عربی میں ترجمہ حسین بنتا ہے۔ آپ علیہ السلام کی کنیت ابو عبداللہ اور القابات زکی۔ شہیدِ اعظم۔ سید شباب اہل الجنۃ۔ سبط الرسول، ریحان الرسول مشہور ہیں۔

ولادت باسعادت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ۴ یا ۵ شعبان المعظم ۴ھ بروز سہ شنبہ مدینہ منورہ میں ہوئی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بڑے بھائی شہزادہ حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گیارہ ماہ دس دن بعد زینت بخش عالم ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے کو دیکھنے کے لئے تشریف لائے، محبت وشفقت سے گود میں اٹھایا، کانوں میں اذان و اقامت کہی تحنیک فرمائی۔ پھر ساتویں دن دو مینڈھے ذبح کر کے عقیقہ کیا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت پر رُوح الامین علیہ السلام بحکم رب العالمین جلّ شانہٗ پیامِ مبارک کے ساتھ ساتھ تعزیت بھی لائے کہ شہزادہ صاحب کا وہ گلوئے ناز کہ جسے آپ پیار سے بوسے دے رہے ہیں، میدانِ کربلا میں تیغِ جفا سے کاٹا جائے گا۔ اس خبرِ وحشت اثر سے رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہایت غمزدہ ہوئے، پھر فرمایا:-

رَضِینَا بِقَضَآءِ اللّٰہِ "ہم اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی تقدیر پر راضی ہیں۔" پھر یوں دُعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اَعْطِ الْحُسَیْنَ صَبْرًا وَّاَجْرًا۔

"اے میرے مولیٰ تعالیٰ! (میرے) حسین (علیہ السلام) کو صبر اور اجر عطا فرما"

خواب کی تعبیر حضور پُر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چچی محترمہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ز...

ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دن بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں نے ایک نہایت ہی پریشان کن خواب دیکھا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ "کیا خواب دیکھا ہے؟" انہوں نے عرض کیا کہ بہت شدید ہے جسکے بیان کی جراٗت نہیں ہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکرر دریافت فرمایا، تو انہوں نے عرض کیا: میں نے دیکھا کہ آپ کے جسمِ انور کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا" یہ سُن کر رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (مسکرائے اور) فرمایا کہ تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ (اس کی تعبیر یہ ہے کہ) انشاء اللہ تعالیٰ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا، جو تمہاری گود میں کھیلے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے اور حضرت امّ الفضل کی گود میں دیئے گئے۔ حضرت امّ الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئی، تو دیکھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی گود میں شہزادہ حسین علیہ السلام ہیں اور آپ رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا ہوا؟ تو فرمایا: جبریل امین علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے یہ بتایا کہ میری اُمّت میرے اس فرزند کو شہید کر دے گی۔ میں نے عرض کیا کہ کیا اس (حُسین) کو؟ فرمایا: ہاں! اور میرے پاس ان کے مقتل کی سُرخ مٹی بھی لاتے ہیں۔

(رواہ بیہقی فی دلائل النبوۃ)

شہادت کی شہرت

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت کی اطلاع ولادت باسعادت کے ساتھ ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہو گئی تھی۔ پھر یہ خبر صحابہ کرام و اہل بیت عظام میں بھی پھیل گئی۔ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا، مجھے جبریل امین نے خبر دی کہ میرے بعد میرا فرزند حُسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سرزمینِ طُف میں شہید کر دیا جائے گا اور جبریل امین میرے پاس

یہ مٹی لاتے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ کیا یہ اُن (حسین علیہ السلام) کی خوابگاہ (مقتل) کی مٹی ہے؟ فرمایا "ہاں! طف کوفہ کے قریب اس جگہ کا نام ہے جسے کربلا کہتے ہیں۔" (ابن سعد۔ طبرانی)

امام احمد نے روایت کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس وہ فرشتہ آیا جو اس سے قبل کبھی میرے پاس نہ آیا تھا۔ اُس نے عرض کیا کہ آپ کا فرزند (حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شہید کیا جائے گا۔ اگر آپ چاہیں، تو میں ان کے مقتل گاہ کی مٹی پیش کروں۔ پھر اُس نے تھوڑی سی سُرخ مٹی پیش کی (احمد)

حضرت یحییٰ حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ سفرِ حنین میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ تھے، جب نینوا کے قریب پہنچے، جہاں حضرت یونس علیہ السلام کا مزارِ انور ہے تو آپ نے فرمایا "اے ابوعبداللہ! فرات کے کنارے ٹھہرو۔" میں نے عرض کیا "کس لئے؟" فرمایا: "حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے (مجھے) فرمایا کہ جبریلِ امین نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرات کے کنارے شہید کیا جائے گا۔" (رواہ ابونعیم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ "ہمیں اس میں کوئی شک نہ تھا اور سب اہل بیت بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت، **امام حسین** رضی اللہ تعالیٰ عنہ کربلا میں شہید ہوں گے۔" (رواہ حاکم)

اس موضوع پر بکثرت روایات پائی جاتی ہیں حتیٰ کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل بیت اطہار کے اُترنے کی جگہ، مقام شہادت، اُونٹوں کے باندھنے، کجاوے رکھنے کی جگہ تک کا بتا دیا گیا تھا۔ حضرت اُمِ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے مطابق تو اُن کو وہ مٹی بھی عطا فرما دی گئی تھی، جسے بوقتِ شہادت خون بن جانا تھا۔ بایں ہمہ یہ کہیں نہ ملے گا کہ خود رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا اہل بیت اطہار کے کسی

بھی فرد نے بارگاہِ ربّ العزت میں یہ دعا کی ہو کہ اے مولیٰ تعالیٰ حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اس حادثۂ عظیمہ سے محفوظ فرما لے۔ نہیں، ہرگز نہیں اور اگر کوئی دُعا ملے گی تو یہ کہ:

اَللّٰھُمَّ اَعْطِ الْحُسَیْنَ اَجْرًا وَّصَبْرًا۔

"اے اللہ تعالیٰ! حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اجر اور صبر عطا فرما"۔

یعنی اس امتحان میں کامیابی کی دُعا مانگی اور بس رضائے مولیٰ پر راضی رہے۔ کوئی بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے۔ اِس قدر صبر و استقامت، شوقِ شہادت، جذبۂ جاں نثاری، استقلال، رضائے مولیٰ پر راضی ہونا، دین سے محبت، یہ سب اس خاندانِ ذی وقار کے ہی مردانِ کامل کا حصّہ ہو سکتا ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنھم ورضوا عنہ)

حضرت سیدنا امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و شمائل بے حد و بے حساب ہیں۔ حصُولِ برکت کے لئے چند احادیث مبارکہ نقل کی جاتی ہیں:

فضائل

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیۂ کریمہ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ نازل ہوئی تو رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو بُلایا اور بارگاہِ ربّ العزت میں عرض کیا: اَللّٰھُمَّ هٰؤُلَاۤءِ اَھْلُ بَیْتِیْ۔

"اے اللہ تعالیٰ! یہ میرے اہل بیت ہیں"۔ (صحیح مسلم شریف)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حسن وحسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے بڑھ کر کوئی رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے مشابہ نہیں تھا۔ (بخاری)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا! حسن اور حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔" (ترمذی شریف)

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا "حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ جو حسین سے محبت کرے، اللہ تعالیٰ اُس سے محبت فرمائے۔ حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تو میرے جگر کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔" (ترمذی)

دُوسری روایت میں ہے کہ "جس سے حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے لڑائی کی اس نے میرے ساتھ جنگ کی اور جس نے حسین کے ساتھ صُلح کی، اس نے میرے ساتھ صلح کی۔" (ترمذی عن اسامہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے (حضرت) حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کندھے پر اٹھایا ہوا تھا۔ ایک آدمی نے دیکھ کر کہا: "اے صاحبزادے! (مبارک ہو کہ) تم کتنی اعلیٰ سواری پر سوار ہوئے ہو!" تو رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "اور سوار بھی تو بہت اعلیٰ ہے۔" (ترمذی شریف)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسُولِ کریم رؤوف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: میرے اہل بیت کی مثال تم میں اس طرح ہے جیسے سیدنا نوح علیہ السّلام کی کشتی تھی کہ جو اس میں سوار ہو گیا، نجات پا گیا جو پیچھے رہ گیا، ہلاک ہو گیا۔ (رواہ احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں اور میرے کانوں نے سُنا کہ سیدنا حسین (علیہ السّلام) ابھی بچہ ہی تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان کو دونوں کلائیوں سے پکڑا۔ اس وقت سیدنا حسین (علیہ السّلام) کے قدم مبارک حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی قدموں کی پشت پر تھے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: (اوپر) چڑھو چڑھو، حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چڑھتے جاتے تھے حتیٰ کہ اُن کے پاؤں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم

کے سینۂ انور پر رکھے گئے۔ اس وقت اُن کا مُنہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے منہ کے برابر تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا: منہ کھولو، انہوں نے منہ کھول دیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے مُنہ (میں زبان مبارک ڈال کر) چوم لیا۔ پھر یوں دُعا فرمائی: "اے اللہ تعالیٰ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما"

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پچیس حج پا پیادہ چل کر کئے۔ (الاستیعاب)

سیدنا حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس محرم الحرام ۶۱ھ بروز جمعۃ المبارک اپنے اہل بیت اطہار اور ۷۲ جاں نثاروں کے ساتھ میدان کربلا میں مرتبۂ شہادت پر فائز ہو کر سید الشہداء کے لقب سے ملقب ہوئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

ذیل میں اس سانحہ عظیمہ کو قدرے اختصار کے ساتھ تاریخ ابن خلدون، تاریخ کامل ابن اثیر، عقد الفرید، طبری، تاریخ الخلفاء کے حوالہ سے سپرد قلم کرتا ہوں۔ تفصیل اس لئے نقل کرنے سے معذور ہوں کہ نہ تو دل کو اتنا حوصلہ مند پاتا ہوں اور نہ ہی نوکِ قلم میں اتنی سکت ہے ؎

این سخن چیست کہ دل ہا ہمگی خون گردد
دیدہ ہا از غمِ دل دجلہ و جیحوں گردد

۶۰ھ کو جب یزید بن معاویہ تختِ حکومت پر بیٹھا تو اس وقت مدینہ طیبہ میں ولید بن عتبہ بن ابی سفیان، مکہ مکرمہ میں عمر بن سعید بن عاص۔ بصرہ میں عبید اللہ بن زیاد اور کوفہ میں نعمان بن بشیر گورنر تھے۔

یزید نے حکومت سنبھالتے ہی گورنر مدینہ ولید بن عتبہ کو خط تحریر کیا کہ بلا تاخیر حسین ابن علی، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے میری خلافت کی بیعت لے لو۔ ولید نے مروان کی ترغیب پر ان حضرات کو پیغام بھیجا تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولید کے پاس تشریف لے گئے۔ ولید نے مروان کی موجودگی میں یزید

کا خط آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے خط پڑھ کر جواب دیا کہ یہ بات مناسب نہیں کہ میں کوئی خفیہ بات کروں۔ دوسرے لوگوں کو طلب کرو جب وہ آئیں گے تو ان میں میں بھی ہوں گا، یہ کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ مروان چلایا کہ ان کو جانے نہ دینا ورنہ پھر یہ ہاتھ نہ آئیں گے۔ اگر بیعت کریں تو ٹھیک، ورنہ قتل کر دے۔ حضرت امام عالی مقام نے سختی کے ساتھ مروان کو ڈانٹ دیا اور گھر تشریف لے گئے۔ مروان ولید کو ملامت کرنے لگا، تو ولید نے کہا: "اے مروان سن! مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یزید کی بیعت نہ بھی کریں اور مجھے پوری دنیا جہان کے مال و دولت کا مالک بنا کر کہا جائے کہ حضرت حسین (علیہ السلام) کو قتل کر دو، تو میں سارا مال و دولت ٹھکرا دوں گا مگر قتلِ حسین کا جرم نہیں کروں گا۔" حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یزید کی تخت نشینی اور طلب بیعت کا علم ہوا تو دانائی سے کام لیتے ہوئے رات کے وقت مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ صبح کو ولید کو معلوم ہوا، تو اس نے تعاقب میں آدمی روانہ کئے، لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جا چکے تھے۔

اس واقعہ کے دوسرے دن یعنی ۳ شعبان المعظم سنہ ۶۰ھ کو امام حسین علیہ السلام اپنے اعزا و اقارب کے ساتھ رات کے وقت مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ مشورہ محمد حنفیہ نے دیا تھا۔ اب مدینہ طیبہ میں محمد بن حنفیہ (حضرت حسن مثنیٰ) اور ان کی زوجہ سیدہ فاطمہ[1] (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) باقی رہ گئے تھے۔ مروان نے یہ تمام واقعات یزید کو لکھ بھیجے۔ اس نے ولید بن عتبہ کو معزول کر کے عمرو بن سعید الاشرق کو گورنر مدینہ بنا دیا۔

مکہ مکرمہ کی طرف آتے ہوئے راستہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات

---

[1] حضرت فاطمہ صغریٰ بنت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی حضرت امام حسن علیہ السلام کے بیٹے حضرت حسن مثنیٰ سے ہوئی تھی چونکہ یہ بیمار تھے، اس لیے حضرت امام علیہ السلام نے اپنی بیٹی سیدہ فاطمہ صغریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے خاوند کی تیمارداری کے لئے مدینہ طیبہ چھوڑ دیا۔ ۱۲ منہ

حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ صورتِ حال سے مطلع ہو کر عبداللہ نے عرض کیا کہ حضور آپ مکہ مکرمہ میں ہی قیام کریں۔ آپ کوفہ کا ہرگز ہرگز قصد نہ فرمائیں، یہ بڑے بدعہد لوگ ہیں، کسی سے وفا نہیں کرتے، انہوں نے آپ کے والد ماجد کو شہید، آپ کے بھائی جان سے نازیبا سلوک کیا، وہ آپ کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔"
حضرت امام عالی مقام علیہ السلام نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکریہ ادا کیا اور مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔

اہلِ کوفہ کی حضرت امام حسین علیہ السلام کو دعوت

جب اہلِ کوفہ کو یزید کی تخت نشینی کا علم اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے مکہ مکرمہ چلے جانے کا حال معلوم ہوا تو اہلیانِ کوفہ سلیمان بن صرد کے مکان پر جمع ہوئے[1] اور اس مضمون کا خط لکھا کہ[2] "آپ یہاں تشریف لے آئیے۔

---

[1] ابن خلدون میں یہاں شیعانِ امیر المومنین علی (علیہ السلام) درج ہے۔ ۱۲

[2] جلاء العیون میں یوں درج ہے "جب یہ خبریں اہلِ کوفہ کو پہنچیں، شیعانِ کوفہ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں جمع ہوئے۔ حمد و ثنائے الٰہی لائے اور دربارہ فوتِ معاویہ و بیعتِ یزید گفتگو کی۔ سلیمان نے کہا جبکہ معاویہ مر گیا اور امام حسین (علیہ السلام) بیعتِ یزید سے انکار کر کے مکہ معظمہ گئے ہیں اور تم اُن کے شیعہ اور اُن کے والد بزرگوار کے شیعہ ہو۔ اگر جانتے ہو کہ نصرت اُن کی کر سکو گے اور بجان و مال اُن کی نصرت میں کوشش کر سکو گے۔ ایک عریضہ ان کی خدمت میں لکھ کر یہاں بلاؤ اور اگر اُن کی نصرت میں سستی دکھائی کرو گے، یہ جان لو کہ شرط نیک خواہی اور متابعت کی بجا آوری نہ کرو گے، ان کو فریب اور ہلاکت میں نہ ڈالو۔ شیعوں نے کہا جب اس شہر کو اپنے نورِ قدم سے منور کریں گے، ہم سب بقدمِ اخلاص ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے بیعت کریں گے اور ان کی نصرت میں جانفشانی اور دشمنوں سے حفاظت میں کوشش کریں گے پھر ایک عریضہ اس مضمون کا خدمتِ امام عالی مقام علیہ السلام میں لکھا۔" (جلاء العیون اردو جلد ۲ مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی، لاہور)

ہم لوگوں نے نعمان بن بشیر گورنر کوفہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہے نہ ہی ہم اس کے ساتھ شریک جمعہ ہوتے ہیں نہ عید۔ اگر آپ تشریف لے آئیں، تو ہم اُس کو ایسا نکالیں گے کہ وہ ملکِ شام میں جاکر ہی دم لے گا۔" لہ

یہ خط عبداللہ بن سبیع ہمدانی، عبداللہ بن وال کی معرفت مکہ مکرمہ کی طرف روانہ کیا۔ پھر دو راتوں کے بعد دوسرا خط تقریباً ڈیڑھ سو آدمیوں کی جانب سے اسی مضمون کا ارسال کیا گیا۔ پھر تیسری مرتبہ بھی بہت سے آدمیوں کی طرف سے ایسا ہی خط ارسال کیا گیا۔ اس خط کو مثبت بن ربعی، حجاز بن جبر، یزید بن حرث، یزید بن رویم عروہ بن قیس، عمرو بن الحاج زبیری، محمد بن عمر التمیمی وغیرہ رؤسائے کوفہ نے بڑے شدومد کے ساتھ لکھا۔ ادھر بصرہ میں دعویٰ دارانِ محبت قبیلہ عبدالقیس کی ماریہ بنتِ سعد کے مکان پر جمع ہونے والوں کی طرف سے خط لکھنے کی نوبت تو نہ آئی البتہ ان میں یزید بن نبیط اور عبداللہ و عبیداللہ مکہ مکرمہ حاضرِ خدمتِ عالیہ ہوئے پھر یہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ گئے اور مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے، (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) الغرض جب وفود و خطوط کی کثرت ہو گئی اور اصرار حد سے بڑھ گیا تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی نیابت اور تحقیقِ حال کے لئے کوفہ بھیجا، جفاکارانِ کوفہ نے گو پہلے حضرت امام حسین علیہ السلام کے لئے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، مگر عین موقع پر ان سیاہ باطن بے وفاؤں نے دھوکہ دیا اور ابن زیاد بدنہاد نے حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔ (تفصیلی واقعہ حضرت مسلم بن عقیل (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے حالات میں درج ہے)

لہ علامہ ابن خلدون کے علاوہ باقی بعض مؤرخین اور صاحب جلاء العیون نے خط کا متن بھی درج کیا ہے، جس کا خلاصہ وہی ہے جو اوپر درج کیا گیا ہے، البتہ مضمونِ خط طویل ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی کوفہ روانگی

شہادت سے قبل حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں عریضہ ارسال کر چکے تھے کہ "اٹھارہ ہزار دربروایتِ دیگر چالیس ہزار آدمی میرے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، دن بدن ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے جتنی جلدی ہو سکے آپ تشریف لے آئیے۔" خط ملنے پر امام عالی مقام نے کوفہ جانے کا عزم صمیم کر لیا۔ جب اس بات کی شہرت ہوئی، تو عمر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام آئے اور حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کو کوفہ جانے سے روکا، مگر آپ نے مکہ مکرمہ میں رہنے سے انکار کر دیا۔ پھر حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) حاضر ہوئے اور کوفہ جانے سے روکا، اور کہا کہ اگر اہل کوفہ اپنے حاکم کو قتل کر دیں یا اُس کے مال و اسباب کو لوٹ کر کوفہ سے نکال باہر کریں تو جدا بات ہے، وگرنہ محض اُن کی دعوت پر وہاں نہ جاؤ، ان کا امیر اُن میں موجود ہے، وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے اور آپ کو دھوکا دیں گے اور سب سے زیادہ آپ کے وہی دشمن ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ آج شب استخارہ کروں گا۔ پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہوتا ہے۔ یہ سُن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما چلے گئے۔ پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حاضر ہوئے کوفہ جانے سے باصرار منع کیا اور رو پڑے۔ یہ دیکھ کر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوبارہ آئے اور کہا کہ اگر مکہ مکرمہ سے جی اکتا گیا ہے، تو آپ یمن میں چلے جائیں۔ اہل عراق صدر جہ بے وفا عہد شکن اور مکار ہیں۔ اُن کے فریب میں نہ آئیے۔ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں، تو ان کو لکھ بھیجو کہ پہلے تم اپنے گورنر کو شہر بدر کرو، میں پھر آؤں گا، مگر تقدیر کا لکھا غالب آیا اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۰ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں، (ابن خلدون کے مطابق ۱۰ ذوالحجہ کو) ۶۰ھ کو

بمع اہل بیت اطہار کہ جن میں عورتیں بچے شامل تھے، مکہ مکرمہ سے جانب کوفہ روانہ ہوئے گورنر مکہ عمرو بن سعید بن عاص کے آدمیوں نے بالجبر روکنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں ہلکی سی جھڑپ بھی ہوئی، لیکن امام عالی مقام علیہ السلام اور آپ کے ہمراہیوں نے سفر جاری رکھا۔

فرزدق شاعر سے ملاقات مقام صفاح تک پہنچے ہوں گے کہ فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی۔ امام عالی مقام علیہ السلام نے ان سے اہل کوفہ کا حال پوچھا۔ تو انہوں نے عرض کی "حضور! اُن کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں، مگر تلواریں بنو امیہ کے ساتھ۔"

عبداللہ بن جعفر کا خط اسی مقام پر یا کچھ آگے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط، اُن کے دو بیٹے عون و محمد لے کر آئے جس میں لکھا تھا کہ "اے برادرِ من! خدا کے واسطے خط کے دیکھتے ہی واپس آجاؤ، میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ خدانخواستہ تمہارا خون بہایا جائے گا اور اہل بیت اطہار کی بے حرمتی ہو گی۔ اگر ایسا ہوا تو زمین کی روشنی جاتی رہے گی۔ تم مسلمانوں کے مرجع، ہادی، ملجا و ماویٰ اور رہنما ہو، عجلت نہ کرو، عنقریب میں بھی حاضر ہو رہا ہوں۔ والسلام علیکم"

امام عالی مقام علیہ السلام نے اِس خط کی پرواہ کئے بغیر حضرت عون و محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ساتھ لیا اور آگے روانہ ہو گئے۔

قیس بن مسہر کی روانگی اور شہادت مقامِ حاجر پر پہنچ کر حضرت امام عالی مقام علیہ السلام نے قیس بن مسہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصلحتاً ایک خط دے کر کوفہ کی طرف روانہ کیا، جس میں حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط ملنے اور اپنی تشریف آوری کا ذکر کیا اور ابن زیاد نے اپنی پولیس کے افسرِ اعلیٰ

حصین بن نمیر کو تجربہ کار سپاہیوں کے ساتھ قادسیہ کی طرف روانہ کر دیا تاکہ امام عالی مقام علیہ السلام کا راستہ روکا جا سکے۔ حضرت قیس بن مسہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قادسیہ پہنچے تو حصین بن نمیر نے آپ کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیج دیا۔ ابن زیاد نے قاصدِ امام حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ صرف اسی صورت میں تمہاری جاں بخشی ہو سکتی ہے کہ تم قصرِ امارت پر چڑھ کر (العیاذ باللہ) کذاب بن کذاب حسین ابن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کہہ کر گالیاں دو۔ حضرت قیس فوراً قصرِ امارت پر چڑھ گئے۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا: اے لوگو! قصرِ امارت سے سنو! حسین ابن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بہترین خلائق فاطمہ بنتِ رسول اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے لختِ جگر ہیں۔ میں آپ کا قاصد ہوں، وہ شاید اب حاجر سے آگے بڑھ آتے ہوں، تم پر اُن کی اطاعت فرض ہے۔ اس کے بعد ابنِ زیاد پر خوب خوب لعن طعن کیا اور اُس کے باپ کو سخت و سُست کہتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے لئے نہایت کلماتِ خیر ادا کئے۔ ابنِ زیاد بد نہاد نے غصہ میں جھلا کر حکم دیا کہ اس کو قصرِ امارت سے نیچے پھینک دو۔ نیچے گرتے ہی حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے، دماغ پھٹ گیا اور آپ مرتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

زُہیر بن القین سے مُلاقات

حضرت امام عالی مقام علیہ السلام اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھے، راستے میں زہیر بن القین بجلی[1] سے ملاقات ہوئی۔ یہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طرفداروں میں سے ایک تھے حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کوفہ کی طرف جا رہے تھے۔ امام عالی مقام نے ان کو اپنے خیمے میں بلایا، کچھ باتیں ہوئیں۔ پھر یہ اُٹھے، اور اپنی فرودگاہ پر جا کر اپنے ہمراہیوں کو کہا، "جس کو میرے ساتھ چلنا ہو چلے" میں حسین ابن علی

---

[1] بعض نے ان کا نام زہیر بن قیس بجلی لکھا ہے۔ ۱۲ منہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ جا رہا ہوں، یہ میرا آخری عہد ہے، میں تم لوگوں سے رخصت ہو رہا ہوں۔ یہ کہہ کر اپنی بیوی کو طلاق دی اور کہا کہ تم اپنے والدین کے پاس چلی جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ تم گرفتار کی جاؤ۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دیتے بغیر مال دے کر رخصت کرنا چاہا تو اس نیک بندی نے اہل بیت اطہار کی خدمت میں رہنے کو پسند کیا۔ زہیر بن القین میں سے امام عالی مقام کے ساتھ ہو گئے اور میدانِ کربلا میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے مرتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

اطلاع شہادت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام ثعلبہ میں پہنچے تو حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی جان کاہ خبر ملی۔ بعض احباب کی رائے ہوئی کہ اسی جگہ سے واپس پلٹ چلو، کوفہ میں کوئی تمہارا یار و مددگار نہیں ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ بجائے مدد کرنے کے مخالف بن جائیں اور یوں شدید نقصان اٹھانا پڑے۔ بنو عقیل نے کہا: "اللہ کی قسم ہم اُس وقت تک کوفہ نہ چھوڑیں گے، جب تک کہ خونِ مسلم کا بدلہ نہ لے لیں یا پھر اُن کی طرح مرتبۂ شہادت نہ پا جائیں"۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے بغیر رہنے کا کیا لطف؟ ہم بھی چلتے ہیں۔ ہمراہیوں میں سے بعض نے عرض کیا کہ واللہ! آپ مسلم بن عقیل نہیں ہیں، جونہی آپ کوفہ پہنچیں گے، سب لوگ مطیع و فرمانبردار ہو جائیں گے۔ الغرض حضرت امام عالی مقام علیہ السلام آگے روانہ ہو گئے۔

خبرِ شہادت عبداللہ بن یقطر

مقام زبالہ پر پہنچے تو آپ کے رضاعی بھائی حضرت عبداللہ بن یقطر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر مل گئی۔ ان کو بھی آپ نے اثنائے راہ ہی سے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ حصین بن نمیر کے سپاہیوں نے ان کو گرفتار کر کے ابن زیاد بدنہاد کے پاس بھیج دیا۔ ان کے ساتھ بھی ہو بہو وہی واقعہ پیش آیا جو قیس بن مسہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آیا تھا۔

بعض ہمراہیوں کی علیحدگی جب شہادت کی یہ دو روح فرسا خبریں پہنچیں تو امام حسین علیہ السلام نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا: جو واپس جانا چاہے چلا جائے، حالات بہت خراب ہیں، ہم جانے والوں سے کوئی مواخذہ نہیں کریں گے۔ یہ سن کر بعض وہ لوگ جو راستہ میں یہ سمجھ کر شامل ہو گئے تھے کہ شاید کوفہ پر آپ کا قبضہ ہو گیا ہے۔ دائیں بائیں چھٹ گئے مگر امام عالی مقام علیہ السلام کے اصل ہمراہیوں میں سے کسی ایک نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑنا پسند نہ کیا۔

حر بن یزید تمیمی یربوعی سے ٹکراؤ کوفہ کی طرف سفر جاری تھا عین دوپہر کے وقت دور سے گرد و غبار کو دیکھ کر ہمراہیوں میں سے کسی نے بلند آواز سے تکبیر کہی۔ جب اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس ساتھی نے کہا کہ سامنے گنجان درختوں کا ایک باغ سا دکھائی دیتا ہے۔ بنو اسد کے دو آدمی جو راستہ سے بخوبی واقف اور امام عالی مقام علیہ السلام کے ساتھی تھے۔ انہوں نے کہا: اس پورے میدان میں باغ تو کجا کہیں ایک درخت بھی نہیں ہے۔ حضرت امام عالی مقام نے فرمایا: "یہ تو سواروں کی گرد ہے۔" پھر کچھ سوچ کر بنو اسد کے ان ساتھیوں سے فرمایا: "یہاں ایسی کوئی جائے پناہ ہے کہ ہم وہاں چلے جائیں اور اس آنے والے سواروں سے آمنا سامنا نہ ہو؟ کہ شاید کون ہیں؟" انہوں نے عرض کیا کہ دائیں طرف ذوحشم کی بستی ہے، وہاں تشریف لے جائیے، لیکن اگر آپ کے ذوحشم پہنچنے سے پہلے وہ لوگ اس طرف چلے جائیں، تو آپ کا مقصود حاصل ہو جائے گا (یعنی ذوحشم والے آپ کی حمایت کریں گے) چنانچہ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفے کی طرف جانے والے راستہ کو چھوڑ کر بڑی تیزی کے ساتھ ذوحشم کی طرف روانہ ہو گئے لیکن ابھی ذوحشم پہنچے تھے کہ سواروں کی فوج آ پہنچی اور آپ کے قافلہ کو روک لیا۔ ان سواروں کی تعداد ایک ہزار تھی کہ جن کو حصین بن نمیر نے قادسیہ سے حر بن یزید

ماتحتی میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں بھیجا تھا تاکہ وہ ان کو ابن زیاد کے سامنے پیش کرے۔

حضرت امام عالی مقام اور حُر بن یزید کی ملاقات

امام عالی مقام علیہ السلام کے ساتھیوں اور حُر بن یزید کے فوجیوں نے اسی جگہ اپنے اپنے خیمے لگا لئے تھے۔ بوقت ظہر موذن نے اذان دی تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کے لئے تشریف لائے تو حُر کے فوجی بھی آپ کی اقتداء میں آگئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: "اے لوگو! میں از خود تمہارے پاس نہیں آیا ہوں، بلکہ تم نے مسلسل خطوط اور قاصد بھیج کر مجھے بلایا ہے اور اب اگر تم اپنے وعدہ پر قائم ہو تو میں تمہارے ساتھ ہوں، ورنہ واپس چلا جاؤں۔"
کسی شخص نے آپ کی بات کا جواب نہ دیا۔ بس آپ علیہ السلام کی اقتداء میں نماز پڑھی اور اپنے لشکر گاہ کی طرف چلے گئے۔ بوقت عصر امام عالی مقام علیہ السلام نے قدرے مفصل خطبہ دیا اور اُن کو جھنجھوڑا تو حُر نے کہا آپ بار بار جن خطوط کا ذکر فرما رہے ہیں، واللہ! میں اُن کو نہیں جانتا۔ اس پر آپ نے خطوط کی دو بھری ہوئی تھیلیاں اس کے سامنے پھیلا دیں۔ حُر نے کہا کہ مجھے اس کے بارے میں علم نہیں، مجھے صرف یہ حکم ہے کہ میں آپ کو ابن زیاد کے سامنے پیش کر دوں۔ حضرت امام عالی مقام نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے ہمراہیوں کو سوار ہو کر واپس چلنے کا حکم دیا لیکن حُر نے سپاہیوں نے آپ کا راستہ روک لیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو یزید کے فسق و فجور اور اپنی نسبتِ پاک کے حوالہ سے خوفِ آخرت دلایا۔ حُر نے حضرت امام عالی مقام کی گفتگو سن کر (خفیہ طور پر) عرض کیا کہ میں آپ کی گستاخی نہیں کروں گا، مگر سپاہِ مخالف ہمراہ ہے اس لئے مجبوراً آپ کا راستہ روکوں گا، (مگر آپ کسی جانب نکل جائیے) یہ حُر حکمتِ عملی سے (آپ کو دوسری جانب آگے بڑھاتے مگر) اِدھر اُدھر سے روکتے جاتے تھے یہاں

تک کہ یہ قافلہ نینوا میں برلبِ فرات جا پہنچا۔ اس جگہ امام عالی مقام علیہ السّلام کے حکم سے خیمے لگا دیئے گئے۔

اگلے دن ایک قاصد نے حر بن یزید کو ابن زیاد بد نہاد کا خط دیا جس میں حکم نامہ درج تھا کہ میرے اس قاصد کے پہنچتے ہی حسین کو روک کر کسی ایسے کھلے میدان میں ٹھہراؤ کہ جہاں نہ تو پانی ہو اور نہ ہی کوئی محفوظ جگہ۔ میں نے قاصد کو حکم دے دیا ہے کہ یہ قاصد تعمیل حکم تک تمہارے ساتھ رہے گا۔"

چنانچہ حضرت امام عالی مقام کو حُر نے لبِ فرات سے خیمے اُکھاڑ کر دُور کھلے میدان لے جانے کا حکم دیا۔ حضرت امام عالی مقام علیہ السّلام نے حُر کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر اُس نے صاف صاف کہہ دیا کہ ابنِ زیاد نے مجھ پر ایک آدمی کو بطورِ نگران مقرر کیا ہے۔ اس لئے میں اُس کے حکم کی تعمیل پر مجبور ہوں۔ حضرت امام عالی مقام کے ساتھیوں نے اُلجھنے کی کوشش کی، مگر آپ نے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ خیمے اکھاڑ دیئے جائیں ہم جنگ کی ابتدا نہیں کریں گے، اس پر خیمے لبِ فرات سے دُور ایک چٹیل میدان میں نصب کر دیئے گئے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جگہ کا نام دریافت فرمایا تو عرض کیا گیا کہ "کربلا" فرمایا:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَرْضُ کَرْبٍ بَلَاءٍ۔" اللہ اکبر! یہ تو مصائب و آزمائش کی سرزمین ہے۔"

یہ واقعہ ۲ محرم ۶۱ھ بروز جمعرات کا ہے۔

عمرو بن سعد کی کربلا میں آمد

اگلے دن عمرو بن سعد کی زیر کمان چار ہزار التعداد پر مشتمل فوج کوفہ سے کربلا آ پہنچی۔ ابنِ زیاد نے عمرو بن سعد کو اس فوج کا سپہ سالار بنا کر "دیلم" کی سرکوبی کا حکم دیا تھا اور "رے" (ایران کے مشہور شہر تہران کا پہلا نام "رے" تھا) کی سندِ گورنری عطا کی تھی۔ یہ فوج روانہ ہونے ہی والی تھی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ پیش آگیا۔ ابنِ زیاد نے اُسے بُلا کر اس مہم پر روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔ عمرو بن سعد نے پہلے تو پوری کوشش

گی کہ وہ یہ گناہِ عظیم اپنے سر نہ لے، مگر "رے" کی گورنری کے لالچ نے اسے اندھا کر دیا اور وہ ایک ایسا جرم کرنے کے لئے تیار ہوگیا، جس کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔

جب عمرو بن سعد کربلا میں پہنچا تو امام عالی مقام علیہ السلام نے اسے پیغام بھیجا کہ میں رؤسائے کوفہ کے بلانے پر آیا تھا، لیکن اگر تم کو یہ بات ناگوار گزری ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ ابن سعد نے یہ بات ابن زیاد کو لکھ بھیجی۔

لشکرِ امام پر پانی بند

ابن زیاد نے اس کے جواب میں لکھا کہ حسین (علیہ السلام) سے یزید کی بیعت لو، اگر انکار کرے تو فوراً جنگ کرو اور پانی بند کر دو۔ چنانچہ ۷ محرم الحرام کو عمرو بن سعد نے عمرو بن الحجاج کی زیرِ کمان پانچ سو سواروں کو نہرِ فرات پر متعین کر دیا، جنہوں نے لشکرِ امام پر پانی بند کر دیا۔

مصالحت کی کوشش و شرائط

جب بات حد سے بڑھ گئی، تو حضرت امام عالی مقام نے عمر بن قرظہ بن کعب انصاری کے ذریعے عمرو بن سعد کو پیغام بھیجا کہ آج رات لشکر سے الگ ہو کر مجھے ملنا۔" عمرو بن سعد حسبِ وعدہ حاضر ہوا۔ امام عالی مقام نے بڑے احسن طریقہ سے اُسے آخرت کا احساس دلایا اور فرمایا: "اگر تم چاہو تو ہم جہاں سے آئے ہیں، وہاں واپس چلے جاتے ہیں، اگر یہ منظور نہ ہو تو جس سرحد کی طرف تم کہو، وہاں چلے جاتے ہیں اور اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو ہمیں براہِ راست یزید کے پاس شام بھیج دو۔"

شمر لعین کی خباثت

عمرو بن سعد نے ابن زیاد کو حضرت امام عالی مقام کی مذکورۃ الذکر باتیں تحریر کر دیں۔ ابن زیاد نے یہ خط پڑھا تو کہنے لگا "یہ شخص امیر کی اطاعت کرنا چاہتا ہے میں اس کو منظور کرتا ہوں۔" اس پر شمر لعین اٹھ کھڑا ہوا اور بولا "کیا تم حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اس درخواست کو قبول کر لو گے، جبکہ وہ تمہارے قبضہ میں ہے؟ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی

قسم! اگر وہ یہاں سے چلا گیا، تو پھر کبھی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا اور نہ تم کبھی اس کا مقابلہ کر سکو گے۔ میرے خیال میں صحیح بات یہ ہے کہ اُسے یزید کی بیعت پر مجبور کرو اگر وہ نہ مانے تو سزا دو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے پتہ چلا ہے کہ راتوں کو اس کی اور عمرو بن سعد کی ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ (یعنی عمرو قابل اعتماد نہیں ہے)

شمر کی میدانِ کربلا میں آمد

شمر لعین کا یہ حربہ کارگر ثابت ہوا۔ دشمن اہل بیت ابن زیاد نے شمر کو حکمنامہ دے کر کہا کہ فوراً ابھی روانہ ہو جا اور عمرو کو کہہ کہ وہ حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور اُن کے رفقاء کو ہماری اطاعت پر مجبور کرے۔ اگر حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) انکار کر دے تو بلا تامل جنگ کرو۔ اگر عمرو بن سعد حکم نہ مانے تو وہ معزول ہے۔ اس کی جگہ تم لشکر پر امیر ہو۔ اس کے ساتھ ہی عمرو کا سر کاٹ کر ہمارے پاس بھیج دو۔ شمر اُسی وقت ابن زیاد کا حکمنامہ لے کر روانہ ہو گیا۔ عمرو بن سعد نے خط کھولا تو لکھا تھا "میں نے تمہیں حسین کی طرف اس لئے نہیں بھیجا کہ تم لیت ولعل سے کام لے کر وقت برباد کرو اور اُس کے سفارشی بنو۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ وہ اگر میرے حکم کی اطاعت کرے تو صلح نامہ لکھ کر حسین کو میرے پاس بھیج دو اور اگر وہ انکار کرے تو حملہ کر کے اُس کے ہاتھ پاؤں اور سر کاٹ دو، اُس کے باقی جسم اور سینے کو گھوڑوں کے سموں سے پائمال کروا دو۔ اگر تمہیں میرے حکم کے قبول میں ذرا برابر بھی تامل ہو تو میں تم کو معزول کرتا ہوں اور تمہاری جگہ شمر امیر لشکر ہے۔"

خط پڑھ کر عمرو بن سعد نے کہا "افسوس! میں تو سمجھا تھا کہ میری درخواست قبول کر لی گئی ہے اور تم اکیلے آئے ہو گے۔" شمر لعین نے کہا، "تمہاری سوچ غلط ہے، اب بتاؤ کیا چاہتے ہو؟" عمرو نے کہا: مجبوراً حکم کی تعمیل کروں گا۔"

شمر کی طرف سے امان کی پیشکش

بروز جمعرات ۹ محرم الحرام کو شمر اپنے لشکر سے نکل کر حضرت امام عالی مقام کے خیمے کی طرف آیا اور حضرت عباس اور ان کے دوسرے بھائیوں کو بلا کر کہا کہ:
"اے میری ہمشیرہ کے بیٹو! میری طرف سے تمہیں امان ہے" (یعنی تم میرے پاس آجاؤ، تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا) ان لوگوں نے کہا: "اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو تجھ پر اور تیری امان پر، کیا تو ہم کو تو امان دیتا ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نواسہ کو امان نہیں دیتا؟" شمر یہ جواب سن کر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

اس جگہ یہ واضح کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ بدبخت شمر شروع میں صحیح مسلمان تھا، اس نے اپنی بہن ام البنین فاطمہ کلابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی بھی امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے کی تھی اور اُن کے بطنِ اقدس سے حضرت عمر، حضرت عباس علمدار، حضرت عبداللہ، حضرت جعفر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم پیدا ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ان شہزادوں میں سے چار میدان کربلا میں موجود تھے اور اپنے برادرِ بزرگوار حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مرتبہ شہادت پر فائز ہوتے۔ چونکہ یہ شمر کے بھانجے لگتے تھے، اس لئے شمر نے ان کے امن و سلامتی کا اعلان کیا، مگر جو ان حضرات کا مومنانہ جواب تھا، وہ آپ سطورِ بالا میں پڑھ چکے ہیں۔

شب مہلت

اسی دن بوقتِ عصر عمرو بن سعد اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حضرت امام عالی مقام کی طرف چلا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت اپنے خیمے کے سامنے تشریف فرما تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے آتا دیکھ کر کہا: "بھائی جان اُٹھو! مخالفین آ رہے ہیں"۔ حضرت امام عالی مقام نے ان کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا تو حضرت عباس نے روک دیا اور عرض کی کہ پہلے

میں جاتا ہوں - چنانچہ حضرت عباس بیس آدمیوں کے ہمراہ سوار ہو کر تشریف لے گئے - عمر و نے شمر کے ذریعے آنے والے ابن زیاد کے خط کا لفظ بہ لفظ مضمون بتا دیا - حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کو مطلع کیا، تو آپ نے فرمایا: اُن سے آج شب کی مہلت لے لو - کل جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا ہو جائے گا - چنانچہ تھوڑی سی بحث کے بعد اس رات کی مہلت مل گئی -

سیدنا امام حسین علیہ السلام کا خطاب

اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے ہمراہیوں کو جمع کر کے خطبہ دیا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حمد و صلوٰۃ کے بعد آپ نے اپنے ہمراہیوں کی وفاداری، جاں نثاری اور اہل بیت سے محبت کی تعریف فرمائی - پھر فرمایا کہ مجھے یقین کامل ہے کہ یہ لوگ میرے خون کے پیاسے ہیں، لڑائی ضرور ہو گی - چونکہ یہ صرف میرے درپے ہیں، اس لئے تم کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ تم جہاں چاہو چلے جاؤ اور اگر بہتر ہو تو میرے اہل بیت کو بھی ساتھ لے جاؤ - جب یہ لوگ مجھے اس جگہ دیکھیں گے تو تمہارے لئے رکاوٹ نہیں بنیں گے۔"

جاں نثاروں کی ثابت قدمی

خطبہ کا تمام ہونا ہی تھا کہ ہر طرف سے ایک شور سا اُٹھا - آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں، بھانجوں اور دیگر ساتھیوں نے رو کر کہا کہ "یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کو دشمن کے نرغہ میں دے کر چلے جائیں - اللہ تعالیٰ کی قسم ہم ایسا ہرگز ہرگز نہیں کریں گے - ہم اپنے آپ کو اور اپنے اہل عیال کو آپ پر قربان کر دیں گے - اللہ تعالیٰ ہمیں وہ عیش نہ دکھائے، جو تمہارے بعد ہمیں ملے - حضرت مسلم بن عوسجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: ہم آپ کو چھوڑ کر کیونکر چلے جائیں، ہم تو آپ کا حق ہی ادا نہیں کر سکتے - ہم تو آپ کے دشمنوں سے آخری دم تک لڑیں گے، مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر میرے پاس کوئی ہتھیار

نہ بھی ہوتا، تو میں میدان سے پتھر اور کنکر اس وقت تک اُٹھا اُٹھا کر آپ کے دشمنوں پر اور آپ کے مدِ مقابل آنے والوں پر پھینکتا، جب تک کہ اپنے آپ کو آپ پر فدا نہ کر دیتا۔"
ان کی اس تقریر پُر تاثیر سے سب کے دل بھر آئے۔ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو دُعائیں دیں۔ پھر سب خیموں میں چلے گئے۔

حضرت زینب کو نصیحت و دلاسہ

اس کے بعد حضرت امام عالی مقام علیہ السلام نے چند دردناک اشعار پڑھے، تو حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا برداشت نہ کر سکیں۔ انہوں نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ امام عالی مقام علیہ السلام نے فرمایا: "زینب! تمہارے صبر و تحمل کو کیا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اُس کے حکم پر صابر و شاکر رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے فنا ہونے والی ہے۔ ہمارے جدِ محترم، والد، والدہ اور بھائی، یہ سارے چلے گئے، حالانکہ وہ ہم سے بہتر تھے، وہ نہیں رہے، اب ہماری باری ہے۔ اے بہن! میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ کل میں قتل کر دیا جاؤں تو تم صبر کرنا، نوحہ و ماتم نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرنا، صبر کرنا، (نوحہ و ماتم سے بچنا) اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ دے گا۔"

خیموں کی حفاظت

اس کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ "خیموں کو ایک دوسرے کے قریب کر دو اور ان کے دائیں بائیں خندق کھود کر آگ روشن کر دو اور یاد رکھو کہ کل جب لوگ حملہ آور ہوں، تو خیموں کے روبرو ان سے لڑنا۔" ہمراہیوں نے بڑی سرعت کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔ اِسی اثناء میں رات ہو گئی، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے ساری رات عبادتِ خداوندی میں گزاری۔

خُونی صبح کا آغاز

بروز جمعہ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ صبح نمازِ فجر کے بعد دونوں طرف سے لشکر ہتھیار سنبھالے ایک دوسرے

کے آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کے لشکر میں صرف ۳۲
سوار ہم پیادے تھے، یعنی کل تعداد ۷۲ بہتر (بعض نے ۸۲ بیاسی تحریر کی ہے)
اہل بیت اطہار کے ۲۱ اکیس حضرات اس کے سوا تھے۔

قابلِ غور بات

محترم قارئین کرام! آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت امام عالی مقام (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے لشکر کی کل تعداد شاید ایک سو کے قریب ہو
جبکہ مدِ مقابل عمر و بن سعد کا لشکر ہزاروں افراد پر مشتمل تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ
ابنِ زیاد اور اُس کے ساتھیوں کے دلوں میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ چکی تھی کہ ان چند
نفوسِ قدسیہ کا مقابلہ کرنا آسان نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے تو ایک بہت بڑے لشکر
کو ان کے مقابلہ میں بھیجا گیا، پھر ان کو تین دن تک بھوکا اور پیاسا رکھا گیا۔ علاوہ ازیں
ایک چٹیل میدان میں ان کو ٹھہرایا گیا کہ جہاں دھوپ کی شدت سے اوسان خطا ہو رہے تھے
اتنے ڈھیروں انتظامات کے باوجود ابنِ زیاد کا لشکر مقابلہ کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔
دراصل قوتِ ایمان وہ عظیم ہتھیار ہے کہ جس کا مقابلہ اس فانی دُنیا کے کسی بھی ہتھیار
سے نہیں کیا جا سکتا اور جسے دولتِ ایمان میسّر آ جاتی ہے اور اخلاص و ایقان حاصل
ہو جاتا ہے، وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھی بات کر سکتا ہے۔ بصورتِ دیگر
(یعنی بے ایمان کے نصیبہ میں) بزدلی اور ذلت و رسوائی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔

حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کا خطاب

جب دونوں طرف سے فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہو گئیں،
اور شقی القلب یزیدی قتلِ اہلِ بیت پر تُل گئے تو حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اُن کو ایک بار پھر نصیحت فرمانے کے لئے اونٹنی پر سوار ہو کر اشقیاء کی طرف تشریف
لے گئے اور ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے حمد و
صلوٰۃ کے بعد ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! جنگ میں اتنی جلدی نہ کرو، پہلے میری بات غور سے سُنو! مجھ پر واجب ہے، کہ میں تم کو سمجھاؤں اور اپنے آنے کا سبب بیان کروں - پھر اگر میں سچ کہوں، تو میری بات کی تصدیق کرو، اس میں تمہاری سعادت مندی ہے، لیکن اگر تم میرا عذر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، تو پھر جو چاہو کرو، دراصل میں ہر چیز کو واضح کر دینا چاہتا ہوں تاکہ کوئی بات شبہ کی نہ رہے - بے شک میرا اللہ تعالیٰ حامی و ناصر ہے کہ جس نے قرآن کریم کو نازل فرمایا۔

پھر فرمایا لوگو! میرے نسب پر غور کرو، دیکھو میں کون ہوں؟ غور کرو کہ میرا قتل تمہیں جائز ہے؟ یہ فرماتے ہوئے آپ نے اپنے پورے حسب و نسب کا ذکر فرمایا۔ زبانِ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی بیان کی گئی شان سے لوگوں کو مطلع فرما کر ارشاد فرمایا: ان احادیثِ رسُول کی تصدیق تم صحابہ کرام سے کر لو۔ اگر تمہیں یہ شک ہو کہ خدانخواستہ میں نے جھوٹی احادیث گھڑ لی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم: میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ان (صحابہ کرام) سے پوچھو وہ تمہیں میری شان بتائیں گے۔ کیا تمہیں میرے نواسۂ رسُول ہونے پر شک ہے -؟

مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم: مشرق و مغرب میں اب میرے سوا تمہارے نبی کا کوئی نواسہ نہیں ہے- اگر ہے تو بتاؤ- کیا میں نے کسی کو قتل کر دیا ہے، جو مجھ سے قصاص مانگتے ہو؟ کیا میں نے کسی کا مال دبایا ہے، جو مجھ سے بدلہ طلب کرتے ہو؟"

اتمامِ حجت

جب لشکرِ یزید نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دیا تو آپ نے شبث بن ربعی، حجاز بن ابجر، قیس بن الحرث (رؤسائے کوفہ) کو نام بنام پکار کر فرمایا: اَلَمْ تَكْتُبُوْا اِلَيَّ فِي الْقُدُوْمِ عَلَيْكُمْ۔ (کیا تم لوگوں نے مجھے خط لکھ کر نہیں بُلایا؟) اس پر ان بدبختوں نے بُلانے اور خط لکھنے کا صاف انکار کر دیا۔

آپ نے فرمایا: بَلْ فَعَلْتُمْ اَيُّهَا النَّاسُ اِذْ كَرِهْتُمُوْنِيْ فَدَعُوْنِيْ اَنْصَرِفُ اِلٰى مَا مَنِيْ مِنَ الْاَرْضِ۔ (حالانکہ اے لوگو! تم نے ایسے کیا ہے۔ اب جو تمہیں مجھ سے نفرت ہے تو مجھے چھوڑ دو، میں کسی اور جگہ چلا جاؤں؟)

قیس بن الاشعث نے کہا کہ "تم ابن زیاد کی اطاعت کیوں نہیں کر لیتے؟" آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ "میں ذلیل و خوار ہو کر اس کی اطاعت نہیں کروں گا اور نہ ہی اس کی غلامی کا پٹہ اپنی گردن میں ڈالوں گا۔ میں اللہ تعالیٰ سے ہر اُس متکبر و مغرور کہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتا، کے مقابلہ میں پناہ مانگتا ہوں جو سب انسانوں کا رب ہے۔" اس قدر فرما کر آپ واپس آ گئے۔

اس کے بعد حضرت زہیر بن القین لشکر اعداء کی طرف تشریف لے گئے اور اُن کو آخرت سے ڈرایا اور حضرت امام عالی مقام کے فضل و شرف سے آگاہ کرنے کی کوشش کی مگر اشقیاء کو بدبختی نے اندھا کر دیا تھا اس لئے کوئی بات نہ بن سکی۔

حُر بن یزید کا حُسنِ انتخاب

بالآخر جب حملہ کی تیاری مکمل ہو گئی تو عمرو بن سعد کی فوج کے ایک دستہ کا سالار حُر بن یزید اُس کے پاس گیا اور پوچھا کہ "کیا اب جنگ کی جائے گی؟" عمرو نے جواب دیا کہ "ہاں! اس کا ادنیٰ درجہ سروں کا کٹنا اور بازوؤں کا جسم سے الگ ہونا ہے۔"

حُر نے پوچھا: "امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جو درخواست کی ہے کیا وہ قابلِ قبول نہیں ہے؟" عمرو نے کہا: "اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر میرا اختیار ہوتا تو میں ضرور قبول کر لیتا مگر کیا کروں کہ تمہارا امیر، امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی کوئی بات ماننے کو تیار نہیں۔" حُر یہ سُن کر اپنے گھوڑے کو آہستہ آہستہ حضرت امام عالی مقام کے لشکر کی طرف بڑھانے لگے، مگر ان کی حالت بڑی غیر تھی۔ ان کے قبیلہ کے ایک آدمی مہاجر بن اوس نے حُر کی اس حالت پر تعجب کرتے ہوئے کہا، "حُر تیری کیا حالت ہے؟ کیا کر رہے ہو؟" حُر نے برجستہ کہا: "جنت و دوزخ کے درمیان کھڑے ہو کر انتخاب کر رہا ہوں کہ جہنم میں گر جاؤں کہ جنت کی طرف جاؤں۔" پھر کہا، "کوئی چاہے مجھے قتل کر دے یا جلا دے، میں تو جنت کو ترجیح دیتا ہوں" یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگائی اور چشم زدن میں سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی خدمت میں پہنچ گئے (زہے قسمت)، حُر نے عرض کیا کہ اے ابن رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام،
اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے، میں وہی ہوں جس نے آپ کو روکا تھا اور مجھے امید
نہ تھی کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے اور آپ کی کوئی بات بھی نہیں مانیں گے۔
اب میں اپنی اُس لغزش کی معافی مانگنے کے لئے حاضر ہوا ہوں تاکہ میں آپ کے قدموں
میں اپنی جان قربان کر دوں، کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟" آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
فرمایا "ہاں! اللہ تعالیٰ یہ توبہ قبول فرمائے گا اور تمہاری لغزشوں کو معاف فرمائے گا"

اس کے بعد حضرت حُر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکرِ اشقیاء کی طرف گئے اور اُن کو مخاطب کر کے
لعن طعن کیا اور کہا "اے بدبختو! کیا حضرت امام عالی مقام کو اس مقصد کے لئے تم نے دعوت
دی تھی۔ عجب بات ہے کہ فرات کے پانی سے یہود و نصاریٰ، مجوسی، کُتّے بلّے سؤر تو سیراب
ہو رہے ہیں، مگر ساقیِ کوثر شفیعِ محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیارا نواسہ اپنے اہل و عیال
کے ساتھ ایک ایک بوند پانی کو ترسے۔ اگر تم اپنے اس فعلِ بد سے باز نہ آؤ گے تو روزِ محشر
اللہ تعالیٰ تمہیں بھی سیراب نہیں فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ آبِ کوثر عطا نہیں فرمائے گا" لشکرِ اشقیا
نے جواب دینے کی بجائے تیر برسانے شروع کر دیئے اور حضرت حر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس آ گئے۔

آغازِ جنگ

اس کے بعد عمرو بن سعد آگے بڑھا اور کمان سے تیر جوڑ کر حضرت
امام حسین علیہ السلام کی طرف چلا کر بولا: "لوگو! گواہ رہنا سب سے
پہلے تیر میں نے ہی چلایا ہے[1]" یہ سُن کر لشکرِ یزید نے بارش کی طرح تیروں کی ایک بوچھاڑ لشکرِ امام عالی مقام

---

[1] یہ سیاہ رُو، سیاہ باطن عمرو بن سعد حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ناخلف بیٹا ہے۔
کل سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں سب سے اوّل
مشرکین کی طرف تیر چلا رہے تھے اور اللہ کے رسول ان کو شاباش دیتے ہوئے ارشاد فرما رہے تھے:
"اِرْمِ یَا سَعْدُ فِدَاکَ اُمِّیْ وَاَبِیْ" "ہاں اے سعد! تیر چلاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں"۔
دیکھو اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی ملاحظہ ہو کہ آج اُسی سعد کا بدبخت بیٹا اُسی نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نواسہ پر سب سے پہلا تیر چلا رہا ہے۔ ۱۲ منہ

کی طرف چلائی۔ اس کے بعد لشکرِ اشقیاء سے ابن زیاد کا غلام سالم اور ابن زیاد کے باپ کا غلام یسار میدان میں آئے۔ ان کے مقابل لشکرِ امام عالی مقام سے حضرت عبداللہ[لہ] بن عمیر کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان میں آئے۔ یہ اپنی بیوی کے ساتھ کوفہ سے خدمتِ امام عالی مقام میں حاضر ہوئے تھے۔ سالم و یسار نے ان کا نام پوچھا۔ عبداللہ نے بتایا تو وہ دونوں بولے: "ہمارے مقابلہ پر زہیر بن القین یا حبیب بن مطہر یا بریر بن خضیر جیسے لوگوں کو آنا چاہیئے"۔ حضرت عبداللہ نے نہایت غصہ میں فرمایا: "او بدکار حرامی بچے! کیا تو اس قابل ہے کہ تو ان عظیم لوگوں کی تلوار سے قتل ہو؟ تیرے جسم و جان کا فیصلہ کرنے کے لئے میری ہی تلوار کافی ہے" یہ کہتے ہوئے یسار پر ایسے نپے تلے انداز میں وار کیا کہ اس بدبخت کے ناپاک جسم کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ ساتھی کو واصلِ جہنم ہوتا دیکھ کر سالم آگے بڑھا اور تلوار چلائی۔ حضرت عبداللہ نے اس کے وار کو روکا تو ان کی بائیں ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں۔ دوسرے ہی لمحے حضرت عبداللہ کی غضب ناک تلوار نے سالم کی زندگی کا فیصلہ کر دیا۔

حضرت عبداللہ کی بیوی حضرت ام وہب اس منظر کو کھڑی

ام وہب میدان میں

دیکھ رہی تھی۔ جب انہوں نے خاوند کے ہاتھ کو کٹا ہوا دیکھا تو بے تاب ہو کر خیمے کی لکڑی اٹھائی اور یہ کہتی ہوئی میدان کی طرف دوڑیں "میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نواسوں کے لئے لڑتے لڑتے اپنے آپ کو قربان کر دو۔" حضرت عبداللہ نے اپنی بیوی کو میدانِ جنگ سے واپس جانے کے لئے فرمایا تو وہ بولیں: "نہیں نہیں، میں واپس نہیں جاؤں گی جب تک میری زندگی ہے میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی، تمہارے ساتھ ہی جنت میں جاؤں گی"۔ امام عالی مقام علیہ السلام نے ام وہب کو میدان میں دیکھا تو فرمایا: "اے ام وہب!

لہ بعض روایات کے مطابق ان کا اسم گرامی حضرت عبداللہ بن عمر کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے، واپس آجاؤ، عورتوں پر جہاد نہیں ہے۔ یہ حکمِ شاہی سُن کر اُمِّ وہب لوٹ آئیں۔ عمرو بن الحجاج نے لشکرِ اشقیاء کے گھڑ سوار دستے کو حملے کا حکم دیا تو وہ نیزے تانے میدان میں نکلے، امام عالی مقام کے ساتھیوں نے ان اشقیاء کا تیروں سے ایسا استقبال کیا کہ ان میں سے کئی ایک تو جہنّم رسید ہو گئے اور کچھ زخمی ہو کر پسپا ہو گئے اور یوں عمرو بن الحجاج کا حملہ ناکام ہو گیا۔

ابن جوزہ کا عبرتناک انجام

گروہِ اشقیاء سے ابن جوزہ نامی ایک شخص لشکر امام عالی مقام کی طرف آیا اور دریافت کیا:

اَفِیْکُمُ الْحُسَیْنَ۔ "کیا تمہارے اندر حسین ہیں؟" کسی نے اُس کو جواب نہ دیا۔ اُس نے دوبارہ یہ پوچھا، مگر جواب نہ ملا، تو تیسری مرتبہ بھی اُس نے یہی سوال کیا تو کسی نے جواب دیا کہ "ہاں تشریف رکھتے ہیں، تجھے کیا کام ہے؟" تو وہ بولا: "اے حسین! تجھے آتشِ جہنم کی بشارت دیتا ہوں۔" (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) آپ نے جواباً فرمایا: "تو جھوٹا ہے میں تو اپنے رحیم و کریم پروردگار کے حضور حاضر ہونے والا ہوں۔" پوچھا: "تم کون ہو؟" اُس نے کہا: "ابن جوزہ۔" آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے دُعا نکلی کہ

اَللّٰھُمَّ حُذْہُ اِلَی النَّارِ۔ "اے اللہ تعالیٰ! اسے آگ کے سپرد فرما۔"

یہ سُن کر اُس نے طیش سے گھوڑا دوڑایا۔ گھوڑا اُچھلا تو ابن جوزہ سر کے بل زمین پر گرا، البتہ اُس کا ایک پاؤں رکاب میں اٹکا ہوا رہ گیا، جیسے جیسے گھوڑا دوڑتا جاتا تھا، سنگلاخ زمین سے ٹکرا ٹکرا کر اس سیاہ بخت کے سر کے پرخچے اُڑتے جاتے تھے۔ ایک ساعت کے اندر اندر اس کی لاش گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ مسروق بن وائل جو حضرت امام عالی مقام کو شہید کرنے کی غرض سے ابن جوزہ کے ساتھ آگے بڑھا تھا، اس عبرتناک انجام کو دیکھ کر یہ کہتا ہوا واپس پلٹ گیا کہ "میں اس خاندان سے نہیں لڑوں گا کہ جس کی بددُعا میں اتنا زبردست اثر ہے۔"

حضرت بریر ہمدانی کی شہادت

عبدالقیس کا حلیف یزید بن معقل لشکر اشقیا سے للکارتا ہوا باہر نکلا۔ اس کے مقابلہ میں سید القراء حضرت بریر بن خضیر ہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے۔ یزید بن معقل نے حضرت بریر سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دوست بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ حضرت بریر نے فرمایا تو جھوٹا ہے۔ یزید بن معقل نے کہا کہ تو جھوٹا اور گمراہ ہے۔ حضرت بریر رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ٹھیک ہے ہم میں جو جھوٹا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور وہ سچے کے ہاتھوں قتل ہو۔ یزید یہ سن کر تلوار لے کر حضرت بریر پر جھپٹا، مگر وار خالی گیا۔ معاً اُس نے دوبارہ نیزے کا وار کر دیا۔ حضرت بریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمال ہنرمندی سے بچتے ہوئے جو تلوار چلائی تو وہ یزید بن معقل کی خود کو کاٹتی ہوئی اُس کا بھیجا چاٹ گئی۔ بریر ابھی تلوار نکالنے نہ پائے تھے کہ رضی بن منقذ عبدی نے حملہ کر دیا۔ حضرت بریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے بازوؤں میں لے کر زمین پر پٹخ دیا۔ قریب تھا کہ حضرت بریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خنجر رضی بن منقذ عبدی کو ہمیشہ کی نیند سُلا دیتا کہ کعب بن جابر ازدی نے حضرت بریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پُشتِ انور پر نیزہ مار دیا۔ حضرت بریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخم کے صدمہ سے بے تاب ہو کر اُٹھے تو کعب بن جابر نے تلوار مار کر آپ کو شہید کر دیا۔ کعب کی بیوی کو اس بات کی خبر ہوئی تو اُس نیک بخت نے یہ کہتے ہوئے کعب سے ہمیشہ کے لئے علیحدگی اختیار کر لی کہ میں تجھ جیسے ملعون کے ساتھ نہیں رہ سکتی، جو فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لختِ جگر سے لڑنے کے لئے نکلا اور جس نے سید القراء حضرت بریر بن خضیر ہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔

عمرو بن قرظہ کی شہادت

ابن خضیر کے بعد حضرت عمرو بن قرظہ میدان میں نکلے اور لڑتے ہوئے مرتبۂ شہادت پا گئے۔

اس کے بعد عمرو بن قرظہ کا بھائی جو کہ لشکرِ اشقیاء میں شامل تھا، امام عالی مقام کو
گالیاں بکتا ہوا میدان میں نکلا، حضرت نافع بن ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیزہ تھام کر
اس کے استقبال کے لئے آگے بڑھے اور لپک کر اس کے نیزہ مار دیا۔ زخم کھا کر وہ
گرا، پھر اس کے ساتھی یورش کر کے اُسے اٹھا لے گئے۔

حُر بن یزید کی میدان میں آمد

مذکورہ بالا صورتِ حال دیکھ کر حضرت حُر بن یزید امام عالی مقام علیہ السلام سے اجازت لے کر
میدان میں اُترے اور لشکرِ اشقیاء کو للکار کر مقابلہ کے لئے بُلایا۔ ان کے مقابلہ پر یزید بن
سفیان آیا، حضرت حر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے ہی وار میں اس کا وارا نیارا کر دیا۔
دوسری طرف سے حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ پر لشکرِ اشقیاء سے مزاحم آیا
اور آتے ہی حضرت نافع نے اسے اگلے جہان ارسال کر دیا۔ لشکرِ اشقیاء ان نامور جوانوں
کے مارے جانے پر سہم گیا اور کوئی بھی تنہا مقابلہ پر آنے کو تیار نہ تھا۔ عمرو بن الحجاج نے حضرت
امام عالی مقام کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے لشکرِ اشقیاء کو مقابلہ پر اُبھارا اور کہا
کہ یوں تن تنہا ایک ایک کر کے نہ جاؤ، بلکہ مجموعی قوت سے حملہ کرو۔ عمرو بن سعد نے اس
کی اس رائے سے اتفاق کیا، چنانچہ عمرو بن الحجاج نے جانبِ فرات سے حملہ کر دیا۔
حضرت مسلم بن عوسجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقابلہ کے لئے نکلے، خوب جوہرِ مردانگی دکھائے۔ آپ کی
خون آشام تلوار نے بہت سے اشقیاء کی زندگی کا پتہ کاٹا۔ بالآخر لشکرِ اشقیاء نے
عمرو بن سعد کے بھڑکانے سے آپ پر اجتماعی اور بھرپور حملہ کر دیا۔ آپ شدید زخمی ہو کر گرے
اور حضرت حبیب بن مظہر کو امام عالی مقام پر جان قربان کرنے کی وصیت کر کے واصلِ بحق ہو گئے۔
لشکرِ اشقیاء سے شمرِ لعین اپنے زیرِ کمان دستہ کو لڑا رہا تھا۔ حضرت امام عالی مقام کے سپاہی

ﻪ آپ بڑے شجاع مرد تھے، جنگ آذربائیجان میں آپ نے کارہائے نمایاں سر انجام دیئے۔ آپ نے حضرت
علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چند مرتبہ قرآن کریم پڑھا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ آپ کو اپنا بھائی فرمایا
کرتے تھے۔ ۱۲ منہ

اگرچہ تعداد میں صرف بتیس سوار تھے، مگرجی توڑ کر جانبازی کے جوہر دکھا رہے تھے۔ وہ جس طرف جاتے لشکرِ اشقیاء میں بھگدڑ مچ جاتی۔ عزرہ بن قیس نے اس صورتِ حال سے عمرو بن سعد کو آگاہ کیا، تو اس نے حصین بن تمیر دکوفی تیر اندازوں کا کمانڈر) کو حکم دیا کہ تم حملہ کردو۔ حصین بن تمیر پانچ سو تیر اندازوں کے ہمراہ حملہ آور ہوگیا۔ شدید تیر اندازی کی وجہ سے لشکرِ امام عالی مقام علیہ السلام کے سارے گھوڑے زخمی ہو کر بے کار ہوگئے اور یوں سارے ہمراہی پاپیادہ ہوگئے۔ حضرت حر کا گھوڑا بھی اسی واقعہ میں مرگیا، وہ بھی پاپیادہ ہو کر لڑنے لگے۔

حسینی خیموں پر ناکام حملہ

لشکرِ اشقیاء زبردست عددی کثرت کے باوجود ان پاکباز جانبازوں کے حملے کا جواب نہ دے سکتا تھا۔ لشکرِ امام عالی مقام میں جوش اور اشقیاء میں مایوسی لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی کہ عمرو بن سعد نے خیموں پر حملہ کا حکم دے دیا۔ جونہی فوج کا دستہ اہلِ بیتِ اطہار کے خیموں کی طرف بڑھا، حضرت امام عالی مقام کے سپاہی اُن پر عقاب کی طرح جھپٹے اور جانبازی کے ایسے جوہر دکھائے کہ لشکرِ اشقیاء کئی بدبختوں کی لاشوں کو میدان میں چھوڑ کر بُری طرح پسپا ہوگیا۔ تب عمرو بن سعد نے حکم دیا کہ دُور سے ہی خیموں پر آگ برسا دو۔ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ڈانٹ کر فرمایا: "تم لوگ مجھ سے لڑتے ہو تو لڑو، خیموں میں عورتوں اور بچوں کے سوا کوئی نہیں، یہ ظلم نہ کرو۔" اس ڈانٹ پر عمرو بن سعد تو خاموش ہوگیا، شمر بولا: مجھے جہنم کی آگ جلائے، اگر میں ان خیموں کو نہ جلاؤں۔" اُس کے بعض ساتھیوں نے اسے روکنا چاہا، مگر اُس کی بدبختی نے اسے رُکنے نہ دیا، وہ اپنے زیرِ کمان دستہ کے ساتھ خیموں پر حملہ آور ہوگیا۔ چونکہ اُس کی دجہنم میں جلنے کی) دعا کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت سے نواز دیا تھا، اس لئے حضرت زہیر بن القین صرف دس آدمیوں کے ہمراہ اس کے مقابلہ پر نکلے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ان شیروں نے

شمر لعین کی فوج کی صفیں اُلٹ کر رکھ دیں۔ بہت سے سیاہ بخت تو ان کی تلواروں کی لذت چکھ کر اسی وقت جہنم میں چلے گئے، باقی اپنا وقت پورا کرنے کے لئے واپس لوٹ گئے اور خیمے آتش زنی سے محفوظ و مامون رہے۔

نماز کی اہمیت

اسی دوران نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ حضرت ابو ثمامہ صاعدی نے خدمت امام عالی مقام میں عرض کیا کہ حضور! میں دیکھ رہا ہوں کہ شاید اب ہم چند گھڑیوں کے مہمان ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ ہم اپنے رب سے اس حال میں ملیں کہ نماز پڑھ چکے ہوں! حضرت امام عالی مقام علیہ السلام نے ان کو دُعا دے کر ارشاد فرمایا کہ ہاں ظہر کا اول وقت ہو گیا ہے۔ ان (عمرو اور شمر) کو کہو کہ تھوڑی دیر جنگ کو ملتوی کر دو تاکہ ہم نماز ادا کر لیں، چنانچہ حضرت ابو ثمامہ یا کسی اور صاحب نے لشکرِ اشقیا کے سامنے یہ درخواست کی، تو حصین بن نمیر بولا! "یہ نماز قبول نہیں کی جائے گی" حضرت حبیب بن مطہر نے ترش رُو ہو کر فرمایا!" او دُنیا کے کتے! تو کیا سمجھتا ہے کہ تیری نماز تو قبول ہو گی، مگر اہل بیت اطہار کی قبول نہ ہو گی"

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت

مذکورہ جملہ سے متاثر ہو کر حصین بن نمیر نے اشتعال میں آکر گھوڑا دوڑا کر حضرت حبیب بن مطہر پر حملہ کر دیا۔ حضرت حبیب نے لپک کر تلوار چلائی، تو گھوڑے کے مُنہ پر پڑی، گھوڑا الٹ گیا اور حصین بن نمیر اوندھے منہ زمین پر گرا، اس کے سپاہیوں نے اسے یورش کر کے اُٹھا لیا اور حضرت حبیب پر حملہ آور ہو گئے۔ آپ نے اپنے مقابل بدیل بن حریم نامی مشہور جنگجو کو قتل کیا۔ اسی دوران کسی شقی نے ان کی پُشت پر نیزہ دے مارا۔ ابھی آپ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ حصین بن نمیر لعین کی تلوار نے آپ کو جام شہادت پلا دیا۔

حضرت حُر رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت حبیب کی شہادت سے حضرت امام عالی مقام کو بہت صدمہ ہوا، بنفسِ نفیس

میدان میں آنا چاہتے تھے، مگر حضرت حُر اور حضرت زہیر بن القین نے روک دیا کہ ابھی ہم جو فدا ہونے کو تیار ہیں، یہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ آپ کو زحمت دیں حضرت امام عالی مقام نے ان کی مخلصانہ اور نیازمندانہ گذارش کو قبول فرما لیا اور ان کو اجازتِ جنگ دے دی۔ حضرت حُر اور زہیر بن القین نے مشترکہ طور پر لشکرِ اشقیاء پر حملہ کر دیا۔ چونکہ یہ دونوں نہایت ہی بہادر، جنگجو اور ماہرِ جنگ کے سارے داؤ پیچ جانتے تھے، اس لئے انہوں نے لشکرِ اشقیاء کا ناک میں دم کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں لشکرِ اشقیاء کے کئی نامی گرامی سردار کٹ گئے، گویا یہ ایک موت تھی جو منہ کھولے ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

صلوٰۃ الخوف کی ادائیگی

عین دورانِ جنگ حضرت امام عالی مقام اور آپ کے ہمراہیوں نے صلوٰۃ الخوف ادا فرمائی اور پھر لڑنے لگے۔ حضرت حُر اور حضرت زُہیر لڑتے بھڑتے لشکرِ اشقیاء میں دُور تک اندر چلے گئے۔ کثیر بن عبداللہ شعبی اور مہاجر بن اوس نے پُشت کی جانب سے حملہ کر کے حضرت زہیر کو شہید کر دیا، اور اسی طرح حضرت حُر بھی اشقیاء کے گھیرے میں آ گئے اور مرتبۂ شہادت پا گئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

اَعوان و انصار بسُوئے جنّت

اسی طرح ایک ایک دو دو کر کے حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سارے اعوان و انصار کہ جن کی تعداد بہتر کے قریب تھی مرتبۂ شہادت پا گئے۔ تو اب اہل بیت اطہار کی باری آ گئی۔

حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کی شہادت[1]

غرض جب سارے اعوان و انصار شہید ہو گئے تو حضرت سیدنا علی اکبر

---

[1] بعض کتب میں ہے کہ حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تمام شہزادوں کے بعد ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ابن الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما امام عالی مقام کی اجازت سے میدان میں تشریف لائے اور تلوارِ ہاشمی کے جوہر دکھانے لگے۔ شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے اس نامور دلبند نے لشکرِ اشقیاء کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا۔ ان کی تیغ آبدار کئی اشقیاء کا خون چاٹ چکی تو مرہ بن منقد عبدی نے دھوکے سے پُشت انور کی جانب نیزے سے وار کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چکرا کر گر پڑے، بہت سے یزیدی سپاہی دوڑے اور امام عالی مقام علیہ السلام کے پیاسے شہزادے کو جامِ شہادت سے سرفراز کر دیا۔ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دوسرے شہزادوں کی معیت میں تلواریں لیکر نعش اطہر پر پہنچے اور اشقیاء کو دُور ہٹا کر حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لاشہ اٹھا لائے اور خیمہ کے سامنے زمین پر لٹا دیا۔ ابن خلدون کے مطابق آل ابی طالب میں سب سے پہلے شہید آپ ہی ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی تھا، جبکہ دُوسری روایت کے آل ابی طالب میں سے سب سے اوّل شہید حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شہزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام سے اجازتِ مبارزت لے کر میدان کارزار میں تشریف لائے، تو اُن کے مقابلہ کے لئے قدامہ بن اسد فرازی آگے بڑھا۔ قدامہ نبرد آزما اور فنونِ حرب میں ماہر تھا۔ وہ کچھ دیر تک تو شہزادہ صاحب کے ساتھ جھڑپیں کرتا رہا۔ بالآخر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے وار کو رد کرتے ہوئے تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ قدامہ کا جسم دُولخت ہوگیا۔ ایک بہادر سُورمے کو یُوں کٹتا دیکھ کر کسی میں ہمت نہ تھی کہ انفرادی طور پر سامنے آتا، اس لئے انہوں نے اجتماعی حملہ کر دیا۔ جداع دمشقی نے آپ پر عقب سے تلوار کا حملہ کیا۔ نوفل بن مزاحم اور عمرو بن صبیح نے نیزے

کا وار کیا، جس سے آپ فردوس بریں کی جانب رحلت فرما گئے۔

حضرت جعفر بن عقیل (رضی اللہ عنہ) ان کے بعد حضرت جعفر بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما، میدان میں تشریف لائے اور مقابل میں آنے والے کئی یزیدیوں کی زندگی کا فیصلہ کرتے ہوئے عبداللہ بن عزرہ خثعمی کے تیر سے جام شہادت نوش فرما گئے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل (رضی اللہ عنہ) حضرت جعفر کے بعد ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن میدانِ صبر و رضا کے شہسوار بن کر نکلے، اور جوہر ہاشمی دکھانے کے بعد بھائی کے قاتل عبداللہ خثعمی کے تیر سے مرتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

پسرانِ زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا حضرت سیدہ زینب بنت سیدنا علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی شادی حضرت سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے ہوئی تھی۔ ان کے دو شہزادے حضرت عون و محمد (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) راستہ میں حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کے ساتھ شریک سفر ہوتے تھے (جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے) اولاد عقیل کے بعد حضرت امام عالی مقام (یعنی ماموں جان) کی اجازت سے یہ دونوں شہزادے میدان میں تشریف لائے اور میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے مرتبہ شہادت پا گئے۔ مؤرخین کے مطابق حضرت عون کا قاتل عبداللہ بن قطبۃ الطائی، جبکہ حضرت محمد کا قاتل عامر بن نہیش تھا۔

اُٹھنے گئے لاشے حضرت امام عالی مقام علیہ السلام خاندانِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے لاشے ایک ہی جگہ خیموں کے سامنے جمع فرماتے رہے بھانجوں کی جاں نثاری کے بعد اب بھتیجوں کی باری آ گئی۔

چچا محترم یعنی امام عالی مقام علیہ السلام

عبداللہ بن حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے اجازت لے کر حضرت عبداللہ بن حسن
رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدانِ جنگ میں جلوہ گر ہو گئے۔ خاندانِ نبوت کے اس شیر کے مقابلہ
میں ابن سعد نے بحتری بن عمرو کو پانچ صد سواروں کے ساتھ بھیجا۔ حضرت امام عالی مقام
نے اس حال کو دیکھا تو فوراً حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام پیروزان، حضرت محمد
بن انس اور حضرت اسد بن دجانہ کو شہزادہ عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی معاونت میں
بھیج دیا۔ ان جوان مردوں نے لشکرِ اشقیاء میں گویا صفِ ماتم بچھا دی۔ یہ چاروں
افراد جس طرف بھی رُخ کرتے، موت کا مہیب دیو ان کے ساتھ ہوتا اور وہ دھڑا دھڑ
لشکرِ اشقیاء کو نگلتا چلا جاتا۔ آخر کار پوری فوج نے تیروں، تلواروں اور نیزوں کا مینہ
برسا دیا اور شہسوارانِ میدانِ کربلا حاملانِ صبر و رضا کو جامِ شہادت پلا دیا۔

حضرت قاسم بن امام حسن علیہما السلام

ایک بھائی کو شہادت کا جام پیتے اور
سُرخ لبادہ اوڑھتے دیکھ کر دوسرے
بھائی حضرت قاسم بن امام حسن مجتبیٰ (علیہما السلام) آگے بڑھے اور اصرار کر کے امام عالی مقام
سے اجازتِ جنگ لی۔ میدانِ حرب میں پہنچ کر حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا تعارف
پیش فرمایا اور مبارزت طلب کی۔ ابن سعد نے مشہور پہلوان "ارزق" کو مقابلہ کا حکم دیا لیکن
ارزق نے حضرت قاسم کے مقابلہ میں نکلنا اپنی توہین سمجھا اور کہا کہ ایک بچے کے مقابلہ
پر میرے جیسا نامور بہادر نہیں جایا کرتا۔ میرے چار بیٹے موجود ہیں، ان میں سے کوئی
بھی اس کا سر اُتار لائے گا۔ یہ کہہ کر اُس نے اپنے بڑے بیٹے کو مقابلہ کرنے کا اشارہ کیا؛
ارزق کا لڑکا بھوکے شیر کی طرح دھاڑتا ہوا گھوڑے کو دوڑاتا ہوا حضرت امام قاسم
کے سامنے آیا اور چاہا کہ اپنی نہایت قیمتی زہر آلود تلوار سے بھرپور وار کرے مگر حضرت
امام قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کے وار کو رد فرما کر ایسا چچا تلا نیزہ مارا کہ وہ

بدبخت قلابازی کھا کر گھوڑے کی زین سے فرشِ زمین پر گر پڑا، تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ حضرت قاسم نے اُس کی تلوار کو اٹھالیا۔ بھائی کو خاک و خون میں لوٹتا ہوا دیکھ کر ارزق کا دوسرا بیٹا بھی میدان میں کودا، لیکن حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اُٹھی ہوئی تلوار اس کا بھیجا بھی چاٹ گئی۔ یہ حال دیکھ کر ارزق کا تیسرا بیٹا انتقام میں اندھا ہو کر گرجتا ہوا میدان کی طرف بھاگا، لیکن حضرت امام قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمان سے نکلے ہوئے تیر نے اُسے آگے بڑھنے کی اجازت ہی نہ دی۔ جب یہ تینوں واصلِ جہنم ہو گئے، تو اپنے جگر کے ٹکڑوں کو یوں کٹتے دیکھ کر ارزق مجسمۂ قہر و غضب بن گیا۔ وہ میدان میں نکلنا ہی چاہتا تھا کہ اُس کے چوتھے بیٹے نے اسے روک دیا اور شانِ اہلِ بیت میں گستاخیاں بکتا ہوا آگے بڑھا، مگر مقدر کی بات ہے کہ یہ بھی بہت ہی جلد اپنے بھائیوں کے پاس پہنچ گیا۔ "ارزق" کی زندگی بھر کی کمائی اُس کے سامنے نذرِ آتش ہو گئی تھی۔ اب اس میں تاب برداشت نہ رہی، وہ انتقام کی آگ میں جلتا ہوا حضرت امام قاسم کی جانب بڑھا۔ آپ کے ہاتھ میں ارزق کے بیٹے کی نہایت قیمتی اور زہر آلود تلوار تھی۔ حضرت امام قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جانتے تھے کہ ارزق نہایت ہوشیار اور تجربہ کار ماہر جنگجو ہے، اس کا مقابلہ کرنا آسان نہیں، اس لئے آپ نے ایک داؤ آزماتے ہوئے اُسے فرمایا: "سنا تھا کہ تُو بہت تجربہ کار جنگجو ہے، مگر حیران ہوں کہ تیرے گھوڑے کا تنگ تو (زین کے نیچے والی رسی) ڈھیلا ہے کم از کم اسے تو کس لیتا۔" وہ جھک کر نیچے دیکھنے لگا تو آپ نے بجلی کی سی تیزی سے اُس پر خون آشام تلوار کا ہاتھ مارا، ارزق کی گردن اُس کے تن سے جدا ہو کر دُور جا گری۔ اس کے بعد ابنِ سعد لعین نے اجتماعی حملہ کا حکم دے دیا۔ چنانچہ چاروں طرف سے آپ پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔ شیث نامی شقی کا نیزہ آپ کے جسمِ انور کے آر پار ہو گیا اور یُوں آپ فردوسِ اعلیٰ کی طرف سدھارے۔

فرزندانِ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے شہزادوں کی باری آگئی کہ وہ بھی یکے بعد دیگرے حورانِ بہشتی کی گود میں پہنچ جائیں۔

حضرت ابوبکر بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت ابوبکر بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے برادرِ ذی وقار حضرت امام عالی مقام کی اجازت سے میدانِ جنگ میں جلوہ گر ہوئے اور ضربِ حیدری کے جوہر دکھاتے ہوئے مرتبۂ شہادت پا گئے۔

حضرت عمر بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت ابوبکر بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما میدان میں اُترے اور انفرادی مقابلہ میں ناقابلِ شکست ہو کر گھمسان کی جنگ میں مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

حضرت عثمان بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عمر بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بعد حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کی اجازت سے حضرت عثمان بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما میدان کارزار میں تشریف لائے اور لشکرِ اشقیا کو تیغِ ہاشمی کا مزا چکھاتے ہوئے یزید الطحی کے نیزہ کی ضرب سے واصلِ بحق ہو گئے۔

حضرت عون، جعفر، عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ازاں بعد حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے دیگر شہزادے حضرت سیدنا عون، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یکے بعد دیگرے میدان حرب میں تشریف لائے اور فن سپہ گری کا لوہا منواتے ہوئے متعدد یزیدیوں کو موت کا مزا چکھایا، بالآخر شہادت کے دولہا بن کر تاریخِ وفا میں نام پیدا کر گئے۔

حضرت عباس بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

پے در پے صدمات نے اہل بیت اطہار کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ پیاس کی شدت سے حلق کانٹا بن چکے تھے۔ شہیدانِ وفا کے لاشے خیموں کے سامنے تپتی ہوئی ریت پر خاک و خون میں غلطاں پڑے تھے۔ پسماندگان شدتِ غم سے نڈھال ہو چکے تھے۔ ڈر تھا کہ غم واندوہ اور پیاس کی شدت کہیں ان کے رُوح و بدن کا رشتہ ہی الگ نہ کر دے۔ ایسی ناگفتہ بہ حالت میں حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کے برادرِ عزیز اور آپ علیہ السلام کی سپاہِ مبارک کے علمدار حضرت سیدنا عباس بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حاضرِ خدمت ہوئے اور فرات سے بچوں اور عورتوں کے لئے پانی لانے کی اجازت مانگی۔ امام عالی مقام نے فرمایا کہ اگرچہ اُن سے امید نہیں لیکن اتمامِ حجت کے لئے اجازت ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشکیزہ کاندھے پر لٹکایا، ہاتھ میں نیزہ تھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر فرات کی طرف چل پڑے، لشکرِ اشقیاء نے جو حضرت عباس کو فرات کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا، تو نیزے اور تلواریں تھام کر سامنے کھڑے ہو گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے اہلِ کوفہ و شام! "کیا تم مسلمان نہیں ہو؟" انہوں نے کہا: "ہم مسلمان ہیں"۔ تو آپ نے فرمایا: "کیا مسلمانی یہی ہے کہ تم نے اپنے نبی کی اہلِ بیت کو شہید کیا، اُن کے بچے اور عورتیں پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ کُتے اور سؤر تو فرات کے پانی سے سیراب ہوں، مگر رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاندان پر پانی بند کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، عورتوں اور بچوں کے لئے تھوڑا سا پانی دے دو۔" اس پر شمر لعین، شیث بن ربعی، حجر بن الاحجاز نے چلا کر جواب دیا "اے عباس! جاؤ اپنے بھائی سے جا کر یہ کہہ دو کہ اگر نہرِ فرات اُبل آئے اور اُس کا پانی کناروں سے باہر آ جائے کہ پوری دُنیا کی زمین اس سے بھر جائے تب بھی ہم ایک قطرۂ آب تمہیں دینے کو تیار نہیں ہیں، جب تک تم یزید کی بیعت قبول نہیں

لیتے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ظالمانہ جواب سُنا تو غصہ میں آگئے اور
نتائج کی پرواہ کئے بغیر فرات کی طرف بڑھنے لگے لشکرِ اشقیاء نے روکنا چاہا مگر
آپ لڑتے بھڑتے نہر تک جا پہنچے اور مشکیزہ کو بھر کر گھوڑے پر سوار ہوگئے لشکرِ اشقیاء
میں شور مچ گیا کہ یہ پانی نہ لے جانے پائیں۔ چنانچہ سب نے ایک بھرپور حملہ کر دیا۔
حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوب مردانہ وار مقابلہ کیا جو بھی سامنے آیا،
بچ کر نہ جا سکا۔ نوفل لعین نے اچانک پس پشت سے داہنے کندھے پر تلوار چلائی،
جس سے دایاں بازو کندھے سے کٹ گیا، آپ نے مشکیزہ کو فوراً بائیں کندھے پر
لٹکالیا۔ ایک شقی القلب سیاہ رُو نے وار کیا، تو یہ ہاتھ بھی شانہ سے کٹ گیا۔
ربِ ذوالجلال کی بے شمار رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو اُس پاکباز اور وفاشعار ہستی
پر کہ انہوں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے تیزی کے ساتھ مشکیزہ کو دانتوں سے پکڑ لیا،
اور گھوڑے کو سرپٹ خیمہ کی طرف دوڑایا۔ از حد کوشش تھی کہ شہادت سے قبل
پانی خیموں تک پہنچ جائے۔ اسی اثناء میں ایک مردِ ازلی نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ
مشکیزہ پھٹ گیا اور سارا پانی نگاہوں کے سامنے زمین پر بکھر گیا۔ آہ! ؎

قسمت کی کم نصیبی، ٹوٹی کہاں کمند!
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں بازو کٹ چکے تھے، جسمِ نازنین
تیروں، تلواروں اور نیزوں سے چھلنی تھا، لیکن پانی کو پیاسے بچوں اور خواتینِ
ذی وقار تک پہنچانے کا ایک جذبہ تھا کہ جس کے بل بوتے پر حضرت عباس علمدار
آگے بڑھ رہے تھے، مگر مشکیزہ کیا پھٹا، جگر پھٹ گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
گھوڑے کی پشت سے زمین پر گر گئے۔ ظالموں نے چاروں طرف سے گھیرے میں
لے کر آپ کو شہید کر دیا۔ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام لاشِ مقدسہ پر پہنچے تو

دُکھ بھرے لہجے میں یہ فرما رہے تھے: اَلْاٰنَ انْکَسَرَ ظَهْرِیْ وَقَلَّتْ حِیْلَتِیْ۔
"اب تو میری کمر ٹوٹ گئی ہے اور میرے اسباب ختم ہوتے جا رہے ہیں"

حضرت علی اصغر (رضی اللہ عنہ) گلستانِ زہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے مہکتے پھول اپنی سدا بہار خوشبو سے عالمِ دُنیا کو معطر فرماتے ہوئے عالمِ برزخ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، ایک ننھی سی کلی بنام علی اصغر امام عالی مقام کے پُرنور ہاتھوں میں تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی رُوح پرور خوشبو سے اپنے ذہن و قلب کو سکون دے رہے تھے کہ ایک بدبخت ترین لعین یزیدی حرمل بن کاہل نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ وہ حلقِ علی اصغر کو چھیدتا ہوا بازوئے امام حسین علیہ السلام میں پیوست ہو گیا۔ چند لمحوں کے اندر اندر حضرت علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے بھائیوں کے پاس فردوسِ اعلیٰ میں تشریف لے جا چکے تھے۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام اپنے مقتل میں اب آخر میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہتھیار زیب تن فرمائے۔ اگرچہ حضرت سیدنا علی اوسط یعنی حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے مگر امام عالی مقام نے اپنے اس بیمار لختِ جگر کو میدان میں آنے سے سختی کے ساتھ روک دیا اور فرمایا، اے لختِ جگر! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ مستورات کے ساتھ بطورِ محرم و نگران معین تمہارا ہونا ضروری ہے۔ نانا جان اور ابا جان کی امانتیں میں تمہارے سپرد کرتا ہوں پھر تقویٰ و طہارت، صبر و استقامت اور رضائے خداوندی کے سامنے سر جھکانے کی تاکید فرمائی۔ خاندانِ نبوی کی ذی وقار مستورات اور خصوصاً سیدہ زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا اور اپنے اہلِ خانہ کو صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کی تاکید فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ مبارک سُنایا: لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاهِلِیَّةِ۔
(رواہ بخاری ومسلم عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

"وہ ہم میں سے نہیں ہے کہ جس نے اپنے رخسارے پیٹے (ماتم کیا) گریبان پھاڑا اور جاہلوں کی طرح چلایا۔"

اس کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکرِ اشقیاء کی طرف متوجہ ہوئے اور بطورِ اتمامِ حجت اُن کو آخری مرتبہ پھر سمجھایا، اپنا تعارف کروایا، مگر ان سیاہ بختوں نے کچھ نہ سُنا، ان کی آنکھوں پر جہالت اور بدنصیبی کا اندھا پردہ پڑ چکا تھا۔ دُنیا کے لالچ نے اُن کے ذہن کو عقلِ سلیم سے بے بہرہ کر دیا تھا۔ اس لئے اُن ازلی بدبختوں نے آپ علیہ السلام پر حملہ کر دیا۔ مشہور جنگجو ماہرِ حرب تمیم بن ابی قحاطبہ کہ جس کو اپنے بازو کی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا، تلوار تھامے امام عالی مقام کی طرف بڑھا اور پوری مہارت سے تلوار چلائی۔ حضرت امام عالی مقام نے خدا داد فراست سے اُس کے وار کو رد کر کے جو تلوار چلائی، تو آنِ واحد میں تمیم بن ابی قحاطبہ جہنم رسید ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے یزید ابطحی ڈکارتا ہوا آیا، وہ کہہ رہا تھا کہ سارے عراق و شام میں میرے مقابلہ کا کوئی جوانمرد نہیں میری تلوار کی کاٹ سے زمانہ واقف ہے اب تمہیں میں مزا چکھاتا ہوں۔ یہ لاف زنی کرتا ہوا وہ آگے بڑھا۔ ایک دو جھڑپ کے بعد ہی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے بھی موت کا مزا چکھا دیا۔ پھر بدر بن کاہل کا بیٹا نیزہ لہراتا ہوا آگے بڑھا۔ امام عالی مقام نے اسے بھی بہت جلد جہنم رسید فرما دیا۔ بیٹے کے سر کو تن سے جدا ہوتے دیکھ کر بدر بن کاہل غصہ میں چیختا چلاتا گھوڑے کو اندھا دھند دوڑاتا اور امام عالی مقام کو گالیاں بکتا ہوا میدان میں نکلا، مگر کاتبِ ازل نے اسے زیادہ دیر تک رکنے نہ دیا بلکہ امام عالی مقام علیہ السلام کی تلوار نے اس کے راستہ کی تمام رکاوٹوں کو دُور کر دیا اور وہ بھی سیدھا جہنم میں جا پہنچا۔ اس کے بعد کسی کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اسی اثناء میں لعین ازلی شمر بدبخت نے اپنے لشکر کے ساتھ امام عالی مقام علیہ السلام کے خیموں پر حملہ کر دیا۔ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چلا کر فرمایا کہ تف ہے تم پر

اگر تمہارے اندر دینداری اور خوفِ آخرت نہیں ہے، تو کم از کم شرافت کو کیوں چھوڑ رہے ہو؟ خیموں میں میرے اہل و عیال ہیں "اے اللہ تعالیٰ! میرے اہل و عیال کو ان کی بیہودگی سے بچا۔" جب لشکرِ اشقیاء کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا، تو آپ علیہ السلام تلوار کھینچ کر عقاب کی طرح ان پر جھپٹے۔ یہ تعداد میں تقریباً دس آدمی تھے، جن میں شمر لعین، سنان بن انس، خولی بن یزید، عبدالرحمٰن جعفی، قشم بن نذیر، صالح بن وہب یزنی وغیرہ شامل تھے، ان میں سے کوئی بھی امام عالی مقام علیہ السلام کے مقابلہ میں تنہا نہیں آنا چاہتا تھا۔ یہ اجتماعی طور پر آپ کو گھیرے میں لینے لگے۔ دوسرے لشکری بھی ان کے معاون بن گئے۔ امام عالی مقام جس طرف بھی حملہ کرتے، یہ ایک دوسرے پر منہ کے بل گرتے پڑتے بھاگ کھڑے ہوتے۔ خیموں کے قریب شور سُن کر سیدہ زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا باہر نکلیں اور فرمایا، "کاش! آسمان زمین پر ٹوٹ پڑتا۔" امام عالی مقام علیہ السلام نے ذی وقار ہمشیرہ محترمہ کو خیمہ میں واپس جانے کا حکم دیا اور خود تنِ تنہا لشکرِ اشقیا کو دھکیل کر خیموں سے دور لے گئے۔ رئیس المورخین علامہ ابی جعفر محمد بن جریر طبری علیہ الرحمہ نے اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف "تاریخ الامم والملوک" جلد چہارم میں ابن زیاد کے لشکری عبداللہ بن عمار کا ایک جملہ نقل فرمایا، جو امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہادری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مناسب ہے کہ اُن ہی کے الفاظ میں وہ جملہ یہاں نقل کر دوں:

فواللہ ما رأیت مکسورًا قط قد قتل ولدہ واھل بیتہ و اصحابہ اربط جاشا ولا امضی جنانًا منہ ولا اجرأ مقدمًا واللہ ما رأیت قبلہ ولا بعدہٗ مثلہ ان کانت الرجالۃ لتنکشف من عن یمینہ وشمالہ انکشاف المعزای اذا شد فیہا الذئب

(طبری جلد ۴، ص ۳۴۵)

"مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے ایسا بہادر کبھی نہیں دیکھا کہ جو ظاہراً ٹوٹ پھوٹ

چکا ہو (یعنی سخت ذہنی دباؤ کا شکار ہو) جس کی اولاد، جس کے اہلِ خانہ جس کے سارے یار دوست (اُس کی آنکھوں کے سامنے) قتل ہو چکے ہوں، وہ اس قدر جرأت و بہادری اور دلیری کے ساتھ لڑے کہ جس طرح میں نے اُن (یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو لڑتے دیکھا، ایسا بہادر نہ کبھی پہلے دیکھا ہے نہ بعد میں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ جس طرف بھی رُخ فرماتے، لشکر اس طرح سے چھٹ جاتا کہ جیسے طاقتور بھیڑیئے کے حملے سے بھیڑ بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔"

ایسے کیوں نہ ہوتا کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی رگوں میں حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون تھا، ان کی پرورش سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں ہوئی اور ان کے شکمِ اطہر میں مصطفےٰ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا لعابِ دہن اور شیرِ بتول تھا۔

قدم اُن کے چومے شہادت نے بڑھ کر

سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمال سرگرمی سے لڑ رہے تھے وہ شیروں کی طرح سواروں پر جھپٹے اور پیادوں کی صفوں کو تہ و بالا کر دیتے اور بڑے بڑے سُورماؤں کو ڈھیر کر کے رکھ دیتے۔ آپ بار بار یہ فرماتے جا رہے تھے:

ترجمہ: "کیا تم لوگ میرے ہی قتل کے لئے جمع ہوئے ہو؟ اللہ تعالیٰ کی قسم! میرے قتل سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہو گا۔ مجھے یقین کامل ہے کہ میرے قتل سے تمہارا سکون برباد ہو جائے گا اور تم سے اللہ تعالیٰ ایسا بدلہ لے گا کہ جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر تم لوگوں نے مجھے قتل کر دیا تو تم میں خوں ریزی کا دروازہ کھل جائے گا اور تم پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا عذاب نازل ہو گا۔ تم لوگ ناحق اپنے ہاتھوں کو میرے خون سے نہ رنگو۔ دیکھو! میں بے گناہ ہوں، میرا قتل تمہیں ہرگز جائز نہیں ہے۔"

امام عالی مقام علیہ السلام کی اس گفتگو کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا

البتہ کُل لشکری آپ کے قتل سے جی چُراتے تھے۔ ہر شخص یہ ہی چاہتا تھا کہ کوئی دُوسرا ہی
ان کو شہید کر دے تاکہ یہ گناہِ عظیم وہ اپنے سر نہ لے۔ شمر لعین لشکر کا یہ رنگ دیکھ کر چلّایا کہ
"تمہاری مائیں مر جائیں تم ایک پیادے کو نہیں مار سکتے، تُف ہے تمہاری مردانگی پر
اگر تم لوگ ایک ایک کنکر پھینکو تو "حسینؓ" اس کے نیچے دب کر مر جائیں۔ دیکھو
اپنے نام اور خاندان کو رُسوا نہ کرو، بہادر بنو، آگے بڑھو اور یکبارگی حملہ کر دو۔"
شمر لعین بے دین کی اس تقریر سے شیطانی لشکر میں ایک ولولہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ
یزیدی پیادوں نے آپ علیہ السلام پر تلواروں سے، جبکہ سواروں نے نیزوں اور تیروں
سے حملہ کر دیا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے لپک کر آپ کے بائیں بازو اور پھر کندھے پر
تلوار چلائی۔ ابوالحنوق خبیث کا تیر آپ کی مقدس پیشانی پر لگا۔ ابھی آپ سنبھلنے نہ پائے
تھے کہ سنان بن انس نخعی نے نیزہ مار دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ چکرا کر زمین پر گر گئے۔
خولی بن یزید نے آگے بڑھ کر سرِ انور کو کاٹنا چاہا، لیکن اس پر رعشہ طاری ہو گیا اور
سرِ مبارک کاٹنے کی ہمت نہ پڑی، اس پر سنان ابن انس نے خولی کو جھڑکا اور خود آگے بڑھا
جبکہ دُوسری روایت کے مطابق شمر لعین امام عالی مقام کے سینۂ پُر نور پر چڑھ بیٹھا
اور اپنے ناپاک ہاتھوں سے رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب نواسے کے
سرِ انور کو جسمِ نازنین سے جُدا کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرِ انور خولی کو دے دیا گیا۔ سید الشہداء امام عالی مقام علیہ السلام
کا قمیض مبارک بحر بن کعب نے، پیٹی قیس بن الاشعث نے، مبارک جوتے اسود ازدی
نے جبکہ تلوار بنی دارم کے ایک شخص نے لے لی۔ یہ واقعہ عظیمہ دس محرم الحرام
۶۱ھ یوم الجمعہ کا ہے۔

حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام

آسماں راحق بود گر خوں ببارد بر زمیں کی شہادت پر انسان تو انسان ہے

زمین و آسمان نے بھی خون کے آنسو بہائے اور یہ بات اوراقِ تاریخ سے ثابت ہے۔
تاریخ الخلفاء میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: "حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد سات دن تک اندھیرا سا رہا، دیواروں پر دھوپ کا رنگ زرد پڑ گیا تھا اور بہت سے ستارے بھی ٹوٹے۔ آپ کی شہادت کے دن سورج کو گرہن لگ گیا تھا اور مسلسل چھ ماہ تک آسمان کے کنارے سرخ رہے، بعد میں رفتہ رفتہ وہ سرخی تو جاتی رہی البتہ افق کی سرخی جس کو شفق کہتے ہیں آج تک موجود ہے۔ یہ سرخی شہادتِ حسینی علیہ السلام سے قبل موجود نہیں تھی اور یہ بھی مروی ہے کہ شہادتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دن بیت المقدس میں جو پتھر بھی اٹھایا جاتا، اس کے نیچے تازہ خون نکلتا تھا۔ عراقی فوج کے پاس جس قدر بھی کسنبھ (زعفران کی طرح قیمتی گھاس) موجود تھا سارے کا سارا راکھ بن گیا۔ لشکرِ اشقیاء نے اپنے لئے اونٹ ذبح کیا، تو اس کا گوشت آگ کی طرح سرخ ہو گیا۔ جب پکایا گیا تو اتنا شدید کڑوا تھا کہ منہ میں نہ رکھا جا سکا۔ ایک سیاہ بخت نے سب و شتم کیا، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کی تو بحکمِ الٰہی آسمان سے ستارہ ٹوٹا اور وہ شخص اندھا ہو گیا۔"

(ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء، سر الشہادتین اور صواعقِ محرقہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ سے بیان کیا کہ وہ فرماتے ہیں: "میں نے ایک دن دوپہر کے وقت خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا دیدار کیا۔ دیکھا کہ آپ نہایت پریشان حال ہیں اور آپ پر (اس طرح) گرد و غبار پڑا ہوا ہے (گویا آپ سفر سے آئے ہوں) آپ کے دستِ مقدس میں ایک شیشی ہے، جس میں خون بھرا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں، آپ کے ہاتھ میں یہ کیا ہے؟" آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہ حسین اور اس کے ہمراہیوں کا خون ہے جسے آج میں دن بھر جمع کرتا رہا ہوں۔ جب اِس خواب کے دن کا حساب لگایا گیا تو وہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا دن تھا اور وہی وقت تھا۔ (تاریخ الخلفاء، مشکوٰۃ)

حضرت سلمیٰ کی روایت

حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک دن اُم المومنین حضرت سیدہ اُم سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا کہ وہ رو رہی تھیں۔ میں نے اُن سے رونے کا سبب پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کا سرِ انور اور ریش مبارک غبار آلود تھی (گویا طویل سفر سے آئے ہوں) میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم، میں آپ کو کس حال میں دیکھ رہی ہوں؟" تو آپ نے فرمایا: "ابھی ابھی مَیں نے حسین کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا ہے (یعنی میں کربلا سے آرہا ہوں) (ترمذی شریف، تاریخ الخلفاء)

شہداءِ کربلا کی تجہیز و تکفین

بعد از شہادت دشمنانِ دین نے خیموں کو لوٹ لیا اور آپ کی لاشِ مقدسہ کی بے حرمتی کی[1]۔ بد بخت لعین شمر بے دین نے بیمار شہزادے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کا ناپاک ارادہ کیا، مگر حمید بن مسلم کے کہنے یعنی منع کرنے سے رُک گیا اور آپ کو بھی قیدیوں میں شامل کر لیا گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر عمرو بن سعد نے اپنے مقتولوں کو جمع کر کے جنازہ پڑھا اور اُن کو دفن کر کے کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا (ابن خلدون کے مطابق لشکرِ اشقیاء کے مقتولوں کی تعداد اٹھاسی تھی زخمی اس کے علاوہ) واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] اوراقِ تاریخ میں خیموں کو لوٹنے اور لاشہ مقدسہ کی بے حرمتی کی تصویر کشی کی گئی ہے، اسے نقل کرنے کا حوصلہ نہیں پاتا۔ قارئین کرام مجھے اس سے معذور سمجھ کر معاف فرمائیں ۱۲ منہ

دینِ اسلام کے ان غداروں نے امام عالی مقام علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت و اصحاب کے لاشہ ہائے مبارکہ کو اسی طرح پڑے رہنے دیا۔ دوسرے دن یعنی ۱۱ محرم الحرام کو بنو اسد کے کچھ افراد غافریہ نامی بستی سے آئے اور انہوں نے شہدائے کرام کے مقدس لاشے دفن کئے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا سرِ انور

عمرو بن سعد بدبخت نے شہداء کرام کے سروں کو مختلف قبائل میں بانٹ دیا تھا۔ اس زمانہ میں اس چیز کو بہادری کا ایک انعام سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ۲۲ سر قبیلہ ہوازن کو، ۱۴ سر حصین بن نمیر کے قبیلہ بنی تمیم کو، ۱۳ سر قیس بن اشعث کے قبیلہ بنو کندہ کو جبکہ چھ سر ہلال بن اعور قبیلہ بنو اسد کو دیئے گئے۔

حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کا سرِ انور خولی بن یزید کو دیا گیا جو حمید بن مسلم ازدی کے ہمراہ ابن زیاد کی طرف روانہ ہو گیا، جس وقت یہ کوفہ پہنچے، تو رات ہو گئی تھی، مجبوراً خولی سرِ انور کو لے کر واپس آیا اور صبح ہوتے ہی ابن زیاد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سرِ انور کو شمر لعین، قیس بن الاشعث، عمرو بن الحجاج، اور عروہ بن قیس لے کر گئے تھے۔ بہرکیف شہداء کربلا کے سروں کو طشتوں میں رکھ کر پیش کیا گیا۔ ابن زیاد لعین کے ہاتھ میں بید کی چھڑی پکڑی ہوئی تھی۔ وہ بدبخت بار بار اس چھڑی کو دندانِ مبارک سیدنا امام عالی مقام علیہ السلام پر مارتا تھا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو برداشت نہ کر سکے، چلا کر بولے "او بدبخت ابن زیاد! چھڑی کو دور کر لے، مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم، میں نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان دانتوں اور لبوں کے بوسے لیتے ہوئے دیکھا ہے"۔ ابن زیاد بدنہاد نے کہا "اللہ تعالیٰ تجھے رلائے، اگر تو فاترالعقل نہ ہوتا تو ابھی تیری گردن اڑا دینے کا حکم دے دیتا"۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کہتے

ہوئے مجلس سے اُٹھ آئے کہ اے گروہِ عرب ! تم سخت نالائق ہو کہ ابن فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تو شہید کر دیا ہے اور ابن مرجانہ کو اپنا حاکم بنا لیا ہے جو بد معاشوں کو نوازتا اور شرفا کو قتل کرتا ہے، لعنت ہے اُن پر جو اِس ذلت و رسوائی پر راضی ہوتے۔

اسیرانِ کربلا کی آمد اس واقعہ کے دوسرے دن بعد خاندانِ نبوت کے قیدیوں کو ابن زیاد لعین کے دربار میں عمرو بن سعد لے کر حاضر ہو گیا۔ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں آپ پردہ میں ملبوس تھیں جہنم کا کتا ابن زیاد بد نہاد اُن کی طرف اشارہ کر کے بولا "یہ کون ہے"؟ اُسے بتایا کہ یہ سیدہ زینب بنتِ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہیں۔ تو وہ آپ علیہا السلام کو مخاطب کر کے بولا:۔ "اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر ہے کہ جس نے تم کو (معاذ اللہ تعالیٰ) ذلیل و رسوا کیا اور تمہیں قتل کیا اور تمہارے قصے کہانیوں کو جھوٹا ثابت کیا[1]" حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواباً فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا بیشمار شکر ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات بابرکات سے ہمیں سرفراز فرمایا اور ہمیں ایسا پاک کیا کہ جیسا پاک کرنے کا حق ہے۔ (آیۂ تطہیر تلاوت فرمائی) نہ کہ جیسا تو کہتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ فاسق و فاجر ہی ذلیل و رسوا ہوں گے اور جھٹلائے جائیں گے۔"

ابن زیاد نے کہا: "چہ خوب! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس کو ذلیل و رسوا کیا ہے؟ کیا تمہارے خاندان والے خوار نہیں ہوئے؟" (معاذ اللہ تعالیٰ)

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: "میں نے اپنے خاندان میں اچھائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔۔ شہادت اُن کا مقدر تھی، سو وہ کربلا آئے اور شہید ہو گئے۔ عنقریب تم اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے انصاف طلب کریں گے"۔

---

[1] اس سے غالباً اس بدبخت کی مراد وہ احادیث نبویہ ہیں جو شانِ اہل بیت عظام میں وارد ہوئیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) ۱۲ منہ

ابن زیاد اس جواب پر غصّہ میں آ گیا اور حکم دیا کہ حضرت زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا کو قتل کر دیا جائے۔ ابن زیاد کے ایک درباری عمرو بن حریث نے فوراً مداخلت کی اور کہا: "اے امیر! بہادر لوگ عورتوں کی باتوں کا بدلہ نہیں لیا کرتے۔ خصوصاً جب عورتیں غمزدہ ہوں تو ایسے کلمات زبان سے نکل ہی جایا کرتے ہیں، اس لئے آپ غضب ناک نہ ہوں۔"

ابن زیاد نے قتل کا حکم واپس لے لیا، اس کے بعد اُس نے حضرت امام سیدنا زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ "ان کا نام علی بن حسین ہے۔" ابن زیاد نے کہا: "کیا اللہ تعالیٰ نے علی بن حسین کو نہیں مارا؟" آپ نے خاموشی اختیار کی۔ ابن زیاد نے کہا: "تم بولتے کیوں نہیں ہو؟" آپ نے فرمایا: "میرا ایک بھائی علی تھا، لوگوں نے اسے شہید کر دیا۔" ابن زیاد ہنس کر بولا: "ہاں اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا ہے۔" آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ ابن زیاد نے کہا: "تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے ہو؟" آپ نے ارشاد فرمایا: "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ۔ (اللہ تعالیٰ ہی کسی بھی جان کو فوت فرماتا ہے۔ جب اسے موت آتی ہے اور کوئی بھی جان ایسی نہیں ہے، مگر یہ کہ اُسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی موت آتی ہے۔")

ابن زیاد بدنہاد نے کہا: "اللہ تعالیٰ کی قسم! تو بھی ان میں سے ہی ہے۔" پھر اُس نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ اس ظالمانہ حکم کو سُن کر سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو اپنے ساتھ چمٹا لیا اور رو کر فرمانے لگیں: "اے ابن زیاد! کیا ابھی تیرا جی ہمارے خون سے سیراب نہیں ہوا ہے کہ تو اس آخری مرد کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے؟"

اگر تیرے اندر ایمان کا کوئی ذرہ باقی ہے، تو میں تجھے کہتی ہوں کہ اگر تو اسے قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو ساتھ مجھے بھی قتل کر دے۔" پھر فرمایا "میرے خاندان کی ان عورتوں کے ہمراہ کسی شریف النفس مسلمان کو بھیجنا جو ایک سچے مسلمان کی طرح ان کو وطن میں پہنچا دے۔" ابن زیاد تھوڑی دیر تک حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا "مجھے اپنے رحم پر تعجب آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر میں اس لڑکے (حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو قتل کرتا تو ساتھ ہی اس عورت (حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی ضرور قتل کر ڈالتا۔ اس لڑکے کو ان عورتوں کے ساتھ رہنے دو۔

ازاں بعد ابن زیاد نے حکم دیا کہ شہداء کربلا

سر اقدس بازار کوفہ میں

کے سروں کو نیزوں پر اٹھا لو۔ کوفہ کے گلی کوچہ و بازار میں تشہیر کے بعد ان کو دمشق کی طرف لے جاؤ۔ چنانچہ جب لشکر یزید فتح کا نقارہ بجاتا ہوا شہداء کرام کے سروں کو نیزوں پر اٹھائے اہل بیت اطہار کے قیدیوں کے ساتھ بازار کوفہ میں نکلا تو ایک غوغہ محشر بپا ہو گیا۔ اہل بیت اطہار کی اس بے کسی پر اہل کوفہ نے ایسا ماتم کیا کہ بقول علامہ باقر مجلسی دیدہ روزگار نے ایسا ماتم کبھی نہیں دیکھا، حتیٰ کہ ایک بوڑھے نے اپنی انگلیوں کو دانتوں سے چبا ڈالا حضرت سیدنا امام زین العابدین اور حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نہ رہا گیا۔ آپ نے اہل کوفہ کی زجر و توبیخ فرماتے ہوئے فرمایا "ارے بدبختو! اب تم ہم پر روتے ہو؟ بتاؤ پھر ہمیں قتل کس نے کیا ہے۔ تمہاری مثال اس عورت کی طرح ہے، جو سارا دن سوت کاتتی رہتی ہے اور پھر شام کو خود اپنے ہی ہاتھوں سے ادھیڑ دیتی ہے، اب تمہارا کبھی یقین نہیں کیا جائے گا جیسے چاہو کر دو۔"

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب

شہید زندہ ہیں

حضرت سید الشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر انور

(زینے پر) میرے گھر کے قریب سے گزرا، تو میں بالاخانے (چوبارے) کی کھڑکی کے قریب بیٹھا رو رہا تھا، یکایک میں نے دیکھا کہ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کے ہونٹ حرکت کر رہے ہیں اور میں نے خود اپنے کانوں سے سُنا کہ آپ علیہ السلام پڑھ رہے تھے :-

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا (الکہف ۹):

"کیا تم نے غور کیا کہ وہ جنگل میں غار والے ہماری قدرت کی عجیب نشانیوں میں سے (ایک) تھے۔"

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بے ساختہ پکار اٹھا کہ "اے ابن رسول اللہ علیک السلام آپ کا واقعہ تو اصحاب کہف کے واقعہ سے زیادہ عجیب تر ہے۔"

اسیرانِ کربلا بسوئے شام

جب ازلی بدبخت ابن زیاد بدنہاد اسیرانِ کربلا کو گلی گلی کوچہ کوچہ گشت کرانے کے بعد اپنے سیاہ دل کی بھڑاس نکال چکا تو زحر بن قیس اور شمر لعین کے ہمراہ تقریباً پانچ ہزار کے لشکرِ جرار کے ساتھ شہدائے کرام کے سروں اور اسیرانِ اہل بیت کو یزید لعین کی طرف روانہ کر دیا۔ بعض روایتوں کے مطابق حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، کوفہ سے شام تک پیدل سفر کروایا گیا، حالانکہ آپ علیہ السلام نہ صرف یہ کہ بیمار تھے، بلکہ بھاری بھرکم ہتھکڑیوں اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ تو ہتھکڑی، طوق یا بیڑی پہناتے ہوتے کچھ بولے نہ ہی پورے راستے میں کچھ گفتگو کی، حتیٰ کہ مردانِ صبر و رضا، شہیدانِ کربلا کا یہ قافلہ دربارِ یزید پلید تک جا پہنچا۔ راستہ میں لشکرِ اشقیاء نے حضرت امام عالی مقام علیہ السلام کے سرِ انور سے ظہور پذیر ہونے والی بہت سی کرامتوں کو دیکھا، مگر جس کے نصیبہ میں کاتبِ تقدیر نے ازلی بدبختی اور رُوسیاہی تحریر فرما دی ہو اُسے صراطِ مستقیم کب میسر آسکتا ہے؟ (معاذ اللہ تعالیٰ)

زحر بن قیس دربارِ یزید میں اسیرانِ کربلا کو پیش کرنے سے قبل زحر بن قیس، یزید لعین کے پاس پہنچا اور رپورٹ دیتے ہوئے کہا "میں آپ کو فتح کی بشارت دینے کے لئے آیا ہوں۔ حسین ابن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اپنے اٹھارہ اہل بیت اور معاونین کے ساتھ کوفہ میں آئے۔ ہم نے آگے بڑھ کر اُن کو روک لیا اور انہیں کہا کہ امیر المومنین (یزید پلید) کی بیعت کریں، ورنہ جنگ ہو گی۔ انہوں نے دوسری صورت کو اختیار کیا۔ ہم لوگ بھی مستعد بجنگ ہو گئے، چنانچہ آفتاب کے بلند ہوتے ہی ہم نے اُن کو گھیرے میں لے لیا، پھر وہ چمکتی تلواروں اور تیز نوکدار نیزوں سے بچنے کے لئے گڑھوں، ٹیلوں اور درختوں کی طرف بھاگے، جس طرح عقاب کے خوف سے کبوتر بھاگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اُن کے بھاگنے نے اُن کو کوئی فائدہ نہ دیا۔ تیز دھار تلواروں اور نیزوں نے اُن کو فرشِ زمین پر موت کی نیند سلا دیا۔ ان کی لاشیں بے گور و کفن اسی میدان میں پڑی ہوئی ہیں۔ ان کے جسموں پر اگر کوئی سایہ ہے تو وہ سورج کی دھوپ کا اور اگر کوئی کپڑا ہے تو صحرا کی ریت کا۔ تیز و تند ہوائیں ان کو اُلٹ پلٹ کر رہی ہیں، اُن پر رحم کرنے والے قرب و جوار کے کتے اور گدھ ہیں۔ اُن کی زیارت کرنے والے وحشی درندے ہیں۔" یہ سُن کر یزید پلید خاموش رہا اور زحر کو کوئی انعام نہ دیا۔

سرِ انور اور یزید پلید پھر یزید لعین کے حکم سے سرہائے مقدس کو طشتوں میں رکھ کر باری باری یزید بے دین کے رُوبرو پیش کیا گیا۔ جب امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرِ اقدس اُس بدبخت کے سامنے آیا، تو اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دانتوں پر لگا کر یہ شعر پڑھا ؎

ترجمہ: "ہماری قوم نے اگرچہ انصاف کرنے سے انکار کر دیا تھا، مگر ان تلواروں نے انصاف کر دکھایا کہ جن سے ابھی تک خون ٹپکتا ہے۔"

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ اُس وقت وہاں موجود تھے، وہ

برداشت نہ کر سکے، تو بڑا اُٹھ کر بولے "او یزید! اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ توڑے، چھڑی کو دانتوں سے ہٹالے، اللہ تعالیٰ کی قسم! ان لب و دندان مبارک کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم چوما کرتے تھے۔" یہ سُن کر یزید پلید بھڑک اٹھا اور غضبناک ہو کر بولا:- "او بڈھے! اگر تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم، کا صحابی نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔" یہ کہہ کر انہیں مجلس سے نکال دیا۔ ایسا ہی واقعہ ابن زیاد اور حضرت زید بن ارقم کا ہے۔

مردانِ صبر و رضا دربارِ شام میں

پھر قیدیوں کو دربارِ یزید میں پیش کیا گیا تو عورتیں شہداء کرام کے مبارک سروں کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں اور رونے لگیں، اس پر پورا دربار سوگوار ہو گیا اور یزید پلید کو اپنی عزت بچانے کے لیئے مکارانہ رویہ اختیار کرنا پڑا۔ اسی اثناء میں حضرت فاطمہ بنت الحسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے یزید کو فرمایا: "بتاؤ کیا یہ بات درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی نواسیوں کو قیدی بنایا جائے۔" یزید نے کہا: نہیں، بلکہ تم آزاد ہو۔" یہ کہہ کر یزید نے ان کو اپنے محل سرا میں بھیج دیا۔ پھر حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم مجھے اس حال میں دیکھتے تو گوارا کر لیتے؟" یزید نے حاضرین کی طرف منہ کر کے کہا: ان کو زنجیروں کی قید سے آزاد کر دو۔ چنانچہ زنجیریں کاٹ دی گئیں۔

مصنف "عقد الفرید" نے لکھا ہے کہ جس وقت قیدیانِ اہل بیت عظام دربارِ یزید میں پیش کیئے گئے، تو نعمان بن بشیر انصاری نے کہا: "ذرا سوچو کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم ان کو اس حال میں دیکھتے تو کیسا سلوک فرماتے؟" یزید نے کہا: "تم سچ کہتے ہو، ان کے لیئے خیمے ایستادہ کر دو اور ضرورت کی سب اشیاء مہیا کرو۔"

قاتل کون؟

اس کے بعد یزید لعین نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے کہا کہ "اگر تمہیں کوئی حاجت ہو تو بتاؤ؟" یزید دیکھ رہا تھا

کہ شہادتِ امام عالی مقام علیہ السلام کے بعد اُس کے اہلِ دربار کے تیور بدل رہے تھے، کسی بھی لمحے خونِ شہیداں رنگ لا سکتا تھا، اِس لئے وہ یہ ثابت کرنے میں کوشاں تھا کہ شہادتِ امام عالی مقام میں اُس کا نمایاں حصّہ نہیں ہے۔ الغرض یزید کے کہنے پر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "یوں کرو کہ میرے باپ کا قاتل میرے سپرد کر دو تاکہ میں اُسے اپنے ہاتھ سے قتل کر دوں، دُوسرے یہ کہ شہدائے کرام کے سر مجھے دے دو تاکہ میں اُن کو بحفاظت دفن کروں تیسرے یہ کہ اہلِ بیتِ اطہار کو رہا کر دو تاکہ میں ان کو مدینہ منورہ لے جاؤں۔ چوتھے یہ کہ کل جمعۃ المبارک ہے، مجھے خطبۂ جمعہ کی اجازت دے دو۔"

آپ کی حاجات سُن کر یزید پلید نے لشکریوں سے پوچھا کہ بتاؤ کس نے "حُسین" (علیہ السّلام) کو قتل کیا ہے؟ کسی نے کہا کہ خولی نے، خولی نے فوراً جواب دیا کہ "نہیں، بلکہ سنان نے قتل کیا ہے"۔ سنان بولا: "یہ کام شمر کا ہے"۔ یزید نے شمر سے پوچھا تو وہ بولا: "لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ قَتَلَہٗ۔" یعنی اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جس نے قتل کیا۔" یزید نے جھلا کر کہا: "پھر کس نے قتل کیا ہے؟" شمر نے بگڑ کر کہا: "جس نے ابنِ زیاد اور ابنِ سعد کو سردارِ لشکر بنا کر بھیجا، جس نے ابنِ زیاد کو حکم دیا کہ حُسین سے بیعت لو اگر وہ نہ مانے تو قتل کر دو، اصل میں قاتل وہ ہے (یعنی تو خود قاتل ہے)۔ یہ سُن کر یزید پلید بولا: "تم سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔" پھر حضرت سیدنا زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: "سرِ دست قاتل کا ملنا مشکل ہے، البتہ دوسری حاجات پوری کر دی جائیں گی۔"

دوسرے دن حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ تقریر پُر تاثیر نے یزید کی پریشانی میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس کے اہلِ دربار اور دیگر عوام یزید پلید سے بدظن ہونے لگے تو اُس نے خطبہ روک دیا اور اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔

لُٹے ہوئے قافلے کی سُوئے مدینہ واپسی

بعد ازاں یزید لعین نے کوفہ کے معزول گورنر حضرت نعمان بن بشیر انصاری کو بلایا (وہ ان کو اہل بیت عظام کا ہمدرد سمجھتا تھا اور اسی جرم میں اُسے معزول کیا گیا تھا) یزید نے حضرت نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ "اہل بیت اطہار کو عزت و احترام سے مدینہ طیبہ کی طرف لے جاؤ اور جس قدر ان کا مال و اسباب لوٹا گیا ہے، اُس سے دوگنا ان کی خدمت میں پیش کر دو۔"

پھر بوقتِ رخصت حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یزید نے کہا: "ابن مرجانہ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو حُسین (علیہ السلام) سے ضرور درگزر کرتا، لیکن اللہ تعالیٰ کا جو منظور تھا، وہ ہو گیا، اب جو تمہیں ضرورتیں ہوں، وہ ضرور لکھنا۔"

الغرض نعمان بن بشیر انصاری اور ایک فوجی دستہ کی معیت میں سر ہائے بریدہ لے کر یہ قافلہ عازم مدینہ طیبہ ہوا۔ راستہ میں محافظین نے یزید کے حکم کی وجہ سے نہیں بلکہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے قافلہ اہل بیت اطہار کی نہایت تعظیم و تکریم کی اور پورے راستہ جاں نثار غلاموں کی طرح خدمت و چوکیداری کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ جب یہ قافلہ مدینہ طیبہ پہنچا تو عجیب سا کہرام برپا ہو گیا، معلوم ہو رہا تھا کہ گویا قیامت آگئی ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوئے اور نہایت پُردرد انداز میں اپنی داستانِ غم دہرائی۔ اہل مدینہ اس سانحۂ عظیمہ پر خون کے آنسو بہا رہے تھے۔ پھر مشہور روایت کے مطابق حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرِ انور کو جنت البقیع میں حضرت فاطمہ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو مبارک میں دفن کر دیا گیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

یزید بد ہے یا بدنام مذکورۃ الذکر واقعات جو مختلف کتب تواریخ سے نقل کیے ہیں۔ ان کے حوالہ سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ

یزید بجائے خود بُرا نہیں تھا، لیکن ابن زیاد کی وجہ سے اُسے بہت بدنامی ملی اگر غیر جانبداری سے دیکھا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ یزید بن معاویہ بڑا مکار اور دغا باز تھا، اُس نے محض اپنی حکومت کے استحکام کے لیئے یہ چال چلی کہ سانحہ کربلا اس کی رضامندی کے بغیر ہوا ہے۔ اگر اُس کا دعوی حقیقت الامر میں درست تھا، تو کیا یزید کا کوئی ہوا خواہ یہ ثابت کر سکتا ہے کہ یزید نے اس واقعہ کے اہم کردار ابن زیاد بدنہاد کو گورنری سے معزول کرنا تو درکنار، ڈانٹا تک بھی ہو، یا پھر شمر لعین، حصین بن نمیر، عمرو بن سعد، سنان بن انس یا دوسرے ظالموں کو کوئی بھی سزا دی ہو۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ کتب تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید پلید ان ظالموں کے لیئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے اور انعامات دُنیا کی ان پر بارش کر دی، جبکہ اہل بیت اطہار کے ساتھ نرمی اور عزت و احترام کا ڈرامہ لوگوں کی لعنت پھٹکار سے بچنے کے لئے رچایا یا اسے خوف تھا کہ اگر ایسے نہ کیا تو میرا تخت حکومت مجھ سے چھن جائے گا، بالکل آجکل کی سیاست کی طرح کہ

ع باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی

یزید پلید کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دینے والوں کے لئے علامہ ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ کی نقل فرمودہ یہ عبارت یقیناً تازیانہ عبرت ہو گی۔

ابن مردویہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم، سے عرض کیا کہ امیر المومنین فرمایئے۔ (آیہ مبارکہ)

الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا (سورۃ ابراھیم، آیت)

سے کون لوگ مراد ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قریش کے وہ دو قبیلے جو سب سے زیادہ بدکار تھے۔ بنی مغیرہ، اور بنو امیہ۔ بنو مغیرہ کے شر سے تو بدر کی

تی میں تمہاری حفاظت ہو چکی ہے (یعنی اُن کا زور ٹوٹ گیا)، لیکن بنی امیہ کو ایک وقت تک مزہ اڑانے کا موقع دیا گیا۔ علامہ بغوی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا۔
نیز علامہ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم اور ابن مردویہ نے اسی طرح کا قول حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے نقل کیا۔ علامہ حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا۔

اقول: بنی امیہ کو حالتِ کفر میں مزے اڑانے کا موقع دیا گیا، یہاں تک کہ ابوسفیان، معاویہ اور عمرو بن العاص وغیرہم مسلمان ہو گئے۔ پھر یزید پلید اور اس کے ساتھیوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اہل بیت کی دشمنی کا جھنڈا بلند کر دیا۔ آخر کار امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ظلماً شہید کر دیا اور یزید نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دین ہی کا انکار کر دیا۔ جب وہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر چکا، تو اُس نے چند اشعار پڑھے، جن کا مضمون تھا کہ آج اگر میرے اسلاف ہوتے تو دیکھتے کہ میں نے آلِ محمد اور بنو ہاشم سے ان کا کیسا بدلہ لیا ہے۔ یزید نے جو اشعار کہے تھے، اُن میں آخری شعر یہ تھا:

وَلست جندب اَن لم انتقم
من بنی احمد ما کان فعل

"احمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے جو کچھ (ہمارے بزرگوں کے ساتھ میدانِ بدر میں) کیا۔ اگر میں نے اُن (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی اولاد سے بدلہ نہ لیا، تو میں بنی جندب میں سے نہیں ہوں۔"

یزید پلید نے شراب کو بھی حلال قرار دے دیا تھا۔ دیگر شرعی امور میں بھی تجاوزات کرنے کا مرتکب ہو رہا تھا۔ اُس شراب (خمر) کی تعریف میں بھی چند اشعار کہے، ان میں ایک شعر یہ تھا ؎

فَاِنْ حرمت یوماً علیٰ دین احمد

فخذھا علیٰ دین مسیح بن مریم

"اگر شراب آج دینِ احمد میں حرام ہو بھی گئی تو کیا ہوا؟ تم اسے مسیح ابن مریم کے دین پر عمل کرتے ہوئے (حلال سمجھ کر) پی لو"۔ (تفسیر مظہری جلد ۶ ص ۳۰۷)

یزید کی بدبختی پر مُہرِ تصدیق

حضرت شیخ محقق الشاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی معروف تصنیف "جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب" (تاریخ مدینہ) میں علامہ واقدی، قرطبی اور ابن جوزی وغیرہ کے حوالہ سے واقعہ حرہ بنی واقم کو بڑی تفصیل سے نقل فرماتے ہیں۔ نیز یہ واقعہ تمام معتبر کتبِ تواریخ مثلاً ابن اثیر۔ عقد الفرید۔ طبری۔ ابن خلدون وغیرہم میں موجود ہے کہ ۶۳ھ میں یزید پلید کے حکم سے مدینہ طیبہ کی زبردست توہین کی گئی[1]

"جذب القلوب" میں ہے کہ شہادت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد تمام برائیوں سے عظیم تر برائی وہ ہے جو یزید پلید کے زمانہ میں مدینہ طیبہ کے اندر واقع ہوئی۔ یزید لعین نے بدبخت ازلی مسلم بن عقبہ مری کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کو بھیجا تاکہ لوگوں کو نہایت بے دردی کے ساتھ مدینہ مطہرہ کے حرہ میں قتل کرے اور جتنی سختی کر سکتا ہو کرے، چنانچہ اس بے دین مسلم بن عقبہ نے بحکم یزید پلید تین دن تک حرم نبوی کی بے حرمتی کر کے دادِ بے دینی دی۔ اسی وجہ سے اس کو واقعہ حرہ کہتے ہیں۔ اس بدبخت نے تین ہزار سات آدمیوں کو علاوہ مہاجرین و انصار و تابعین و علماء کے شہید کر دیا۔ عورتیں اور بچے بھی اس کے علاوہ ہیں۔ علاوہ سات سو حفاظ قرآن کریم اور قوم قریش کے ننانوے افراد کو ظلم کی تلوار سے ذبح کر دیا فسق و فساد اور زنا کو جائز قرار دے دیا۔ کہتے ہیں کہ اس واقعہ قبیحہ کے بعد ایک ہزار عورتوں نے اولاد زنا جنی

[1] زیادہ تفصیل کے لئے اصل کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔ ۱۲ منہ

تھی۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسجد میں ان کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ غضب کی بات یہ ہے کہ روضۂ انور اور ممبر شریف کی درمیانی جگہ کہ جس کی بابت صحیح حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، وہاں ان کے گھوڑے پیشاب اور لید کرتے تھے۔ بے دین لعین مسلم بن عقبہ لوگوں یزید پلید کی بیعت پر اس طرح آمادہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ ہر حال میں یزید کا ہر حکم مانیں، خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہی کیوں نہ ہو۔ جب مسلم بن عقبہ کے نزدیک حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے قرآن و حدیث کے موافق بیعت کا ذکر کیا، تو فوراً ان کی گردن اڑا دی گئی۔ مدینہ طیبہ کی خوب خوب بے حرمتی کرنے کے بعد یزید پلید کے حکم سے اس ظالم لشکر نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا، مگر راستہ ہی میں مسلم بن عقبہ نامراد مر گیا۔ یزید پلید کے حکم سے حصین بن نمیر (قاتل اہل بیت) کو سپہ سالار فوج بنا دیا گیا۔ اس سیاہ بخت نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر کے خانہ کعبہ پر منجنیق کے ذریعے پتھروں کی بارش کی، لیکن جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شکست نہ دی جا سکی، تو خانہ کعبہ پر آگ کے گولے برسائے گئے۔ جس سے خانہ کعبہ کا پردہ جل گیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے وہ سینگ جو اُس مینڈھے کے تھے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بدلے میں ذبح کیا گیا تھا اور ان کو بطور یادگار حرم کعبہ میں لٹکایا گیا تھا، وہ بھی جل گئے۔ اسی اثناء میں یزید پلید کی موت کی خبر آ گئی اور یوں ماہِ مقدس ربیع الاول ۶۴ھ میں یہ بدبخت بھاگ گئے اور اہل حرم کو ان کے شر سے نجات ملی۔

قاتلانِ اہلِ بیت کا انجام

تاریخ طبری، کامل ابن اثیر، البدایۃ والنہایۃ، صواعق محرقہ وغیرہ کتب میں قاتلانِ اہل بیت اطہار کے عبرتناک انجام کا کافی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا عذاب یکبارگی آجانا ہوتا، تو شاید روزِ کربلا ہی مجموعی عذاب نازل ہو جاتا۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وعدہ ہے:۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ - (الانفال: ۳۳)

"اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا کہ آپ ان میں موجود ہیں۔"

اس لئے ان ظالموں پر انفرادی طور پر غضب خداوندی نازل ہوا۔
عمرو بن سعد، اس کا بیٹا حفص بن عمرو، شمر لعین۔ خولی بے دین، عبداللہ بن اسید، مالک بن بشیر، حمل بن مالک، حکیم بن طفیل، عمرو بن صبیح، زید بن رقاد، عبیداللہ ابن زیاد اور ان کے علاوہ بہت سے وہ تیرہ بخت تھے کہ جن کو مختار ثقفی نے بڑی بے دردی سے قتل کیا، ان میں سے بعض کو تڑپتے ہوئے اور بعض کی لاشوں کو جلا دیا گیا جبکہ بعض بدبخت قاتلان اہل بیت ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے زمانہ کے لئے عبرت کا نشان بنا دیا اور وہ کسی ظاہری قاتل کے بغیر ہی تڑپ تڑپ کر داصل بہ جہنم ہوئے۔ اس طرح ۶۷ھ تک میدان کربلا میں بازار ظلم برپا کرنے والے سارے کردار اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے

شہدائے کربلا کے اسمائے گرامی

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ میدان کربلا میں جام شہادت پانے والے حضرات اہل بیت اطہار کے اسمائے مبارکہ اور تعداد میں اختلاف ہے۔
علامہ ابن اثیر کے مطابق شہدائے اہل بیت اطہار کی تعداد (امام عالی مقام کے علاوہ) سترہ ہے، جبکہ ترپن ۵۳ اعوان و انصار کے تھے۔ شہدائے اہل بیت کے اسمائے مبارکہ درج ذیل ہیں، حضرات عباس و جعفر و عبداللہ و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ سارے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے تھے جو کہ حضرت ام البنین بنت حزام کے شکم سے پیدا ہوئے، محمد بن علی (ان کی والدہ ام ولد تھیں) ابوبکر بن علی المرتضیٰ (ان کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود تھیں) حضرت امام حسین علیہ السلام کے بیٹے حضرت علی اکبر اور حضرت عبداللہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت ابوبکر، حضرت قاسم، حضرت عبداللہ بن جعفر کے صاحبزادے (یعنی حضرت سیدہ زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے جگر گوشے حضرت عون

حضرت محمد[۱۲] حضرت عقیل بن ابی طالب کے لختِ جگر حضرت جعفر[۱۳] حضرت عبدالرحمن[۱۴] حضرت عبداللہ[۱۵] حضرت مسلم بن عقیل کے بیٹے حضرت عبداللہ[۱۶] اور حضرت ابی سعید بن عقیل کے بیٹے حضرت محمد[۱۷] (علیہم السلام) یہ کل سترہ اہل بیت سے تھے، باقی ترپن حضرات اعوان و انصار سے تھے۔ (کامل ابن اثیر، جلد رابع، مطبوعہ مصر، ص۷۹)

جلاء العیون کی عبارت اس جگہ یوں ہے کہ "تعداد شہداء اہل بیت میں اختلاف ہے۔ اکثروں نے ستائیس شہداء کو لکھا ہے۔ سات اولاد عقیل و مسلم سے کہ پہلے شہید ہوئے حضرت جعفر و عبدالرحمن پسران عقیل۔ محمد و عبداللہ پسران مسلم و جعفر، پسر محمد بن عقیل، محمد پسر سعید بن عقیل اور بعضوں نے عون و محمد پسران عقیل کو زیادہ کیا ہے اور تین شخص اولاد جعفر طیار سے محمد۔ عون، اور عبداللہ پسر عبداللہ بن جعفر اور نو شخص فرزندانِ جناب امیر سے جناب سید الشہداء، عباس۔ عمر۔ عثمان و جعفر و ابراہیم و عبداللہ و اصغر محمد اصغر اور ابوبکر ولد جناب امیر علیہ السلام اور محمد فرزند عباس اور فرزند جناب امیر حضرت ابوبکر کے شہید ہونے پر اختلاف ہے اور چار شخص فرزندانِ امام حسین سے، ابوبکر و عبداللہ و قاسم و بشیر اور بعضوں نے بشیر کی جگہ عمر لکھا ہے اور فرزندانِ امام حسین سے جو مشہور علی اکبر اور عبداللہ (المعروف علی اصغر) جو امام حسین علیہ السلام کی گود میں شہید ہوئے اور بعضوں نے ابراہیم و محمد و حمزہ اور علی اور جعفر اور عمر اور زید کو لکھا ہے۔ ابوالفرج اصفہانی کتاب "مقاتل الطالبین" میں لکھتا ہے کہ جو کچھ معلوم ہے شہادتِ شہدائے معرکۂ کربلا سے وہ یہ ہے کہ فرزندانِ ابو طالب سے بائیس شخص سے اور ابن نمار نے امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ سترہ فرزندانِ فاطمہ بنِ اسد سے اس صحرا میں شہید اور زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں فرزندانِ امام حسین سے علی و عبداللہ کا ذکر ہے اور فرزندانِ جنابِ امیر حضرت عبداللہ و عباس و جعفر و عثمان و محمد اور فرزندان امام حسین (علیہ السلام) سے ابوبکر[۱] و عبداللہ و قاسم اور فرزندانِ

[۱] (حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

عبداللہ بن جعفر سے عون و محمد اور فرزندانِ عقیل سے جعفر و عبدالرحمٰن و فرزندانِ مسلم سے عبداللہ و ابی عبداللہ و محمد بن ابوسعید بن عقیل (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا ذکر ہے - یہ اٹھارہ شخص ہوتے ہیں -- اور چار شخص اس زیارت میں باسمِ مذکورہ ہوتے ہیں -

حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کی ازواج و اولادِ اطہار

ا- حضرت لیلیٰ (عند البعض آمنہ) بنت ابی مرہ عروہ بن مسعود ثقفی - یہ سردار ثقیف کی صاحبزادی ہیں - یہ ابی سفیان کی نواسی اور یزید بن معاویہ کی پھوپھی زاد بہن ہیں ۔ حضرت سیدنا علی اکبر شبیہ رسول ان ہی کی اولاد سے ہیں -

(۲) حضرت شہربانو ، یہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایران سے قید ہو کر آئیں - چونکہ یہ شہنشاہِ ایران یزدگرد بن خسرو پرویز بن نوشیرواں کی بیٹی تھیں ، اس لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بمشورۂ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ان کی شہزادہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شادی کر دی تھی - ان کے صاحبزادے کا نام علی اوسط یعنی حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے حضرت علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو ان کا بیٹا کہا جاتا ہے ، درست نہیں -

(حاشیہ گزشتہ صفحہ سے)

لہ قارئین کرام آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ، حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ ، حضرت سیدنا امام حسین شہید کربلا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے اپنے اپنے شہزادوں کے نام ابوبکر ، عمر اور عثمان رکھے - حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹے کا نام عمر ہی رکھا - یہ تینوں نام آپ کی اہل بیت کے شجرہ مبارکہ میں کئی جگہ ملیں گے - یہ ان بزرگوں کی خلفاء ثلاثہ سے کمال درجہ محبت کی دلیل ہے ، کیونکہ دشمن کے نام پر اپنی اولاد کا نام کوئی نہیں رکھتا ، مثلاً کسی نے اپنے بیٹے کا نام معاذ اللہ شمر یا یزید نہیں رکھا - (۱۲ منہ)

۳۔ **حضرت اُمِّ اسحاق**: یہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو کہ مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) کی صاحبزادی ہیں۔ ان کی اولاد حضرت سیدہ فاطمہ کبریٰ اور حضرت فاطمہ صغریٰ تھیں۔ حضرت اُمِّ اسحاق کا پہلا نکاح حضرت امام حسن علیہ السلام سے ہوا تھا جبکہ نکاحِ ثانی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔

۴۔ **حضرت رباب بنت امراء القیس بن عدی**: یہ قبیلہ بنو کلب سے تھیں، ان کی صاحبزادی کا اسمِ گرامی حضرت سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ بعض نے حضرت عبداللہ المعروف علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا صاحبزادہ تحریر کیا، لیکن بعض نے اُن کو خاتونِ بنو قضاعہ یعنی اُمِّ جعفر کا بیٹا لکھا۔

۵۔ **حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن**: یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوتی اور حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سگی بھتیجی ہیں، ان سے حضرت محمد بن حسین پیدا ہوئے۔

۶۔ **حضرت اُمِّ جعفر**: یہ قبیلہ بنو قضاعہ سے تھیں۔ ان سے حضرت جعفر پیدا ہوئے۔ بعض نے حضرت علی اصغر کو بھی ان کا ہی بیٹا تحریر کیا ہے۔

۷۔ **بنت ابومسعود انصاری**: عند البعض ان سے حضرت صغریٰ فاطمہ پیدا ہوئیں، لیکن مشہور یہ ہے کہ حضرت صغریٰ فاطمہ کی والدہ ماجدہ کا اسمِ گرامی اُمِّ اسحاق تھا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

اس اعتبار سے حضرت امام حسین عالی مقام علیہ السلام کے پانچ شہزادے یعنی حضرت علی اکبر۔ حضرت علی اوسط (امام زین العابدین) حضرت عبداللہ علی اصغر، حضرت محمد، حضرت جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور تین شہزادیاں حضرت فاطمۃ الکبریٰ، حضرت فاطمۃ الصغریٰ اور حضرت سکینہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) تھیں۔

ان شہزادوں میں آپ کی نسل پاک حضرت سیدنا امام زین العابدین علی اوسط رضی اللہ عنہ

سے چلی۔ ذیل میں امام عالی مقام علیہ السلام کی نسلِ پاک سے بعض مشہور اور نامور شہزادوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ربِ کریم اپنی شانِ کریمی کے مطابق شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین!

اولاً حضرت امام علی اوسط زین العابدین علیہ السلام کا ذکرِ خیر کیا جاتا ہے:

حضرت امام علی اوسط زین العابدین علیہ السلام

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ میدانِ کربلا میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے سوا، اہلِ بیت اطہار کے سارے مرد مرتبۂ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔ ربِ کریم کو منظور تھا کہ نسلِ حسین علیہ السلام قیامت تک باقی رہے۔ اِس مقصد کے لئے حضرت سیدنا علی اوسط امام زین العابدین علیہ السلام کا انتخاب ہوا۔

فرقہ اثنا عشریہ آپ کو چوتھا امام تسلیم کرتا ہے۔ یعنی پہلے امام سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، دوسرے امام حضرت سیدنا حسن مجتبیٰ علیہ السلام، تیسرے امام حضرت سید الشہداء شہید کربلا امام حسین علیہ السلام اور چوتھے امام حضرت سیدنا علی اوسط زین العابدین علیہ السلام۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی کنیت ابو محمد، ابوالحسن اور ابو بکر تھی۔ آپ کے القاب سید۔ سجاد اور زین العابدین ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت مدینہ طیبہ میں ۳۳ھ میں ہوئی۔ بعض روایتوں کے مطابق ۳۶ھ یا ۳۸ھ ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت شہر بانو ہیں جو سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایران سے اسیر ہو کر آئی تھیں۔ جس کا واقعہ اختصاراً یوں ہے کہ حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمان برکت نشان میں جب ایران فتح ہوا تو شہنشاہِ ایران یزدگرد کی تین لڑکیاں گرفتار ہو کر مدینہ طیبہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پہنچیں، تو حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

کے مشورہ سے ان تینوں شہزادیوں میں سے ایک شہزادی کو حضرت سیدنا امام حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دُوسری کو حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور تیسری کو
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عقد میں دے دیا گیا۔ چنانچہ ان کے
بطنِ اطہر سے حضرت سیدنا زین العابدین بن حسین، حضرت محمد بن ابوبکر صدیق کے
بیٹے حضرت قاسم بن محمد اور حضرت عبداللہ بن عمر کے بیٹے حضرت سالم بن عبداللہ پیدا
ہوئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

وقار اور شرافتِ نسب

واقعہ کربلا کے بعد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اکثر و بیشتر روتے ہی رہتے تھے۔
جب آپ ملک شام سے واپس مدینہ طیبہ پہنچے، تو اہل مدینہ نے چاہا کہ وہ آپ کے
دست حق پرست پر بیعت ہو جائیں اور آپ کو اپنا امیرالمومنین بنالیں، مگر حضرت امام
زین العابدین علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ جب عرض کیا گیا کہ حضور ہم اہلِ کوفہ نہیں ہم اہل مدینہ
ہیں۔ ہم آپ کے قدموں میں جان قربان کرنے کی بیعت کرنے کو آئے ہیں، تو آپ نے فرمایا:
"بس اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھے معاف کرو، میرے سینے میں اس قدر زخم ہیں کہ مزید کی
گنجائش نہیں، مجھے خلافت و سلطنت کے نام سے وحشت سی معلوم ہوتی ہے کہ
اسی کے شبہ میں میرے والدِ ذی وقار کو ذبح کر دیا گیا، نوجوانوں کے علاوہ شیرخوار
بچوں کو تیر و تبر کا نشانہ بنا دیا گیا اور بے دردی سے تڑپایا گیا اور سنو! اگر تم
مجھے خلافت کے لئے مجبور کرو گے، تو میں مدینہ طیبہ چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں گا۔"
اہل مدینہ غم زدہ حالت میں واپس پلٹے۔ اگرچہ ظاہری طور پر سلطنت بنوامیہ کے ہاتھوں
میں تھی، مگر دلوں کے بادشاہ ہمیشہ یہی رہے۔ بطور مثال ایک واقعہ سپرد قلم ہے:
جب مروانی سلطنت کا تاجدار ہشام بن عبدالملک بن مروان حج بیت اللہ کے لئے
آیا تو طواف کعبہ کے بعد استلام حجرِ اسود کا ارادہ کیا مگر رش اتنا زیادہ تھا کہ وہ حجر اسود

تک نہ پہنچ سکا۔ ناچار ایک طرف منبر بچھوا کر بیٹھ گیا اور حاجیوں کے اس سیل رواں کو دیکھنے لگا۔ اس کے گرد اگرد اس کے ہی درباریوں اور خوشامدی شامیوں کا جمگھٹا تھا اتنے میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تشریف لائے اور طواف کعبہ کے بعد جونہی استلام حجر اسود کی نیت سے آگے بڑھے، تو لوگوں نے آپ کو آتا دیکھ کر فوراً دورویہ صف باندھ لی اور مؤدب کھڑے ہو گئے۔ شہزادہ صاحب پورے وقار کے ساتھ استلام حجر اسود سے فارغ ہوئے، تو ایک شامی حیران ہو کر بولا "یہ کون شخص ہے کہ جس کا اہل حرم پر اس قدر رعب و دبدبہ ہے کہ کوئی ان سے آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرتا"۔ ہشام نے تیوری چڑھا کر کہا ——— معلوم نہیں یہ کون ہے، میں تو اسے نہیں جانتا۔ ہشام نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ مبادا! اہل شام ان کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں، اور مجھے تنہا نہ چھوڑ دیں مشہور شاعر فرزوق اسی مجلس میں موجود تھے، وہ بولے: وَاللّٰہُ اَنَا اَعرِفُہٗ۔ "مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! میں ان کو جانتا ہوں۔" ہشام نے تیور بدل کر کہا: مَنْ ھٰذَا "یہ کون ہے؟" فرزوق نے فوراً فی البدیہہ ایک طویل قصیدہ کہا جس میں امام زین العابدین علیہ السلام اور آپ کے خاندان کی خوب خوب تعریف کی، اور یہاں تک کہا کہ ؎ ھٰذا ابن فاطمۃ ان کنت جاھلہ[1]

بجدہ انبیاء اللہ قد ختموا

؎ اللہ شرفہ قدمًا وعظمہ

جری بذالک لہ فی لوحہ القلم

؎ لیس قولک من ھٰذا بظاھرہ

العرب تعرف من انکرت والعجم

---

[1] یہ انیس ۱۹ اشعار پر مشتمل ایک ایسا قصیدہ ہے کہ جس کا ہر ہر شعر اپنی مثال آپ ہے طوالت کے خوف سے یہاں صرف تین اشعار نقل کئے گئے ہیں ۔ ۱۲ منہ

چونکہ ان اشعار میں ہشام بن عبد الملک کو بھی جھنجھوڑا گیا تھا، اس لئے اس نے فرزوق کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے بارہ ہزار درہم فرزوق کے لئے بھیجے، فرزوق نے درہم اس پیغام کے ساتھ واپس کر دیئے کہ مدحتہ للہ لا للعطاء والصلۃ۔

"میں نے اُن کی مدح صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کی ہے مال و دولت یا صلہ کے لئے نہیں"

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے وہ درہم دوبارہ فرزوق کی طرف بھیج دیئے اور فرمایا اسے کہہ دو، انا اھل البیت اذا وھبنا شیئاً لا نعود فیہ۔

"ہم اہل بیت جب کسی کو کوئی چیز عطا فرما دیتے ہیں، تو پھر اسے واپس نہیں لیتے"۔

آخر ابو الفرس فرزوق نے تبرکاً وہ درہم لے لئے۔ (اوراقِ غم)

لقب زین العابدین کی وجہ تسمیہ

مرقوم ہے کہ ایک دن آپ نمازِ تہجد میں مشغول تھے کہ شیطان لعین ایک سانپ کی شکل میں نمودار ہوا، اُس نے اپنی شکل دکھا کر حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز میں وسوسہ ڈالنے لگا۔ آپ نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہ دی، اُس نے آپ کے پاؤں کا انگوٹھا منہ میں ڈال لیا، مگر آپ نے پرواہ نہ کی۔ پھر اُس نے سختی کے ساتھ کاٹا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شدید تکلیف تو ہوئی، مگر آپ نے نماز نہ توڑی، یہاں تک کہ نماز مکمل ہو گئی۔ بعد از نماز آپ نے پہچان لیا کہ یہ تو شیطان ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سختی کے ساتھ اُسے ڈانٹا اور بھاگ جانے کا حکم دیا۔ جب سانپ چلا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر دوبارہ نماز شروع فرما دی۔ اسی اثناء میں آپ نے سُنا کہ ہاتفِ غیبی آپ کو پکار کر کہہ رہا ہے انت زین العابدین۔ انت زین العابدین[1]

خوفِ خُداوندی

یہ چیز ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور جس کا درجہ جتنا زیادہ بلند ہوتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ

[1] شواہد النبوۃ

سے ڈرنے والا ہوتا ہے۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مرقوم ہے کہ جب آپ وضو فرماتے، تو آپ پر کپکپی سی طاری ہو جاتی اور چہرے کا رنگ زرد ہو جاتا۔ جب آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی، تو فرمایا: "تم جانتے ہو (نماز میں) کس کے حضور حاضر ہونا ہے۔" یعنی یہ حالت اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہونے کے خوف کی وجہ سے ہوتی ہے

ایک مرتبہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی۔ اس وقت آپ حالتِ سجدہ میں تھے۔ لوگوں نے دیکھا تو شور مچا دیا کہ یا ابنِ رسول اللہ (علیہ السلام) آگ بھڑک اٹھی ہے، آگ بھڑک اٹھی ہے، مگر آپ نے سجدہ سے سر نہ اُٹھایا۔ لوگوں نے بھاگ دوڑ کر کے آگ بجھا دی۔ اس دوران آپ نے پورے اطمینان سے نماز مکمل فرمالی، تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضور! آپ نے نماز کیوں نہیں توڑی؟ حالانکہ جس کمرے میں آپ نماز پڑھ رہے تھے، اسے آگ لگ گئی تھی۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: "مجھے اس دُنیا کی آگ کے مقابلہ میں دوزخ کی آگ کی زیادہ فکر ہے۔" (شواہد النبوۃ)

کرامات اللہ رب العزت جل شانہٗ بعض اوقات اپنی نعمت کے اظہار اور اپنے محبوب بندوں کی عزت افزائی کے لئے ان کے ہاتھوں خرقِ عادات چیزوں کا اظہار فرماتا ہے۔ جب کسی ولی اللہ سے ایسی ہی بات سرزد ہوتی ہے تو اسے کرامت (یعنی عزت و تکریم) کہا جاتا ہے۔ بزرگانِ دین کے نزدیک عظیم ترین کرامت اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور اُس کے رسولِ مکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکموں پر استقامت سے عمل کرنا ہے۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی اُسوۂ نبوی پر احسن ترین طریقہ سے عمل کرتے ہوئے گزری۔ اس کے ساتھ آپ کے ہاتھوں بہت سی خرقِ عادات باتوں کا ظہور رہا، جن میں چند ایک یہاں نقل کی جاتی ہیں:

امام زہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جب عبدالملک بن مروان نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قید کیا، تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

ہاتھ اور پاؤں زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے۔ اس سختی کے باوجود قید خانہ پر محافظوں کا پہرہ لگا ہوا ہے۔ زہری فرماتے ہیں کہ میں اس حال میں آپ کو دیکھ کر رو پڑا اور کہا: کتنا اچھا ہوتا کہ آپ کی جگہ میں پابند سلاسل ہوتا اور آپ سلامت رہتے۔ آپ نے فرمایا: زہری! اللہ تعالیٰ تیرا بھلا کرے، تو کیا سمجھتا ہے کہ مجھے ان طوق و سلاسل کی وجہ سے تکلیف ہے؟ اگر میں چاہوں تو یہ ابھی اُتر جائیں، لیکن ایسی مثالیں قائم رہنی چاہئیں تاکہ خوفِ خداوندی کا غلبہ رہے اور آخرت میں آسانیاں ہوں۔ اس کے بعد سیدنا زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آسانی کے ساتھ اپنے ہاتھ پاؤں زنجیروں سے آزاد کروالئے اور فرمایا: میں عنقریب ان کی قید سے رہا ہو جاؤں گا۔ اس واقعہ کے چار دن بعد جبکہ سخت ترین پہرہ لگا ہوا تھا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کمرے سے گم ہو گئے۔ آپ کو بہت تلاش کیا گیا، مگر آپ نہ ملے۔ زہری فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں عبدالملک بن مروان کے پاس گیا، اس نے مجھ سے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا، تو میں نے جو کرامتیں آپ کی دیکھی تھیں، وہ بیان کر دیں عبدالملک نے کہا: بات یہ ہے کہ جب میرے گماشتوں نے اُن کو گم کر دیا تو وہ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "عبدالملک! مجھے بتا کہ تیرے اور میرے درمیان کیا جھگڑا ہے؟ میں نے کہا "ذرا ٹھہرئیے۔" وہ فرمانے لگے "نہیں، بالکل نہیں ٹھہروں گا" یہ کہہ کر آپ باہر چلے گئے۔ "مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھ پر ان کا اس قدر رعب و جلال اور دبدبہ طاری ہوا کہ میں اُن کو روک بھی نہ سکا" اور وہ تشریف لے گئے۔

ایک دن آپ صحرا میں اپنے احباب کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اتنے میں وہاں ایک ہرنی آئی اور آپ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا پاؤں زمین پر مار کر چیخنے لگی۔ حاضرین نے عرض کیا کہ اے ابن رسول اللہ (علیہ السلام) یہ ہرنی کیا کہتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہرنی شکایت کرتی ہے کہ تمہارا ساتھی کل میرا بچہ اٹھا لایا ہے، میں نے دودھ نہیں پلایا ہے۔

حاضرین میں سے بعض کو یہ سُن کر تعجب ہوا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بچہ اٹھانے والے شخص کو بُلایا اور فرمایا کہ "ہرنی تمہاری شکایت کرتی ہے کہ تم اس کا بچہ اٹھالائے ہو اور ابھی اس نے دُودھ بھی نہیں پیا ہے۔ اب وہ مجھ سے بچے کی واپسی کی درخواست کرتی ہے۔ اگر تم چاہو تو وہ دُودھ پلا کر بچہ تمہیں واپس کردے گی۔" اُس شخص نے بچہ لاکر پیش کردیا۔ ہرنی بچے کو دُودھ پلانے لگی۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اُس آدمی سے فرمایا کہ "ہرنی کے بچے کو ماں سے جُدا نہ کرے بلکہ آزاد کردے۔" وہ شخص مان گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہرنی کو بچہ لے جانے کی اجازت مرحمت فرمادی، تو وہ چوکڑیاں بھرتی، شور مچاتی بچے سمیت جنگل کی طرف بھاگ گئی۔ حاضرین نے عرض کیا: "یا ابن رسُول اللہ (علیہ السلام) اب کیا کہہ رہی تھی؟" تو فرمایا: "تمہیں ان الفاظ میں دُعا دے رہی تھی،

جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْرًا۔ "اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔"

ایک مرتبہ استیلام حجر اسود کرتے ہوئے ایک مرد اور عورت کے ہاتھ حجر اسود سے چمٹ گئے۔ ہر چند اُن کو جدا کرنے کی کوشش کی گئی، مگر حجر اسود سے ہاتھ نہ چھُوٹ سکے، اتنے میں امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔ لوگوں نے احوالِ واقعی عرض کیا، تو آپ نے آگے بڑھ کر اپنا دستِ مبارک اُن کے ہاتھوں کو لگایا، تو وہ فوراً رہا ہوگئے۔

منہال بن عمرو کہتے ہیں کہ میں ایامِ حج میں حضرتِ امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا، تو آپ نے مجھ سے خزیمہ بن کاہل اسدی (قاتلان امام عالی مقام علیہ السلام میں سے ایک بدبخت یہ تھا) کے متعلق پوچھا، تو میں نے عرض کیا کہ وہ کوفہ میں موجود ہے۔ یہ سُن کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان مبارک سے یہ کلمات نکلے:

اَللّٰھُمَّ اَذِقْہُ حَرَّ الْحَدِیْدِ اَللّٰھُمَّ اَذِقْہُ حَرَّ النَّارِ

"اے اللہ تعالیٰ (اس بدبخت) پر لوہے کی حرارت بھڑکا دے، اے اللہ تعالیٰ اسے آگ کی گرمی سے جلادے"

منہال بن عمرو کہتے ہیں کہ میں کوفہ واپس گیا تو مختار بن عبید ثقفی خروج کر چکا تھا، چونکہ میں اُس کا دوست تھا، اس لئے میں اُسے ملنے کے لئے گیا تو وہ کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا، میں بھی اُس کے ساتھ ہولیا۔ پھر ہم ایک ایسی جگہ پہنچے، جہاں مختار نے کسی شخص کا انتظار کرنا تھا۔ پھر وہ شخص پیش کر دیا گیا، میں نے دیکھا کہ وہ خزیمہ بن کاہل اسد تھا۔ مختار ثقفی نے کہا: الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے قبضے میں دے دیا ہے۔ پھر مختار نے جلاد کو حکم دیا کہ خزیمہ کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دو، پھر اُس نے آگ جلانے کا حکم دیا اور خزیمہ کو آگ میں جلا دیا گیا۔ میرے مُنہ سے بے ساختہ سُبحان اللہ نکلا، تو مختار نے اس کا سبب دریافت کیا، تو میں نے اُسے حضرت سیدنا زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بددعا کا قصہ سُنا دیا۔ (شواہد النبوۃ)

حضرت سیدنا امام زین العابدین علی اوسط رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

رحلتِ مُبارکہ

رحلت مبارکہ کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ بعض نے ۱۸ محرم الحرام ۹۶ھ تحریر کی۔ شیخ طوسی نے ۲۵ محرم الحرام ۹۶ھ اور کلینی نے ۲۵ محرم الحرام ۹۵ھ تحریر کی ہے۔ اسی طرح کلینی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حوالہ سے عمر شریفہ ستاون برس تحریر کی۔ کشف الغمہ نے اٹھاون برس اور بعض نے انسٹھ تحریر کی۔ (جلاء العیون جلد دوم)

اَولادِ اطہار

عام کتب میں درج ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھ[۶] صاحبزادے تھے اور ان ہی سے آپ کی نسلِ مبارکہ چلی، جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

حضرت امام محمد باقر[۱]۔ عبداللہ الباہر[۲]۔ زید الشہید[۳]۔ عمر الاشرف[۴]۔ حسین الاصغر[۵]۔ علی الاصغر[۶]۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

لیکن "ریاض الانساب" نے دس نام مزید تحریر کئے ہیں — یعنی:-

حضرت مہدی - مادیؒ افطس حسنؒ - اسماعیلؒ - علیؒ افطس - جعفرؒ - طاہرؒ - عقیلؒ ابراہیمؒ - ناصرؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہزادیوں کی تعداد دو تھی، یعنی حضرت ام کلثوم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضرت سیدہ اُم کلثوم آپ کی شادی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت داؤد بن حسن مثنیٰؒ سے ہوئی۔ ان کے بطنِ اطہر سے حضرت سلیمان پیدا ہوئے۔ حضرت سلیمان کی نسل داؤد۔ اسحاق اور حسن سے جاری ہوئی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرت سیدہ خدیجہ آپ کی شادی حضرت محمد بن عمر بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہوئی۔ ان کے بطنِ اقدس سے حضرت عمر، حضرت عبداللہ، حضرت عبید اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پیدا ہوئے۔

شہزادگان کی اولاد (۱) حضرت امام محمد باقر کے تین صاحبزادے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق - حضرت ثابت المعروف اصغر اور حضرت زید عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

(۲) **حضرت عبداللہ الباہر** (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان کے ایک بیٹے تھے حضرت حسین اور دوسرے کا نام حضرت محمد تھا۔ محمد کے بیٹے کا نام اسماعیل تھا۔ ان کی نسل تہران، قم اور جرجان کے علاقہ میں پائی جاتی ہے۔

(۳) **حضرت عمر الاشرف** (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان کے صاحبزادے کا نام علی اصغر تھا، جن کے تین صاحبزادے تھے۔ حضرت قاسم، حضرت عمر الشجری، حضرت ابو محمد الحسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان ہی سے آگے نسل چلی۔

(۴) **حضرت حسین الاصغر** (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان کے چار صاحبزادے تھے۔ حضرت عبداللہ، حضرت عبید اللہ الاعرج، حضرت علیؒ

اور حضرت ابو محمد الحسن سُلیمان ، حضرت حُسین الاصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلتِ مبارکہ ۱۵۷ھ کو مدینہ طیبہ میں ہوئی ۔ جنت البقیع میں مزار مقدس ہے ۔ اِن کی اولاد عرب و عجم میں پائی جاتی ہے ۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

(۵) حضرت علی الاصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پانچ صاحبزادے تھے ، حضرت عمر^۱ ، حضرت علی^۲ حواری ، حضرت حسن^۳ ، حضرت حسین^۴ ، حضرت مکفوف^۵ عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان سے نسلِ مبارک جاری ہے ۔

(۶) حضرت زید الشہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے چار صاحبزادے تھے : حضرت یحییٰ^۱ ، حضرت حسین^۲ ذی الدمعہ ، حضرت عیسیٰ^۳ موتم الاشبال اور حضرت محمد^۴ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اِن کی نسلِ پاک بھی جاری و ساری ہے ۔

حضرت زید الشہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہشام بن عبد الملک کے عہدِ حکومت میں دعویٰ خلافت کیا ۔ بہت سے لوگوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی جن میں دیگر شہروں کے علاوہ صرف کوفہ کے پندرہ ہزار اشخاص نے بیعت کی ۔ ان کے مقابلہ میں یوسف ثقفی لشکر لے کر آیا تو حسبِ عادتِ دیرینہ اہلِ کوفہ اپنے امام کو چھوڑ کر بھاگ گئے حضرت زید الشہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غصہ میں آکر فرمایا ، رَفَضْتُمُونَا الْیَوْمَ ۔ اُسی دن سے رافضی کا لفظ بولا جانے لگا ۔ اِس جنگ میں آپ نے ۱۵ صفر ۱۲۱ھ میں جامِ شہادت نوش فرمایا ۔ حضرت یحییٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بعمر ۱۸ برس مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے ۔ حضرت حُسین ذی الدمعہ ۔۔۔ھ میں واصل بحق ہوئے ۔ آپ کی اولادِ کرام ساداتِ ترمذی کہلاتی ہے ۔

(رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرت امام سیدنا زین العابدینؓ بن حضرت امام حسین علیہما السلام کی اولاد کا شجرہ

حضرت علی اوسط زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

- حضرت امام محمد باقر
  - امام جعفر صادق
  - ثابت عرف الاصغر
  - زید
  - عبداللہ
- عبداللہ الباہر
  - حسین
  - محمد
- زید الشہید
  - حسین ذی دمعہ
    - علی
    - یحییٰ
      - عمر
      - قاسم
      - عیسیٰ
      - محمد اصغر
      - حسن
      - حمزہ
      - اگلے صفحہ پر دیکھیں
    - حسین
  - یحییٰ
    - لا ولد
  - عیسیٰ موتم الاشبال
    - احمد
    - زید
    - محمد
    - حسین
    - علی الاصغر
      - عمرُ
      - محسن
      - علی الحواری
      - حسین
      - مکفوف
  - محمد
    - اگلے صفحہ پر دیکھیں
- عمر الاشرف
  - قاسم
  - عمر الاشجری
  - ابو محمد ح
- حسین الاصغر
  - عبداللہ
  - عبیداللہ
  - علی
  - ابو محمد الح
- علی

گزشتہ صفحہ سے آگے

عمر بن یحییٰ

ابو منصور محمد
ابی عبداللہ حسین
ابوالحسن زید
داؤد
حمزہ
علی
محمد
حسین
یوسف
محمد
علی
یوسف
محمد (عرف گیسو دراز)

احمد محدث
حسن ظفر
علی زید
عبداللہ
ابو طاہر
محمد طاہر
عبداللہ
ابوبکر
عثمان
کمال الدین ترمذی

گزشتہ صفحہ سے آگے

محمد بن زید الشہید

زید
ابو جعفر
ابو عبداللہ

عبداللہ
عبدالواحد
محمد
بختیار
کامل
وجیہہ الدین
محمد آدم
مہدی
ہاشم

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امام محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو پانچویں امام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسمِ گرامی حضرت سیدہ فاطمہ بنت حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تھا۔ اس اعتبار سے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نجیب الطرفین ہیں۔

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت باسعادت بروز جمعۃ المبارک یا بروز سہ شنبہ تیسری ماہِ صفر المظفر ۵۷ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی (شواہد النبوۃ - جلاء العیون)

دوسری روایت کے مطابق آپ کی ولادت ماہِ رجب المرجب میں ہوئی۔ (جلاء العیون)

نام، کنیت اور لقب

آپ کا نام محمد، کنیت ابو جعفر اور القابات باقر، ہادی اور شاکر ہیں۔ باقر کی وجہ تسمیہ میں درج ہے کہ باقر کا لفظی معنیٰ پھاڑنا، چیرنا، شگافتہ ہیں اور آپ باقر العلوم یعنی حقائقِ علمیہ کو کھول کر بیان کر دینے والے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ "تم میرے اس فرزند کو پاؤ گے، جس کا لقب باقر ہے"۔ (جلاء العیون)

حضرت سیدنا امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا جبکہ آپ کی بصارت ختم ہو چکی تھی میں نے اُن کو سلام کیا تو اُنہوں نے جواب دے کر پوچھا کہ "تم کون ہو؟" میں نے بتایا کہ "میں محمد بن علی بن حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ہوں"، تو انہوں نے فرمایا "اے میرے بیٹے! میرے قریب آؤ، جب میں اُن کے قریب ہوا، تو انہوں نے میرے ہاتھوں کو دفرطِ عقیدت

ہے) چوم لیا، پھر پاؤں چومنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ (بطورِ احترام) میں نے احتراز کیا، تو انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے آپ کو سلام بھیجا ہے۔" میں نے جواباً کہا: "والسلام علی رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"! پھر میں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ "دربارِ نبوی میں) میرا ذکر کس طرح ہوا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا: "ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت فیضدرجت میں حاضر تھا کہ آپ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا: اے جابر! ہو سکتا ہے کہ تمہاری ملاقات میرے ایک فرزند سے ہو، اُس کا نام محمد بن علی بن حسین ہے اللہ تبارک وتعالیٰ میرے اس بیٹے کو انوارِ علم وحکمت سے نوازے گا۔ جب تم اسے ملو تو اُس کو میرا سلام کہنا۔" (شواہد النبوّۃ)

خود حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: "اے جابر! شاید تو حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے اُس بیٹے سے ملاقات کرنے کے لئے زندہ رہے کہ جس کا نام محمد ہے۔ وہ دین علوم دینیہ کی خوب خوب اشاعت وترویج کرے گا، جب تیری اُس سے ملاقات ہو اُسے میرا سلام کہنا"۔

بعض روایات میں اتنا زائد ہے کہ "اے جابر! اس ملاقات کے بعد تمہاری زندگی کے چند روز باقی ہوں گے"۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کے چند روز بعد ہی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ (شواہد النبوۃ)

کرامات

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت سی کرامات مشہور ہیں، جن میں سے چند ایک نقل کی جاتی ہیں:۔

قیص بن مطر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا

لہ سبحان اللہ تعالیٰ! حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا شاید فرما کر خبر دینا بھی کس قدر یقینی ہے۔ ۱۲ منہ

اور دل میں سوچا کہ نماز عشاء ادا کرنے کے لیے ان سے جگہ کے بارے میں پوچھوں۔ ابھی میں اپنے دل کی بات کو زبان پر نہ لایا تھا کہ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک حدیث بیان فرمادی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی کشادہ زمین پر کہ جہاں گھاس بکثرت ہو، نماز ادا فرمالیا کرتے تھے۔ (گویا میرے سوال کرنے سے پہلے ہی جواب دے دیا)

ایک اور راوی کا بیان ہے کہ میں حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہشام بن عبدالملک کے زیرِ تعمیر مکان کے قریب سے گزرا۔ اس وقت ہشام اپنے محل کا سنگ بنیاد رکھ رہا تھا۔ آپ نے اُسے دیکھ کر فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ گھر خراب و خستہ ہو جائے گا، اور لوگ اس کی مٹی تک اکھاڑ لے جائیں گے۔ یہ پتھر کہ جن سے اس محل کی بنیاد رکھی جارہی ہے، کھنڈرات میں بدل جائیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ مجھے آپ کی اس بات سے بڑا تعجب ہوا کہ کیا واقعی ہشام کا گھر تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ لیکن میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جب ہشام فوت ہوا تو ہشام کے بیٹے ولید بن ہشام نے اپنے باپ کے اس محل کو مسمار کروا کر ملبہ تک اُٹھوا دیا اور مکان کی بنیاد کے پتھر کھنڈرات کی صورت میں نظر آنے لگے۔

مروی ہے کہ ایک دن حضرت محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجدِ نبوی شریف میں بیٹھے ہوئے تھے۔ (ان دنوں حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ رحلت فرما چکے تھے) اچانک مسجد میں داؤد بن سلیمان اور منصور دوانقی حاضر ہوئے۔ داؤد بن سلیمان تو حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب آپہنچا، جبکہ منصور دوانقی دوسری جگہ مسجدِ نبوی شریفہ میں بیٹھ گیا۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اس کی طرف دیکھ کر داؤد سے فرمایا، منصور دوانقی میرے پاس کیوں نہیں آیا؟ داؤد نے اُس کی جانب سے معذرت پیش کی تو آپ نے فرمایا، عنقریب

منصور مخلوق پر حاکم بن جائے گا، مشرق و مغرب تک اس کی حکومت ہوگی۔ اس کی عمر بھی طویل ہوگی۔ اس کے پاس اس قدر خزانے جمع ہوں گے کہ قبل ازیں کسی نے اس قدر خزانے جمع نہ کئے ہوں گے۔ داؤد اٹھے اور سارا واقعہ منصور کو سنایا۔ منصور فوراً حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کیا کہ میں صرف آپ کے رُعب و جلال اور عزت و اکرام کی وجہ سے حاضرِ خدمت نہ ہوا، وگرنہ کوئی شے مانع نہ تھی۔ پھر پوچھا کہ "داؤد کیا کہتا ہے؟" فرمایا "سچ کہتا ہے، ایسے ہی ہوگا۔" منصور نے پوچھا کہ "کیا ہماری سلطنت آپ کی سلطنت سے پہلے ہوگی؟" آپ نے فرمایا "ہاں!" پھر اُس نے پوچھا "ہماری سلطنت زیادہ دیر چلے گی یا بنوامیہ کی۔؟" آپ نے فرمایا "تمہاری سلطنت زیادہ دیر چلے گی، لیکن بچوں کے ہاتھوں میں ہوگی، جس طرح بچے گیند سے کھیلتے ہیں، وہ اس سے یوں کھیلیں گے۔ بس مَیں نے اپنے والدِ گرامی سے یہی کچھ سُنا۔" چنانچہ جب منصور دوانقی خلیفہ سلطنت بنا تو اُسے حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باتوں پر بڑا تعجب ہوا کہ وہ حرف بحرف سچ ثابت ہوئیں۔

ایک ثقہ راوی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ مجھے بتایا گیا کہ حضرت کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہیں، تم ابھی انتظار کرو۔ میں باہر کھڑا ہوکر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ باہر آئے، جنہوں نے تنگ عبائیں پہن رکھی تھیں، ان کے ہاتھ اور پاؤں پر دستانے اور موزے چڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے السلام کہا اور چلے گئے۔ اس کے بعد میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ "یہ لوگ جو ابھی گئے ہیں، کون تھے؟ ان کو پہچان نہیں سکا۔" آپ نے فرمایا "یہ جنات تھے۔" میں نے پوچھا کہ کیا وہ بھی آپ کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا "ہاں! جس طرح تم حلال و حرام کے بارے میں سوالات پوچھتے ہو (یعنی علومِ دینیہ سیکھتے ہو)

وہ بھی پوچھنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔" (شواہد النبوۃ)

رحلتِ مبارکہ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ رحلت میں اختلاف ہے۔ مشہور ہے کہ رحلتِ مبارکہ ۱۱۴ھ میں ہوئی بعض نے ۱۱۷ھ اور بعض نے ۱۱۸ھ بھی تحریر کی ہے۔ کلینی نے بسندِ معتبر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت مبارکہ ۱۱۴ھ میں ہوئی۔ عمرِ مبارکہ ستاون برس کی تھی اور مدتِ امامت و خلافت انیس سال دو ماہ تھی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (جلاء العیون جلد ثانی)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرقدِ منور جنت البقیع شریف میں حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلوئے مقدس میں ہے۔

اولاد اطہار آپ علیہ السلام کے آٹھ صاحبزادے تھے۔ یعنی حضرت جعفر صادق۔ حضرت عبداللہ۔ حضرت قاسم۔ حضرت حش۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت ابو تراب۔ حضرت زید۔ حضرت ثابت۔ (رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) (ریاض الانساب ص ۷۳)

حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرقہ امامیہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھٹا امام تسلیم کرتا ہے۔ زہد و تقویٰ اور ورع میں اپنی مثال آپ تھے۔

ولادت باسعادت آپ کی ولادت باسعادت کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ جلاء العیون میں ہے بعض نے سن ولادت ۸۰ھ بعض نے ۸۶ھ بھی تحریر کی ہے لیکن مشہور ترین سترہ ماہِ ربیع الاول ۸۳ھ ہے۔ بعض نے ماہِ رجب المرجب ۸۳ھ لکھی ہے۔

نام ونسب

آپ کا اسمِ گرامی جعفر، کنیت ابو عبداللہ، جبکہ عند البعض ابو اسماعیل (لیکن مشہور کنیت ابو عبداللہ ہی ہے) جبکہ مشہور ترین لقب صادق ہے۔ آپ کے والدِ ذی وقار حضرت محمد بن علی بن حسین بن علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، جبکہ والدہ محترمہ کا نسب یوں ہے، حضرت امِ فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، جبکہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نانی حضرت امّ فروہ کی والدہ کا نام حضرت اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھا، آپ ہی کا قول ہے کہ مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبار جنم دیا، یعنی دو اعتبار سے نسبتِ مبارکہ ہے۔

حُلیہ مُبارکہ

آپ کا قد میانہ، مائل بہ بُلندی، نورانی چہرہ، گورا رنگ، بُلند اور خوبصورت بینی اور بال گھنگھریالے تھے۔

آپ کی شادی خانہ آبادی

ایک دن ابن عکاشہ آپ کے والد ماجد حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، جبکہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس محفل میں موجود تھے۔ ابن عکاشہ نے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ "ماشاء اللہ اب تو جعفر جوان ہو گئے ہیں، ان کی شادی ہونی چاہیے" آپ ان کی شادی کیوں نہیں کرتے؟ اس وقت حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک سربمہر تھیلی تھی کہ جس میں سونا تھا۔ آپ نے وہ تھیلی ابن عکاشہ کو عطا فرما دی اور حکم دیا کہ جاؤ ایک لونڈی خرید لاؤ۔ ابنِ عکاشہ کہتے ہیں کہ ہم بردہ فروش کے پاس گئے، تو اُس نے کہا کہ تمام کنیزیں اور غلام فروخت ہو چکے ہیں، ہاں البتہ دو لونڈیاں باقی ہیں لیکن اُن کی

قیمت زیادہ ہے۔ہم نے کہا کہ انہیں باہر لاؤ تاکہ ہم انہیں دیکھیں۔ وہ دونوں باہر آئیں، تو ہم نے اُن میں سے ایک کو پسند کرلیا، پھر بردہ فروش سے قیمت پوچھی، تو اُس نے کہا "ستر ہزار دینار" ہم نے کہا کہ "قیمت بہت زیادہ ہے۔کچھ کم کرلو" وہ بولا "ایک کوڑی بھی کم نہ ہوگی" ہم نے کہا، ہمارے پاس یہ تھیلی ہے' ہم نہیں جانتے کہ اس میں کس قدر رقم ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ تھیلی میں جو ہے تو لے لے اور لونڈی ہمیں دے دے" بردہ فروش کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا، جس کا سر اور داڑھی سفید تھی۔اُس نے کہا "تھیلی کھول کر تو دیکھو اس میں کیا ہے؟" بردہ فروش نے کہا "تھیلی مت کھولو، یاد رکھو اگر ستر ہزار سے ایک کوڑی بھی کم ہوئی، تو لونڈی نہیں بیچوں گا" سفید ریش بزرگ نے کہا "مگر تھیلی کھول کر دیکھ لینے میں حرج بھی کیا ہے" چنانچہ جب تھیلی کھول گئی تو اُس میں سے سونے کے ٹکڑے نکلے اور جب اُن کا وزن کیا گیا تو اُن کی مالیت پورے ستر ہزار دینار کے برابر تھی نہ تو ایک کوڑی بھی کم اور نہ ہی زیادہ۔ چنانچہ ہم اُس لونڈی کو خرید کر حضرت محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہو گئے۔اس وقت حضرت امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہیں موجود تھے۔ہم نے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام ماجرا کہہ سنایا۔آپ کی زبان مبارک پر فوراً "الحمد للہ" کے الفاظ آئے۔پھر لونڈی سے اُس کا نام پوچھا تو اُس نے کہا میرا نام "حمیدہ" ہے۔آپ نے فرمایا "تو دنیا و آخرت میں حمیدہ و محمودہ ہے"۔ پھر آپ نے پوچھا: "تم باکرہ ہو یا غیر باکرہ" اُس نے کہا "کہ میں باکرہ ہوں"۔ آپ نے فرمایا "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی خوبصورت لونڈی بردہ فروشوں کے ہاتھوں محفوظ رہ سکے" حمیدہ نے کہا "جب فروش بُرائی کی نیت سے میرے قریب آتے، ایک سفید ریش بزرگ آگے بڑھ کر اُس کے منہ پر طمانچہ مارتے اور اُسے مجھ سے دُور کر دیتے۔ایسا کئی مرتبہ ہوا" یہ سُن کر حضرت محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لونڈی کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی مِلک میں دے دیا اور پھر اس پاکباز خاتون کے شکمِ اقدس سے بہترین شخصیت حضرت سیدنا موسیٰ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

کرامات

ربِ کریم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عزت و عظمت کے بُلند ترین مقام پر فائز فرمایا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک کرامت کسی محیّر العقول شے کا کسی سے صادر ہو جانا نہیں ہے، کیونکہ خرقِ عادت شے تو کبھی کافر سے بھی ظاہر ہو جاتی ہے جسے استدراج کہتے ہیں جس طرح کہ حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے آنے والے جادوگروں نے لوگوں کی نظر میں لکڑیوں اور رسیوں کو سانپوں کی شکل میں بنا دیا تھا۔ آپ کے نزدیک حقیقی کرامت اللہ تعالیٰ کے احکامات پر استقامت اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ مطہرہ کی مکمل پابندی کا نام ہے۔

منقول ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کچھ عرصہ تک حاضرِ خدمت رہا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطورِ مروّت اُس سے دریافت نہ فرمایا کہ تم یہاں کیوں رہتے ہو؟ جب وہ واپس جانے لگا، تو آپ نے اُس سے دریافت فرمایا کہ "اگر تم مناسب سمجھو تو کیا بتا سکتے ہو کہ تم کس مقصد کے لئے آئے تھے"؟ اُس نے کہا کہ "اگر سچ کہوں تو آپ کی دل شکنی ہوگی۔ آپ نے حقِ میزبانی خوب ادا فرمایا ہے، اس لئے دل نہیں چاہتا کہ آپ کی دل شکنی ہو۔ اگر جھوٹ بولوں تو گنہ گار ہوتا ہوں۔" آپ نے ارشاد فرمایا: "تم سچ بولو اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے سچ بولو، سچ سُن کر ہم بہت خوش ہوتے ہیں۔" اُس نے عرض کیا کہ میں نے سُنا تھا کہ آپ بہت بڑے صاحبِ کرامت ہیں مگر میں ایک عرصہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ میں نے آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی۔" یہ سُن کر آپ مسکرا دیئے اور فرمانے لگے "بھائی! مجھے بتاؤ اس تمام عرصہ میں تم نے میرا کوئی بھی عمل (یعنی کھانا، پینا، سونا، جاگنا، اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا وغیرہم)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ کے خلاف دیکھا ہے؟" اُس نے عرض کیا کہ "ہرگز نہیں۔ میں نے آپ کا ہر عمل عین سنتِ نبوی کے مطابق پایا۔" آپ نے فرمایا: "پھر اس سے بڑھ کر کرامت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق ارزانی عطا فرما دے۔" (شنید و خواند)

لیکن اِس جگہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خرقِ عادات کرامات کا ظہور نہیں ہوا، بلکہ حق یہ ہے کہ کتبِ سیرت میں آپ کی بہت سی خرقِ عادات کرامات کا تذکرہ جابجا موجود ہے۔ چند ایک بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں:

(۱) جاہ پرست لوگ ہمیشہ اہلِ حق کے دشمن ہوا کرتے ہیں۔ ایسے ہی ایک خود غرض اور ناعاقبت اندیش شخص نے خلیفہ منصور عباسی کے پاس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت سی ناحق شکایات لگائیں اور اسے اس قدر بھڑکایا کہ منصور عباسی آپ کو شہید کرنے کے درپے ہو گیا۔ چنانچہ اُس نے ربیع کو حکم دیا کہ حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) کو دربارِ شاہی میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ آپ تشریف لائے تو منصور نے کہا "کیا آپ میرے ملک میں فتنہ پھیلانا چاہتے ہیں؟" آپ نے جواباً فرمایا: "اگر میں فتنہ و فساد کا ارادہ کروں، تو اللہ تعالیٰ مجھے ہلاک کرے۔ میں نہ تو فتنہ انگیزی چاہتا ہوں نہ ہی خوں ریزی۔ نہ میں نے کبھی خلافت کی خواہش کا اظہار کیا ہے، اور نہ ہی کبھی عملی طور پر کچھ کیا ہے۔ آپ کو میرے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے، وہ غلط ہے، دروغ گوئی ہے۔ خلیفہ آپ کی گفتگو سے متاثر ہو کر بولا: آپ سچ کہتے ہیں، آپ میرے پاس تشریف لے آیئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تختِ شاہی پر منصور کے پہلو میں جا بیٹھے۔ خلیفہ نے بتایا کہ آپ کے خلاف فلاں شخص نے باتیں کی ہیں۔ پھر خلیفہ نے اس شخص کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا اور اس سے پوچھا کہ "جو باتیں تم نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کی ہیں، اُن کی حقیقت کیا ہے؟"

اُس نے کہا: "سب کچھ سچ ہے۔" خلیفہ نے پوچھا: "کیا تم قسم اٹھا سکتے ہو؟" اُس نے کہا: "ہاں!" پھر یُوں قسم اُٹھانا شروع کی: باللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ۔ (قسم ہے اُس کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ہر قسم کے ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "اے خلیفہ! میں اسے قسم دیتا ہوں۔" خلیفہ نے کہا: "ہاں! آپ اسے قسم دیں۔" آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ یُوں کہو: بریت من حول اللہ و قوتہ والنجاۃ الیٰ حولی و قوتی لقد فعل کذا وکذا جعفر وقال کذا وکذا جعفر (میں تیری اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے اور نجات سے اپنی قوت اور حفاظت کی طرف، بے شک جعفر نے ایسے ایسے کیا ہے اور جعفر نے ایسے ایسے کہا ہے۔)

وہ شخص اس طرح قسم اُٹھانے سے احتراز کرنے لگا، لیکن مجبور کرنے پر آخر کار اسی طرح قسم اُٹھالی۔ قسم اُٹھاتے ہی وہ زمین پر گر پڑا اور حاضرین کے سامنے تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو گیا۔ خلیفہ منصور نے حکم دیا کہ اس ملعون کو گھسیٹ کر باہر لے جاؤ۔

ربیع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ منصور آپ پر سخت ناراض تھا، لیکن جب آپ اس کے پاس تشریف لائے تو آپ نے زیرِ لب کچھ پڑھا، جس سے اس کا سارا غصہ جاتا رہا۔ آپ نے کیا پڑھا تھا؟ تو آپ نے فرمایا: میں نے اپنے جدِ امجد حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلقین کردہ یہ دُعا پڑھی تھی:

يَا عِدَّتِي عِنْدَ شِدَّتِي وَيَا غَوْثِي عِنْدَ كُرْبَتِي احْرُسْنِي بِعَيْنِكَ الَّتِي لَا تَنَامُ وَاكْنُفْنِي بِرُكْنِكَ الَّذِي لَا يُرَامُ۔

ربیع کہتے ہیں کہ میں نے یہ دُعا یاد کرلی اور جب بھی کوئی مشکل آئی تو میں نے یہ دُعا پڑھ لی، تو وہ مشکل آسان ہو گئی۔

ربیع کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے اُس شخص کو قسم پوری کرنے سے قبل دُوسری قسم کیوں دی ؟" تو آپ نے ارشاد فرمایا: "جب بندہ یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرتا ہے تو اسے حلم کی دولت عطا ہوتی ہے اور وہ اپنی سزا سے مطلع ہوجاتا ہے۔ چنانچہ میں نے اسے وہ قسم دی جسے تم نے سُنا، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُس کا بہت جلد مواخذہ فرمالیا۔ (شواہد النبوۃ جلاء العیون)

(۲) ایسے ہی ایک اور موقع پر خلیفہ منصور عباسی نے لوگوں کے بہکاوے میں آکر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا اور جلادوں کو حکم دیا کہ "میں نے امام جعفر بن محمد (علیہما السلام) کو اپنے دربار میں بُلایا ہے۔ جب وہ دربار میں آئیں اور میں اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھوں (یا اپنا تاج اتاروں) تو تم فوراً اُن کو شہید کر دینا۔" لیکن جب آپ تشریف لائے، تو منصور سخت ہیبت زدہ ہوگیا، وہ لرزہ براندام برہنہ پا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استقبال کے لئے آگے بڑھا اور بڑے اِحترام و اکرام کے ساتھ آپ کو تختِ شاہی پر بٹھایا اور خود بڑے ادب و احترام سے دو زانو ہو کر سامنے بیٹھ گیا۔ اور کہا کہ "اے ابنِ رسُول اللہ اگر کوئی ضرورت ہو تو ارشاد فرمائیں۔" آپ نے فرمایا کہ "مجھے اِس کے سوا کِسی چیز کی ضرورت نہیں کہ آپ مجھے دربار میں نہ بُلایا کریں، جب میرا جی چاہے گا خود آجایا کروں گا۔" پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھے اور واپس تشریف لے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد منصور اپنی خواب گاہ میں داخل ہوا اور رات گئے تک سوتا رہا، یہاں تک کہ اُس کی نماز بھی قضا ہوگئی، پھر وہ اٹھا اور نماز ادا کی۔ اُس کے مصاحبوں نے اُس سے اُس کی اِس حالت کے بارے میں دریافت کیا، تو اُس نے بتایا کہ "جب حضرت امام جعفر صادق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ ان کے ساتھ بہت بڑا اور اتنا زبردست اژدہا تھا کہ جو میرے پورے

محل کو اپنے جبڑوں میں دبا سکتا تھا، وہ اپنی زبانِ حال سے مجھے یوں کہتا ہوا محسوس ہوتا تھا کہ "اگر تو نے ذرا سی بھی گستاخی کی تو تجھے محل سمیت نگل جاؤں گا"۔ میں اس کی قہر آلود نظروں کی تاب نہ لا سکا اور مجھ پر دہشت طاری ہو گئی۔ میں نے فوراً حضرت امام جعفر صادق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے معافی مانگی۔"

(تذکرۃ الاولیاء۔ شواہد النبوۃ۔ جلاءُ العیون)

(۳) ایک ثقہ راوی کا بیان ہے کہ خلیفہ منصور نے میرے ایک دوست کو قید کر دیا۔ یومِ عرفہ میری ملاقات حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی آپ نے مجھ سے میرے دوست کے بارے میں پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ "حضور! وہ بے چارہ قید میں ہے۔" یہ سن کر آپ نے اپنے ہاتھ مبارک دعا کے لئے اٹھائے پھر ایک ساعت بعد فرمایا: "خدا کی قسم (میری دعا کی برکت سے) تمہارے دوست کو بری کر دیا گیا ہے۔" راوی کہتا ہے کہ جب میں حج سے واپس پلٹا تو میرا وہ دوست مجھے ملنے کے لئے آیا۔ میں نے پوچھا "تم کب سے رہا ہوئے ہو" اس نے بتایا کہ "مجھے یومِ عرفہ عصر کے وقت رہائی ملی۔" (شواہد النبوۃ)

(۴) ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیش بہا قیمتی لباس زیب تن کئے تشریف فرما تھے۔ کسی شخص نے بطورِ اعتراض کہا کہ ایسا قیمتی لباس آپ اہل بیت کے لئے مناسب نہیں، تو آپ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آستین پر پھیرا تو اسے آپ کا لباس ٹاٹ سے بھی کھردرا محسوس ہوا۔ اُس نے حیران ہو کر آپ کی طرف دیکھا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ هٰذَا لِلْخَلْقِ وَهٰذَا لِلْحَقِّ۔ یعنی "یہ (پہلا نظر آنے والا) مخلوق کیلئے ہے اور یہ (دوسرا کھردرا) حق کیلئے ہے۔" (تذکرۃ الاولیاء)

دانشمندی کی تعریف ایک مرتبہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"بتائیے! دانشمند کسے کہتے ہیں؟" امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرض کیا کہ "جو اپنی بھلائی اور برائی میں امتیاز کر سکے۔" حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "یہ امتیاز تو جانور بھی کر لیتے ہیں، کیونکہ جو اُن کی خدمت کرتا ہے، اسے ایذا نہیں پہنچاتے، لیکن جو تکلیف دیتا ہے، وہ اسے کاٹ کھاتے ہیں۔" امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرض کیا کہ پھر آپ ہی فرمائیے کہ "دانشمند کون ہے؟" فرمایا: "جو دو بھلائیوں میں سے بہتر بھلائی کو اختیار کرے اور اگر دو برائیوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنا ناگزیر ہو تو نسبتاً کم برائی کو اختیار کرے۔" (تذکرۃ الاولیاء)

رحلت مبارکہ جلاء العیون میں ہے کہ "اس میں اختلاف نہیں کہ وفات آنحضرت ۱۴۸ھ میں واقع ہوئی۔ مشہور یہ ہے کہ ماہِ شوال میں آپ نے وفات پائی۔ بعض نے بروز پیر ۱۵ ماہِ رجب المرجب ۱۴۸ھ تحریر کیا۔ اکثر نے عمر مبارکہ پینسٹھ سال تحریر کی، جبکہ بعض اڑسٹھ ۶۸ سال تحریر کرتے ہیں، "کشف الغمہ" میں اکہتر ۷۱ سال کی روایت ہے۔ (جلاء العیون جلد ۲)

جلاء العیون میں مزید لکھا ہے کہ خلیفہ وقت کے ایماء پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر آلود انگور کھلائے گئے جو کہ آپ کی شہادت کا سبب بنے (واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم)

تجہیز و تکفین و تدفین کلینی نے حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی کہ آپ نے فرمایا: "میں نے والد بزرگوار حضرت امام جعفر صادق کو دو جامۂ سفید مصری میں کہ جن میں حضرت نے احرام حج باندھا تھا۔ ایک در پیراہن کہ جسے آپ عموماً پہنے رہتے تھے، اور ایک وہ عمامہ شریف کہ جو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے آپ تک پہنچا تھا۔ علاوہ ازیں ایک بردِ یمانی کہ جسے چالیس دینار میں خرید ا تھا اور اس کی آج کل قیمت چار سو دینار رہے (ان کپڑوں میں) کفن دیا گیا اور انہیں ان کے والد بزرگوار کے پہلو میں جنت البقیع شریف کے اندر دفن کر دیا گیا۔ (مذکورہ)

اولاد اطہار حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
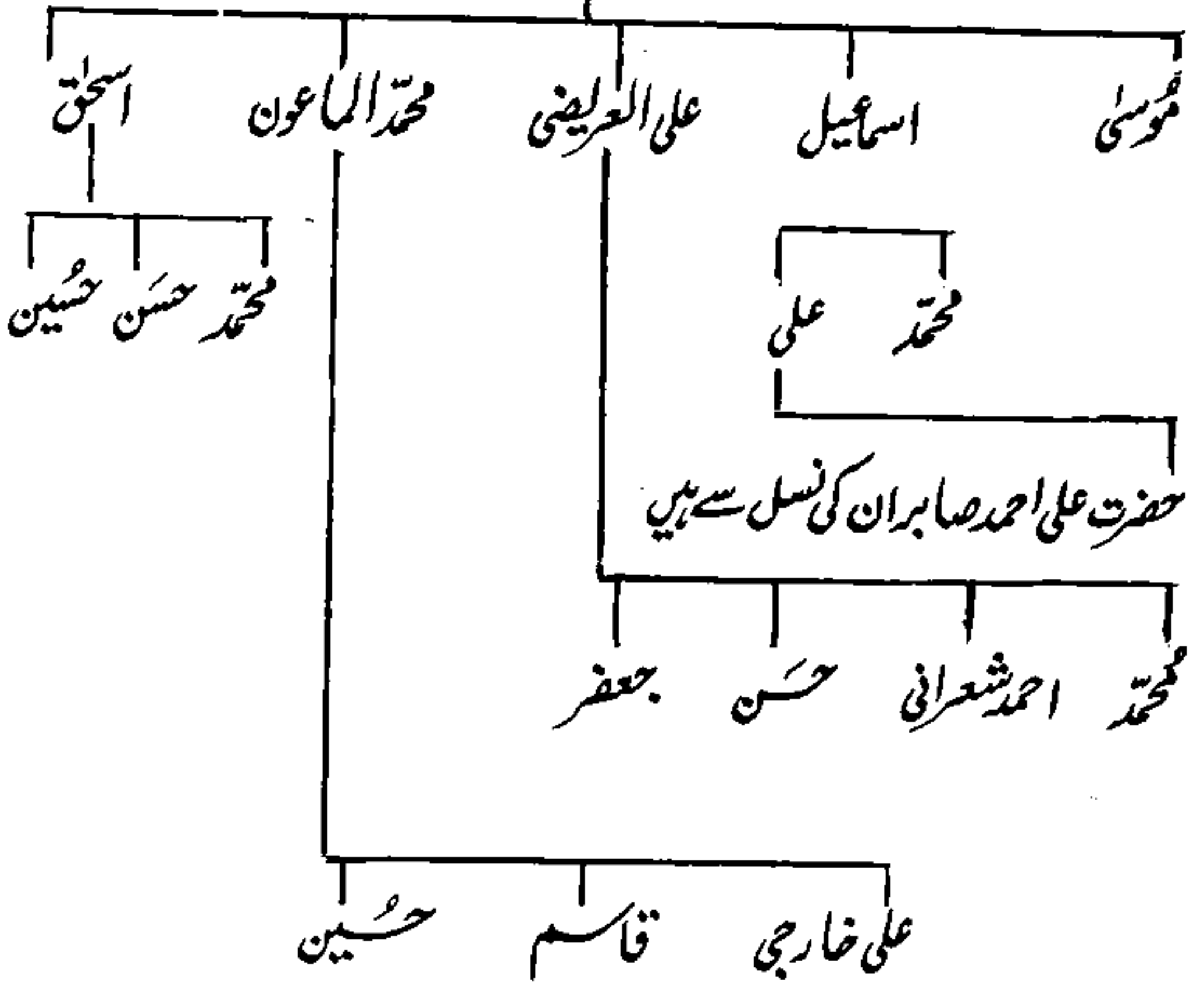
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ حَبِیْبِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا۔

حضرت امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت امام موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زُہد و تقویٰ اور حِلم و بُردباری میں اپنی مثال آپ تھے۔ اثنا عشری آپ کو امامِ ہفتم مانتے ہیں۔

وِلادت باسَعادت

ابوبصیر سے مروی ہے کہ جس سال حضرت سیدنا موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ متولد ہوئے۔ اس سال میں حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حج پر روانہ ہوا۔ جب ہم منزل ابواء[1] پر پہنچے، تو حضرت امام جعفر علیہ السلام نے دوپہر کا کھانا طلب فرمایا۔ اسی دَوران حرمِ محترم کے خیمہ سے حضرت حمیدہ (امِ موسیٰ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پیغام ملا کہ آثارِ ولادتِ شریفہ ظاہر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد حضرت امام جعفر صادق نے حضرت امام موسیٰ کاظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی ولادت باسعادت کی ہمیں خوشخبری سُنائی۔ (خلاصہ روایات جلاء العیون)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت مؤرخہ نو ۹ یا دس ۱۰ صفر المظفر سنہ ۱۲۸ھ بروز اتوار کو ہوئی۔ (شواہد النبوۃ)

کُنیّت، اسمِ گرامی اور لقب

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کُنیّت ابوالحسن، ابوابراہیم، اسمِ گرامی موسیٰ اور لقبِ مُبارک کاظم تھا۔

حق یہ ہے کہ لقب کاظم کے بہترین مصداق بھی آپ ہی تھے کہ آپ نے باوجود مستجاب الدعوات ہونے کے اپنے بدترین دشمنوں سے بھی کمال درجہ حِلم و بُردباری اور عفو و درگزر سے کام لیا۔

---

[1] ابواء، مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جاتے ہوئے راستہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزارِ مقدس اسی جگہ تھا۔

والدۂ ماجدہ آپ کی والدۂ محترمہ اُمِّ ولد (لونڈی) تھیں۔ اِن کا اسمِ گرامی حضرت حمیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ (اِن کا واقعہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیان میں گزر چکا ہے)

شرف و کرامات حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے کے بہت بڑے فقیہہ، کریم اور سخی تھے۔ کتبِ سیرت میں آپ کی طرف بہت سی کرامات منسوب ہیں جن میں سے چند ایک نذرِ قارئین کرام ہیں:

(۱) حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں دورانِ سفرِ حج سرزمینِ قادسیہ کی جانب جانکلا۔ میں نے ایک نہایت خوبصورت، بلند قامت نوجوان کو دیکھا۔ اُس نے پشمینہ کا لباس زیبِ تن کر رکھا تھا۔ سر پر عمامہ اور کندھے پر شملہ تھا، وہ اہلِ قافلہ کے قریب سے گزرا اور تنہا ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ میں نے سوچا کہ یہ نوجوان شاید کوئی درویش ہے اور چاہتا ہے کہ اس سفر میں وہ دوسرے مسلمانوں کے لئے بوجھ بن جائے (کیونکہ اُس کے اپنے پاس کوئی زادِ راہ نہیں) میں نے ضروری سمجھا کہ اسے سرزنش کروں تاکہ وہ اس کام سے باز آجائے۔ اس مقصد کے لئے جوں ہی میں اُس کے قریب پہنچا تو اُس نے کہا: "اے شفیق!

اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔

"زیادہ گمان (یعنی بدگمانی) سے پرہیز کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ یہ عجیب بات ہوئی، یہ نوجوان نہ صرف میرا نام جانتا ہے، بلکہ جو بات میرے دل میں تھی، اُس کا جواب بھی قرآن کریم کی آیۂ مبارکہ سے دے دیا۔ یقیناً یہ کوئی مردِ باخدا ہے۔ مجھے اس سے معافی مانگنی چاہیے۔ چنانچہ میں نے ہر چند اُن کو تلاش کیا، مگر کہیں نہ پا سکا۔ جب قافلہ اگلی منزل پر پہنچا، تو میں نے اُسی نوجوان کو مشغولِ نماز دیکھا۔ اس کے جسم پر لرزہ طاری تھا

اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، میں نے پھر چاہا کہ اس سے معافی مانگو۔ چند لمحے رکنے کے بعد میں اس کی طرف بڑھا، تو اُس نے کہا "اے شفیق! قرآن کریم کی یہ آیہ مبارکہ پڑھو: وَاِنِّیۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهۡتَدٰى

"اور میں تو ہر اُس شخص کو بخشنے والا ہوں، جس نے بھی توبہ کی، ایمان لایا، نیک اعمال کئے اور ہدایت پائی" یہ کہا اور مجھے چھوڑ کر چل دیا۔ میں نے سمجھا کہ یہ نوجوان ابدالوں میں ہے جس نے دوبارہ میرے دل کی بات جان لی۔

پھر میں نے اُسے ایک کنوئیں پر کھڑا دیکھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک چرمی ڈول تھا۔ اُس نے پانی نکالنا چاہا تو ڈول اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کنوئیں میں جا گرا۔ اُس نے آسمان کی طرف چہرہ کر کے کہا: اَنۡتَ رَبِّیۡ اِذَا ظَمِئۡتُ اِلَى الْمَاءِ وَ قُوَّتِیۡ اِذَا اَرَدۡتُ الطَّعَامَ اَللّٰهُمَّ سَیِّدِیۡ اِلٰى غَیۡرِهَا فَلَا تَفۡقِدۡنِیۡمَا ۔" مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے کنوئیں کے پانی کو اُوپر آتے دیکھا اس نوجوان نے سطح آب سے ڈول اٹھا لیا اور وضو کر کے چار رکعت ادا کی، پھر وہ ریت کے ایک ٹیلے کی جانب چل دیا، اور مٹھی بھر ریت پانی کے ڈول میں ڈالی، اُسے خوب ہلایا اور پی گیا۔ یہ دیکھ کر میں نے اُس کے پاس گیا اور سلام مسنونہ کہا اُس نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے اُس نوجوان سے کہا کہ "میں تیرا پس خوردہ (پینے کے بعد بچا ہوا) پانی پینا چاہتا ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم درجہ عطا فرما رکھا ہے۔" اس نے کہا "اے شفیق! ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ظاہر و باطن کی نعمتیں مجھے ملتی رہتی ہیں، اِس لئے تو بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں نیک گمان رکھ، پھر اُس نے وہ ڈول مجھے دے دیا۔ جب میں نے پانی پیا، تو وہ ستو اور شکر تھے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے آج تک ایسی لذیذ اور شیریں شے کوئی نہیں پی۔ میں نے خوب سیر و سیراب ہو کر پیا یہاں تک کہ کئی دن تک مجھے کھانے پینے کی حاجت نہ رہی، اس کے بعد وہ نوجوان مجھے نظر نہ آیا۔

جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو میں نے اُس نوجوان کو نمازِ تہجد پڑھتے ہوتے دیکھا، وہ نہایت ہی خشوع و خضوع سے نماز پڑھ رہا تھا، اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ بارگاہِ ربّ العزت میں عجز و نیاز کا یہ سلسلہ ساری رات جاری رہا۔ نمازِ فجر کے بعد اُس نے طوافِ کعبہ کیا، پھر مسجدِ حرام سے باہر نکل گیا، مَیں بھی اُس کے پیچھے گیا تاکہ معلوم کرسکوں کہ یہ نابغہء روزگار ہستی کون ہے۔؟ میں نے دیکھا کہ اُن کے بہت سے غلاموں اور خادموں نے اُن کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا اور السلام علیک یا ابنِ رسُول اللہ کہہ کر اُن سے مل رہے تھے۔ میں نے کسی سے اُن کا تعارف چاہا تو پتہ چلا کہ یہ حضرت امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا کہ "اس پاک سیرت سید سے ایسی ہی باتوں کا صدور ہونا چاہیے، ان کے اِس اعلیٰ کردار پر کچھ تعجب نہیں، کیونکہ یہ انہی کا حصّہ ہے۔" (شواہد النبوۃ)

(۲) ہارون رشید نے اپنے مصاحبِ خاص علی بن یقطین کو خوش ہو کر نہایت عمدہ خلعت عطا کی۔ اس میں بہت ہی نفیس قسم کے کپڑے کی بنی ہوئی ایک گدڑی شامل تھی۔ چونکہ علی بن یقطین کے دل میں حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمال درجہ محبت تھی، اس لئے انہوں نے یہ کپڑے بمعہ گدڑی اور بہت سی دوسری چیزوں کے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمتِ اقدس میں بطورِ نذرانہ پیش کر دیں۔ حضرت امام عالی مقام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باقی تو سب چیزیں قبول فرمالیں، لیکن وہ گدڑی یہ کہہ کر واپس لوٹا دی کہ اس کو نہایت احتیاط سے سنبھال کر رکھنا بوقتِ مشکل یہ تمہارے کام آئے گی۔ اِس واقعہ کے چند روز بعد علی بن یقطین اپنے کسی غلام پر سخت ناراض ہوا اور چاہا کہ اُسے سزا دے تو وہ بھاگ کر ہارُون الرشید کے پاس چلا گیا اور اپنے آقا علی بن یقطین کے غضب سے بچنے کے لئے ہارون رشید کے پاس اُس کی شکایت کر دی اور کہا کہ میرے آقا نے آپ کی بجائے امام موسیٰ کاظم کو اپنا

آقا تسلیم کرلیا ہے اور اُس نے بہت سا مال و اسباب اُن کی خدمت میں بھیجا ہے۔ حتیٰ کہ آپ نے جو ازراہِ اعزاز و اکرام اسے ایک گدڑی عطا فرمائی تھی، وہ بھی اُن کو دے دی ہے۔ ہارون رشید نے یہ سُنا تو آگ بگولا ہو گیا، اُس نے فوراً ایک ملازم بھیج کر علی بن یقطین کو اپنے دربار میں طلب کرلیا اور پوچھا کہ جو گدڑی میں نے تجھے ازراہِ اعزاز و اکرام پہنائی تھی، وہ کہاں ہے ؟ علی بن یقطین نے کہا کہ "وہ میرے پاس ہے"۔ ہارون رشید نے کہا کہ اُسے ابھی میرے سامنے پیش کرو۔ علی بن یقطین نے اپنے ایک غلام کو بُلایا اور کہا کہ میرے گھر کے فلاں کمرے میں اس قسم کا ایک نفیس صندوق رکھا ہوا ہے، اُس کی چابی فلاں کنیز کے پاس ہے، اُس سے چابی لے کر صندوق کو کھولو، اس کے اندر ایک سر بمہر برتن ہے، اسے لے آؤ۔ چنانچہ غلام گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد مطلوبہ برتن لے آیا۔ ہارون رشید کے حکم سے برتن سے مہر کو توڑ کر ڈھکنا اُٹھایا گیا تو اس سے وہی گدڑی نکلی جو کہ عطا کی گئی تھی جسے خوب عطر و گلاب میں بسا کر بڑی عزت کے ساتھ رکھا گیا تھا۔ ہارون رشید نے اسے دیکھا تو اسے علی بن یقطین پر تسلی ہوئی اور اُس کا غصہ بھی جاتا رہا، اُس نے خوش ہو کر علی بن یقطین کو گدڑی واپس لوٹادی اور کہا "جاؤ سدا خوش و خرم رہو، آئندہ میں کبھی تمہارے بارے میں کسی کے کہنے میں نہیں آؤں گا"

(۳۰) ایک راوی کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ طیبہ حاضری کا پروگرام بنایا تو میرے ایک دوست نے مجھے کچھ رقم دے کر کہا کہ یہ سو دینار ہیں، جب تو مدینہ طیبہ جائے تو اُنہیں حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمتِ اقدس میں میری طرف سے ہدیہ پیش کر دینا، جبکہ کچھ رقم میرے پاس تھی اور میں بھی اسے حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جب میں مدینہ منورہ پہنچا تو غسل کیا اور خوشبو وغیرہ لگا کر حاضری کا ارادہ کیا۔ احتیاطاً دو دوست

کی دی ہوئی رقم گنی تو وہ ننانوے ۹۹ دینار تھے، میں نے دوبارہ گنا تو تعداد ننانوے ۹۹ ہی تھی چنانچہ ایک دینار میں نے شامل کر دیا تاکہ سو کی تعداد پوری ہو جائے کہ شاید راستے میں کہیں کھو گیا ہوگا۔ پھر میں حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی طرف سے ہدیہ پیش کرکے عرض کیا کہ "میرے ماں آپ پر قربان ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے یہ ہدیہ پیش خدمت ہے، قبول فرمائیں"۔ آپ نے کمال شفقت سے ہدیہ قبول فرمالیا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ "حضور آپ کے ایک اور غلام نے بھی نذرانہ بھیجا ہے، اجازت ہو تو پیش کروں؟" فرمایا: "لے آؤ"۔ اِس پر میں نے وہ تھیلی پیش کر دی۔ فرمایا: "اسے زمین پر رکھ دو"۔ میں نے دیناروں کی تھیلی زمین پر رکھ دی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا دستِ مبارک تھیلی پر رکھا، تو میرا دینار دوسروں دیناروں سے الگ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: "اُٹھالو یہ تمہارا ہے۔ اُس شخص نے تول کر بھیجے تھے گن کر نہیں اور ہمیں وزن پر اعتبار ہے عدد پر نہیں"۔ (شواہد النبوۃ)

(۴) حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عباسی خلیفہ مہدی بن منصور کے حکم پر بغداد لاکر قید کر دیا گیا، تو ایک شب مہدی بن منصور نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو خواب میں دیکھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا۔

"تمہارے کیا لچھن ہیں کہ اگر تمہیں زمین پر حکومت مل جائے تو تم فساد پھیلاؤ اور قطع رحمی کرو"۔ مہدی نے یہ خواب دیکھا تو گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ ربیع فرماتے ہیں کہ ابھی رات کا کچھ حصہ باقی ہی تھا کہ اُس نے اُسی وقت مجھے بُلایا، میں گیا تو وہ مذکورہ آیۂ مبارکہ بڑی خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کر رہا تھا۔ مہدی بن منصور نے مجھے حکم دیا کہ ابھی جاؤ اور موسیٰ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قید خانہ سے نکال کر میرے پاس لے آؤ، میں نے تعمیلِ حکم کی اور آپ کو لے آیا۔ مہدی بن منصور نے آپ کو گلے لگالیا پھر اپنے

پاس بٹھا کر اپنا خواب سُنایا اور کہا کہ "کیا ایسے نہیں ہو سکتا کہ آپ میرے اور میری اولاد کے خلاف علمِ بغاوت بُلند نہ کریں"۔ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی قسم! نہ تو میرا یہ ارادہ ہے اور نہ ہی یہ بات مجھے زیب دیتی ہے کہ میں ایسا کروں"۔ مہدی نے کہا کہ "آپ نے بالکل درست فرمایا ہے۔" پھر اُس نے مجھے (ربیع کو) حکم دیا کہ ان کی خدمت میں ابھی دس ہزار دینار پیش کرو اور سامانِ سفر بھی تیار کر دو تاکہ آپ واپس مدینہ طیبہ روانہ ہو جائیں۔ میں نے راتوں رات تمام بندوبست کر دیا اور آپ کو الوداع کہنے کے لئے دُور تک ساتھ گیا تاکہ کوئی بدبخت آپ کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ چنانچہ آپ (بحمد اللہ تعالیٰ) بخیر و عافیت مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ (مذکورہ)

رحلتِ مُبارکہ عباسی خلیفہ نے آپ کو دُوسری مرتبہ مدینہ منورہ سے بغداد طلب کیا اور قید کر دیا، کیونکہ بعض بدخواہوں نے خلیفہ کے کان حضرت امام علیہ السلام کے خلاف خوب خوب بھرے تھے۔ چنانچہ آپ بروز جمعۃ المبارک مورخہ ۲۵ رجب المرجب ۱۸۶ھ کو خلیفہ عباسی ہارون الرشید کی قید میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزارِ پُرانوار بغداد شریف میں ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ ہارون رشید کے حکم سے یحییٰ بن خالد برمکی نے آپ کو کھجوروں میں زہر ملا کر کھلا دی تھی اور اسی کے صدمے سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

مرقوم ہے کہ جب آپ کو زہر دیا گیا، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا، آج مجھے زہر دے دیا گیا ہے، اس سے میرا سارا بدن زرد ہو جائے گا، پھر اس کے اثر سے نصف بدن سُرخ ہو جائے گا، اور جب اس کا شدید اثر ظاہر ہو گا، تو بدن سیاہی مائل (نیلگوں) ہو جائیگا، پھر میری شہادت ہو جائے گی، چنانچہ ایسے ہی ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ (شواہد النبوۃ)

اولادِ اطہار اللہ تعالیٰ نے آپ کو کثیر اولاد عطا فرمائی۔ عند البعض آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ۲۲ بیٹے اور ۲۷ بیٹیاں تھیں، ان میں

حضرت عبدالرحمٰن[1]، عقیل[2]، قاسم[3]، یحییٰ[4]، داؤد[5] لاولد تھے، جبکہ حضرت فضل[6]۔ احمد[7]، سلیمان کی اولاد صرف بیٹیاں تھیں۔ حضرت حسین[9]، ابراہیم[10]، حسن[11]، زید[12] اور ہارون[13] کی اولاد میں علماء نسب اختلاف رکھتے ہیں۔ حضرت امام علی[14] رضا، ابراہیم[15] اصغر عباس[16]، اسماعیل[17]، اسحٰق[18]، حمزہ[19]، عبداللہ[20]، عبیداللہ[21]، اور جعفر[22] سے آپ کی نسل جاری ہوئی۔ حضرت سلطان الہند خواجہ السید معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری، حضرت خواجہ بختیار کاکی اور محمد جلال الدین بخاری رحمہم اللہ تعالیٰ آپ ہی کی نسلِ پاک سے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَعِتْرَتِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

حضرت امام علی رضا بن حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما

نام وکنیت آپ کا اسمِ گرامی علی، کنیت ابوالحسن اور لقب رضا تھا۔ آپ اثناء عشریہ کے آٹھویں امام ہیں۔

مولد آپ کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں بروز پنج شنبہ گیارہ ربیع الاول ۱۵۳ھ کو ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ، آپ کی دادی محترمہ حضرت حمیدہ بربری کی کنیز تھیں، ان کو کئی ناموں سے پکارا جاتا تھا، مثلاً نجمہ، اروی، شمانہ، اُمّ البنین وغیرہ۔ جلاء العیون میں خیزران، حقرا اور شقرا۔ نام بھی لکھے ہیں۔

شواہد النبوۃ میں ہے کہ ایک شب حضرت حمیدہ بربری نے خواب میں حضور نبی محترم، شفیعِ محترم، رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نجمہ کی شادی اپنے بیٹے موسیٰ سے کر دو، کیونکہ اس کے بطن سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو روئے زمین پر بہترین مولود ہوگا، چنانچہ حضرت نجمہ کا نکاح حضرت موسیٰ کاظم (رضی اللہ عنہما)

سے ہوا اور ان سے حضرت ابوالحسن علی الرضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوتے۔

فضل و کرامات کتب سیر و تواریخ میں آپ کی بہت سی کرامات مذکورہ ہیں، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(۱) خلیفہ بنو عباس مامون الرشید نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو جب بھی آپ اُسے ملنے کے لئے تشریف لے جاتے تو خلیفہ کے امراء و وزراء اور خدام و حشم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاتے اور مامون کے حجرۂ خاص کے دروازے پر آویزاں پردہ احتراماً اُٹھا دیتے تاکہ آپ اندر تشریف لے جائیں۔ کچھ عرصہ تک تو یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ پھر اغواء شیطان سے ان درباریوں میں آتشِ بغض و حسد بھڑک اٹھی۔ وہ اِس بات پر متفق ہو گئے کہ آئندہ نہ تو آپ کے استقبال کے لئے کھڑے ہوں گے اور نہ ہی احتراماً آگے بڑھ کر پردہ اُٹھائیں گے لیکن جب آپ تشریف لائے تو یہ سارے کے سارے بے اختیار اُٹھ کھڑے ہوئے اور تقاضائے ادب کو بروئے کار لاتے ہوئے آگے بڑھ کر پردہ بھی اُٹھا دیا۔ ان سب کو اپنے اس فعل کا احساس تب ہوا، جب آپ اندر تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپس میں ایک دُوسرے کو لعن طعن کیا اور پختہ عہد کیا کہ آئندہ ایسا ہرگز نہ کریں گے پھر جب آپ بارِ دگر تشریف لاتے تو وہ خدام و حشم اُٹھ تو کھڑے ہوئے اور سلام بھی عرض کیا لیکن پردہ اٹھانے کیچھیت ولعل سے کام لیا۔ معاً اللہ تعالیٰ نے تیز ہوا کا ایک جھونکا بھیجا جس نے پردہ اُٹھا دیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خراماں خراماں اندر تشریف لے گئے، اس کے ساتھ ہی ہوا بند ہو گئی اور پردہ نیچے گر گیا، اور جب آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو مشیتِ الٰہی سے پھر ہوا کا جھونکا آیا اور پردہ اٹھ گیا۔ اہلِ دربار نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو بے ساختہ بول اٹھے کہ جسے اللہ تعالیٰ خود عزت عطا فرمائے، دنیا کی کوئی طاقت پست نہیں کر سکتی، انہوں نے توبہ کی اور آئندہ بدستور خدمت سرانجام دینے لگے۔ (شواہد النبوۃ)

(۲) مرقوم ہے کہ نباخ کے ایک شخص (راوی کو نام بھول گیا) نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نباخ کی اُس مسجد میں تشریف فرما ہیں کہ جہاں حاجی آ کر ٹھہرا کرتے ہیں۔ وہ خوش نصیب کہتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں ایک طباق رکھا ہوا تھا جس میں صیحانی[1] کھجوریں تھیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے طباق میں سے مٹھی بھر کر کھجوریں عطا فرمادیں۔ میں نے گِنا تو ان کی تعداد سترہ تھی۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اس خواب سے تعبیر یہ لی کہ میری عمر کے صرف سترہ سال باقی ہیں۔

اِس واقعہ کے تقریباً بیس روز بعد میں نے سُنا کہ حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ اسی مسجد میں تشریف لائے ہیں، میں فوراً حاضرِ خدمت ہوا۔ میں نے آپ کو بعینہٖ اُسی جگہ تشریف فرما دیکھا کہ جہاں خواب میں رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ چکا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی اسی طرح ایک طبق کھجوروں کا پڑا ہوا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا، تو آپ نے میرے سلام کا جواب دیا اور مٹھی بھر کر کھجوریں مجھے عطا فرمادیں، میں نے گِنا تو سترہ تھیں۔ میں نے عرض کیا کہ "اے ابنِ رسول اللہ! مجھے کچھ مزید کھجوریں عطا فرمادیں" تو آپ نے فرمایا: "اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تجھے ان سے زیادہ عطا فرماتے، تو میں بھی تجھے ضرور دے دیتا۔" (شواہد النبوۃ)

(۳) ابو اسماعیل سندی کہتے ہیں کہ میں حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو مجھے عربی کی الف۔ با بھی نہیں آتی تھی۔ میں نے انہیں سلام عرض کیا تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا۔ پھر میں نے اپنی زبان میں گفتگو شروع کی، تو آپ نے میری مادری زبان میں میری ہر بات کا جواب دیا۔ واپسی پر میں نے عرض

[1] صیحانی کھجوروں کی ایک قسم کا نام، جیسے مرزوم، صفاوی، عجوہ وغیرہ۔

کیا کہ مجھے عربی نہیں آتی آپ دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے عربی سکھا دے۔ یہ سُن کر آپ نے اپنا دستِ اقدس میرے ہونٹوں پر پھیرا تو معاً اُسی وقت میں نے عربی بولنا شروع کر دی۔ (مذکورہ)

وَلی عہد مقرر کرنے کا سبب

مرقوم ہے کہ عباسی خلیفہ مامون الرشید نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔

مامون الرشید کے ایک نہایت معتمد اور مقرب بارگاہ نے بغض و حسد کی وجہ سے مامون سے کہا کہ آپ نے بنو عباس سے خلافت کو نکال کر علی رضا کے گھر بھیج دیا ہے، حالانکہ یہ لوگ بنو عباس کے بدخواہ ہیں۔ ولی عہدی کا کام جو آپ نے کیا ہے، اگر یہ اچھا ہوتا تو آپ کے آباؤ اجداد یہ کام ضرور کرتے (یعنی تم نے امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ولی عہد مقرر کر کے بُرا کیا ہے) مامون الرشید نے جواب دیا: "ان کی ولی عہدی میری محبت و اُلفت کی وجہ سے نہیں، بلکہ وہ عوام میں بیٹھ کر اُن کو اپنی بیعت و خلافت کی طرف آمادہ کرتے تھے میں نے اُن کو ولی عہد بنا لیا تاکہ وہ نہ صرف لوگوں کو میری بیعت و خلافت کی طرف بُلاتے رہیں، بلکہ میری خلافت کا بھی اقرار کرتے رہیں۔ مجھے ان کی طرف سے خطرہ تھا اِسی لئے میں نے (سیاسی چال چلتے ہوئے) ان کو اپنا ولی عہد مقرر کر لیا تاکہ کوئی فتنہ رُونما نہ ہو، کیونکہ عوام الناس کے دل میں ان کا بہت احترام پایا جاتا ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ آہستہ آہستہ ان کا اثر و رسوخ ختم کر دیا جائے اور ان کے ماننے والوں کو لالچ دے کر ان سے الگ کر دیا جائے اور جب یہ تنہا رہ جائیں گے تو یہ کام آسان ہو جائے گا کہ کسی عباسی کے ہاتھوں قتل ہو جائیں یا پھر قید خانہ میں جان دے دیں۔

مامون الرشید کو بدخواہ مسلسل برانگیختہ کرتے رہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو حضرت امام سیدنا علی رضا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے جان چھڑائی جائے ــــ چنانچہ دُشمنانِ دین کے ورغلانے سے مامون الرشید نے قتلِ امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پروگرام بنا لیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (مختلف کتبِ سیرت)

آپ کی شہادت اور کرامات

ابوالصلت سے مروی ہے کہ ایک دن میں حضرت امام رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ فلاں قبر پر جاؤ وہ قبر ہارون الرشید کی ہے۔ اس کے چاروں اطراف سے تھوڑی تھوڑی سی مٹی اٹھا لاؤ۔ میں آپ کے حکم کے مطابق مٹی اٹھا لایا۔ آپ نے مٹی کو سونگھا اور پھینک دیا۔ پھر فرمایا عنقریب میرے لئے اس جگہ قبر کھودی جائے گی جس میں سے اتنا بڑا پتھر ظاہر ہوگا کہ خراسان کے سارے گورکن مل کر بھی اُسے نہیں اٹھا سکیں گے۔ مجبوراً وہ اس گڑھے کو بند کر دیں گے۔ پھر فرمایا کہ "فلاں جگہ کی مٹی لاؤ"۔ میں اُس جگہ کی مٹی لے آیا۔ آپ نے اُسے سونگھ کر فرمایا: "اس جگہ میرے لئے قبر کھودیں گے جو سات ہاتھ گہری ہوگی۔ پھر اس کے درمیان شق (قبر کا درمیانی گڑھا) کھودنے کی کوشش کریں گے۔ جب فرمانِ شاہی پورا نہ ہوگا، تو لحد بنائیں گے، جو دو ہاتھ چوڑی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اسے جس قدر چاہے گا، فراخ فرما دے گا۔ میری قبر کا گڑھا کھودتے وقت قبر کے سرہانے کی جانب سے کچھ تری سی نمودار ہوگی، اور تم وہی کرنا جس کی میں نے تم کو تعلیم دی ہے، پھر اس تری سے پانی جوش مارے گا، یہاں تک کہ لحد پانی سے بھر جائے گا۔ اس پانی میں تجھے نہایت چھوٹی چھوٹی سی مچھلیاں نظر آئیں گی، روٹی کا یہ ٹکڑا جو میں تجھے دے رہا ہوں، اس کو چھوٹا چھوٹا کر کے پانی میں ڈال دینا تاکہ وہ مچھلیاں اس کو کھا لیں۔ جب کچھ نہ بچے گا تو ایک بڑی مچھلی ظاہر ہوگی جو ان سب کو چٹ کر جائے گی۔ آخرالامر وہ مچھلی بھی غائب ہو جائے گی، پھر تم پانی پر ہاتھ رکھ کر وہ کچھ کہنا جو میں نے تمہیں سکھایا ہے۔ اس پہ پانی کی سطح کم ہونا شروع ہو جائے گی، یہاں تک کہ سارا پانی زمین میں جذب ہو کر جگہ کے معمول کے مطابق خشک ہو جائے گی۔ تم یہ سب کچھ مامون الرشید کی موجودگی میں کرنا۔

اور اے ابوالصلت! کل میں مامون کو ملنے کے لئے آؤں گا۔ اگر میں سر پر کوئی

چیز پہن کر آؤں تو مجھ سے کوئی کلام نہ کرنا، لیکن اگر کوئی چیز نہ پہنی ہوئی ہو تو بات کر لینا۔"
دُوسرے دن صبح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیار ہو کر بیٹھ گئے اور مامون کے غلام کا انتظار فرمانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر بعد غلام نے آکر کہا کہ مامون الرشید نے آپ کو یاد کیا ہے، تشریف لے آئیں۔ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُسی وقت مامون کے دربار میں تشریف لے گئے، وہاں مختلف طباق میں تازہ میوہ جات چُنے ہوئے تھے۔ مامون کے ہاتھ میں انگوروں کا ایک خوشہ تھا۔ جونہی آپ دربار میں گئے مامون آپ کو دیکھ کر تیزی سے اُٹھا اور آگے بڑھ کر آپ کو گلے لگا لیا۔ آپ کی پیشانی پر بوسہ دے کر احترام سے بٹھایا۔ پھر وہ انگور کے خوشے آپ کو دے کر کہا: "آپ نے کبھی ان سے بہتر انگور بھی دیکھے ہیں؟" آپ نے فرمایا: "اُن سے بہتر انگور جنت کے ہیں۔" مامون نے کہا، "انگور کھائیے"۔ آپ نے انگور کھانے سے معذرت چاہی تو مامون نے بات بڑھا کر کہا "آخر آپ انگور کیوں نہیں کھاتے؟ شاید آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے انگوروں میں کچھ ملا دیا ہے۔" یہ کہہ کر اُس نے آپ کے ہاتھ سے انگور کا خوشہ لے کر اُس میں سے چند انگور توڑ کر کھا لئے اور کہا کہ "دیکھو میں کھاتا ہوں، آپ بھی کھائیں۔" اس پر آپ نے بھی اس خوشے سے دو تین دانے کھا لئے اور بقیہ خوشہ طباق میں رکھ دیا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مامون نے پوچھا "آپ کہاں جا رہے ہیں؟" فرمایا، "جہاں تم نے مجھے بھیجا ہے۔" پھر سرِ انور پر عمامہ شریف سجائے باہر تشریف لائے اور اپنے مکان کی طرف چل دیئے۔ گھر آکر اپنے بستر پر لیٹ گئے اور مجھے حکم دیا کہ گھر کا دروازہ بند کر دو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بستر پر آرام فرما گئے۔ میں حیران و ششدر کھڑا رہا۔ اچانک گھر میں ایک ایسا شخص داخل ہوا کہ جسے میں نے قبل ازیں نہ دیکھا تھا، اُس کی شکل و صورت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت حد تک ملتی تھی۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں تو انہوں نے فرمایا، "میں حضرت امام علی رضا کا بیٹا محمد ہوں (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)، میں اپنے والدِ ذی وقار

کی ملاقات کے لئے مدینہ طیبہ سے آیا ہوں۔ جب وہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے پاس پہنچے تو وہ اُٹھ کھڑے ہوئے، اپنے لختِ جگر کو سینے سے لگایا، پیشانی مبارک کو چوما اور بڑے پیار سے اپنے بستر پر بٹھا لیا، پھر دیر تک رازونیاز کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر امام علی رضا علیہ السلام بستر پر دراز ہو گئے۔ اِسی دوران آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال پُرملال ہو گیا۔ حضرت محمد بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے اپنے والدِ ذی وقار کی رحلتِ مبارکہ کو بڑی شدت سے محسوس کیا مگر دامنِ صبر و استقامت کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ پھر مجھے حکم دیا کہ بیت المال میں جاؤ اور وہاں سے پانی اور تختہ لے آؤ۔ میں نے عرض کیا کہ بیت المال میں پانی اور تختہ موجود نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا؛ جو میں کہتا ہوں اُس کی تعمیل کرو۔ میں بیت المال گیا تو وہاں پانی اور تختہ کو موجود پایا جنہیں میں لے آیا، میں نے چاہا کہ غسل دینے میں آپ کی مدد کروں لیکن حضرت امام محمد بن علی رضا (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے مجھے منع فرما دیا اور خود غسل دیا پھر مجھے حکم دیا کہ بیت المال میں ایک صندوق پڑا ہوا ہے، اس میں کفن اور سامان حنوط موجود ہے اسے لے آؤ، میں بیت المال گیا اور دیکھا کہ وہاں ایک صندوق موجود تھا حالانکہ اس سے قبل میں نے اُسے کبھی نہ دیکھا تھا۔

حضرتِ امام محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے والدِ ذی وقار کو کفن پہنایا، پھر نمازِ جنازہ کے بعد مجھے فرمایا کہ "تابوت بھی لے آؤ" میں نے عرض کیا کہ "کیا بڑھئی سے تیار کروا لاؤں؟" فرمایا کہ "نہیں بیت المال سے لے آؤ"۔ میں بیت المال گیا تو وہاں تابوت موجود تھا، حالانکہ اِس سے قبل وہاں کوئی تابوت نہیں تھا۔ میں تابوت لے آیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تابوت میں لٹا دیا گیا۔ پھر مامون الرشید مع اپنے غلاموں کے گریہ وزاری کرتا ہوا، گریبان چاک کرتا اور مُنہ پر طمانچے مارتا ہوا آیا اور پکار کر کہا۔ یَاسَیِّدَاہُ فُجِعْتُ بِکَ یَاسَیِّدَاہُ۔

بعد ازاں ان کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گئے اور قبر کھودی گئی تو بعینہٖ ان ہی چیزوں

کا ظہور ہوا کہ جن کی خبر قبل ازیں امام علی رضا علیہ السلام دے چکے تھے۔ مامون رشید نے ان مشاہدات کو دیکھا تو کہا کہ ان سے زندگی میں بھی ایسی ہی عجیب و غریب باتوں کا ظہور ہوتا تھا۔ بعد از وفات بھی ان کی کرامات ظاہر ہو رہی ہیں اور پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفن کر دیا گیا۔ (شواہد النبوۃ) واللہ تعالیٰ اعلم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ و رضوا عنہ)

حضرت سیدنا محمد بن علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اثنا عشریہ والے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نویں امام قرار دیتے ہیں۔

ولادت باسعادت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں ماہ رجب المرجب ۱۹۵ھ میں ہوئی۔

نام، کنیت و لقب آپ علیہ السلام کا اسم گرامی "محمد"، کنیت "ابو جعفر" اور لقب "جواد" اور "تقی" تھے۔ عام طور پر آپ کو محمد تقی کہا جاتا ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) والدہ کا نام "خیزران" یا "ریحانہ" تھا۔ یہ ام ولد (لونڈی) تھیں۔

جرأت اور بے باکی و حق گوئی مرقوم ہے کہ حضرت علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت مبارکہ کے بعد جبکہ حضرت امام محمد تقی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی عمر مبارکہ صرف ۱۲ سال کی تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغداد کے ایک بازار میں دوسرے بچوں کے ساتھ کھڑے تھے کہ اتنے میں مامون الرشید آ گیا۔ خلیفہ وقت کو آتا دیکھ کر سارے بچے بھاگ گئے، مگر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اپنی جگہ کھڑے رہے۔ مامون الرشید آپ کے قریب پہنچا تو پوچھا کہ "آپ کیوں کھڑے رہے، جبکہ دوسرے بچے بھاگ گئے؟" آپ نے برجستہ جواب دیا: "اے امیر المومنین! راستہ

تنگ تو نہیں ہے کہ جسے کشادہ کرنے کی ضرورت ہو کہ آپ گزر سکیں اور نہ ہی میں نے کوئی جُرم کیا ہے کہ ڈر کر بھاگ جاؤں' اور مجھے یہ بھی اُمید ہے کہ آپ کسی کو ناکردہ گناہ کی سزا بھی نہیں دیتے۔ مامون الرشید کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ طرزِ تکلم بہت پسند آیا۔ اُس نے پوچھا: "برخوردار! تمہارا نام کیا ہے؟" آپ نے فرمایا: "محمد"۔ مامون الرشید نے پوچھا: تمہارے باپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا: حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس پر مامون الرشید بہت خوش ہوا اور جدھر جانا چاہتا تھا چلا گیا۔

جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے ہوئے تو مامون الرشید نے اپنی بیٹی اُمّ الفضل کا نکاح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا۔ چونکہ وہ نازوں پلی شہزادی تھی جبکہ حضرت امام محمد تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں دولتِ دنیا کی کوئی بھی حیثیت نہیں تھی' اس لئے ان دونوں کے درمیان کچھ شکررنجی سی پیدا ہوگئی۔ اُمّ الفضل نے اپنے باپ مامون الرشید کو شکایت لکھ بھیجی۔ نیز یہ بھی لکھا کہ آپ دُوسری شادی کرنا چاہتے ہیں' ان کو منع کیا جائے۔" مامون نے اس کے جواب میں لکھا: "اے میری بیٹی' ذرا غور سے سُن! میں نے تیرا نکاح ان سے اس لئے نہیں کیا تھا کہ ان پر حلال چیز (یعنی دُوسری شادی) کو حرام قرار دے دُوں۔ خبردار! آئندہ آپ کے خلاف کوئی بات مجھے تحریر نہ کرنا۔" (شواہد النبوۃ)

شرف و کرامات چونکہ مامون الرشید پر حضرت محمد تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والدِ ذی وقار حضرت علی رضا اور دادا محترم حضرت مُوسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شہید کرنے کا داغِ بدنامی لگا ہوا تھا' اس لئے مامُون نے یہ داغ دھونے کے لئے اپنی بیٹی اُمّ الفضل شمانہ کا نکاح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کرنے کے بعد آپ کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ آپ اپنی زوجہ کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو راستہ میں تھوڑی دیر کوفہ میں رُکے۔ کوفہ کی مسجد میں بیری کا ایک درخت

تھا جو کبھی بارآور نہ ہوا تھا۔ حضرت امام محمد تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بانجھ درخت کی جڑ کے قریب بیٹھ کر وضو فرمایا، اور وضو کا پانی اس درخت کی جڑوں میں ڈال دیا، اور خود نماز میں مشغول ہو گئے۔ نماز ادا کرنے کے بعد دیکھا تو درخت پر نہایت لذیذ، شیریں اور بغیر گٹھلی کے بیر لگے ہوئے تھے، جنہیں لوگ بطور تبرک کھا رہے تھے۔

جب مامون الرشید کا انتقال ہوا، تو آپ نے فرمایا: "اس کے تیس ماہ بعد ہم بھی اس جہانِ فانی سے رخصت ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا جب مامون الرشید کی رحلت کو تیس ماہ (اڑھائی سال) پورے ہوئے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی داعئ اجل کو لبیک کہہ گئے۔

ایک راوی کا بیان ہے کہ مجھے ایک برگزیدہ شخص نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں بھیجا تاکہ میں آپ کا کوئی کپڑا اس کے کفن کے لئے لے جاؤں!
میں نے حاضر ہو کر سلام اور مدعا عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا: "وہ شخص اب اس سے بے نیاز ہو چکا ہے۔" یہ سن کر میں واپس آ گیا، لیکن آپ کا اشارہ نہ سمجھ سکا۔ یہاں تک مجھے پتہ چلا کہ وہ شخص میرے پہنچنے کے تیرہ چودہ روز پہلے ہی فوت ہو چکا ہے، اور لوگ اسے دفن بھی کر چکے ہیں۔

رحلتِ مبارکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت مبارکہ ۲۶ ذوالحجہ بروز بدھ ۲۲۱ھ کو خلیفہ معتصم باللہ (عباسی خلیفہ) کے ایامِ خلافت میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ معتصم باللہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر دے دیا تھا، لیکن صاحبِ "شواہد النبوۃ" نے اس کا انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ "یہ بات درست نہیں ہے۔" آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور بغداد شریف میں، مرجع خلائق ہے۔
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا محترم حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر اطہر کے عقب میں ہے۔ (شواہد النبوۃ)

حضرت سیدنا علی بن محمد بن علی بن موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اسمِ گرامی، کنیت و القاب

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسمِ گرامی علی تھا۔ کنیت ابو الحسن تھی۔ ان کو ابُو الحسن ثالث بھی کہا جاتا ہے۔ القابات ہادی، عسکری اور النقی ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی النقی، یا علی ہادی کے نام سے مشہور ہیں۔ اثنا عشری فرقہ آپ کو دسواں امام مانتا ہے۔

والدہ ماجدہ

آپ کی والدہ ماجدہ کا اسمِ گرامی شمانہ تھا۔ یہ امِ ولد (لونڈی) تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مامون الرشید کی بیٹی امّ الفضل کی لونڈی تھیں، جبکہ بعض نے لکھا ہے کہ آپ کی والدہ اُمِّ فضل بنتِ مامون الرشید ہیں۔

ولادت باسعادت

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت تیرہ ۱۳ رجب المرجب ۲۱۴ھ کو مدینہ طیبہ میں ہوئی۔

حضرت سیدنا امام علی نقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت عالی مرتبت عالمِ دین اور رحم دل، عبادت و ریاضت، امانت و دیانت، زُہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ مستجاب الدعوات، مجسمۂ خشیت، پیکرِ صبر و رضا، مجسمۂ اخلاص و اخلاق اور صاحبِ جُود و سخا تھے۔

کرامات

ایک مرتبہ خلیفہ متوکل بیمار ہو گیا اور اُس کے جسم پر پھوڑا نکل آیا۔ اطباء اس کے علاج سے عاجز آ گئے۔ درد کی شدت خلیفہ کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ مقربینِ خلیفہ میں سے فتح بن خاقان نے ایک شخص کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھیجا تاکہ آپ کوئی علاج تجویز فرمائیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک معمولی سی چیز کا نام لے کر فرمایا کہ اسے پھوڑے پر باندھ دو۔ جب مجوزہ شے خلیفہ کے پاس لائی گئی تو حاضرین نے مذاقاً کہا کہ اس سے کیا ہو گا؟ یہاں تو بڑی بڑی قیمتی

ادویات ناکام ہو گئیں، مگر فتح بن خاقان نے اس کی پرواہ نہ کی، اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجویز فرمودہ شے پھوڑے پر باندھ دی۔ بس اُس شے کے پھوڑے پر رکھنے کی دیر ہی تھی کہ پھوڑا بہنے لگا اور جس قدر گندا مواد تھا، سارے کا سارا خارج ہو گیا اور بتدریج پھوڑے کو آرام آ گیا۔ جب متوکل کی والدہ نے اسے صحت یافتہ دیکھا تو اس نے خوش ہو کر ایک تھیلی میں دس ہزار دینار ڈال کر اس کا منہ بند کر کے اپنی مہر لگائی اور حضرت امام علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دی۔

جب متوکل کو صحتِ کاملہ مل گئی، تو چند دن بعد کسی نے متوکل کو ورغلایا کہ حضرت امام علیہ السلام کے پاس بہت سا زر و جواہر اور اسلحہ ہے، وہ کسی بھی وقت تیرے خلاف بغاوت کر سکتے ہیں۔ متوکل نے اپنے ایک خاص دربان سعید حاجب سے کہا کہ تم رات کے وقت اچانک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں چھاپہ مارو اور جس قدر مال و دولت اور اسلحہ ہاتھ لگے لے آؤ۔ سعید حاجب کا بیان ہے کہ میں اپنے ساتھ سیڑھی لے گیا تاکہ دیوار پھلانگنے میں آسانی ہو۔ تو جب میں رات کے گھپ اندھیرے میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاشانۂ انور میں داخل ہوا تو مجھے کچھ دکھائی نہ دیا، مجھے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کیا کروں اور کدھر جاؤں۔ اچانک اندر سے آواز آئی کہ اے سعید ٹھہرو! میں چراغ لے کر آتا ہوں۔ تھوڑی ہی دیر میں حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ چراغ لے کر تشریف لے آئے۔ میں نے دیکھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُون کا لباس زیب تن فرما رکھا تھا، سر مبارک پر بھی اُون ہی کا کلاہ تھا، اور آپ کے لئے ٹاٹ کا مصلیٰ بچھا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "میرا سارا گھر تمہارے سامنے ہے جس چیز کی ضرورت ہو اُٹھا کر لے جاؤ۔" سعید کہتے ہیں کہ "میں نے سارا گھر چھان مارا، مگر دیناروں کی ایک تھیلی کہ جس پر خلیفہ کی والدہ کی مُہر لگی ہوئی تھی اور تا حال بند تھی۔ اس کے سوا مجھے کچھ نہ ملا۔ میں نے اُس تھیلی کو اُٹھا لیا۔" آپ نے ارشاد فرمایا

"یہ مصلیٰ بھی اُٹھا کر دیکھو۔" میں نے مُصلیٰ اُٹھا کر دیکھا تو اُس کے نیچے نیام میں بند ایک تلوار پڑی تھی۔ میں دونوں چیزیں لے کر خلیفہ کے پاس پہنچا تو خلیفہ نے اپنی والدہ سے اس تھیلی کے بارے میں دریافت کیا، تو اُس نے بتایا کہ میں[1] نے منّت مانی تھی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تجھے اِس خبیث مرض سے شفا دے تو میں اِمام عالی مقام کی خدمت میں نذرانہ پیش کروں گی۔ چنانچہ میں نے یہ نذر پوری کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اسی طرح کی دیناروں کی ایک اور تھیلی لے لو اور تلوار سمیت دونوں تھیلیاں حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کر دو۔ (اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے بدخواہوں اور آپ کے حاسدوں کو خوب ذلیل و رُسوا کیا)

سعید کہتے ہیں کہ جب میں دونوں تھیلیاں اور تلوار لے کر خدمتِ انور میں حاضر ہوا تو شرمندگی کی وجہ سے نظریں جھکائے ہوئے تھا۔ میں نے قدم بوسی کرکے عرض کیا کہ "میں رات بلا اجازت آپ کے کاشانۂ اقدس میں اس لئے داخل ہو گیا تھا کہ مجھے یہی حکم دیا گیا تھا (کیونکہ دشمنوں نے آپ کے خلاف خلیفہ کے پاس بہت سی شکایات کی تھیں) یہ سُن کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تبسّم فرمایا اور ارشاد فرمایا:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ۔

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خادموں کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ دورانِ سفر ایک خادم نے عرض کیا کہ "میرا بیٹا بے اولاد ہے" دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اولادِ نرینہ عطا فرمائے۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ "ٹھیک ہے تم اس بچے کا نام "محمد" رکھنا۔" یہ دیکھ کر کسی دوسرے خادم نے بھی اپنے بے اولاد بیٹے کے لئے اولادِ نرینہ کی دُعا کی گزارش کی تو آپ نے فرمایا: بیٹی کئی بیٹوں سے

---

[1] شواہد النبوۃ کے مطابق درباریوں نے ہی خلیفہ کو بتا دیا تھا کہ تمہاری بیماری پر تمہاری والدہ نے منّت مانی تھی کہ تم صحت یاب ہو جاؤ تو وہ امام پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں دینار پیش کرے گی۔

نصل ہے، چنانچہ پہلے خادم کے ہاں لڑکا اور دوسرے کے ہاں لڑکی ہوئی۔

ایک مرتبہ ایک دعوتِ ولیمہ میں امراء سلطنت اور دیگر بہت سے افراد شریک طعام تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ خوشی کے اِس موقع پر ایک لڑکا احترامِ امام اور آدابِ محفل سے بالکل عاری، اپنی شوخیوں اور طنز و مزاح سے پوری محفل کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا، اُسے بے ہنگم شور مچاتے اور قہقہے لگاتے ہوئے دیکھ کر حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اے شوخ و بے ادب لڑکے! کیوں ہنسی کے گول گپّے بنے جارہے ہو؟ آج کے تین دن بعد تمہارا ٹھکانا قبر ہوگی"۔ یہ سُنتے ہی اُس کا رنگ فق ہوگیا اور ٹھیک تیسرے دن وہ فوت ہوگیا۔ (شواہد النبوۃ)

خلیفہ متوکل پرندے پالنے کا بہت شوقین تھا، اس لئے محل میں قسم قسم کے پرندے موجود تھے، جن کے چہچہانے سے بعض اوقات کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی، لیکن جب حضرت امام علی النقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ محل کے اس حصہ میں تشریف لے جاتے، تو سارے پرندے بپاسِ ادب فوراً خاموش ہوجاتے اور جب تک آپ وہاں تشریف فرما رہتے، کوئی پرندہ نہ بولتا، لیکن جونہی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محل سے باہر تشریف لاتے، پرندے پھر سے شور مچا دیتے۔ (مذکورہ)

رحلتِ مُبارکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلتِ مُبارکہ ۲۵۴ھ کو عباسی خلیفہ مستنصر باللہ کے زمانہ میں بمقام سُرّ مَنْ رَاٰی، بعمر ۴۲ سال ہوئی۔

اولادِ اطہار آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسلِ پاک حضرت امام حسن عسکری اور حضرت عبداللہ، ابو عبداللہ جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے چلی۔ بعض حضرات ان کو جعفر کذاب بھی کہتے ہیں، جس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلتِ مبارکہ

کے بعد دعویٰ امامت کر دیا تھا۔ آپ علیہ السّلام کی اولاد آپ کو جعفر تواب کے نام سے یاد کرتی ہے ۔ اور خود کو رضوی کہلاتی ہے۔

ابو عبد اللہ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو کریٰن بھی ہے۔ کُر ساٹھ قفیز کو کہتے ہیں۔ چونکہ آپ ایک سو بیس ۱۲۰ بچوں کے باپ تھے، اس لئے ان کو اس کنیت کے ساتھ پکارا گیا۔ ان کی وفات ۲۷۱ھ کو ہوئی۔ ان کی نسل ان کے چھ فرزندوں سے چلی، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (۱) اسماعیل حریف (۲) یحییٰ الصوفی (۳) ہارون (۴) علی المختار (۵) ادریس (۶) طاہر۔

ان میں سے اسماعیل اور یحییٰ کی اولاد مصر میں پائی جاتی ہے۔ علی المختار کی اولاد میں سے حضرت سیدنا خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نہایت مشہور ہوئے۔[۲]

حضرت ہارون بن ابو عبد اللہ جعفر کی اولاد میں سادات امروہہ بہت مشہور ہیں، جبکہ علی المختار کی اولاد میں حضرت محمد نازک اور حضرت جلال الدین بخاری (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے شہرت پائی۔ (کتاب الانساب)

---

[۱] اہلِ سنّت وجماعت کے نزدیک محض یہ دعویٰ اتنا بڑا جرم نہیں کہ نسلِ رسولِ کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) اور امام علی التقی کے لختِ جگر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو ہمیشہ کیلئے لفظ کذاب سے یاد کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے خاندان کا ہر فرد ہمارے لئے لائق صد احترام وذی وقار ہے، بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا باغی نہ ہو۔ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وعترتہٖ وبارک وسلم۔

[۲] آپ کی رحلتِ مبارکہ ۱۴ ربیع الاوّل شریف ۶۳۵ھ کو دہلی میں ہوئی (واللہ تعالیٰ اعلم)

حضرت سیدنا امام حسن عسکری بن علی النقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گیارھویں امام کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔

اسمِ گرامی، کنیت و لقب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسمِ گرامی حسن، کنیت ابو محمد، القاب زکی، سراج اور عسکری تھے۔

ولادت باسعادت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ماہِ معظم رمضان المبارک ۲۳۲ھ کو شہر مکرم مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ اُمّ ولد (کنیز) تھیں۔ ان کا اسمِ گرامی سوسن تھا۔ لیکن اس کے سوا ان کو دوسرے ناموں سے بھی پکارا جاتا تھا۔ حضرت امام علی النقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا نام "حدیث" رکھا ہوا تھا۔

شرف و کرامات آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت درجہ مقرب بارگاہِ ایزدی، بلند پایہ عالمِ دین، عبادت ریاضت، زہد و تقویٰ، جود و سخا، اخلاق و اخلاص اور صبر و رضا میں یکتائے روزگار تھے۔

محمد بن علی بن ابراہیم (رحمہما اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں معاشی اعتبار سے سخت تنگدست ہو گیا۔ میرے والدِ ذی وقار نے مجھے خدمتِ امام علیہ السلام میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ میں اور والدِ محترم علی بن ابراہیم بن موسیٰ عازم سفر ہوئے۔ راستہ میں دورانِ گفتگو والد صاحب نے فرمایا کہ امام حسن عسکری علیہ السلام پانچ صد درہم عطا فرمادیں، تو ہم ان میں سے دو سو درہم کے کپڑے، دو سو درہم کا آٹا، اور ایک سو درہم سے دیگر اشیائے ضرورت خرید لیں گے۔ میں نے دل میں یہ خیال کیا کہ اگر آپ تین سو درہم بھی عطا فرمادیں، تو کافی ہیں کہ ان میں سے ایک سو درہم کا آٹا، ایک سو درہم کا کپڑا خرید لیں گے، جبکہ بقیہ ایک سو درہم سے میں سواری کے لئے

ایک گدھا خرید کر کوہستان (مزدوری کے لیے) چلا جاؤں گا اور یوں گزارا ہو جائے گا۔
اسی سوچ و بچار میں ڈوبے ہم دونوں باپ بیٹا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولتکدہ
پر حاضر ہو گئے۔ ابھی ہم نے دستک تک نہ دی تھی کہ اچانک آپ کا غلام باہر آیا،
اور کہنے لگا "علی بن ابراہیم اور ان کا بیٹا محمد اندر آجائیں" چنانچہ ہم دونوں کاشانۂ اقدس
میں حاضر ہو گئے اور سلام مسنونہ عرض کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلام کا جواب
دینے کے بعد فرمایا "اے علی! تم اب تک میرے پاس آنے سے کیوں رُکے رہے، ملاقات
کے لیے کیوں نہیں آتے؟" میرے والد نے عرض کیا کہ "اے میرے آقا! اس حال میں
آتے ہوئے شرم دامنگیر تھی۔" پھر ہم تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھے اور اجازت لے کر
واپس چلے آئے۔ جب ہم کاشانۂ اقدس سے باہر نکلے، تو آپ کا غلام ہمارے پیچھے آیا
اُس کے ہاتھ میں دو تھیلیاں تھیں۔ اُس نے ایک تھیلی والدِ محترم کو دے کر کہا "اس میں
پانچ سو درہم ہیں۔ یہ آپ کی طرف امام صاحب نے بھیجے ہیں۔ ان میں سے دو سو درہم
کپڑوں کے لیے، دو سو آٹے وغیرہ کے لئے اور ایک سو درہم دیگر اخراجات کیلئے ہیں۔
پھر دُوسری تھیلی مجھے تھماتے ہوئے حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیغام
دیا کہ اس میں تین سو درہم ہیں، ایک سو کپڑوں کے لئے، ایک سو آٹے کے لیے اور
ایک سو گدھا خریدنے کے لئے، لیکن خبردار کوہستان کی طرف نہ جانا بلکہ
کسی اور جگہ چلے جاؤ۔" اس کے ساتھ ہی جگہ مذکورہ کا اشارہ بھی دے دیا۔
میں نے حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایات پر من وعن عمل کیا تو
وہاں میری شادی بھی ہو گئی اور اُسی دن مجھے دو ہزار درہم بھی مل گئے۔

مرقوم ہے کہ خلیفہ مُستعین باللہ کے پاس ایک خچر تھا جو اس قدر سرکش تھا کہ
کوئی بھی شخص نہ تو اس پر زین کس سکتا تھا اور نہ ہی سوار ہو سکتا تھا۔ خلیفہ کے مصاحبوں
میں سے ایک شرارتی ذہن رکھنے والے نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ یہ خچر حضرت امام

حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیں، وہ خود ہی اسے رام کرلیں گے، حالانکہ اس کے دل میں یہ خیالِ بد تھا کہ آپ جب خچر پر سوار ہونا چاہیں گے، تو یہ آپ کو نقصان پہنچائے گا، تو یہ آپ پر ہنسیں گے اور یوں اس کے خبثِ باطن کو تسلی ہوگی۔

خلیفہ مستعین باللہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا، آپ تشریف لے آئے۔ اس وقت خچر مذکورہ سرائے کے صحن میں کھڑا تھا۔ آپ نے اس کے قریب جاکر اس کی بیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو وہ پسینہ میں شرابور ہوگیا۔ پھر آپ خلیفہ کے پاس تشریف لے گئے، تو اس نے آپ کا حد درجہ اکرام و احترام کیا، آپ نے بھی اس کی بڑی عزت کی۔ پھر خلیفہ نے آپ کو اپنے پہلو میں بٹھالیا اور عرض کیا کہ "یہ سرکش خچر ہے، آپ اسے لگام دے کر اس پر زین کس دیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کام کے لئے اپنے خادم کو حکم دیا کہ تم جاؤ۔ خلیفہ بولا "نہیں یہ کام آپ خود کریں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور خچر کو لگام دے کر زین کس دی۔ مستعین باللہ نے عرض کیا کہ "کیا ہی اچھا ہو، اگر آپ اس پر سواری بھی فرمائیں۔" یہ سُن کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خچر پر سوار ہوگئے، اور سرائے کے صحن میں ہی دوڑانے لگے، اس دوران خچر نے کسی قسم کی کوئی سرکشی نہ کی، پھر آپ نیچے اُتر آئے۔ مستعین نے پوچھا "حضرت یہ خچر کیسا ہے؟" آپ نے فرمایا "میں نے اس سے اچھا خچر کہیں نہیں دیکھا۔" مستعین نے وہ خچر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کر دیا۔ آپ نے قبول فرماکر اپنے خادم کو فرمایا کہ اسے پکڑ لو۔ خادم نے آگے بڑھ کر خچر کو پکڑ لیا اور اس نے آئندہ کسی قسم کی کوئی سرکشی نہ کی۔ (شواہد النبوۃ)

علامہ نورالدین عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا۔ ذہن میں یہ بھی تھا کہ چوتھے روز کے بخار کا علاج بھی دریافت

کروں گا، مگر اتفاقاً یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی اور میں نے عریضہ میں اس بارے میں کچھ بھی نہ لکھا، لیکن جب امام عالی مقام علیہ السلام کی طرف سے جواب آیا تو میرے سوال کا جواب ارشاد فرمانے کے بعد درج تھا۔ تم چوتھے روز کے بخار کا علاج پوچھنا چاہتے تھے، مگر لکھنا بھول گئے، دیکھو آیہ مبارکہ: یٰنَارُ کُوۡنِیۡ بَرۡدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ کاغذ پر لکھ کر بخار زدہ کے گلے میں باندھو بحکمِ خداوندکریم آرام ہوگا۔ میں نے اُن کے فرمان کے مطابق ایسے ہی کیا تو چوتھے روز کا بخار جاتا رہا۔ (شواہد النبوۃ)

رحلتِ مُبارکہ آپ کی رحلت مبارکہ بمقام سُرَّ مَنۡ رَّاٰی (جس کو عام طور پر سارہ یا سرّن رائے کہتے ہیں) مورخہ آٹھ ربیع الاوّل ۲۶۰ھ بروز جمعۃ المبارک کو ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خلیفہ وقت نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھانے میں زہر دے دی تھی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم!)

حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والدِ ذی وقار حضرت علی النقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

اَولادِ اطہار آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہزادے حضرت محمد مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

حضرت محمّد بن حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اسمِ گرامی، کنیت اور لقب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسمِ گرامی "محمد" کنیت: ابوالقاسم۔ القابات: حجۃ اللہ، مہدی۔

ولادت باسعادت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت مقام سُرمن رائی میں مورخہ ۱۵ شعبان المعظم ۲۵۵ھ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی امِ ولد (یعنی لونڈی) تھیں۔ اِن کا اسمِ گرامی نرجس یا صیقل یا سوسن تھا۔ اس کے سوا بھی دوسرے نام مذکور ہیں۔

شواہد النبوۃ کے مطابق آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادتِ باسعادت تیئس ۲۳ رمضان المبارک ۲۵۸ھ کو سرمن رائے میں ہوئی۔

عام حالات حضرت امام محمد مہدی بن حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہما اوائل عمری میں ہی نہایت دانشمند، صاحب فہم و ذکا، پیکرِ عفت و طہارت اور زہد و تقویٰ میں بلند مرتبت اور رازدارِ طریقت و شریعت اور حاملِ اسرارِ حقیقت و معرفت تھے۔ فرقہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے کہ آپ سرمن رائے کے ایک غار میں بعمرِ چار سال غائب ہوتے تھے، اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیامت سے قبل نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت ظاہر ہوں گے اور احادیث نبویہ (صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علی صاحبہا) کے مطابق جس مہدی نے قربِ قیامت کے وقت دُنیا میں تشریف فرما ہو کر زمین کے ظلم و ستم کو عدل و انصاف سے تبدیل کر دینا ہے اور پورے کرۂ ارض پر پرچم اسلام کو بلند کر کے شرک و بدعت، کفر و ضلالت کا قلع قمع کرنا ہے، وہ یہی حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام ہیں[1]۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

---

[1] اس بندۂ ناچیز مولف کتاب ہٰذا نے ایک رسالہ بنام "علاماتِ قیامت اور امامِ مہدی (علیہ السلام)" تحریر کیا ہے، جس میں حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نشانیاں درج کی گئی ہیں۔ شائقین اگر چاہیں تو ضرور مطالعہ فرمائیں۔ ۱۲ منہ

اجمالی تذکرہ دوازدہ ۱۲ امام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بمطابق روایاتِ مشہورہ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

نمبر شمار	اسمائے ذی شان	والدہ محترمہ کا اسم گرامی	مولد	اولادِ اطہار	سنِ ارتحال	عمر مبارکہ	مزارِ مقدس	بوقت رحلت دورِ سلطنت
۱	امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا	خانہ کعبہ مکہ مکرمہ	۱۸ صاحبزادے ۱۸ صاحبزادیاں	۲۱ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ کوفہ	۶۳ سال	نجف اشرف	آپ خود خلیفہ برحق تھے
۲	حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۱۵ رمضان المبارک سنہ ۳ھ مدینہ منورہ	۱۲ صاحبزادے ۱۵ صاحبزادیاں	ربیع الاول، سنہ ۴۹ھ مدینہ منورہ	۴۶ سال	جنت البقیع مدینہ منورہ	معاویہ بن ابوسفیان
۳	حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۵ شعبان المعظم سنہ ۴ھ مدینہ منورہ	۵ صاحبزادے ۳ صاحبزادیاں	۱۰ محرم الحرام سنہ ۶۱ھ کربلا معلیٰ	۵۶ سال	کربلا معلیٰ عراق	یزید بن معاویہ
۴	حضرت سیدنا امام علی اوسط رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرت شہر بانو رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۱۵ جمادی الثانی سنہ ۳۸ھ مدینہ منورہ	۱۶ صاحبزادے ۲ صاحبزادیاں	۲۵ محرم الحرام سنہ ۹۵ھ مدینہ منورہ	۵۷ سال	جنت البقیع مدینہ منورہ	ولید بن عبدالملک
۵	حضرت سیدنا امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرت سیدہ فاطمہ بنت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۳ صفر المظفر سنہ ۵۷ھ مدینہ منورہ	۸ صاحبزادے	ذوالحجہ سنہ ۱۱۴ھ مدینہ منورہ	۵۷ سال	جنت البقیع مدینہ منورہ	ہشام بن عبدالملک
۶	حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	ام فروہ بنت حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۱۳ ربیع الاول سنہ ۸۳ھ مدینہ منورہ	۵ صاحبزادے	۱۸ رجب المرجب سنہ ۱۴۸ھ مدینہ منورہ	۶۵ سال	جنت البقیع مدینہ منورہ	ابوجعفر منصور

نمبر شمار	اسمائے ذی شان	والدہ محترمہ کا اسمِ گرامی	مولد	اولادِ اطہار	سنِ ارتحال	عمرِ مبارکہ	مزارِ مقدس	بوقتِ رحلت دورِ سلطنت
۷	حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرت حمیدہ بربری رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۱۰ صفر المظفر ۱۲۸ھ ابواشریف	۲۲ صاحبزادے ۳۷ صاحبزادیاں	۲۵ رجب المرجب ۱۸۶ھ بغداد عراق	۵۸ سال	کاظمین بغداد (عراق)	خلیفہ ہارون الرشید
۸	حضرت سیدنا امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرت اُمّ البنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۱۱ ربیع الاول ۱۴۸ھ مدینہ منورہ	۵ صاحبزادے	صفر المظفر ۲۰۳ھ مشہد ایران	۵۴ سال	مشہد (ایران)	مامون الرشید
۹	حضرت سیدنا امام محمد تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرت خیزران رضی اللہ تعالیٰ عنہا	رجب المرجب ۱۹۵ھ مدینہ منورہ	۲ صاحبزادے	ذوالحجہ ۲۲۱ھ کاظمین عراق	۲۵ سال	کاظمین (عراق)	معتصم باللہ
۱۰	حضرت سیدنا امام علی النقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرت شمانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت مامون الرشید	رجب المرجب ۲۱۲ھ مدینہ منورہ	۱۲۰ صاحبزادے اور صاحبزادیاں	رجب المرجب ۲۵۴ھ سرمن رآئی	۴۱ سال	سرمن رآئی	المستنصر باللہ
۱۱	حضرت سیدنا امام حسن عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرت حدیثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	رمضان المبارک ۲۳۲ھ مدینہ منورہ	۱ صاحبزادہ	۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ سرمن رائی	۲۸ سال	سرمن رائی	معتمد باللہ
۱۲	حضرت سیدنا امام محمد مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرت نرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۵ شعبان المعظم ۲۵۵ھ سرمن رائے	واللہ تعالیٰ اعلم	واللہ تعالیٰ اعلم	واللہ تعالیٰ اعلم	واللہ تعالیٰ اعلم	واللہ تعالیٰ الم

بابِ ہشتم:

حضورِ اکرم نبیِ محترم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دیگر متعلقین

یُوں تو ہر صاحبِ ایمان کا حضورِ نبیِ کریم، رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ نہایت دَرجہ ارفع و اعلیٰ اور گہرا تعلق ہے۔

خلّاقِ عالم ربِّ کائنات اللہ تبارک و تعالیٰ جلّ شانہٗ کا فرمانِ ذی شان ہے کہ:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ط

"(یعنی حضورِ نبیِ کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم ایمان والوں کے لئے اُن کی جانوں سے بھی زیادہ اَوْلٰی[1] (قریب، مالک، حق دار) ہیں اور اُن کی ازواجِ مطہرات ایمان والوں کی (رُوحانی) مائیں ہیں" (الاحزاب: ٦)

اِس آیۂ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضور رحمتِ عالم شفیعِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم تمام ایمان والوں کے قریب اور اُن کے ملجا و ماوٰی بھی ہیں اور ان کے رُوحانی باپ بھی ہیں۔ تو جس طرح رُوح کے بغیر جسم مردہ اور بے کار رہتا ہے، اسی طرح رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی محبت اور آپ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے تعلق کے بغیر دعوئ ایمان مُردہ اور بے کار ہے۔ کوئی شخص خواہ خود کو کتنا ہی صاحبِ ایمان کیوں نہ سمجھتا رہے عند اللہ وہ صاحبِ ایمان نہیں ہے، کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (النسآء: ٦٥)

---

[1] اَوْلٰی کا معنیٰ قریب، حق دار، مالک ہے۔ یہاں یہ سب معانی درست ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

"تو (اے محبوب علیک الصلوٰۃ والسلام) تمہارے رب کی قسم! وہ (اس وقت تک) صاحبِ ایمان نہیں ہوں گے، جب تک کہ وہ تمام تنازعات میں آپ کو اپنا حاکم (آقا) نہ بنائیں اور تم (اُن کے تنازعات کا) جو بھی فیصلہ فرمادو، وہ اس کے بارے میں اپنے دل میں (کسی قسم کی کوئی) رکاوٹ نہ پائیں، بلکہ مکمل طور پر تہِ دل سے قبول کرلیں۔"

قبولیتِ فیصلہ کی یہ حالت تب ہی ممکن ہے، جب محبت اور قرب اپنے معراج کو پہنچ جاتے ہیں کہ محب اپنے محبوب کی نہ صرف ہر ہر ادا کو اپنانا اپنے لئے حرزِ جاں سمجھتا ہے بلکہ اس کے ہر حکم اور خواہش کے سامنے اس طرح سرِ تسلیم خم کردیتا ہے کہ اس کے قلبِ صادق میں اعتراض و انکار کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی، یہی ایمان اور یہی اسلام ہے۔ اسی چیز کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے حضور نبی اکرم رسولِ محترم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

(رواہ بخاری و مسلم شریف عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

"تم میں سے (اُس وقت تک) کوئی بھی صاحبِ ایمان نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اُس کو اُس کے والدین، اُس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔"

ظاہر ہے کہ انسانوں میں وہ خود بھی، اس اعتبار سے معلوم ہوا کہ جب تک کوئی شخص میرے آقا رسولِ عربی (فداہ روحی وجسدی، اُمی وابی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو والدین، اولاد اور دیگر اعزاء واقرباء تو درکنار اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ رکھے گا۔ وہ شخص دُنیا والوں کی نظر میں مولوی، مفتی، قاری، علامہ، پیر صاحب، حضرت صاحب تو ہوسکتا ہے، مگر ربِ کعبہ کی قسم صاحبِ ایمان نہیں ہوسکتا۔

مذکورہ بالا مختصر سی گفتگو سے معلوم ہوا کہ ہر صاحبِ ایمان کا رسولِ اکرم نبی محتشم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ نہایت مضبوط اور گہرا قلبی تعلق ہے۔

بایں ہمہ اس باب میں ان عظیم شخصیات کا اختصاراً تذکرہ کیا جاتا ہے کہ جن کو بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں خصوصی مقام و مرتبہ حاصل تھا۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْب۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلانے والی خواتین

عرب میں رواج تھا کہ جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو وہ اپنے قبیلہ کی بجائے کسی دوسرے قبیلہ کی کسی بہترین انا (دودھ پلانے والی دایہ) کو تلاش کرتے اور کوشش کرتے کہ کسی ایسی عورت (دایہ) کا انتخاب کیا جائے جو فصاحت و بلاغت اور سیرت و کردار کے اعتبار سے بلند مرتبہ ہو۔ خطۂ عرب کے اسی رواج کے تحت میرے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (فداہ روحی وجسدی، امی وابی) کو آپ کی والدہ ماجدہ، طیبہ طاہرہ سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ دیگر کئی عورتوں نے دودھ پلانے کا شرف حاصل کیا۔ بعض مؤرخین وارباب سیر نے ان کی تعداد آٹھ، بعض نے اس سے بھی زائد بتائی ہے۔ عمومی طور پر جن ناموں پہ اتفاق ہے، وہ درج ذیل ہیں:

(۱) سب سے اول آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شیرِ مبارک نوشِ جاں فرمایا۔

(۲) **حضرت ثویبہ** رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ان کے اسم گرامی کی قرأت میں قدرے اختلاف ہے۔ بعض جگہ "ثویبہ" ہے اور بعض جگہ "ثوبیہ" (واللہ تعالیٰ اعلم) ان کا تعلق خاندان بنو سلمہ سے تھا۔ آپ رسولِ اکرم نبی محترم، شفیعِ معظم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابولہب کی کنیز تھیں۔ حضور نبی کریم

رؤف ورحیم صاحبِ خُلقِ عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی تو یہ خوشی سے بے تابانہ انداز میں، دوڑتی ہوئی ابولہب کے پاس آئیں اور اُسے خوش خبری سُنائی کہ تمہارے مرحوم بھائی عبداللہ کے ہاں مولودِ مسعود کی جلوہ گری ہوئی ہے۔ ابولہب نے اسی خوش خبری کے صلہ میں ان کو آزاد کردیا اور حکم دیا کہ "جاکر میرے بھتیجے کو دودھ پلاؤ۔" چنانچہ سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد میرے آقا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دُودھ پلانے کا شرف حضرت ثویبہ ہی کے حصہ میں آیا۔

(۳) حضرت سیدہ اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا: ان کا اصل نام "برکتہ" اور کنیت ام ایمن تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حبشی الاصل تھیں۔ ان کا سلسلہ نسب یُوں ہے: "ام ایمن برکتہ بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمر بن نعمان"

آپ حضرت سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیز تھیں، جو وراثت میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ملیں۔

حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پہلی شادی عبید اللہ بن زید الحبشی سے ہوئی اور ان سے حضرت ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ اسی وجہ سے "برکتہ" کی کنیت ام ایمن ہوئی۔ ان کا دُوسرا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا، جن سے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت سیدہ ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال پُرملال حضرت سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَورِ خلافت میں ہوا، جبکہ ان کے بڑے صاحبزادے حضرت ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ حنین میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

ان کے دوسرے صاحبزادے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ بعض اوقات خود اپنے دستِ مبارک سے ان کا چہرہ دھوتے اور کپڑے تبدیل فرماتے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت سیدہ اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بہت احترام فرماتے تھے، بلکہ ارشاد فرماتے: اُمِّیْ بَعْدَ اُمِّیْ۔ (یہ) میری امی (والدہ محترمہ) کے بعد امی ہیں"۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب اپنے لختِ جگر حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ساتھ لے کر اپنے شوہر نامدار حضرت سیدنا عبد اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی قبرِ انور کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئیں تو اپنی معتمد علیہا کنیز حضرت اُمِ ایمن (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو بھی ساتھ ہی لے گئی تھیں۔ جب واپسی پر مقامِ ابواء پر سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بوقتِ رحلت حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وصیت کی تھی کہ میرے لختِ جگر نورِ نظر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اچھے طریقے سے حفاظت و پرورش کرنا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر مبارکہ صرف چھ برس کی تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی دم توڑتی ہوئی والدہ محترمہ کے سرہانے کھڑے زار و قطار آنسو بہا رہے تھے، جبکہ شدتِ غم سے نڈھال اُمّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو آغوشِ محبت میں لے کر دلاسا دے رہی تھیں۔ اُس وقت سے لے کر آخر دم تک حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خدمتِ نبوی کا اہم ترین فریضہ بطریقِ احسن سر انجام دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد الانبیاء معدن الجود والعطاء منبع العلم الحلم والحیاء وعلیٰ الہ واصحابہ دائمًا ابدًا۔

(۴) حضرت سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی باقاعدہ رضاعت کا شرف جس عظیم المرتبت خاتون کے حصہ میں آیا، وہ حضرت سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں،

جنہوں نے تقریباً ۲ سال تک حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دُودھ پلایا۔ آپ کا اسمِ گرامی "حلیمہ" اور کنیت "اُمِ کبشہ" تھی۔ اِن کا سلسلۂ نسب یوں ہے:

سیدہ حلیمہ بنت ابی ذویب، عبداللہ بن حارث بن شجنہ بن جابر بن رزام بن ناصرہ بن قصتیہ بن نصر بن سعد بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفتہ بن قیس بن عیلان بن الیاس — اس جگہ یعنی حضرت الیاس پر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سلسلۂ نسب، نسبِ نبوی میں شامل ہو جاتا ہے، چونکہ آپ بنو ہوازن کی شاخ بنو سعد بن بکر سے تعلق رکھتی تھیں، اس لئے ان کو حلیمہ سعدیہ کہا جاتا ہے۔

حضرت سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شوہر کا نام حارث ہے، اور سلسلۂ نسب یوں ہے: الحارث بن عبدالعزّیٰ بن رفاعہ بن ملان (ابن ہشام کے نزدیک رفاعہ بن ہلال) بن ناصرہ بن قصیتہ بن سعد بن بکر ہوازن — گویا "ناصرہ" سے حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ کے خاوند کا سلسلۂ نسب ایک ہو جاتا ہے۔ اِس طرح یہ دونوں اولادِ اسماعیل علیہ السلام سے ہیں یعنی رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نسب عالی میں شامل ہو جاتے ہیں۔

علامہ ابن ہشام علیہ الرحمہ حضرت ابن اسحاق کے حوالہ سے بیان فرماتے ہیں:۔
رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بہن بھائی جو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تھے، وہ یہ ہیں:۔ عبداللہ، انیستہ اور خذامتہ۔ خذامہ کا اصلی نام "الشیما" تھا، لیکن خذامہ کے نام کا غلبہ اُن کے اصلی نام پر ہو گیا، وہ اپنے خاندان میں خذامتہ کے نام سے ہی پہچانی جاتی تھیں۔

مرقوم ہے کہ "الشیما" نے اپنی والدہ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مل کر رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت و دیکھ بھال میں اہم ترین کردار ادا کیا۔

اس جگہ یہ واقعہ دل چسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جب سن آٹھ ہجری میں غزوۂ حنین کے بعد قیدی بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیے گئے تو ان میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی ہمشیرہ الشیما بھی تھیں، انہوں نے بارگاہِ اقدس میں عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) میں تو آپ کی بہن شیما ہوں"۔ (اور مجھے قید کر لیا گیا ہے) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اُس کا ثبوت کیا ہے؟" تو شیما نے عرض کیا: جب آپ بچپنے میں بسلسلۂ رضاعت ہمارے گھر میں تشریف فرما ہوئے تھے اور میں آپ کو گود میں اٹھایا کرتی تھی۔ ایک دن میں نے آپ کو تنگ کیا، تو آپ نے مجھے کاٹ لیا تھا۔ یہ کہہ کر شیما نے کاٹنے کا نشان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دکھایا جسے دیکھتے ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے پہچان لیا اور وہ واقعہ نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شدتِ جذبات میں اُن کے احترام کے لئے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے[1] اور اپنے سرِ انور سے چادر مبارک اُتار کر زمین پر بچھا دی اور حضرت شیما کو اُس پر بیٹھنے کا حکم ارشاد فرمایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی رضاعی والدہ کو یاد کرکے تادیر آنسو بہاتے رہے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شیما سے ارشاد فرمایا: "تم جو چاہو مانگو میں تم کو دوں گا، تم جس کی سفارش کرو، میں قبول کروں گا۔ چنانچہ شیما نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی قوم (بنو ہوازن) کے قیدیوں کو کہ جن کی تعداد چھ ہزار تھی اسے بخش دینے کی سفارش کی، اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہ سب کے سب قیدی ان کو بخش دیئے۔ اللہ اکبر! کیا دُنیا بھر میں کسی بھی انسان کی ایسی فیاضی، عظیم مہربانی اور وفاشعاری کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ (نہیں ہرگز نہیں)

---

[1] معلوم ہوا کہ کسی کی محبت یا احترام میں کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرنا اور اکرام سے بٹھانا سنتِ نبوی علیہ السلام ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

اِس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شیما سے ارشاد فرمایا:
"اگر تم چاہو تو میرے پاس رہو تمہیں انتہائی محبت و احترام حاصل رہے گا اور اگر تم اپنی قوم کے پاس رہنا چاہو، تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" شیما نے عرض کیا: میں یہی چاہتی ہوں کہ اپنی قوم کے پاس واپس چلی جاؤں (کہ میرا قبیلہ اور اعزاء و اقرباء وہیں ہیں)
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سا مال و دولت اونٹ بکریاں مکحول نامی ایک غلام اور ایک کنیز عطا فرما کر پورے عزت و احترام سے اُن کو رخصت فرمادیا۔
ایسا ہی ایک واقعہ حضرت سیّدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں مشہور ہے۔ حضرت ابوطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک ضعیف العمر عورت حاضر ہوئی۔ رسولِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُس کے استقبال کے لئے کھڑے ہوگئے اور اُن کے لئے اپنے سرِ مقدس سے چادر اُتار کر زمین پر بچھا دی اور اُس خوش نصیب عورت کا ہاتھ پکڑ کر بڑی قدر و منزلت کے ساتھ چادر پر بٹھا دیا اور خود ان کے سامنے تشریف فرما ہوگئے۔ اماں جی نے جب تک چاہا محوِ گفتگو رہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پوری توجہ اور محبت کے ساتھ اُن کی باتوں کو سُنا اور جب وہ جانے لگیں — تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سا مال و اسباب عطا فرما کر بڑے احترام کے ساتھ اُن کو رخصت فرمایا۔ حضرت ابوطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام سے پوچھا: "یہ خوش نصیب خاتون کون ہے؟ جن کا اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قدر احترام فرما رہے ہیں۔" تو مجھے بتایا گیا "یہ وہ نیک بخت خاتون ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دُودھ پلایا تھا۔"

○ ان کے علاوہ سعدیہ نام کی ایک اور خاتون اور قبیلہ عواتک کی تین خواتین شامل ہیں، البتہ ان خواتین میں دُودھ پلانے کی سب سے زیادہ خدمت حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سرانجام دی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی خدام

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوحمزہ اور والد کا نام مالک بن نضر تھا جو کہ مدینہ طیبہ کے مشہور قبیلہ بنو خزرج سے متعلق تھا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ اُمّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اصل نام میں اختلاف ہے۔ مختلف اقوال کے مطابق ان کا نام رملہ، سہلہ، ملیکہ، غمیصہ اور رمیصہ بیان کیا گیا ہے مگر آپ کی کنیت اُمّ سلیم ہی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد مالک بن نضر کو حالتِ کفر میں قتل کر دیا گیا۔ بعد ازاں حضرت اُمّ سلیم مسلمان ہو گئیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اسی دوران ایک اور مشرک زید بن سہل جن کی کنیت ابوطلحہ تھی اور تیر اندازی میں بہت شہرت رکھتے تھے، انہوں نے حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پیغامِ نکاح دیا، مگر آپ نے انکار کر دیا اور ساتھ ہی دعوتِ اسلام دے ڈالی۔ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہو گئے۔ پھر حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: "اب میں تم سے شادی کے لئے تیار ہوں کہ تم بلا شرط مسلمان ہو چکے ہو۔" چنانچہ حضرت اُمّ سلیم کی حضرت ابوطلحہ سے شادی ہو گئی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

ہجرتِ مدینہ سے قبل جن انصارِ مدینہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعتِ عقبہ کی تھی اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ طیبہ میں جلوہ گری فرمانے کی دعوت دی اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کے لئے اپنی جان و مال اور عزت و آبرو قربان کرنے کا عہد کیا، اُن جاں نثار صحابہ کرام میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ میدانِ بدر اور بعد کے غزوات میں بھی ہمرکابِ

نبوی رہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت مبارکہ ۹۳ھ میں بعمر ۱۰۷ سال ہوئی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نہایت جاں نثار صحابیہ تھیں۔ حضور نبی اکرم نبی محتشم رحمت عالم شفیع معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان پر خصوصی شفقت فرماتے۔ خود ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اکثر ہمارے گھر تشریف لاتے اور قیلولہ (دوپہر کا آرام) فرماتے۔ میں آپ کے لئے چمڑے کا بستر بچھا دیتی۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نیند میں بہت زیادہ پسینہ آتا تھا۔ میں (چمڑے کے بستر سے) اس پسینہ کو جمع کر لیتی اور اپنی خوشبو میں ملا لیتی (ایک دن میں جو بستر شریفہ سے پسینہ مبارک جمع کر رہی تھی تو) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے ام سلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟" میں نے عرض کیا: "یہ آپ کا پسینہ مبارک ہے، ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملاتے ہیں، کیونکہ یہ نہایت ہی عمدہ اور بہترین خوشبو ہے۔"

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: "ہم اپنے بچوں کے لئے اس سے برکت کی امید رکھتے ہیں۔" اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تو نے بہت اچھا کیا۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں جلوہ گر ہوئے، اس وقت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارک دس برس کی تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے ان کو بارگاہ رسالت مآب میں بطور خادم پیش کر دیا، جسے آقائے نعمت رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شرف قبولیت سے نوازا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گھریلو کام کاج کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔ حضور اکرم نبی محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر

خصوصی شفقت فرماتے۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں آپ علمِ دین کی اشاعت و تبلیغ کے لئے بصرہ تشریف لے گئے اور بصرہ میں ہی ۹۱ھ میں آپ رحلتِ مبارکہ فرما گئے۔ آپ کی اولاد کا شمار ایک سَو ہے۔ بعض اقوال کے مطابق آپ کی اولاد کی تعداد اسّی ہے، جن میں اٹھہتر لڑکے اور دو لڑکیاں شامل ہیں۔ (الکمال فی اسماء الرّجال)

(۲) حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا نام کعب اور آپ کی کنّیت ابوالفراس تھی۔ آپ مدینہ طیبہ کے مشہور قبیلہ بنو اسلم سے تعلق رکھتے تھے۔ مرقوم ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار اصحابِ صُفّہ میں ہوتا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ کے قدیم اصحاب میں سے ایک تھے۔ سفر و حضر میں حضور اکرم نبی محتشم، رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ فیض درجت میں حاضر رہتے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصی خدمت بارگاہِ رسالت میں وضوء وغیرہ کے لئے پانی پیش کرنا، مسواک شریف سنبھالنا اور نعلینِ مقدس اٹھانا تھا۔ (زہے مقدر زہے نصیب) اس خدمتِ عالیہ کا بارگاہِ اقدس سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عظیم الشان صلہ عطا فرمایا گیا۔ خود حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَيْتُهٗ بِوُضُوْءِهٖ وَحَاجَتِهٖ فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَوْغَيْرَ ذَالِكَ قُلْتُ هُوَذَاكَ قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَتِ السُّجُوْدِ۔ (صحیح مسلم)

"میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں رات بسر کیا کرتا تھا۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور وضو اور دیگر ضروریات کے لئے

پانی وغیرہ پیش کیا کرتا تھا۔ ایک دن جو دریائے رحمت جوش میں آیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: "ربیعہ مانگ کیا چاہتا ہے۔" اس پر میں نے عرض کیا کہ "(یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) میں آپ سے جنت میں آپ کا ساتھ مانگتا ہوں۔" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ربیعہ! اس کے سوا اور بھی (جو تیرے جی میں آئے) مانگ لے۔ (ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا: "(یا رسول اللہ علیک الصلوٰۃ والسلام) میرے لئے یہی سب کچھ ہے، جو میں نے مانگ لیا ہے۔" تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "تو میرا معاون بن اپنی جان کے ساتھ، سجدوں کی کثرت کے ذریعہ سے (یعنی کثرت کے ساتھ نمازیں ادا کیا کر) (صحیح مسلم شریف)

سبحان اللہ تعالیٰ وبحمدہٖ! نگاہِ نبوت کی ضیاء پاشیوں سے اپنے قلوب و اذہان کو منور کر لینے والے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کس قدر عالی قدر اور نقطہ سنج تھے کہ ایک مختصر سے جملے میں کائنات کی عظیم ترین نعمت کو مانگ لیا، بلکہ یُوں کہیے کہ سب کچھ ہی مانگ لیا، کیونکہ اصلِ کائنات کو جو مانگ لیا اور محض جنت کی بجائے مالکِ جنت کو مانگ لیا۔ اسی لئے تو عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ علیک الصلوٰۃ والسلام میرے لئے یہی سب کچھ ہے، گویا ؎

تجھ کو تجھی سے مانگ کر لی مانگ ساری کائنات
اُٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دُعا کے بعد

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۶۳ھ میں عالمِ فانی سے ملاءِ اعلیٰ کی طرف انتقال فرما گئے ــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و رضوا عنہ!

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضور نبی اکرم رسولِ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دارِ ارقم میں تشریف لے جانے سے قبل شرفِ ایمان سے مشرف ہوئے، بلکہ مرقوم ہے ۔ رسولِ معظم نبی مکرّم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعلانِ نبوت فرمانے کے بعد اسلام قبول کرنے والوں میں آپ چھٹے شخص ہیں، یعنی آپ سے قبل محض پانچ افراد نے اسلام قبول کیا تھا ۔ حضور رحمتِ عالم شفیعِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خصوصی کرم نوازی فرماتے ہوئے ان کو اپنے پاس رکھ لیا ۔ اس طرح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخص الخواص خدام میں شامل ہو گئے ۔

حضرت ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ یمن سے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے، تو ایک زمانہ تک ہم ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہل بیت میں سے سمجھتے رہے، اس لئے کہ یہ اور ان کی والدہ حضور سیدِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے کاشانۂ مقدس میں اسی طرح رہتے تھے جیسے کہ اسی گھر کے ایک فرد ہوں ۔ (بخاری شریف)

خاص خادم ہونے کی وجہ سے "صاحب النعل" (نعلین مبارک سنبھالنے والے) "صاحب الوسادۃ" (تکیہ پیش خدمت کرنے والے) "صاحب المطھرۃ" (وضو اور غسل کے لئے پانی پیش کرنے والے) آپ کے القاباتِ مبارکہ ہیں، کیونکہ اکثر و بیشتر یہ خدمات آپ ہی سرانجام دیتے تھے ۔ اگرچہ دوسرے صحابہ بھی یہ خدمات دیتے تھے، جیسا کہ حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں گزر چکا ہے، لیکن اکثر یہ ذمہ داری اور خدمت گزاری آپ ہی کی ہوتی ۔

حضرت عبد اللہ ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر سمیت تمام غزوات میں ہمرکابِ نبوی رہے ۔ بیعتِ رضوان میں بھی کہ جس کا ذکر خصوصی طور پر قرآنِ کریم میں ہے آپ شامل رہے ۔

٭ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے بارے میں ارشادِ گرامی ہے کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے امیر بناؤں، تو عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو بناؤں نیز فرمایا کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم کو اس طرح پڑھنا چاہتا ہو جس طرح نازل ہوا ہے تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے طریقہ کے موافق پڑھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب ہجرتین ہیں، کیونکہ آپ نے پہلی ہجرت حبشہ کی طرف فرمائی، جبکہ دوسری ہجرت مدینہ منورہ کی جانب کی۔

غزوۂ بدر کے اختتامِ جنگ پر حضور سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ ابوجہل لعین کے بارے میں تحقیق کرو کہ کس حال میں ہے کیونکہ حضرات معاذ و معوذ فرزندانِ حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھوں وہ سخت مجروح ہو چکا تھا۔ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس کے سرہانے پہنچے تو وہ درد کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کے سینۂ پُر کینہ پر پاؤں رکھ کر اپنی تلوار سے اُس کی گردن کاٹنا چاہی، تو تلوار کند ہونے کی وجہ سے گردن نہ کٹی۔ پھر آپ نے ابوجہل کے پہلو سے اُس کی تلوار نکالی اور گردن کاٹنے لگے تو ابوجہل لعین نے کہا کہ میری پوری گردن کاٹنا تاکہ میرا سر باقی سروں میں اونچا رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس کا سر کاٹ کر بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور ابوجہل کی بات بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی، تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سجدۂ شکر ادا فرمایا اور حکم دیا کہ مجھے اُس کی لاش پر لے چلو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور سیدِ عالم رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ابوجہل کی لاش پر لائے تو حضور نبی کریم سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَخْزَاکَ هٰذَا فِرْعَوْن، هٰذِهِ الْاُمَّةِ جُرُّوْهُ اِلَى الْقَلِیْبِ۔

"ساری کی ساری تعریفیں اُس اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہیں کہ جس نے تجھے ذلیل و رُسوا فرمایا۔ یہ اِس امت کا فرعون تھا، اِس کو کھینچ کر گڑھے میں ڈال دو۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جسمانی اعتبار سے نحیف اور کمزور، رنگ مبارک گندمی تھا پستہ قد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جن اصحاب کو فتویٰ کا اختیار تھا، اُن میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلتِ مبارکہ کے بعد آپ کوفہ میں مسند قضا کے مالک یعنی چیف جسٹس بنا دیئے گئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں بیت المال کی ذمہ داری بھی ان ہی کو سونپ دی گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے ابتدائی ایام تک نبھائی پھر آپ مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے اور تقریباً ساٹھ برس کی عمر پا کر ۳۲ھ کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی نمازِ جنازہ امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔

(۴) حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا نام رباح اور والدہ محترمہ کا اسمِ گرامی "حمامہ" رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ آپ کے خاندان کا تعلق ان قبائل کے ساتھ تھا جو قدیم زمانہ سے حبشہ اور یمن کے درمیان آباد تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ گہرا گندمی (سیاہ) قد دراز اور بدن نحیف اور کمزور تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں سُرخ، رخساروں پر گوشت کم، سینہ کشادہ جبکہ آواز بہت بلند اور بارُعب تھی، گو آپ کے جسمِ انور پر کثرت سے بال تھے، مگر ریش مبارک (داڑھی) ہلکی تھی۔

قبولِ اسلام: حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابتداً

غلامی کی وجہ سے براہِ راست دربارِ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضری کا موقع نہ ملا تھا، بلکہ اعلانِ توحید کے اولین ایام میں آپ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغ و ترغیب سے مسلمان ہوئے۔ جب حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر ہوئی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور ان کے قبولِ اسلام کو عرب سے باہر اشاعتِ اسلام کا پیش خیمہ قرار دیا۔

قبولِ اسلام کے وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارکہ تقریباً تیس ۳۰ برس کی تھی۔ قبولِ اسلام پر آپ کو امیہ بن خلف نے شدید ترین ایذائیں دیں، کیونکہ اس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیہ بن خلف کی غلامی میں تھے۔ وہ کبھی تو آپ کو تپتی ہوئی ریت پر اوندھے منہ لٹا کر کمر پر بھاری بھرکم پتھر رکھوا دیتا تاکہ آپ حرکت نہ کر سکیں اور کبھی اُونٹ یا گائے کی کھال میں لپیٹ کر آگ اگلتے سورج کی دھوپ میں لٹا دیتا۔ بعض اوقات لمبے لمبے کانٹے پورے جسم میں جا بجا بے دردی سے چبھوتا اور کبھی لوہے کی تنگ زرہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنا کر اور ہاتھ پاؤں بندھوا کر جھلسا دینے والی دھوپ میں ڈلوا دیتا اور گردن یا پاؤں کو رسی باندھ کر اپنے دوسرے غلاموں کو حکم دیتا کہ ان کو بازاروں میں گھسیٹیں۔ ربِ ذوالجلال کی بےشمار رحمتوں کا نزول ہو عزم و استقامت کے اس کوہِ گراں پر کہ آپ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش نہ آئی۔ اسی طرح کئی دن گزر گئے۔ پھر مشیتِ ایزدی کو منظور ہوا کہ اس وفا شعار غلام حضرت بلالِ حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس ظالم کے پنجۂ ظلم و استبداد سے نجات دلوا دی جائے۔ ہوا یوں کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک دن ادھر سے گزرے اور معمول کے مطابق اس عاشقِ صادق کو تکالیف برداشت کرتے اور احد احد کے نعرے لگاتے ہوئے دیکھا تو امیہ سے

فرمایا کہ اس غلام کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتا کہ تیری آخرت سنور جائے۔
اُمیہ نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ "اگر اس کا اتنا ہی درد ہے تو تم اسے خرید لو۔ مزید یہ کہ میں تمہارا مقروض ہوں، اس طرح قرضہ بھی ادا ہو جائے گا۔" حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید نے کے لئے تیار ہو گئے۔ اُمیہ نے اپنے ساتھیوں کو چپکے سے کہا کہ "دیکھنا اب میں اس (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ کیسا کھیل کھیلتا ہوں"۔ پھر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر بولا: "اس کی قیمت معلوم ہے؟" آپ نے ارشاد فرمایا: "بتاؤ کیا قیمت لوگے"؟ اس نے کہا کہ "قرض کی سبکدوشی کے علاوہ آپ کا غلام "نسطاس رُومی"۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "مجھے منظور ہے"۔ اُمیہ ہنس کر بولا "نسطاس کی بیوی بھی ساتھ ہی دینا ہوگی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "چلو یہی سہی"۔ اُمیہ کو پھر شرارت سُوجھی اور کہا: "اُس کی بیٹی بھی میرے حوالہ کرنا ہوگی" سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی منظور کر لیا (کیونکہ یہ سارے کے سارے ابھی تک مُشرک تھے اور ایمان نہیں لاتے تھے۔) اُمیہ نے کہا: "تمہیں مزید دو سو دینار بھی دینا ہوں گے"۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اُمیہ تجھے بار بار وعدہ خلافی کرتے اور جھوٹ بولتے ہوئے شرم نہیں آتی"۔ اُمیہ نے لات و عزّیٰ کی قسم اٹھا کر کہا کہ اس کے سوا اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کو بھی قبول کر لیا اور یوں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بدبخت اُمیہ بن خلف کی غلامی سے آزاد ہو گئے۔ (تہذیب و تاریخ دمشق)

دُوسری روایت کے مطابق حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُمیہ بن خلف کو دو سو نہیں، بلکہ دو ہزار دینار (سونے کے سکے) دے کر خریدا۔ اُمیہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ

کرتے ہوئے ایک قہقہہ لگایا اور کہا:"ابوبکر! میں تم کو بڑا عقلمند سمجھتا تھا مگر تم نے ایک کالے حبشی غلام کی اتنی بڑی قیمت لگا دی، حالانکہ اس کی قیمت چالیس پچاس دینار سے زیادہ نہیں تھی۔" حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:"امیہ اگر میرے قبضے میں یمن کی سلطنت بھی ہوتی اور بلال کے بدلہ میں، تو مجھ سے وہ طلب کر لیتا، تو (رب کعبہ کی قسم) میں یہ سودا ابھی قبول کر لیتا۔ چند ہزار دینار کی بھلا حقیقت ہی کیا ہے؟ (سبحان اللہ تعالیٰ وبحمدہٖ) (سیرت ابن ہشام، الاستیعاب)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لیکر بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بہت زیادہ خوش ہوئے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سینۂ انور سے لگاتے ہوئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:"ابوبکر! تم نے بلال کی خریداری میں مجھے کیوں شریک نہ کر لیا؟" تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:"یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) ابوبکر اور بلال دونوں آپ کے غلام ہیں۔ میں بلال کو آزاد کرتا ہوں۔ اس عمل پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بے حد مسرور ہوتے۔ (مختلف کتب سیرت و تواریخ)

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے خصوصی خزانچی تھے۔ عمومی معاملات میں رقم کی ادائیگی اور وصولی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ تھی۔

جب رسول محترم نبی مکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوتے اور اذان کی ابتداء ہوئی، تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اذان کی ذمہ داری بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپ دی اور یوں اسلام میں پہلے مؤذن ہونے کا شرف بھی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آیا۔

حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے سارے وہ مؤذنین جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اذان دیتے ہیں۔ قیامت کے دن جنت کی سواریوں پر سوار ہو کر جنت کا لباس زیب تن فرمائے، سروں پر تاجِ عظمت سجائے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیرِ قیادت کلماتِ اذان دُہراتے ہوئے جنت کی طرف جائیں گے۔ (سبحان اللہ تعالیٰ زہے مقدر)

اللہ تعالیٰ کی شانِ قدرت دیکھیں کہ غزوۂ بدر کے دن امیہ بن خلف بھی میدانِ جنگ میں موجود تھا۔ جب کفار کو ہزیمت ہوئی تو اس نے بھاگنے کی کوشش کی۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نشان دہی پر انصارِ صحابہ نے اسے گرفتار کر لیا اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اپنے ہاتھوں، اس بدبخت کو قتل کیا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مبارک دیتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ: "مبارک ہو اے بلال! اللہ تعالیٰ تمہیں خیر و برکت سے نوازے، تم نے دشمنِ خدا (امیہ بن خلف) سے اپنا انتقام لے لیا ہے۔" (اسد الغابہ۔ استیعاب)

نوٹ: علامہ واقدی اور صاحبِ مدارج النبوۃ الشیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے قتلِ اُمیہ بن خلف کے بارے میں مختلف روایات نقل کی ہیں، جن کے مطابق اُمیہ کی نشان دہی کرنے والے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، لیکن قتل کرنے والے دوسرے انصار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔

(واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم)

وصالِ مبارک: حضور سیدِ عالم فخرِ بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلتِ مبارکہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت مضطرب رہے۔ مدینہ طیبہ کے کوچہ و بازار کو دیکھ کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنسو نہ تھمتے تھے۔

زمانۂ فاروقی میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجاہدینِ اسلام کے ساتھ فتحِ دمشق کے لئے روانہ ہوئے۔ جب ۱۶ھ شام فتح ہوا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شام میں مستقل سکونت کی درخواست پیش کی اور ساتھ ہی یہ کہ ان کے اسلامی بھائی حضرت ابورویحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اِن کے ساتھ دمشق یا حلب میں رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اجازت دے دی اور ان بزرگوں کو نہ صرف وہاں مناسب مقدار میں زرعی زمین عطا کر دی گئی، بلکہ دربارِ خلافت سے سالانہ پانچ ہزار درہم وظیفہ کی رقم بھی ان کی خدمت میں پیش کی جاتی رہی۔ اِن ہی ایام میں مشہور صحابی حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندان بھی یہاں آکر آباد ہو گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ہاں اپنے دینی بھائی کے لئے پیغامِ نکاح بھیجا جسے قبول کر لیا گیا اور انہوں نے اپنی دو لڑکیاں اِن دونوں (بلال اور ابورویحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے نکاح میں دے دیں۔

جب حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملکِ شام کا سفر اختیار فرمایا، تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر مقامِ جابیہ پر حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استقبال فرمایا اور پھر اس پورے سفر میں ہم رکابِ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہے۔

بالآخر ۲۰ھ کو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ایک دن جب آپ بیمار تھے اور آپ کی زوجہ محترمہ آپ کے پاس بیٹھی رو رہی تھی مگر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے تھے کہ "کتنی خوشی کی بات ہے کہ کل میں اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے جا ملوں گا۔" مرقوم ہے کہ اس واقعہ کے دوسرے دن بعد تریسٹھ برس کی عمر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رحلت فرما گئے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزارِ مقدس دمشق میں "بابُ الصغیر" نامی قبرستان میں ایک کمرہ کے اندر موجود ہے۔ ان کے ساتھ ہی حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر منور ہے اور اس چار دیواری سے متصل حضرت بی بی سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزارِ مبارک ہے۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

۵) حضرت سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام زید، والد کا نام حارثہ اور دادا کا نام شراحیل تھا، آپ کا تعلق مشہور قبیلہ بنو قضاعہ کی شاخ بنو کلب کے ساتھ تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام سُعدیٰ بنت ثعلبہ تھا اور یہ قبیلہ طے بنو معن سے تھیں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی کا نام جبلہ اور ہمشیرہ کا نام اسماء تھا۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارک ابھی صرف آٹھ برس کی ہی تھی کہ والدہ کے ساتھ ننھیال جاتے ہوئے آپ کا قافلہ ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ گیا۔ مال و اسباب کے ساتھ لٹیرے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اغوا کر کے لے گئے۔ جبکہ دوسری روایت کے مطابق حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ننھیال میں تھے کہ بنو فزارہ نے قبیلہ طے پر اچانک حملہ کیا اور مال و اسباب علاوہ قبیلہ طے کے کئی افراد کو قیدی بنا کر اغوا کر لیا۔ ان میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے بعد ازاں یہ لٹیرے ڈاکو دوسرے قیدیوں کے ساتھ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ کی منڈی "سوقِ عکاظ" میں فروخت کے لئے لے گئے، وہاں سے اُمّ المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد نے ان کو حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے چار سو درہم میں خرید لیا۔ جب تاجدارِ عرب و عجم شفیعِ معظم، رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا تو جنابہ سیدہ نے حضرت زید بن حارثہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

کو بارگاہِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بطورِ ہدیہ پیش کر دیا جسے رسولِ محترم نبیِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بخوشی قبول فرمایا۔

دُوسری طرف جب حارثہ بن شراحیل کو راہزنوں کے ہاتھوں اپنے لختِ جگر کے اغوا کا پتہ چلا تو بدنصیب باپ فورِ رنج والم سے دیوانہ ہو گیا اور یوں دھاڑیں مار مار کر رویا کہ گویا زمین وآسمان کا کلیجہ پھٹ گیا۔ وہ قریہ قریہ، بستی بستی زید زید پکارتا پھرتا تھا، وہ کبھی تو جنگلوں اور بیابانوں میں اپنے نورِ نظر کو آوازیں دیتا، اور کبھی غاروں میں اُسے تلاش کرتا اور جب تھک ہار کر نڈھال ہو جاتا، تو پُرسوز انداز میں ایسے فراقیہ اشعار پڑھتا کہ دوست تو دوست، دشمن بھی رو دیتے۔ کتب سیر وتواریخ میں حارثہ کے کئی اشعار منقول ہیں، اُن میں سے چند ایک کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"زید کے لئے میں بہت رویا پیٹا، مگر مجھے معلوم نہیں کہ میرا لختِ جگر کہاں چلا گیا؟"

"اے کاش کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ زندہ ہے تاکہ میں امید کا چراغ روشن رکھوں... یا پھر... کہیں اُس نے جامِ اجل تو نہیں پی لیا؟ (کہ میں مایوس ہو جاؤں)

"اللہ تعالیٰ کی قسم! میں بار بار پوچھتا بھی ہوں، مگر پھر بھی نہیں جانتا کہ وہ کس نرم زمین میں دفن ہو گیا ہے یا پھر سنگلاخ پہاڑوں نے نگل لیا ہے۔"

"(اے میرے جگر کے ٹکڑے!) اے کاش! مجھے معلوم ہو جاتا کہ تیری واپسی کبھی ممکن ہے؟ کیونکہ تیری واپسی سے میری اجڑی دنیا آباد ہو جائے گی۔"

"جب سُورج طلوع ہوتا ہے تو مجھے اس کی یاد تڑپا دیتی ہے (کہ شاید یہ دن میرے بیٹے پر کیسا گزرے گا؟) اور جب رات اپنا سیاہ دامن پھیلا دیتی ہے، تب بھی اس کی یاد میں لرز جاتا ہوں۔" (کہ شاید اُسے چین سے سونا بھی نصیب ہوتا ہوگا کہ نہیں)

"جب ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آتے ہیں تو اُس کے فراق کی آگ مزید
بھڑک اٹھتی ہے، آہ ! میں کتنے غم میں ہوں اور کتنا بدنصیب ہوں۔"
"(اے میرے نورِ نظر !) میں تیری تلاش میں زمین کا کونہ کونہ چھان ماروں گا۔
اگر میرا اونٹ تھک کر گر گیا، تو میں پیدل ہی تجھے تلاش کرتا رہوں گا۔"
"یہاں تک کہ (تو مل جائے یا پھر) مجھے موت آجائے، کیونکہ ہر جان نے
بالآخر مرنا ہے، اگرچہ اُمیدِ زندگانی نے اسے دھوکہ دے رکھا ہے۔"
"میں قیس اور عمر کو وصیت کرتا ہوں۔ نیز یزید اور جبلہ (زید کے بھائی)
کو بھی وصیت کرتا ہوں کہ (میرے مرنے کے بعد بھی) وہ زید کی تلاش
جاری رکھیں۔"

اسی طرح کئی سال و ماہ گزر گئے۔ پھر یُوں ہوا کہ بنو کلب کے چند آدمی حج بیت اللہ کے لئے آئے تو انہوں نے بازارِ مکہ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو پہچان لیا۔ انھوں نے حضرت زید کو ان کے والد کی حالتِ زار کے بارے میں مطلع کیا اور بتایا کہ وہ اُن کے فراق میں کس طرح نوحہ کناں ہیں۔ والدِ محترم کی داستانِ غم سُن کر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رو پڑے۔ بنو کلب کے لوگوں نے یہ چاہا کہ حضرت زید کو اپنے ساتھ لے جائیں لیکن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور اس مفہوم کا پیغام اپنے باپ کے نام بھیجا کہ:

"میں اگرچہ اپنے خاندان سے دُور ہوں، مگر میں اپنی قوم سے شدید محبت کرتا ہوں میں خانہ کعبہ کے جوار میں مشعرِ حرام کے قریب رہتا ہوں، تم اس غم کو بھول جاؤ کہ جس نے تمہیں شدید پریشان کر رکھا ہے۔ یُوں قریہ بقریہ گھوم پھر کر دُنیا کی خاک نہ چھانو۔ میری طرف سے مطمئن ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر ہے کہ میں بنی معد کے اس معزز خاندان سے ہوں، جو پُشت ہا پُشت سے صاحبِ عزت و وقار ہے۔"

بنو کلب کے ان لوگوں سے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا مکمل طور پر پتہ دریافت کیا اور یمن میں واپس جاکر حارثہ بن شراحیل کو اس کے گمشدہ لختِ جگر کے مل جانے کی خوشخبری سُنائی، تو مایوس و غمزدہ باپ فرطِ مسرت سے بے ہوش ہوگیا۔ ہوش میں آتے ہی اُس نے مکہ مکرمہ جانے کی تیاری شروع کردی اور پھر اپنے بھائی کعب اور بیٹے جبلہ کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ ممکنہ حد تک تیز رفتاری سے سفر طے کرتے ہوئے یہ مختصر سا یہ قافلہ مکہ مکرمہ پہنچا اور سستائے بغیر یہ لوگ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوگئے۔ سالہا سال سے اپنے نورِ بصر سے بچھڑا ہوا باپ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگا۔ رسولِ محترم نبی مکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے تسلی دی، تو سسکیاں بھرتے ہوئے حارثہ بن شرحیل نے بارگاہِ اقدس میں کچھ اس انداز سے اپنی گزارش پیش کی کہ:

ترجمہ: "اے صاحب قریش! اے ابن عبدالمطلب! اے حرم کعبہ کے متولی! اے غریبوں کے والی! اے مصیبت زدہ لوگوں کی دستگیری کرنے والے۔ میں ایک ٹوٹے ہوئے دل والا مصیبت زدہ شخص ہوں، اللہ تعالیٰ کے نام پر میرا لختِ جگر مجھے ملوا دو اور مجھ پر مزید احسان کرو کہ مجھے اجازت دو، میں اُسے اپنے ساتھ لے جاؤں اس کی آزادی کے لئے میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوں۔ اگر آپ منہ مانگی قیمت پر بھی اُسے میرے حوالہ کردیں، تو یہ آپ کا احسانِ عظیم ہوگا۔"

حضور نبی اکرم، رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غمزدہ حارثہ کی ڈھارس بندھاتے ہوئے سوال فرمایا، تمہارا لختِ جگر کون ہے؟

اُس نے کہا "آپ کا غلام زید۔"

حضور نبی محترم، رسولِ مکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سُن کر فرمایا،

"زید جو پسند کرے وہی مجھے منظور ہے، اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو مجھے کسی قسم کا کوئی عذر نہیں، میں بغیر کسی فدیہ (قیمت) کے اُسے تمہارے حوالہ کر دوں گا، تم اسے لے جانا، لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں ایسا شخص نہیں ہوں کہ اسے زبردستی اپنے سے جُدا کر دوں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فیصلہ سُن کر حارثہ خوشی سے جھُوم اُٹھا، اور بولا "مجھے یہ فیصلہ منظور ہے۔ بے شک آپ نے ہمیں استحقاق سے بڑھ کر عطا فرمایا۔" اس کے بعد حضور نبی اکرم رسُولِ محتشم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دربارِ عالیہ میں طلب فرمایا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی نظر میں اپنے باپ، چچا اور بھائی کو پہچان لیا، لیکن رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلال اور پاس ادب کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے یہاں تک کہ حضور رحمتِ عالم شفیعِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اِن سے دریافت فرمایا،

"زید جانتے ہو، یہ کون لوگ ہیں؟"

انہوں نے عرض کیا "جی ہاں! یہ میرے والد صاحب، یہ چچا محترم اور یہ بھائی جان ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "آگے بڑھو اور ان کو سلام کرو۔" حکم پاتے ہی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور ان سب سے ملے۔ اس موقع پر ہجر و فراق کا تڑپایا ہوا باپ اپنے کھوئے ہوئے لختِ جگر کو سینے سے چمٹا کر اس قدر رویا کہ داڑھی اور کپڑے آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ یہ ایک ایسا رقت آمیز منظر تھا کہ حاضرینِ محفل بھی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے۔ جب ذرا سکون ہوا تو رسُولِ مکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "زید یہ تمہارے باپ، چچا اور بھائی تمہیں لینے کے لئے آئے ہیں، جبکہ میری حالت سے تم بخوبی واقف ہو، میری طرف سے تمہیں پورا اختیار ہے، اگر تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو تمہیں اجازت ہے۔"

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً جواب دیا "اے میرے آقا! اے میرے مُربّی! (علیک الصلوٰۃ والسلام) آپ کی ذات پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے مجھے اپنے پاس رہنے دیجئے، مجھے مت بھیجئے۔ یہ سُن کر حارثہ بن شراحیل حیران وششدر رہ گئے اور بولے؛

"زید! افسوس کہ تم باپ، چچا، بھائی، خاندان اور وطن پر غلامی کو ترجیح دے رہے ہو؟"

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا؛ "یہ میرے آقا (علیہ الصلوٰۃ والسلام) مجھ پر اس قدر مہربان ہیں کہ حقیقی والدین بھی اپنی اولاد کے حق میں اتنے رحیم وشفیق نہیں ہوتے، اس لئے میں اُن کی غلامی کو ہزار ہا آزادیوں پر ترجیح دیتا ہوں۔"

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جواب باصواب پر حضور سرورِ کونین سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس قدر مسرور ہوئے کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی وقت آزاد کر دیا۔ پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر حرمِ کعبہ میں تشریف لے گئے اور قریش کے مجمع عام میں اعلان فرما دیا؛

"اے لوگو! گواہ رہنا، آج سے زید میرا بیٹا ہے، میں اس کا اور یہ میرا وارث ہے"

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حارثہ، چچا کعب اور بھائی جبلہ نے جب حضور نبی اکرم رسُولِ معظم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ شفقت و مہربانی دیکھی، تو فرطِ مسرت سے بے خود ہو گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کریم النفسی دریا دلی اور عنایاتِ بے پایاں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بطیبِ خاطر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارگاہِ مصطفوی میں چھوڑ کر خوش وخرم اپنے وطن واپس آ گئے۔ اس واقعہ کے بعد لوگوں نے ان کو "زید بن محمد" کہنا شروع کر دیا۔

جب حضور نبی اکرم رسُولِ محترم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے

اعلانِ نبوت فرمایا، تو فوراً بلا تاخیر و تردد حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ، حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ ساتھ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایمان لے آئے۔ عام طور پر جو یہ کہا جاتا ہے کہ غلاموں میں سب سے اول حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لے آئے۔ یہ جملہ ایک اعتبار سے درست نہیں ہے، کیونکہ اس وقت حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ غلام نہیں تھے، بلکہ آپ اس وقت آزاد تھے۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوشنودیٔ مصطفےٰ اکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ہجرتِ مدینہ منورہ سے چند سال قبل ایک مرتبہ دورانِ گفتگو حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی عورت جنتی کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو اسے اُمِ ایمن (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کر لینا چاہیے۔"

حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دایہ تھیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی بے حد تعظیم فرماتے تھے اور ان کو "اُمی بعد اُمی"۔ (یعنی میری ماں کی وفات کے بعد میری ماں) فرمایا کرتے تھے۔ گو حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا عمر میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہیں زیادہ بڑی تھیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کی خاطر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کر لیا اور ان کے بطنِ اطہر سے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ اسامہ بھی "حِبِ رسول" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

سنہ ۴ھ میں حضور نبی کریم صاحبِ خلقِ عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی

پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے خود رسولِ کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حق مہر ادا کیا۔ اِس نکاح سے قبل حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاندان نبوت کے ایک فرد کی حیثیت سے حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ اب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو علیحدہ مکان لے دیا اور امورِ خانہ داری کا ضروری سامان بھی مرحمت فرما دیا۔ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً ایک سال تک حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجیت میں رہیں۔ پھر طباع کی عدم موافقت کی وجہ سے نباہ نہ ہو سکا اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دی، اِس میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکمت تھی۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ یعنی اس کی منکوحہ کو ہمیشہ کے لئے اس کے منہ بولے باپ پر حرام سمجھا جاتا تھا۔ اِسی لئے جب عدّت طلاق پوری ہو گئی تو حضور نبی مکرم، رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منشائے الٰہی کے مطابق پیغامِ نکاح دیا اور پھر حکمِ خداوندی سے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا امہات المومنین میں شامل ہو گئیں۔ اِس پر منافقین یہود و نصاریٰ اور دیگر مشرکین نے بڑا شور مچایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کر لیا۔ ان فتنہ پرور لوگوں کا منہ بند کرنے کے لئے ربِّ کائنات جلّ شانہٗ نے سورۃ الاحزاب کی یہ آیہ مبارکہ نازل فرمائی۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ

"حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے (جسمانی) باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔"

اوراس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو حکم دیا کہ:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ (الاحزاب)

"(منہ بولے بیٹوں کو) ان کے باپوں کی طرف منسوب کرکے بلایا کرو، یہ بات اللہ تعالیٰ کے حضور بہت زیادہ انصاف والی ہے۔"

چنانچہ اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زید بن محمدؐ کی بجائے زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ اور جاہلیت کی رسم متبنّٰی کو اسلام نے ختم فرما دیا۔

شہادت: حضرت سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غزوۂ موتہ میں سپہ سالارِ فوج بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ اگر زید مرتبۂ شہادت پر فائز ہو جائیں، تو ان کے بعد جعفر بن ابی طالب علم اسلام تھام لیں اگر یہ بھی جامِ شہادت پی جائیں، تو علم اسلام عبداللہ بن رواحہ کو عطا ہوگا اور اگر یہ بھی شہادت پا جائیں، تو جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا اہل ایمان کا سپہ سالار بنا دے گا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اربابِ سِیَر و مغازی اور محدثین عظام بالاتفاق بیان فرماتے ہیں کہ جنگِ موتہ کے وقت رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ نبوی شریف میں رونق افروز تھے اور بہت سے صحابہ کرام علیہم الرضوان حاضرِ خدمت تھے۔ یکایک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میدانِ جنگ کے واقعات کا ذکر فرمانا شروع کر دیا۔ گویا کہ جنگ عین آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں کے سامنے ہو رہی ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "زید شہید ہو گئے، اب جعفر بن ابی طالب نے علمِ اسلام تھاما ہے" (پھر فرمایا) جعفر بھی شہید ہو گئے۔ اب علم عبداللہ بن رواحہ کے ہاتھوں میں ہے۔ (پھر فرمایا) "اب علم اس شخص نے تھام لیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔"

(مراد اس سے حضرت خالد بن ولید تھے) (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

بخاری شریف میں ہے کہ جب آپ یہ ذکر فرما رہے تھے، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی مُبارک آنکھوں سے مُسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔

(تفصیلی واقعہ غزوہ موتہ ۸ھ کے تحت ملاحظہ فرمائیں)

بوقتِ شہادت "کتاب الاصابہ" کے مطابق آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارک ۵۵ پچپن برس کی تھی، جبکہ طبقات ابنِ سعد کے مطابق آپ کی عمر مُبارکہ اکیاون یا باون برس کی تھی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

علامہ ابنِ اثیر نے "اُسد الغابہ" میں نقل کیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قد شریف نِسبتاً پست اور رنگ گندمی تھا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زندگی میں پانچ نکاح کیے۔ ان کی اولاد و ازواج کے نام مُبارک درج ذیل ہیں:

(۱) **حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا:** ان کے شکمِ اطہر سے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔

(۲) **حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا:** حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپھی جان کی صاحبزادی صاحبہ جو کہ بعد میں اُمّ المومنین کے منصبِ عظیمہ پر فائز ہوئیں۔

(۳) **حضرت اُمِّ کلثوم بنت عقبہ بن ابی مُعیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا**

حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پھوپھی زاد بہن اروٰی بنت کریز کی بیٹی تھیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے سوتیلے بھائی تھے۔ یعنی دونوں کی والدہ ایک تھی۔ ان کے شکم سے زیدؓ بن زید اور رقیہ بنت زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پیدا ہوئے۔

(۴) **حضرت درّہ بنت ابی لہب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)** حضرت درّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور نبی کریم سیدِ عرب و عجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا

ابولہب کی بیٹی تھیں، جو شرفِ ایمان سے مشرف ہوئیں۔

(۵) **ہند بنت عوام** رضی اللہ تعالیٰ عنہا، یہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقیقی ہمشیرہ تھیں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پھوپھی زاد بہن اور حضرت اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سگی بھتیجی تھیں۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تین اولادوں حضرت اُسامہ، حضرت زید، حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے حضرت زید اور حضرت رُقیّہ بچپن میں ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے، جبکہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نہایت محبوب صحابی بننے کا شرف حاصل ہوا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ)

اِن حضراتِ ذی وقار کے علاوہ بعض دیگر صحابہ کرام کے ذمہ بھی کچھ خدمات تھیں۔ اِن میں حضرت عقبہ[6] بن عمرو، حضرت سعدؓ، حضرت عامر[8]، حضرت بکیر[9]، حضرت اسود[10] بن مالک، حضرت ایمن[11]، حضرت ثعلبہ[12]، حضرت سالم[13]، حضرت سائب[14] اور حضرت ہلال[15] بن حارث (رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں۔ تلقیح لابنِ جوزی)

باب نہم

"دیکھو جو اک نظر . . . . دریا حباب میں"

نسبِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

شمار سلسلہ	آباءُ الکرام	اُمہاتہ الکرام	اُمہات کے دوھیال اور ننھیال
۱	(خاوند) حضرت عبداللہ	(زوجہ) سیدہ آمنہ	(والد کا نام) وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب (دیکھو سلسلہ ۶ آباء نبوی) (والدہ کا نام) برہ بنت عبدالعزیٰ بن عبدالدار بن قصی (دیکھو سلسلہ ۵ آباء نبوی)
۲	عبدالمطلب	فاطمہ	(والد کا نام) عمر بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ (آباء نبوی میں ساتواں نام) (والدہ کا نام) صخرہ بنت عبد بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ۔ (دیکھو سلسلہ ۷ آباء نبوی)

لہ یعنی حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد ماجد اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نانا جان اور والدہ سے مراد حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ ہیں اسی طرح یہ سارا سلسلہ ہے حضرت عبداللہ کی والدہ کا نام فاطمہ تھا جو حضرت عبدالمطلب کے نام کے سامنے درج ہے علیٰ ہذا القیاس

شمار سلسلہ	آبائے الکرام	امہاتہ العظام	امہات کے ددھیال اور ننھیال
۳	(خاوند) ہاشم	(زوجہ) سلمیٰ	ددھیال: (والد کا نام) عمرو بن زید بن لبید بن خداش[1] بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار (تیم اللہ) بن ثعلبہ خزرجی۔ ننھیال: (والدہ کا نام) عمیرہ بنت صخر بن حبیب بن الحارث بن ثعلبہ بن مازن بن النجار (ساکن مدینہ)
۴	عبد مناف	عاتکہ	ددھیال: (باپ کا نام) مرہ بن ہلال بن فالج بن ذکردان بن ثعلبہ بن بہتہ بن سلیم بن منصور (از نسل سلسلہ ۱۷ آبائے نبوی) ننھیال: (والدہ کا نام) ماویہ عرف صغیہ بنت جوزہ بن عمرو بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن۔ (از نسل سلسلہ ۱۷ آبائے نبوی)
۵	قصیّ	حُبّیٰ	ددھیال: (باپ کا نام) خلیل بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو بن ربیعہ (من الخزاعہ) ننھیال: (والدہ کا نام) ہند بنت عامر بن النضر بن عمرو بن عامر (من الخزاعہ)

[1] یہ غیر عربی یعنی فارسی نام ہے، شاید یہ کتابت کی غلطی ہے۔ کتاب "رحمۃ للعالمین" ص ۲۸ حصہ دوم، مطبوعہ کراچی پر یہ ہی نام درج ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

اقبہات کے ددھیال اور ننھیال	اُمّہاتہ العظام	آبائہ الکرام	شمار سلسلہ
(والد کا نام) سعد بن سیل (خیر) بن عوف بن جامر الحاور (کانَ اَوّلُ مَنْ بَنیٰ جِدَارَ الکَعْبَۃ فقیل لہ عمامار) ازدشنوہ۔ (والدہ کا نام) ظریفہ بنت قیس بن لمرقیہ بی آسین بن جیشم بن کنانہ بن عمرو بن القین بن فہر بن عمرو بن قیس بن عیلان بن الیاس۔ (دیکھو سلسلہ ۱۷ آباء نبوی)	(زوجہ) فاطمہ	(خاوند) کلاب	۶
(والد کا نام) سریر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک (آباء نبوی میں بارھواں نام) (والدہ کا نام) امامہ بنت عبد مناۃ بن کنانہ (دیکھو سلسلہ ۱۴ آباء نبوی)	ہند	مُرّہ	۷
(والد کا نام) شیبان بن محارب بن فہر (قریش) (دیکھو سلسلہ ۱۱ آباء نبوی) (والدہ کا نام) وحشیہ بنت وائل بن قاسط بن ہنب بن اقصیٰ بن صعمی بن جدیلہ۔	مخشیہ	کعب	۸
(والد کا نام) کعب بن القین (وہو النعمان) بن جسیر بن شیع اللہ بن اسد بن وبرہ	ماویہ	لُوی	۹

شمار سلسلہ	آبائے الکرام	امہات العظام	امہات کے ددھیال اور ننھیال
	(خاوند)	(زوجہ)	بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ۔ (والدہ کا نام) عاتکہ بنت کاہل بن عذرہ۔
۱۰	غالب	عاتکہ	(والد کا نام) یخلد بن نضر بن کنانہ۔ (دیکھو سلسلہ ۱۴ آبائے نبوی) (والدہ کا نام) انیسہ بنت شیبان بن ثعلبہ بن عکابہ بن مصعب بن علی بن بکر بن وائل۔
۱۱	فہر الملقب بہ قریش	لیلےٰ	(والد کا نام) حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ (دیکھو سلسلہ ۱۶ آبائے نبوی) (والدہ کا نام) سلمیٰ بنت طانجہ بن الیاس۔ (دیکھو سلسلہ ۱۷ آبائے نبوی)
۱۲	مالک	جندلہ	(والد کا نام) عامر بن حارث بن مضاض بن زید بن مالک (بنو جرہم) (والدہ کا نام) ہند بنت الظلیم بن مالک بن حارث (بنو جرہم)
۱۳	نضر	عکرشہ	(والد کا نام) عدنان (حارث) بن عمرو بن قیس بن عیلان بن مضر (سلسلہ ۱۷ آبائے نبوی) (والدہ کا نام) (واللہ تعالیٰ اعلم)
۱۴	کنانہ	برہ	(والد کا نام) مُر بن اُد بن طانجہ (رخت تمیم بن مُراد طانجہ مدرکہ کا بھائی تھا (سلسلہ ۱۶) (والدہ کا نام) (واللہ تعالیٰ اعلم)

شمار سلسلہ	ابائہ الکرام	امہاتہ العظام	امہات کے ددھیال اور ننھیال
۱۵	خزیمہ	حوانہ، ہند	(والد کا نام) سعد بن قیس بن عیلان بن الیاس (سلسلہ ۱۷ آبا نبوی) (والدہ کا نام) وعد بنت الیاس (سلسلہ ۱۷)
۱۶	مدرکہ	سلمیٰ	(والد کا نام) اسلم بن الحاف بن قضاعہ (والدہ کا نام) (واللہ تعالیٰ اعلم)
۱۷	الیاس	لیلیٰ (خندف)	(والد کا نام) حلوان بن عمران بن الحاف بن خزاعہ (والدہ کا نام) ضریۃ بنت ربیعہ بن نزار (دیکھو سلسلہ ۱۹ آبا نبوی)
۱۸	مُضر	رباب	(والد کا نام) حیدہ بن معد، (سلسلہ ۲ آبا نبوی) (والدہ کا نام) واللہ تعالیٰ اعلم)
۱۹	نزار	سودہ	(والد کا نام) عک بن ریث بن عدنان (سلسلہ ۲۱ آبا نبوی) (والدہ کا نام) واللہ تعالیٰ اعلم)
۲۰	معد	معانہ	(والد کا نام) جوشم بن جلہمہ بن عمرو بن برہ بن جرہم (والدہ کا نام) سلمیٰ بنت حارث بن مالک بن غنم (از بنو جرہم)
۲۱	عدنان	مھدد	(والد کا نام) لہم بن جلجب بن جدیس بن جاثم بن ارم۔ (والدہ کا نام) (واللہ تعالیٰ اعلم)

(بحوالہ رحمۃ [illegible] جلد دوم)

سیرتِ طیبہ سال و ماہ کے آئینہ میں، مشہور واقعات

- ۱۲ ربیع الاول سن عام الفیل اپریل ۵۷۱ء، بروز پیر قبل از صبح صادق قبل از طلوع آفتاب عالمتاب سراجاً منیراً یعنی آفتاب رسالت رونق افروز عالم ہوا۔
- تقریباً ایک ہفتہ بعد ——— حضرت سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آغوشِ محبت میں جلوہ گری فرمائی۔
- پانچ سال کی عمر شریفہ میں ——— دوبارہ والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آغوش شفقت میں تشریف لائے۔
- چھ سال کی عمر شریفہ میں ——— مقامِ ابواء پر والدہ محترمہ سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا داعیٔ اجل کو لبیک کہتے ہوئے انتقال فرما گئیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ مکہ واپس آئے۔
- آٹھ سال کی عمر شریفہ میں ——— دادا محترم حضرت عبدالمطلب رحلت فرما گئے، اور چچا حضرت ابوطالب کی زیرِ کفالت، تشریف لے گئے۔
- بارہ سال کی عمر شریفہ میں ——— ملک شام کی جانب پہلا تجارتی سفر فرمایا۔
- پچیس سال کی عمر شریفہ میں ——— حضرت سیدہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔
- تیس ۳۰ سال کی عمر شریفہ میں ——— قوم نے بالاتفاق صادق اور امین کا لقب دیا۔
- ۳۵ سال کی عمر شریفہ میں ——— قبائل عرب کی طرف سے حکم یعنی ثالث بن کر دیوارِ قبلہ میں حجر اسود کے نصب کا وہ عظیم الشان فیصلہ فرمایا کہ

سارے لوگ عش عش کر اُٹھے۔

○ ۳۷ سال کی عمر شریف میں ——— غارِ حرا کی خلوت اور عبادات و ریاضات میں زبردست اضافہ ہوگیا ——— اسی سال حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو اپنے زیرِ کفالت لے لیا۔

○ ۴۰ سال کی عمر شریفہ میں ——— پہلی وحی نازل ہوئی اور اعلانِ نبوت فرمادیا۔ گویا مبارک زندگی ایک نئی نہج پر گامزن ہوگئی۔

○ ۴۳ سال کی عمر شریفہ یعنی ۳ سنہ نبوی تک . . . . تقریباً چالیس مرد و عورت ایمان لائے۔

○ ۴۵ سال کی عمر شریفہ ۵ سنہ نبوی میں ——— جب مشرکینِ مکہ کا ظلم حد سے بڑھ گیا، تو ہجرتِ حبشہ کی اجازت ملی اور متعدد صحابہ کرام ہجرت کر کے حبشہ روانہ ہوگئے۔

○ ۴۶ سال کی عمر شریفہ ۶ سنہ نبوی میں ——— حضرت سیدنا اسد اللہ و رسولہٗ امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لے آئے

○ ۴۷ سال کی عمرِ مبارکہ ۷ سنہ نبوی میں ——— کفار مکہ نے معاشرتی مقاطعہ یعنی مکمل بائیکاٹ کر دیا اور شعب ابی طالب میں محصور کر دیا۔

○ ۵۰ سال کی عمر مقدسہ ۱۰ سنہ نبوی میں ——— معاشرتی مقاطعہ ختم ہوگیا۔ اسی سال حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور محبوبﷺ کے مکرم چچا حضرت ابو طالب انتقال فرما گئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے عام الحزن (سالِ غم) قرار دیا۔ اسی سال حضرت سودہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اسی سال اہل طائف نے ظالمانہ سلوک کیا۔

○ ۵۱ برس کی عمر شریفہ ۱۱ سنہ نبوی میں ـــــــ مدینہ طیبہ کے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کرلیا۔

○ ۵۲ برس کی عمر شریفہ ۱۲ سنہ نبوی میں ـــــــ مدینہ طیبہ میں مزید بارہ آدمیوں نے اسلام قبول کرلیا اور مدینہ طیبہ میں گھر گھر چرچا ہونے لگا۔

○ ۵۳ برس کی عمر شریفہ ۱۳ سنہ نبوی میں ـــــــ مزید بہتر آدمیوں نے اسلام پر بیعت کرلی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

○ ۵۴ سال کی عمر شریفہ ۱ ھ میں ـــــــ مسجد قبا شریفہ اور مسجد نبوی شریفہ کی تعمیر ہوئی۔ اسلام میں پہلی نماز جمعہ یہاں ادا کی گئی۔ اذان کی ابتدا ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسلام قبول کیا۔ عاشورہ کا روزہ رکھا گیا۔

○ ۵۵ سال کی عمر شریفہ ۲ ھ میں ـــــــ سیدہ زاہدہ طاہرہ طیبہ عابدہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے شادی ہوئی۔ زکوٰۃ، روزہ اور جہاد فرض ہوئے پہلی مرتبہ نماز عید الفطر اور نماز عید الاضحیٰ ادا کی، قربانی کی گئی۔

○ ماہ رجب المرجب میں بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا۔ مشہور غزوہ بدر شوکت اسلام میں اضافہ کا باعث بنا۔ شہزادی رسول کونین سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی۔

○ ۵۶ سال کی عمر شریفہ میں ـــــــ غزوہ غطفان، کعب بن اشرف اور ابو رافع یہودیوں کی شرانگیزی اور ان کا قتل، حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح اور غزوہ احد وقوع پذیر ہوئے۔

○ ۵۷ سال کی عمر شریفہ ۴ھ میں ——— سریہ بیر معونہ (بنو عامر کی چالباز یٰ قرا کی شہادت،) غزوہ بنو نضیر ہوا۔ بدکاری پر رجم اور چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی گئی۔ ام الخبائث شراب کی قطعی حرمت کا اعلان ہوا۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

○ ۵۸ سال کی عمر شریفہ ۵ھ میں ——— غزوہ بنو مصطلق۔ آیہ تیمم کا نزول، قضیہ افک، غزوہ بنو قریظہ اور غزوہ خندق وقوع پذیر ہوئے۔

○ ۵۹ سال کی عمر شریفہ ۶ھ میں ——— عند الجمہور فرضیت حج بھی اسی سال ہوئی، جبکہ بعض علماء کے نزدیک ۹ھ میں حج فرض ہوا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) اسی سال حضور نبی مکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ کی طرف سفر فرمایا اور مقام حدیبیہ پر صلح حدیبیہ ہوا۔ اسی سال اسی جگہ بیعت رضوان کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ بعض سیرت نگار حضرات کے نزدیک اسی سال شاہان وسرداران زمانہ کے نام حضور نبی اکرم شفیع اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خطوط تحریر کروائے، جبکہ عند البعض خطوط ۷ھ میں لکھے گئے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

○ ۶۰ سال کی عمر شریفہ ۷ھ میں ——— خیبر فتح ہوا۔ حضرت صفیہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حلقہ امہات المومنین میں داخل ہوئیں۔ یہودیوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو زہر دیا۔ گدھے اور متعہ کی حرمت کا اعلان ہوا اور فدک فتح ہوا۔

○ ۶۱ سال کی عمر شریفہ ۸ھ میں ——— سریہ موتہ واقع ہوا۔

مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ غزوۂ حنین اور طائف وقوع پذیر ہوئے۔ حضرت سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کی ولادت باسعادت اور شہزادی مصطفےٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحلت شریفہ ہوئی۔ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ایمان لائے

○ ۶۲ سال کی عمر شریفہ ۹ھ میں ــــ اعمال (گورنروں) کی مختلف علاقوں کی طرف روانگی، وفود کی آمد، واقعۂ ایلاء، غزوۂ تبوک (جیش عسرت) مسجد ضرار کی تعمیر اور انہدام، عبداللہ بن ابی رأس المنافقین کی موت، سورۃ التوبہ کا نزول اور حرم کعبہ میں سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا اس کی تلاوت اور اعلان فرمانا۔ نیز حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت مسلمانوں کا پہلا باقاعدہ حج کرنا اس سال کے اہم واقعات میں سے ہیں۔

○ ۶۳ سال کی عمر شریفہ ۱۱ھ میں ــــ مسیلمہ کذاب اسود عنسی طلیحہ بن خویلد، اور سجاح بنت الحارث وغیرہ نے جھوٹی نبوت کا اعلان کیا۔

○ ۶۳ سال کی عمر شریفہ ۱۰ھ میں ــــ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) نے انتقال فرمایا۔ اسی سال ذوالحجہ میں حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجۃ الوداع فرمایا اور مشہور خطبہ ارشاد فرمایا۔

○ ۶۳ سال کی عمر شریفہ ۱۱ھ میں ــــ اسی سال کے ابتدائی مہینوں میں حضور نبی مکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بیمار ہوئے اور ۱۲ ربیع الاول بروز پیر داعئ اجل کو لبیک کہتے ہوئے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرما گئے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ مَنْبَعِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَالْحِلْمِ وَالْحَیَاءِ وَالْحِکْمَۃِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ (مدارج النبوۃ، تلقیح، کتب سیرت)

اُمّہات المؤمنین کے اسمائے گرامی

۱	حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد	۷	حضرت جویریہ بنتِ حارث
۲	حضرت زینب بنتِ زمعہ	۸	حضرت زینب بنت جحش
۳	حضرت عائشہ صدیقہ بنت حضرت ابوبکر صدیق	۹	حضرت اِم حبیبہ بنت ابی سفیان
		۱۰	حضرت صفیہ بنت حیّ بن اخطب
۴	حضرت حفصہ بنت حضرت عمر فاروق اعظم	۱۱	حضرت میمونہ بنت الحارث
		۱۲	حضرت ماریہ قبطیہ
۵	حضرت زینب بنت خزیمہ		رضی اللہ تعالیٰ عنہن،
۶	حضرت اِم سلمہ بنت ابی امیہ		الیٰ یوم الدّین

شہزادگان ذی شان کے اسمائے گرامی

۱	حضرت سیدنا قاسم	۳	حضرت سیدنا ابراہیم
۲	حضرت سیدنا عبداللہ (طیب و طاہر انکے القاب تھے واللہ تعالیٰ اعلم)		رضی اللہ تعالیٰ عنہم صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد و علیٰ الہٖ وسلم

شہزادیاں ذی شان کے اسمائے گرامی

۱	حضرت سیدہ زینب	۴	حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا
۲	حضرت سیدہ رُقیہ		(خاتونِ جنت)
۳	حضرت سیدہ اِم کلثوم		(رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ رسولہ سیدالانبیاء محمد وعلیٰ اٰلہٖ وذریاتہ وازواجہ اجمعین

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچاؤں کے نام

۱	حارث	۹	قثم
۲	حضرت زبیر	۱۰	ضرار
۳	حضرت عبدمناف عندالبعض عمران المعروف حضرت ابوطالب	۱۱	عیداق
		۱۲	مُصعب
		۱۳	عبدالکعبہ
۴	حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۴	ابولہب
۵	حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ		نوٹ: بعض کتب سیرت میں گیارہ چچاؤں کے نام ہیں، اُن میں "مقوم" کو ساقط کر دیا گیا ہے، جبکہ حجل ہی نام "مغیرہ" درج ہے۔ (ملاحظہ ہو مدارج النبوۃ)
۶	مقوم		
۷	حجل[1]		
۸	مغیرہ		

عمّات یعنی پھوپھیوں کے اسمائے گرامی

۱	حضرت اُمِ حکیم بیضاء	۴	حضرت اروی	رضی اللہ تعالیٰ عنہن
۲	حضرت صفیہ	۵	حضرت عاتکہ	
۳	حضرت امیمہ	۶	حضرت برہ	

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دودھ شریک بھائی

۱	حضرت سیّدنا امیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[1] اِس کی قرأت میں اختلاف ہے "جحل" یعنی شمشیر براں، "حجل" یعنی پازیب یا بیڑی۔

نمبر	نام	نمبر	نام
۲	حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۵	ابو سفیان بن مغیرہ بن حارث بن حضرت عبدالمطلب
۳	حضرت عبداللہ ابو سلمہ بن عبدالاسد		
۴	حضرت عبداللہ بن حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۶	مسروح بن ثویبہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دودھ شریک ہمشیراں

نمبر	نام	نمبر	نام
۱	حضرت حذافہ عرف شیما بنت حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۲	انیسہ
		۳	حدیقہ

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے داماد

نمبر	نام	نمبر	نام
۱	حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳	حضرت سیدنا علی المرتضیٰ بن حضرت ابو طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم
۲	حضرت عثمان غنی ذو النورین بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ		۞ ۞ ۞

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے اور نواسیاں

نمبر	نام	نمبر	نام
۱	حضرت علی بن ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۶	حضرت سیدنا محسن بن علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)
۲	حضرت امامہ بنت ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہا		(یہ چھوٹی عمر میں ہی انتقال فرما گئے تھے)
۳	حضرت عبداللہ بن عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما		
۴	حضرت امام حسن مجتبیٰ بن علی المرتضیٰ	۷	حضرت سیدہ زینب بنت علی المرتضیٰ
۵	حضرت امام حسین بن علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)	۸	حضرت سیدہ ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملتی جلتی شکل والے حضرات

۱	حضرت سیدنا آدم علیہ السلام	۷	حضرت سیدنا امام حسین
۲	حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام	۸	حضرت علی اکبر بن امام حسین
۳	حضرت جعفر بن ابی طالب	۹	حضرت سائب بن عبید
۴	حضرت قثم بن عباس	۱۰	حضرت مسلم بن معتب
۵	حضرت ابوسفیان بن حارث	۱۱	حضرت کابس بن ربیعہ
۶	حضرت سیدنا امام حسن		(رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محافظ (پہرے دار)

۱	حضرت سیدنا علی المرتضیٰ	۶	حضرت ابوایوب انصاری
۲	حضرت سیدنا ابوبکر صدیق (بدر میں)	۷	حضرت ذکوان بن عبد قیس انصاری
۳	حضرت سعد بن ابی وقاص	۸	حضرت محمد بن مسلمہ انصاری
۴	حضرت سعد بن معاذ	۹	حضرت سیدنا بلال حبشی
۵	حضرت عباد بن بشر		(رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ایضاً

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذنین

حضور نبی محترم رسولِ مکرم، رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چار مؤذن تھے۔ دو مدینہ میں: (۱) حضرت بلالِ حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (۲)۔ حضرت ابن اُمِ مکتوم قرشی العامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (نابینا صحابی تھے) جبکہ (۳) مسجدِ قبا کے مؤذن حضرت سعد القراظہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

(۴) مکہ مکرمہ میں ــــــ مسجد بیت الحرام میں حضرت محذورہ اوس بن مغیرہ بن جمحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مؤذن مقرر فرمایا گیا تھا۔

کتب سیرت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت فاروق اعظم نے حضرت سعد القرظہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو قبا سے مدینہ طیبہ بلوالیا تھا تاکہ مسجد نبوی شریفہ میں اذان دیں۔ حضرت سعد قرظی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجاز مقدس پر حجاج بن یوسف کے زمانہ حکومت یعنی ۹۴ھ تک بقید حیات رہے (واللہ تعالیٰ اعلم) (مدارج النبوۃ)

بارگاہِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شعراءِ کرام اور خطیب

روضۃ الاحباب وغیرہ میں ہے کہ رسول اکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام میں مرد شعراء کرام کی تعداد تقریباً ایک سو ساٹھ اور خواتین شعراء کی تعداد بارہ تھی، لیکن وہ شعراء کرام کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں کافروں کی ہجو اور مذمت کرنے میں نہایت مشہور ہوئے، ان کی تعداد تین ہے:۔

۱۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۲۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ بیکس پناہ کے نہایت مشہور ترین اور نامور خطیب حضرت سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ جنہوں نے بنو تمیم کے خطیب کے جواب میں ایسا فصیح و بلیغ خطبہ دیا تھا کہ سردار بنو تمیم اقرع بن حابس حیران و ششدر رہ گئے تھے اور اپنے خطیب پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برتری کو تسلیم کر لیا تھا۔

○

اعلانِ نبوت سے قبل حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی دوست

۱۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ حضرت حکیم بن حزام رئیسِ مکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ حضرت ضماد بن ثعلبہ الازدی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبان

واضح ہو کہ حضور نبی کریم رؤف و رحیم صاحب خلقِ عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کئی کاتبان تھے، جن میں بعض تو وحی کی کتابت کیا کرتے تھے اور بعض سلاطین و اُمراء وغیرہ کے نام خطوط لکھا کرتے تھے۔ اسی طرح بعض صدقات کے اموال کی کتابت کرتے، بعض مدانات، معاملات اور شروط وغیرہ لکھا کرتے تھے۔ چونکہ میرے آقا رسُول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (فداہ روحی وجسدی) کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے خط و کتابت سے منزہ فرمایا تھا اور عام صحابہ بھی مذاقِ عرب کے مطابق اس ہنر سے ناآشنا تھے، اس لئے جو صحابہ فنِ تحریر سے متصف تھے، انہی کو اس خدمت پر مامور کیا گیا تھا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ کاتبوں کا تقرر اس طرح تھا کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ اور حضرت سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما وحی کی کتابت کیا کرتے تھے۔ اگر یہ دونوں حضرات موجود نہ ہوتے، تو حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ خدمت سرانجام دیتے۔ لیکن صاحبِ استیعاب فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پہلے وحی لکھا کرتے تھے۔ پھر یہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحی کتابت کے لئے صحابہ کرام میں لازم ترین شخص تھے۔

حضرت محمد بن سعد علیہ الرحمہ نے علامہ واقدی علیہ الرحمہ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے مدینہ منورہ میں سب سے اوّل جس شخصیت نے وحی کی کتابت کی، وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اگر یہ حاضرِ خدمت نہ ہوتے، تو حضور نبی اکرم رسُول رحمت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خصوصیت کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاتے اور وحیٔ الٰہی کی کتابت کرواتے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

ذیل میں اُن کاتبین حضرات کے اسماء گرامی قدر نقل کئے جاتے ہیں کہ جنہوں نے بارگاہ اقدس میں خدمتِ کتابت سرانجام دی۔

شمار	اسمائے گرامی کاتباں	شمار	اسمائے گرامی کاتباں
۱	حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳	حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲	حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۴	حضرت یزید بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳	حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۵	حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴	حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۶	حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵	حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۷	حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶	حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۸	حضرت علاء الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷	حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۹	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۸	حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۰	حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۹	حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۱	حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۰	حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۲	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۱	حضرت ابان بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۳	حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن عبداللہ بن ابی سلول
۱۲	حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ		

شمار	اسمائے گرامی کاتبان
۲۴	حضرت جہم بن صلت بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۵	حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۶	حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۷	حضرت العلاء بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۸	حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۹	حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۰	حضرت بریدہ اسلمی بن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۱	حضرت حصین[لہ] بن نمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۲	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
۳۳	حضرت حویطب بن عبدالعزیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
۳۴	حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۵	حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳۶	حضرت عبداللہ بن ارقم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
۳۷	حضرت معیقب بن ابی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
۳۸	عبداللہ المعروف ابن خطل مرتد (اس کا پہلا نام عبدالعزیٰ تھا)
۳۹	عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

یہ دونوں آخری مذکورہ کاتب مُرتد ہوگئے تھے اور رسُول کائنات آقا فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر الزام تراشی کرتے تھے کہ وہ اپنی طرف سے قرآن بناتے ہیں اور ہم ان کے مُعاون و مددگار تھے۔

ان میں آخرالذکر عبداللہ بن سعد نے فتح مکہ کے وقت توبہ کرلی تھی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

لہ یاد رہے کہ یہ حصین بن نمیر وہ نہیں کہ جس نے میدان کربلا میں اپنے دامن کو خونِ اہل بیت سے داغدار کیا تھا، بلکہ یہ حصین بن نمیر دُوسرے شخص ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (ملاحظہ ہو مدارج النبوۃ)

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے موالی حضرات

یاد رہے کہ "موالی" لفظ مولیٰ کی جمع ہے جو کہ محب، غلام، آقا، آزاد شدہ غلام، ابن اُخت، ابنِ عم وغیرہ کے کثیر معانی رکھتا ہے۔ اِس جگہ وہ اصحاب مُراد ہیں کہ جو کچھ عرصہ تک رواجِ عرب کے مطابق بارگاہِ اقدس واطہر میں بطورِ غلام رہے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو آزاد فرما دیا۔

۱۔ حضرت ابو اُسامہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

۲۔ حضرت اُسامہ بن زید (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) یہ حضرت زید بن حارثہ کے بیٹے ہیں۔

۳۔ حضرت ثوبان بن بجدد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہ حمیر کے رہنے والے تھے۔ یہ حضور نبی اکرم رحمتِ عالم شفیعِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خرید کر آزاد فرما دیا۔ یہ ہمیشہ خدمتِ اقدس میں حاضر رہے۔

۴۔ حضرت ابو کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ بدر والے اور بعد والے سارے غزوات میں شامل رہے۔ ۱۳ھ میں وفات پائی۔

۵۔ حضرت آنسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بعض نے ابو آنسہ ذکر کیا ہے۔

۶۔ حضرت شقران رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کے وقت اُنہوں نے ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چادرِ مبارکہ کو قبرِ انور میں بچھا دیا تھا تاکہ کوئی دُوسرا اس کو نہ اوڑھے۔

۷۔ حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ حبشی تھے، یہ کبھی کبھی حضور نبی اکرم نورِ مجسم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اذان بھی دیتے تھے۔

۸۔ حضرت یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ حضور نبی اکرم رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹ چرایا کرتے تھے۔ اِن کو اہلِ عرنیہ نے شہید کر دیا تھا اور اونٹ ہنکا کر لے

گئے تھے، بالآخر وہ گرفتار کر کے قتل کر دیئے گئے۔

۹۔ حضرت ابو رافع اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے ان کا نام اسلم، جبکہ بعض دیگر محدثین کرام نے ان کا نام ثابت، ابراہیم یزید یا ہرمز لکھا (واللہ تعالیٰ اعلم)۔

۱۰۔ حضرت ابو مویہبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ مزنیہ کے رہنے والے تھے۔ ان کو ابو موہب کہا جاتا تھا۔

۱۱۔ حضرت ابو الہبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ اصابہ میں ان کا نام رافع درج ہے یعنی نام رافع اور کنیت ابو الہبی۔

۱۲۔ حضرت مدعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ یہ ایک حبشی غلام تھے، ان کو رفاعہ بن زید نے بارگاہِ اقدس میں پیش کیا تھا۔ روزِ خیبر تیر لگنے سے شہید ہو گئے۔

۱۳۔ حضرت زید بن ہلال بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ بعض نے ان کا نام حضرت زید بن بلال بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر کیا۔

۱۴۔ حضرت عبید بن عبدالغفار رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ ان کو عبداللہ بن الغفار بھی کہا جاتا تھا۔

۱۵۔ حضرت ابو عبدالرحمٰن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ ان کا لقب ان کے اصل نام پر غالب آ گیا۔ سفینہ کشتی کو کہتے ہیں کہ یہ لقب ان کو بارگاہِ اقدس سے ایک سفر میں ملا تھا۔ ان کو حضرت سفینہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہا جاتا ہے۔

۱۶۔ حضرت مابور قبطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ یہ خواجہ سرا تھے۔ ان کو مقوقس شاہِ اسکندریہ نے سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ بارگاہِ اقدس میں بھیجا تھا۔

۱۷۔ حضرت واقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ: بعض نے ان کا نام ابو واقد تحریر کیا۔ صاحبِ استیعاب نے ان کو واقد ہی لکھا ہے۔

۱۸۔ حضرت ابوضمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "روضۃ الاحباب" کے مطابق ان کا صحیح نام "سود" یا پھر "روح" ہے۔ ان کے والد کے نام میں بھی خاصا اختلاف ہے۔ بعض نے "سندر" اور بعض نے "شیر زاد" تحریر فرمایا۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے ان کو ذی یزن کی اولاد میں سے تحریر کیا ہے۔ ابوحاتم نے ان کو سعد ضمیری تحریر کیا ہے۔ ان کے پوتے کا نام حسین بن عبداللہ تھا۔ خیال رہے کہ ابوضمیرہ نامی ایک اور صحابی بھی ہیں، جو کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے۔

۱۹۔ حضرت عسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ان کا اصل نام احمر یا مرہ تھا (استیعاب)۔ اصابہ میں ہے کہ احمر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام کا نام ہے۔ جو اپنی کنیت ابوعسیب سے پہچانے جاتے ہیں۔ امام ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد اور طحاوی نے حضرت حسن بصری (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے حوالہ سے ان سے اس طرح روایت کیا کہ: حَدَّثَنِیْ اَحْمَرُ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ) (مدارج النبوۃ)

۲۰۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک غلام حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ (استیعاب، اصابہ۔ روضۃ الاحباب)

۲۱۔ حضرت ابورافع اسلم بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ: روضۃ الاحباب میں اس نام پر کافی بحث فرمائی گئی ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے کہ ابورافع اور اسلم بن عبید دو جدا جدا نام ہیں۔ نیز اسحٰق بن سلیمان نے سعد بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا کہ ابورافع اور اسلم حضور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دو خادم تھے، لیکن دیگر حضرات نے ابورافع اسلم ایک ہی نام مانا ہے اور ان میں امام بخاری بھی شامل ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

۲۲۔ حضرت افلح رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ان سے کئی احادیثِ مبارکہ مروی ہیں۔

۲۳- حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ : یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں میں سے ایک تھے - خیال رہے کہ ایک حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہنوئی تھے کہ جن کے گھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا، یہ وہ سعید بن زید نہیں ہیں - (واللہ تعالیٰ اعلم)

۲۴- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- یہ حضور نبی اکرم سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں - یہ وہ خوش قسمت صحابی اور غلام ہیں کہ جن کی شان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ - (سلمان میرے اہل بیت سے ہیں) فرمانِ نبوی کے مطابق آپ کا شمار اُن نفوسِ قدسیہ میں ہوتا ہے کہ جنت جن کے داخلے کی مشتاق ہے -
آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا تفصیلی واقعہ اس بندۂ ناچیز مؤلف کتاب ہذا سید محمد سعید الحسن نے اپنی دوسری تالیف "سیرت امام الانبیاء" (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں درج کیا ہے - شائقین ملاحظہ فرما سکتے ہیں -

۲۵- حضرت انجشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ : یہ حبشی غلام تھے، نہایت ہی خوش آواز تھے - یہ اُونٹوں کو تیز چلانے کے لئے حدی نواں تھے -

۲۶- زید بن ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ : اسماء الرجال کی کتب کے مطابق یہ زید بن ہلال بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا ہیں، لیکن صاحب "روضۃ الاحباب" نے اس کا انکار فرمایا ہے -

۲۷- حضرت ابو ریحانہ شمعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ : ان کی کرامت بہت مشہور ہے کہ یہ کشتی میں سوار تھے کہ ان کی سوئی دریا میں گر گئی - انہوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا، "خدا تعالیٰ کی قسم، اے خدا! میری سوئی کو واپس عطا فرما - اس دعا کے مانگتے ہی سوئی دریا کی سطح پر نمودار ہو گئی اور آپ نے اسے اُٹھا لیا - (مدارج النبوۃ)

۲۸- حضرت ضُمَیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "استیعاب" میں ان کو ضمیرہ بن ابی ضمیر مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لکھا گیا ہے۔ ان کو اہل مدینہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کے پوتے کا نام حسین بن عبد الملک تھا، جن سے احادیث مروی ہیں)

۲۹- حضرت عبداللہ بن اسلم ہاشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: امام احمد نے بطریق ابن لہیعہ، بکر بن سوادہ، حضرت عبداللہ بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ حضور نبی اکرم آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام تھے۔

۳۰- حضرت فضالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "یہ یمن کے رہنے والے تھے۔ محمد بن سعد نے واقدی سے نقل کیا کہ یہ بعدازاں شام میں سکونت پذیر ہو گئے۔ وہیں ان کی آل واولاد ہے۔

۳۱- حضرت کُرَیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ" میں ہے کہ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے۔

۳۲- حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ: حاکم نیشاپور نے ان کی اولاد کے حوالہ سے نقل کیا کہ ان کا نام ناہیہ تھا اور یہ مجوسی تھے۔ جب یہ بارگاہِ نبوی میں پیش ہوئے تو اسلام لے آئے۔ حضور نبی اکرم نورِ مجسم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام محمد رکھ دیا۔

۳۳- حضرت نُہیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بروزن "شریک" اصابہ میں ہے کہ ان کے والد کا نام اسود تھا اور یہ حبشی الاصل تھے۔

۳۴- حضرت ابوبکرہ نفیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ روزِ طائف حضور نبی اکرم رسولِ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ملک میں آئے تھے اور اسی وقت آزاد کر دیئے گئے۔ ان کی وفات بصرہ میں ہوئی اور ان کی وصیت کے موافق حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

۳۵۔ حضرت ہرمزا بوکیسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ استیعاب میں ابوکیسان کی بجائے صرف کیسان درج ہے، ان کو ہرمز کہا جاتا ہے۔

۳۶۔ حضرت وردان رضی اللہ تعالیٰ عنہ: حضرت عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ غلام کھجور کے پیڑ سے گر کر فوت ہوئے۔

۳۷۔ ابواشیلہ راشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے، ان کا پہلا نام "ظالم" تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا أَنْتَ رَاشِدٌ "تم راشد ہو" اسی دن سے ان کا نام راشد ہو گیا۔

۳۸۔ حضرت ابوحضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ "اصابہ" میں ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے اُن کو مہاجرین میں شمار کیا ہے۔

۳۹۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ خاندانِ بنو قریظہ سے تھے اور مکاتب تھے بدلِ کتابت سے عاجز آگئے تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خرید کر آزاد فرما دیا۔ خیال رہے کہ یہ مسجدِ نبوی کے ستون والے ابولبابہ نہیں ہیں۔

۴۰۔ حضرت ابولقیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اصابہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حبشی یا کوفی غلام زمانۂ فاروقی تک حیات رہے۔

نوٹ: بعض سیرت نگاروں نے ان کے سوا اور بھی کئی اسمائے گرامی نقل فرمائے ہیں، مگر وہ اختلافی ہیں (مثلاً ابوکبیسہ کہ یہ نام کتب اسماء الرجال میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بڑی صحابی کا تو ملتا ہے مگر کسی غلام کا نہیں۔ اسی طرح ذکوان اور یسار کہ بعض نے ان کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام ذکر کیا) جو درِ طائف اُن کو ملا تھا وغیرہ وغیرہ ہم نے کوشش کی ہے کہ اس جگہ صرف وہ اسمائے گرامی درج کیے جائیں جو تحقیق کی کسوٹی پر پورے اُتریں باقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے قاصد یعنی سفراء

رسولِ محترم حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف علاقوں یا بادشاہوں یا حاکموں کی جانب قاصد یا سفیر روانہ فرمائے۔ سفیر کا انتخاب نہایت احتیاط کے ساتھ کیا جاتا ہے کیونکہ اُس نے اپنے آقا کی نمائندگی کرنا ہوتی ہے اور اپنے آقا کے احکامات و خواہشات کو بطریقِ احسن فریقِ ثانی تک پہنچانا ہوتا ہے۔ اس عظیم منصب پر نہایت درجہ وفادار اور دانا لوگوں کو فائز کیا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہِ نبوت نے جن خوش قسمت افراد کو اپنی نمائندگی کے لئے منتخب فرمایا یا قاصد بنایا، اُن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

شمار	اسمائے گرامی سفراء	جس قوم یا حاکم کی طرف بھیجے گئے
۱	حضرت عثمان غنی بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	قریشِ مکہ کی جانب
۲	حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	ہرقلِ روم کی جانب
۳	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	مقوقس شاہِ مصر کی جانب
۴	حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ	ہوذہ بن علی اور ثمامہ بن اثال کی جانب
۵	حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرت نجاشی شاہِ حبش کی جانب
۶	حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بدبخت شاہِ ایران خسرو پرویز کی جانب
۷	حضرت شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حارث بن ابی شمر، شاہِ غسان کی جانب
۸	حضرت عمرو بن العاص سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	جیفر و عبد پسران جلندی رئیسانِ عمان کی جانب
۹	حضرت علاء ابن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	منذر بن ساوی حاکمِ بحرین کی جانب

شمار	اسمائے گرامی سفراء	جس قوم یا حاکم کی طرف روانہ کئے گئے
۱۰	حضرت مہاجر بن امیہ مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ	حارث بن کلال حمیری کی جانب
۱۱	حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	اہل یمن کی جانب
۱۲	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ	اہل یمن کی جانب
۱۳	حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ	ذوالکلاع حمیری کی جانب
۱۴	حضرت عیاش بن ربیعہ مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حارث، مسروح اور نعیم بن عبدالکلال کی جانب

رسولِ محتشم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقرر کردہ محصلین کرام

یعنی وہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہ جن کو حضور نبی کریم رسولِ عظیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مختلف قبائل اور علاقوں کا انتظام سونپ رکھا تھا، جو وہاں سے جزیہ صدقات اور عشر و زکوٰۃ وصول فرماتے، گویا وہ ان علاقوں کے تحصیل دار تھے۔

شمار	اسمائے گرامی قدر محصلین	علاقہ یا قبیلہ
۱	حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	مدینہ طیبہ
۲	حضرت ابو موسیٰ اشعری، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	یمن
۳	حضرت صفوان بن صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو عمرو
۴	حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو طے و بنو اسد
۵	حضرت عباد بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو سلیم، بنو مزنیہ
۶	حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو کلاب

شمار	اسمائے گرامی قدر محصلین کرام	علاقہ یا قبیلہ
۷	حضرت رافع ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو جہنیہ
۸	حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو سعد
۹	حضرت بشر بن سفیان ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو کعب
۱۰	حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ	نجران
۱۱	حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	خیبر
۱۲	حضرت عمرو بن العاص ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو فزارہ
۱۳	حضرت زیاد بن لبید ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرموت
۱۴	حضرت ابان بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بحرین
۱۵	حضرت عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ	تیماء
۱۶	حضرت عبداللہ بن لیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو زبیان
۱۷	حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو غفار - بنو اسلم
۱۸	حضرت ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	بنو لیث

حضور نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مدنی نقیب

اعلان نبوت کے تیرھویں سال جب انصار مدینہ یعنی اوس وخزرج کی ایک کثیر جماعت بغرض حج مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئی، تو ان میں سے اہل ایمان کہ جن کی تعداد ایک روایت کے مطابق تہتر مرد اور دوسری روایت کے موافق بہتر مرد اور دو عورتوں پر مشتمل تھی۔ یہ سب ایام تشریق کی ایک شب عقبہ میں حضور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کے لیے جمع ہوئے۔ حضور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بیعت فرمایا

تو ان میں سے بارہ حضرات کو اپنی جانب سے نقیب مقرر فرمایا تاکہ وہ انکے احوال کے محافظ و نگہبان بنیں۔ یہ واقعہ نبوت کے تیرھویں سال ذوالحجۃ المکرم میں پیش آیا اور اس کے محض تین ماہ بعد ہجرت کا قصہ پیش آیا۔ کتب تواریخ سیر میں اس بیعت کو بیعتِ عقبی اکبرٰی یا بیعتِ عقبیٰ ثانی کہا جاتا ہے۔ اگرچہ گنتی کے اعتبار سے یہ بیعتِ عقبیٰ ثالث بنتی ہے۔ وہ حضرات کہ جن کو حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نقیب بننے کا شرف حاصل ہوا، اُن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

شمار	اسمائے گرامی نقباء	شمار	اسمائے گرامی نقباء
۱	حضرت اسید بن حضیر	۷	حضرت سعد بن عبادہ
۲	حضرت ابوالہثیم بن التیہان	۸	حضرت منذر بن عمرو
۳	حضرت سعد بن خثیمہ	۹	حضرت براء بن معرور
۴	حضرت اسعد بن زرارہ	۱۰	حضرت عبداللہ بن عمرو
۵	حضرت سعد بن ربیع	۱۱	حضرت عبادہ بن الصامت
۶	حضرت عبداللہ بن رواحہ	۱۲	حضرت رافع بن مالک (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

ان حضراتِ ذی وقار میں نو قبیلہ بنو خزرج میں سے تھے، جبکہ تین بنو اوس سے اور یہ سب کے سب قبائل مدینہ مکرمہ کے رؤسا میں سے تھے۔

مدینہ منورہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نائبین

حضور نبی محترم، رسولِ محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب کسی غزوہ پر تشریف لے جاتے تو کسی نہ کسی صحابی کو اپنا نائب مقرر فرما دیتے تاکہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی واپسی تک مدینہ طیبہ میں انتظام و انصرام اور مسجدِ نبوی شریفہ میں نماز پڑھانے کی ذمہ داری سنبھالے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نائب بننے کا شرف حاصل کرنے والے خوش نصیب افراد کے اسمائے گرامی کتب و سیر میں جو مذکور ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

شمار	اسمائے گرامی قدر نائبین	جس غزوہ کے موقع پر
۱	حضرت ابولبابہ بشیر بن عبد المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ بدر کے موقع پر
۲	حضرت سعد بن عبادہ خزرجی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ ابواء " "
۳	حضرت سعد بن معاذ اوسی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ بواط " "
۴	حضرت ابوسلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ عشیرہ " "
۵	حضرت زید بن حارثہ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ سفوان " "
۶	حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ بنو سلیم " "
۷	حضرت ابولبابہ بشیر بن عبد المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ بنو قینقاع " "
۸	حضرت ابولبابہ بشیر بن عبد المنذر، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ سویق " "
۹	حضرت عثمان غنی بن عفان، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ بنو غطفان " "
۱۰	حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ نجران " "
۱۱	حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ احد " "
۱۲	حضرت عثمان غنی بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ ذات الرقاع " "
۱۳	حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ بدر الصغریٰ " "
۱۴	حضرت سباع بن عرطفہ الغفاری، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ دومۃ الجندل " "
۱۵	حضرت ابوذر الغفاری، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ بنو مصطلق " "
۱۶	حضرت نمیلہ بن عبد اللہ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ خیبر " "
۱۷	حضرت ابورہم کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	فتح مکہ " "
۱۸	حضرت محمد بن مسلمہ انصاری، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	غزوہ تبوک " "

خیال رہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضور نبی کریم محبوب ربّ عظیم، رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو اپنے اہل و عیال پر اپنا نائب و خلیفہ بنایا تھا، جبکہ مسجد نبوی شریف میں نماز پڑھانے کی ذمہ داری حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا عند البعض حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سونپی تھی۔

مذکورہ بالا غزوات کے علاوہ بھی کئی غزوات ہوئے اور عموماً نیابت کی ذمہ داری حضرت عبداللہ ابن مکتوم یا ابنِ کلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ادا کی (مدارج ۔ تلقیح)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقرر فرمودہ عمال یعنی گورنرز

حضور نبی اکرم، رسولِ محترم، رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف علاقوں میں انتظام و انصرامِ سلطنت سنبھالنے کے لئے عمال یعنی گورنر مقرر فرمائے۔ اِن کو "والی مملکت" بھی کہا جاتا ہے۔ اِن منتخب شدہ حضرات کے اسمائے ذیشان درج ذیل ہیں:

شمار	اسمائے گرامی قدر عمال	علاقہ
۱	حضرت باذان بن ساسان، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والیِ یمن
۲	حضرت شہر باذان، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والیِ صنعا
۳	حضرت علاء بن الحضرمی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والیِ بحرین
۴	حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم	والیِ یمن

شمار	اسمائے گرامی قدر عمال	علاقہ
۵	حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والیٔ صنعاء
۶	حضرت مہاجر بن امیہ مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والیٔ کندہ
۷	حضرت عمرو بن العاص، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والیٔ عمان
۸	حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والیٔ نجران
۹	حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والیٔ تیما
۱۰	حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والیٔ مکہ مکرمہ
۱۱	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والیٔ جند
۱۲	حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والیٔ قارب
۱۳	حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	والیٔ حضرموت

عہدِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مفتی حضراتِ ذی وقار

شمار	حضراتِ مفتیان	شمار	حضراتِ مفتیان
۱	حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۸	حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲	حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۹	حضرت سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳	حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۰	حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۴	حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۱	حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۵	حضرت سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۲	حضرت سیدنا ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۶	حضرت سیدنا ابی بن کعب، رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳	حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۷	حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۴	حضرت سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تلقیح لابن جوزی)

حضور سیدِ عالم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ استعمال رہنے والی بعض اشیأ

اس جگہ رسولِ مکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خورد و نوش، لباس و اسلحہ اور بعض پالتو جانوروں کا اختصاراً تذکرہ ہوگا۔ اس کی تفصیل مؤلف کتاب ہذا کی دوسری تالیف "رہبرِ زندگی مع طبِ نبوی" (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ملاحظہ فرمائیں:۔

بسترِ مُبارک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہایت سادہ بستر استعمال فرماتے۔ مثلاً چمڑے کا بستر کہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی۔ (بخاری۔ مسلم۔ ترمذی)

ایک ٹاٹ تھا کہ جسے دوہرا کر کے بچھا دیا جاتا تھا۔ ایک دن چوہرا کر کے بچھایا تو منع فرما دیا اور حکم دیا کہ اسے پہلے ہی حال پر رہنے دو۔ (شمائلِ ترمذی)

کبھی کھجور کی محض ایک چٹائی پر بغیر کچھ بچھائے آرام فرماتے۔ (مدارج النبوۃ)

تکیہ مُبارک یہ بھی چمڑے کا تھا۔ اس میں کھجور کی چھال نہایت عمدگی سے بھری ہوئی تھی۔

لباسِ مُقدس حضور نبی محتشم رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سادہ اور کم قیمت والا لباس زیب تن فرماتے۔ کبھی کبھی بیانِ جواز کے لئے قیمتی لباس زیب تن فرمایا، مگر اسے جلد اتار کر کسی دوسرے کو فوراً ہی عطا فرما دیا کرتے۔ سفید لباس کو بہت زیادہ پسند فرماتے۔ عموماً سوتی کا لباس زیب تن فرماتے۔ صوف اور کتان کا لباس بھی کبھی کبھی پہن لیا کرتے تھے۔ جُبّہ، قبا، قمیص، تہبند، عمامہ

ٹوپی۔ چادر۔ حُلہ۔ موزہ۔ نعلین یہ سب آپ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زیب تن فرمائے۔ سبز رنگ کی یمنی چادر بہت پسند تھی، اسے بردیمانی یا "حِبرہ" کہا جاتا تھا۔ سُرخ رنگ کا لباس مردوں کو منع فرماتے اور فرماتے "یہ عورتوں کو دے دو۔" البتہ سُرخ دھاریوں والا حُلہ زیب تن فرمایا۔ اسی طرح بعض اوقات دوسرے رنگ یعنی ہلکے کلر کے لباس بھی استعمال فرمائے۔ عمامہ شریف نہایت محبوب لباس تھا۔ اس کے نیچے ٹوپی پہنتے اور کبھی ٹوپی کے نیچے ایک چھوٹا سا رومال رکھا جاتا تاکہ تیل عمامہ شریف کو نہ لگے، لیکن اس کپڑے کو کبھی بھی میلا کچیلا نہ دیکھا گیا نہایت صاف ستھرا ہوتا۔ عمامہ شریف نہایت متوسط ہوتا' نہ تو بہت بڑا اور نہ ہی بہت چھوٹا۔ شملہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑتے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیاہ، سفید اور زرد رنگ کا عمامہ شریف استعمال فرمایا، لیکن سفید عمامہ شریف بکثرت باندھا کرتے تھے۔ غرضیکہ لباس نہایت نفاست سے استعمال فرمایا کرتے۔

انگوٹھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس پر مُہرِ مبارک محمد رسول اللہ کندہ تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی دُوسرے کو یہ الفاظ لکھوانے سے منع فرمادیا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کے نگینے والی انگوٹھی بھی پہنی، اسے عموماً دائیں ہاتھ میں پہنا، لیکن کبھی کبھی بائیں میں بھی پہنا اور انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی جانب رکھتے۔ بیت الخلاء میں جاتے وقت انگوٹھی شریفہ اُتار لیتے۔

سُرمہ، خوشبو اور تیل وغیرہ اگرچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سرمہ یا خوشبو کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ نہ صرف یہ کہ آنکھیں قدرتی طور پر سُرمگیں رہتی تھیں، بلکہ جسم انور سے ہمیشہ بھینی بھینی خوشبو مہکتی رہتی تھی اور پسینہ مبارک تو ایسا خوشبودار تھا کہ دُنیا کی کوئی خوشبو اس کا مقابلہ

نہیں کر سکتی، مگر پھر بھی تعلیم اُمت کے لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تیل کنگھی، اور سُرمہ و خوشبو کا استعمال فرمایا اور اہلِ ایمان کو ان کے استعمال کا حکم دیا۔ لیکن مردوں کے لئے حنا اور زعفران کی خوشبو پسند نہ تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ "مردانہ خوشبو وہ ہے کہ جس کی خوشبو پھیلتی تو ہو مگر رنگ غیر محسوس ہو، جبکہ زنانہ خوشبو وہ ہے کہ جس کا رنگ نظر آئے، مگر خوشبو غیر محسوس ہو" (نسائی۔ ترمذی)

مِسواک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسواک کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عموماً پیلو کی مسواک استعمال فرمائی۔ اگرچہ اس کے سوا بھی کئی درختوں کی مسواک استعمال فرمائی۔

چارپائی شریفہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چارپائی پر بھی آرام فرمایا کرتے تھے۔ اس چارپائی کی پٹی یعنی بازو اور پائے رشاخ کی لکڑی کے تھے، اس پر چمڑے کا بستر بچھا دیا جاتا۔

عصا مُبارک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست مقدس میں (عموماً) عصا مبارک رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایسی چھڑی بھی زیرِ استعمال لائے کہ جس کا ایک سرا ٹیڑھا اور طول تقریباً ایک گز تھا۔

قدح مُبارک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لکڑی اور مٹی کے بنے پیالے میں پانی، دودھ اور شہد وغیرہ نوشِ جاں فرمایا۔ ایک پیالہ شیشے کا بھی تھا جسے کسی بادشاہ نے خدمتِ اقدس میں ہدیۃً بھیجا تھا۔ ایک تورے تنا پتھر کی تھی۔ ایک برتن کہ جسے "قصعہ" کہا جاتا ہے، وہ بھی زیادہ احباب کی موجودگی کی صورت میں زیرِ استعمال لاتے مدارج النبوۃ میں ہے کہ یہ برتن اتنا بڑا ہوتا ہے کہ کئی آدمی اکٹھے بیٹھ کر اس میں کھانا کھا سکتے ہیں۔

آلاتِ حرب

تلواریں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کئی تلواریں تھیں۔ البتہ یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ساری ایک ہی وقت میں جمع تھیں یا مختلف اوقات میں زیرِ دستِ اطہر رہتیں۔ اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:- (۱) ماثور (۲) عضب (۳) مِخذم (۴) رسوب۔ (۵) قلعی (۶) قضب (۷) ذوالفقار۔

زرہ شریف[۱] حضور نبی اکرم نورِ مجسم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد زرہیں زیبِ تن فرمائیں، ان میں سے بعض کے نام حسبِ ذیل مرقوم ہیں: (۱) سعدیہ یا صُعدیہ (۲) فضہ (۳) ذات الفضول، (۴) ذات الحواشی وترا (۵) خریف (۶) دوحا۔

خود[۲] اور ڈھال[۳] حضور نبی کریم محبوبِ ربِ عظیم، رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میدانِ جنگ میں خُود یعنی لوہے کی ٹوپی بھی استعمال فرمائی اور ڈھال بھی۔ کتبِ سِیَر و احادیث میں ڈھالوں کے یہ نام درج ہیں:- (۱) ازلق (۲) فتق (۳) وفر۔

نیزے[۴] اور حربہ[۵] آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کئی نیزے اور حربے تھے، اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:- (۱) مثوی (۲) نبغہ (۳) بابغہ (۴) عنترۃ القمر۔

---

[۱] لوہے وغیرہ کی جیکٹ کہ جسے دشمن کے ہر دو تلوار سے بچنے کیلئے پہنا جاتا تھا۔
[۲] سر پر اوڑھنے کی ٹوپی یا ہلمٹ وغیرہ [۳] لوہے وغیرہ کی وہ شے کہ جسے ہاتھ میں پکڑ کر دشمن کے وار سے بچا جاتا ہے [۴] لمبا برچھا [۵] چھوٹا سا برچھا جسے دشمن پر دور سے پھینکا جاتا ہے۔

کمانیں حضور نبی کریم رؤف و رحیم، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بنی قینقاع کے اسلحہ خانہ سے چھ کمانیں اپنے لئے منتخب فرمائیں۔ جن کے نام بعض کتب میں یوں درج ہیں: (۱) الزوراء (۲) الروحاء (۳) الصفراء (۴) البیضاء (۵) الکتوم (۶) شوخط۔

خیمے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دبیز کپڑے کے خیمے استعمال فرمائے۔ علاوہ ازیں چمڑے کے خیمے بھی استعمال فرمائے۔

مُویشی

گھوڑے حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عُلماء سِیَر نے دس گھوڑے بیان فرمائے ہیں اور ان کے نام بھی ذِکر کئے، جو درج ذیل ہیں:۔ (۱) سکب (۲) مرتجبہ (۳) لزاز (۴) طیف (۵) ورد (۶) ضریس (۷) طرب (۸) ملاوح (۹) سبحہ (۱۰) لجر۔

نوٹ: بعض ناموں میں اختلاف بھی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

اُونٹ حضور اکرم نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کئی اُونٹ تھے، اُن میں ایک اُونٹنی کا نام قصوٰی تھا۔ یہی وہ مُبارک اونٹنی تھی جس پر ہجرت فرمائی۔

بکریاں حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سات دُودھ دینے والی بکریاں تھیں۔ حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کا دُودھ بارگاہِ اقدس میں پیش کرتیں۔ "تنویر الازہار" کے مطابق آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مخصوص بکری تھی کہ جس کا دُودھ نوش جاں فرمایا کرتے تھے۔ بعض روایات میں بکریوں کی کُل تعداد ایک سو تھی۔ جب ایک سو پر کوئی بکری بڑھ جاتی تو اسے یا تو صدقہ کر دیا جاتا یا پھر ذبح کر لیا جاتا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

خچر حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد خچر تھے۔ ان میں سے ایک کا نام "دُلدُل" تھا جسے شاہِ اسکندریہ نے ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ہدیۃً بھیجا تھا۔

دراز گوش حضور نبی اکرم رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تین دراز گوش (گدھے) تھے، ان میں سے ایک دراز گوش شاہِ اسکندریہ نے ہدیۃً پیش کیا تھا، دوسرا فروہ بن عمرو نے اور تیسرا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمت فیض درجت میں لائے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام یعفور تھا۔

خورد و نوش

حضور نبی کریم رسولِ عظیم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی ظاہری حیات میں تھوڑا بہت کھانا تناول فرمایا۔ بعض اوقات کئی کئی روز تک کا روزہ رکھا" جسے یوم وصال کہا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی زیادہ پیٹ بھر کر کھانا تناول نہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جن کھانوں کو تناول فرمایا اُن میں اُونٹ، بکری، نیل گائے، خرگوش، مُرغ، حباری (ایک پرندہ) اور مچھلی کا گوشت شامل ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھُنا ہوا اور شوربے والا دونوں طرح کا گوشت تناول فرمایا۔ اہلِ عرب گوشت کو سُکھا لیا کرتے تھے جسے "قدید" کہا جاتا۔ اسے بعد میں پکا لیا جاتا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی تناول فرمایا۔ مزید برآں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ثرید (یعنی گوشت کے شوربے میں پکی ہوئی روٹی) کو بھی تناول فرمایا۔ اور اسے بہت پسند فرمایا۔ مچھلی بھی تناول فرمائی۔ سبزیوں میں کدو بہت پسند تھا۔ نیز سرکہ، روغن زیتون، گھی، پنیر، مکھن بھی تناول فرمایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم میٹھی اشیاء کو بہت پسند فرماتے تھے، البتہ جس کھانے میں کوئی بُو دا
نے مثلاً پیاز یا لہسن ہوتا، اسے تناول نہ فرماتے۔ نہ ہی ایسی اشیاء کھا کر مسجد میں
نے کی اجازت دیتے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف قسم کے پھل بھی
ناول فرماتے۔ صحابہ کرام کی عادت تھی کہ جب بھی کوئی نیا پھل آتا تو اُسے بارگاہِ
رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تحفتاً پیش کر دیتے۔ (ترمذی شریف)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جن پھلوں کو تناول فرمایا، اُن میں سے بعض یہ ہیں
کھجور، خربوزہ، ککڑی، انگور۔ انجیر، پیلو وغیرہ اور کبھی کھجور اور مکھن، کھجور اور
تربوز، کھجور اور ککڑی باہم ملا کر بھی تناول فرماتے۔ [1]

پینے کی اشیاء میں حضور سیدِ عالم رحمتِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے
پانی کے علاوہ دُودھ، دُودھ کی لسی، شہد، نبیذ [2] و نقیع اور ستو وغیرہ بھی نوشِ جاں فرمائے
خیال ہے کہ رسُولِ محتشم سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صومِ وصال رکھے،
تو صحابہ کرام نے بھی صومِ وصال رکھے، مگر وہ برداشت نہ کر سکے، تو رسُول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے مجھ جیسا کون ہو سکتا ہے؟ میں تو
اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں، وہ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے" (الحدیث)
اِسی طرح معراج کی شب فردوسِ اعلیٰ کی کن کن نعمتوں (اشیاء خورد و نوش) کو تناول
یا نوشِ جاں فرمایا، ان سے یا تو خالقِ کائنات جل شانہٗ واقف ہے جو کہ منعمِ حقیقی ہے یا
پھر اُس کے محبوب سیدِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام، جو اُس کی نعمتوں کے حقیقی مستحق ہیں
انسان تو بس یہ ہی عرض کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اعلم و رسُولہٗ اعلم۔

---

[1] آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اشیاء خورد و نوش اور ان سے متعلقہ احکامات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "رہبر زندگی مع طب نبوی"۔ [2] کھجور یا منقیٰ کو کوٹ کر پانی میں ملا کر پانی میٹھا کر لینا۔ اگر تازہ حالت میں ہو تو اسے نقیع کہتے ہیں اگر کچھ دیر پڑا رہے تو نبیذ ہے اگر جھاگ پیدا ہو جائے تو پینا حرام ہے کہ اسے خمر کہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوباتِ اقدس کی دریافت

حضور نبی اکرم، رسولِ محترم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف سلاطین زمانہ کی جانب جو خطوط ارسال فرمائے تھے، ان میں سے بعض تاحال موجود ہیں اور اہلِ محبت کے لیے سرمایۂ حیات ہیں۔ ایک طویل عرصہ (کئی سو سال) تک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ ہائے اطہر کا اصلی حالت میں باقی رہنا ایک معجزہ سے کم نہیں۔ ذیل میں ان خطوطِ مبارکہ کی دریافت کی تاریخ درج کی جاتی ہے تاکہ شائقین کے علم میں اضافہ ہو۔

ہرقل رُوم کے نام مکتوبِ اقدس کی دریافت

اسلامی ڈائجسٹ "ہدیٰ" شمارہ جون ۱۹۷۷ء کے مطابق "یہ نامۂ اطہر ۱۹۷۶ء میں دریافت ہوا۔ تاریخِ اسلامی کے اس نادر تحفے کو متحدہ عرب امارات کے سربراہ سلطان زید بن آل نہیان نے لاکھوں ڈالر خرچ کرکے اپنے ملک میں منتقل کر لیا۔" اور یہ کسی بھی مخطوطہ کی انتہائی قیمت ہے۔[1]

روزنامہ نوائے وقت، راولپنڈی، ۱۲ اپریل ۱۹۷۷ء کے مطابق اُردن کے حکمران شاہ حسین نے ۱۱ اپریل ۱۹۷۷ء کی شب ٹی۔وی پر عوام سے خطاب کے دوران بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نامۂ اقدس اُن کے پاس ہے۔ یہ ہرن کی کھال پر سیاہی سے تحریر کیا گیا ہے۔ یہ خطِ مبارک اُن کے دادا سلطنتِ اُردن کے بانی شاہ عبداللہ مرحوم کو ملا تھا۔

(خلاصۂ خبر نوائے وقت، راولپنڈی)

تاریخی طور پر اس مکتوبِ اقدس کا ساتویں صدی ہجری تک اسپین میں موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے مشہور مؤرخ علامہ سہیلی نے اپنے زمانہ میں اس کی اسپین میں موجودگی کا پتہ دیا ہے۔ شارحِ صحیح بخاری علامہ قسطلانی کے مطابق ۶۸۲ھ میں ملک منصور قلاوُن صالحی

---

[1] ابتدائی طور پر سلطان نے دس لاکھ ڈالر کی پیش کش کی تھی۔ ۱۲ منہ

ے اسپین کے شاہ الفونسو کے پاس اپنا سفیر بھیجا تو شاہ الفونسو نے اس سفیر سیف الدین کو
مکتوبِ اقدس دکھایا تھا۔ یہ سونے کے ڈبے میں رکھا ہوا تھا۔ شاہِ اسپین نے سفیر
کو بتایا کہ یہ پیغمبرِ اسلام کا وہ خط ہے جو ہمارے دادا قیصرِ روم کے نام بھیجا گیا تھا (قسطلانی ج ۲ صفحہ ۷۶)
علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں: جب شاہِ قلاورن کا سفیر
قیصرِ روم کے پاس قسطنطنیہ (استنبول) گیا، تو اُس نے سفیر کو دکھانے کے لئے شاہی خزانہ
سے ایک طلائی ڈبہ منگوایا، اس میں ریشمی رومال میں لپٹا ہوا نامۂ اقدس رکھا ہوا تھا۔
قیصرِ روم نے کہا یہ تاریخی خط تمہارے رسول محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ہمارے بزرگ
ہرقل کو تبلیغی طور پر لکھا تھا، جسے آج تک ہم نے بڑی حفاظت کے ساتھ شاہی خزانے میں سنبھال
رکھا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کی یہ وصیت ہے کہ جب تک یہ خط مبارک ہمارے پاس رہے گا،
ہمارا ملک ہمارے ہاتھ میں رہے گا، اس لئے ہم اس کی بہت زیادہ حفاظت اور احترام کرتے
ہیں اور عام عیسائیوں سے بچا کر رکھتے ہیں تاکہ ہمارا ملک محفوظ رہے اور ہمارے پاس باقی رہے۔

(زرقانی علی المواہب جلد اول)

رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ خط مبارک بنو امیہ کے عبد الرحمٰن الداخل
(جس نے اُندلس میں اسلامی حکومت قائم کی تھی) کے پاس پہنچا اور یہ خط تقریباً نو سو سال
اندلس (ہسپانیہ) میں رہا۔ پھر وہاں اسلامی حکومت کے زوال اور عربوں کے اخراج کے ساتھ
یہ خط دوبارہ مکہ مکرمہ پہنچا اور شریف مکہ شاہ عبد اللہ جو کہ شرق اردن کے شاہ حسین کے
دادا اور اُردن میں ہاشمی سلطنت کے بانی تھے، ان کی ملکیت میں آیا۔ شاہ عبد اللہ نے یہ خط
اپنی بیوی ملکہ نجد کو حق مہر میں دے دیا۔ چند سال قبل ملکہ اُردن سے ترکِ وطن کر کے لندن
چلی گئی اور نامۂ اقدس سوئٹزرلینڈ کے ایک بینک میں محفوظ کر دیا گیا۔ اس خط کا سائنسی
تجزیہ اور علمی تحقیق کرنے والوں میں برطانیہ کی لیڈز یونیورسٹی کے پروفیسر اور مصر کے ممتاز
دانشور ڈاکٹر عز الدین ابراہیم بھی شامل تھے جو ابوظہبی کے سُلطان کے امور ثقافتی ورثہ

مشہور بھی ہیں۔ شیخ زید بن سلطان النہیان کی ہدایت پر اس خط کی صحت اور تحقیقی مطالعہ کے لئے عرب اور برطانوی فضلاء و ماہرین پر مشتمل ایک بورڈ نے اس خط پر طویل عرصہ تک سائنسی انداز میں تحقیق کی۔ نیز برٹش میوزیم کے ماہرین نے بھی اس خط کے اصلی ہونے کی تصدیق کی ہے۔ جسے بعد ازاں لندن کی ایک فرم سودتھ بینز کی وساطت سے فروخت کے لئے پیش کیا گیا۔ شیخ زید بن سلطان النہیان نے اس خط مبارک کے لئے دس لاکھ ڈالر کی رقم کی پیش کش کی جسے قبول کر لیا گیا۔

ابوظہبی کے شاہی محل کے میوزیم میں اس نامہ اقدس کی نمائش کے لئے خطیر رقم صرف کر کے ایک عظیم الشان ہال تعمیر کیا گیا ہے اور اس کی حفاظت کے لئے بھی خصوصی انتظامات کئے گئے ہیں۔

(مکتوبات نبوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سفارتی نظام)

مکتوب گرامی بنام حضرت شاہ نجاشی رضی اللہ عنہ کی دریافت

مملکت عزیز پاکستان حفظہ اللہ تعالیٰ کے عظیم سکالر معروف دانشور جناب ڈاکٹر حمید اللہ رقمطراز ہیں:۔

۱۱ مئی ۱۹۳۹ء کو جب میں نے آکسفورڈ میں عربی کتبات مدینہ پر ایک لیکچر دیا اور ان کتبات کے خط کا مقابلہ سابق میں دستیاب شدہ مکتوب نبوی سے کیا تو پروفیسر مارگولیوث نے جلسے میں بیان کیا کہ "ایک مکتوب نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو کہ نجاشی کے نام بھیجا گیا تھا، دریافت ہو گیا ہے اور وہ اسکاٹ لینڈ کے ایک شخص کے پاس ہے"۔ جلسے کے بعد میں نے پروفیسر مارگولیوث کے توسط سے اس شخص کو ایک خط لکھا۔ کئی ماہ بعد اس کا جواب حیدر آباد میں ملا۔ خط نویسندہ مسٹر ڈنلوپ کا قیام ان دنوں شام میں تھا۔ جواب میں مکتوب الٰہی کی ایک نقل جو ہاتھ سے کی گئی تھی منسلک تھی اور وعدہ تھا کہ اسکاٹ لینڈ واپسی پر مجھے فوٹو

بھیجا جائے گا۔ نیز یہ کہ اس پر ایک مضمون جلد ہی لندن کے ایک رسالہ "جے۔ آر۔ اے۔ ایس"
میں بھی چھپے گا۔ اتنے میں جنگ شروع ہو گئی اور میں حیدر آباد میں مصروف ہو گیا اور یہ مضمون
۱۹۴۰ء میں اسی رسالہ میں صفحہ ۵۴ تا ۶۰ پر چھپا۔ کافی دنوں بعد ہندوستان پہنچا اور
مکتوب گرامی کے فوٹو کا بلاک بھی وہیں شائع ہوا۔ اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے:
"یہ خط مبارک ایک جھلی پر لکھا ہوا ہے، جو ساڑھے تیرہ انچ لمبی اور نو انچ چوڑی ہے۔ اس میں
حروف کی شکل گول اور جلی ہے، اس لئے آسانی سے پڑھے جا سکتے ہیں۔ یہ بھورے رنگ کی سیاہی
سے لکھا ہوا ہے اور خطِ اطہر کی سترہ ۱۷ سطریں ہیں۔ آخر میں ایک انچ قطر کی گول مہر کا
نشان ہے جو فوٹو میں صاف نہیں۔" (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیاسی زندگی ص ۱۲۳)

مکتوبِ گرامی قدر بنام شاہِ مقوقس کی دستیابی

اِس مکتوبِ مقدس کی دریافت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر حمید اللہ تحریر
کرتے ہیں کہ "موسیو بارتل می نامی قاہرہ میں ایک نوجوان فرانسیسی مستشرق ہیں۔ عربی زبان
پر بھی اسے عبور حاصل ہے۔ وہ کچھ عرصہ سے مصر کی قدیم زبان کا مطالعہ کر رہے ہیں اور
خاص طور پر قبطی زبان کے مخطوطات تلاش کر رہے ہیں جو کہ مصر کے تنہائی پسند راہبوں کے
قبضہ میں ہیں اور عہدِ سلف کے متعلق نہایت قیمتی آثار پر مشتمل ہیں۔
ایک دن وہ الخمیم کے قریب ایک راہب خانہ میں گئے، وہاں سے ایک عربی مخطوطہ
دستیاب ہوا۔ اس کی جلد سے معلوم ہوتا تھا کہ دراصل یہ کسی ایسی کتاب کے لئے تیار
کی گئی تھی جو خاصے بڑے حجم کی ہو گی۔ یہ جلد کناروں پر خراب ہو گئی تھی۔ اس کے اندر
کچھ قبطی حروف دکھائی دے رہے تھے۔ چنانچہ موسیو بارتل می نے ان اوراق کو یکے بعد دیگرے
جدا کیا تو ان کے اندر دونوں پہلوؤں پر چمٹی ہوئی کھال یا جھلی کا ایک ٹکڑا نظر آیا جسے
دو جگہ سے کیڑے نے چاٹ لیا تھا، اس کا بغور مطالعہ کرنے سے عربی کے حروف میں

سے لفظ محمد پڑھ لینے میں کامیابی ہوئی۔ اس پر دلچسپی بڑھ گئی کہ یہ دستاویز خاص اہمیت کی حامل ہے۔ چنانچہ اس نے پوری احتیاط کے ساتھ کھال کو الگ کرنے کی کوشش کی اور جب اسے بھگو کر نم دینے لگے، تو چند الفاظ مدھم پڑ گئے۔ پھر چند ساتھیوں کی مدد سے اس کھال یا جھلی سے جو عبارت نمایاں طور پر پڑھنے میں آسکی۔ (اس سے معلوم ہوا کہ) وہ رسول آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوب گرامی کی تحریر ہے جو آپ نے مصر کے قبطی بادشاہ مقوقس کے نام ارسال فرمایا تھا۔" (آگے خط کی عبارت درج ہے جو کہ مکتوب گرامی کے فوٹو میں دیکھی جا سکتی ہے) بہر نوع یہ اصل مکتوب اقدس جو فرانسیسی مستشرق موسیو بارتل می کو ایک قبطی راہب کی انجیل پر چپکا ہوا ملا، اور (کھال) پر لکھا ہوا تھا، اس نے ترکی کے سلطان عبد الحمید خان کے ہاتھ تین سو اشرفی (پاؤنڈ) میں فروخت کر دیا۔ سلطان نے اس کو سونے کے فریم میں لگوا کر شاہی محل (توپ کاپی) کے خزانے میں دوسرے تبرکات نبوی کے ساتھ حفاظت سے رکھوا دیا۔

(رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سفارتی نظام)

مکتوب گرامیٔ قدر بنام کسریٰ پرویز کی دستیابی

عموماً کتب سیر و تواریخ کے مطابق بدبخت کسریٰ پرویز نے نامۂ اطہر کو چاک کر کے پھینک دیا تھا۔ البتہ خطیب بغدادی علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں:

انّ عبد الله بن حذافہ اسمعهٗ کلامًا غلیظا بعد ان مزق الکتاب ثمّ قال ادرج کسریٰ لهٗ شقّقا من حریر فاهدها لرسول الله۔ (تاریخ بغداد)

جب کسریٰ نے مکتوب اقدس کو چاک کر ڈالا تو حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے بہت سخت کلامی کی۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد کسریٰ نے اس شہید شدہ خط کو

ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر (طنزاً) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو واپس دے دیا کہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دے دینا۔

اس وقت کون جانتا تھا کہ جس نامۂ اطہر کو چاک کیا گیا ہے وہ تو تقریباً ڈیڑھ ہزار سال بعد بھی موجود ہوگا، لیکن کسریٰ کی سلطنت بہت جلد تباہ و برباد ہو جائے گی۔

ڈاکٹر حمید اللہ کہ جنہوں نے بچشمِ خود اس مکتوب گرامی کی زیارت کی ۔۔ وہ لکھتے ہیں:۔

۲۲ مئی ۱۹۶۳ء بمطابق ۲۷ ذوالحجہ ۱۳۸۲ھ کو بیروت کے روزنامہ "الحیات" میں ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے اس نامۂ مبارک کا فوٹو بھی چھاپا اور مفصل تحقیقی مقالہ بھی تحریر کیا۔ انہوں نے لکھا: "(لبنان کے سابق وزیر خارجہ) ہنری فرعون کے والد نے پہلی جنگِ عظیم کے اختتام پر یہ دستاویز دمشق میں ڈیڑھ سو اشرفی میں خریدی، یا تو اُسے خود اسے معلوم نہ تھا یا یہ کہ اُس نے اپنے اہلِ خاندان کو نہ بتایا کہ یہ کیا چیز ہے؟ بہرحال ۱۹۶۲ء کے آخر میں جب اس (ہنری فرعون) نے ان کے سپرد کیا کہ اس کو پڑھنے کی کوشش کریں۔

ڈاکٹر صلاح الدین المنجد لکھتے ہیں: گزشتہ نومبر ۱۹۶۲ء کے آخر میں ہنری فرعون نے میرے پاس کھال کا ایک ٹکڑا بھیجا۔ اس پر کوفی رسم الخط سے ملتی جلتی تحریر تھی۔ کھال کی حفاظت کے لئے اس کے نیچے سبز کپڑا چسپاں کیا گیا تھا، اس کو ایک فریم میں لگا دیا گیا تھا، لیکن مرورِ زمانہ کی وجہ سے کپڑا بالکل گل چکا تھا، صرف فریم کے سہارے وہ کھال باقی رہ گئی تھی۔ جب میں نے اس خط کے الفاظ باریک بینی سے حل کرنے اور پڑھنے شروع کئے، تو عظیم انکشاف ہوا کہ یہ وہی خط ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے شاہِ فارس کسریٰ کے نام تحریر فرمایا تھا، جس میں اس کو دعوتِ اسلام دی گئی تھی۔

یہ ایک رق (بالوں سے صاف کھال) ہے، جو ایک سبز کپڑے پر (کہ جس کا رنگ مرورِ زمانہ سے تبدیل ہو گیا ہے) چسپاں ہے اور کپڑا ابھی مالیدہ ہو گیا ہے اور یہ سب ایک کانچ کے فریم میں جڑا ہوا ہے ۔۔ مزید برآں کہ:

(۱) جھلی (کھال) نرم، پرانی اور گہرے خاکی رنگ کی ہے، اس کے کنارے کالے پڑ گئے ہیں۔ یہ ۲۸ سینٹی میٹر لمبی اور ساڑھے اکیس سینٹی میٹر چوڑی ہے۔ (۲) یہ جھلی مستطیل سی ہے، مگر چوڑی یکساں نہیں ہے اوپر سے زیادہ چوڑی ہے نیچے سے کم۔ (۳) اس پر عبارت پندرہ سطروں میں ہے، مگر کوئی سطر ساڑھے تین سینٹی میٹر اور کوئی ساڑھے اکیس سینٹی میٹر ہے۔

(۴) عبارت کے نیچے ایک گول مہر ہے، جس کا قطر تین سینٹی میٹر ہے۔

(۵) اس میں ایسے نشانات ہیں جیسے اوپر سے نیچے کی طرف پانی بہایا گیا ہو، اسی لئے بعض حروف مٹ گئے ہیں اور بعض جگہ مدھم پڑ گئے ہیں۔ مہر کی عبارت بھی مٹ گئی ہے، بجز حرف "ر" کے جو مہر کے درمیان ہے اور یہ غالباً "رسول" کی "ر" ہے (خوردبین سے غور کریں، تو پورا لفظ رسول نظر آتا ہے) مہر رسالت اسی طرح تھی۔ یعنی اوپر لفظ اللہ درمیان میں رسول اور نیچے لفظ محمد۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

(۶) جھلی کو پھاڑنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ وہ تیسری سطر دائیں طرف سے وسط تک چر گئی، پھر اس کے بعد عرض میں پھٹنا بند ہو گیا اور طول میں چاک ہوتا ہوا دسویں سطر تک پہنچ گیا۔ اس پھٹن کی شکل (⅂) ہے۔ (۷) اس کھال کو بعد میں باریک کھال کے ٹانکے لگا کر سی دیا گیا ہے، مگر یہ ٹانکے "رق" کی طرح کی عمدہ کھال کے نہیں ہیں، بلکہ یہ معمولی کھال کے ہیں اور یہ بھی صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان ٹکڑوں کی عمر اصل مکتوب سے کم ہے۔ (۸) مکتوب کے رسم الخط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی اور غیر ترقی یافتہ دور میں لکھا گیا ہے، اسی لئے اس میں نہ کوئی صنعت ہے اور نہ ترتیب سطریں بھی سیدھی نہیں ہیں۔ نیز یہ بات اس دور کو متعین کرنے میں خاص معین و مددگار ہوتی ہے کہ اس کے بعض کلمات جو سطر کے آخر آئے ہیں، وہ اگر اس سطر میں پورے نہ آسکے، تو اس کے بعض حروف اس کے بعد والی سطر کے شروع میں لکھ کر پورے کئے گئے ہیں۔ اس زمانے کے رسم الخط کے مطابق مکتوب میں نقطے نہیں ہیں۔"

(ماہنامہ "البلاغ" کراچی بحوالہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سفارتی نظام)

عکس نامہ اقدس منسوب بہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

قیصر روم کے نام

عکس نامہ اقدس منسوب بہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

اصحمہ نجاشی شاہ حبشہ کے نام

عکس نامہ اقدس منسوب بہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
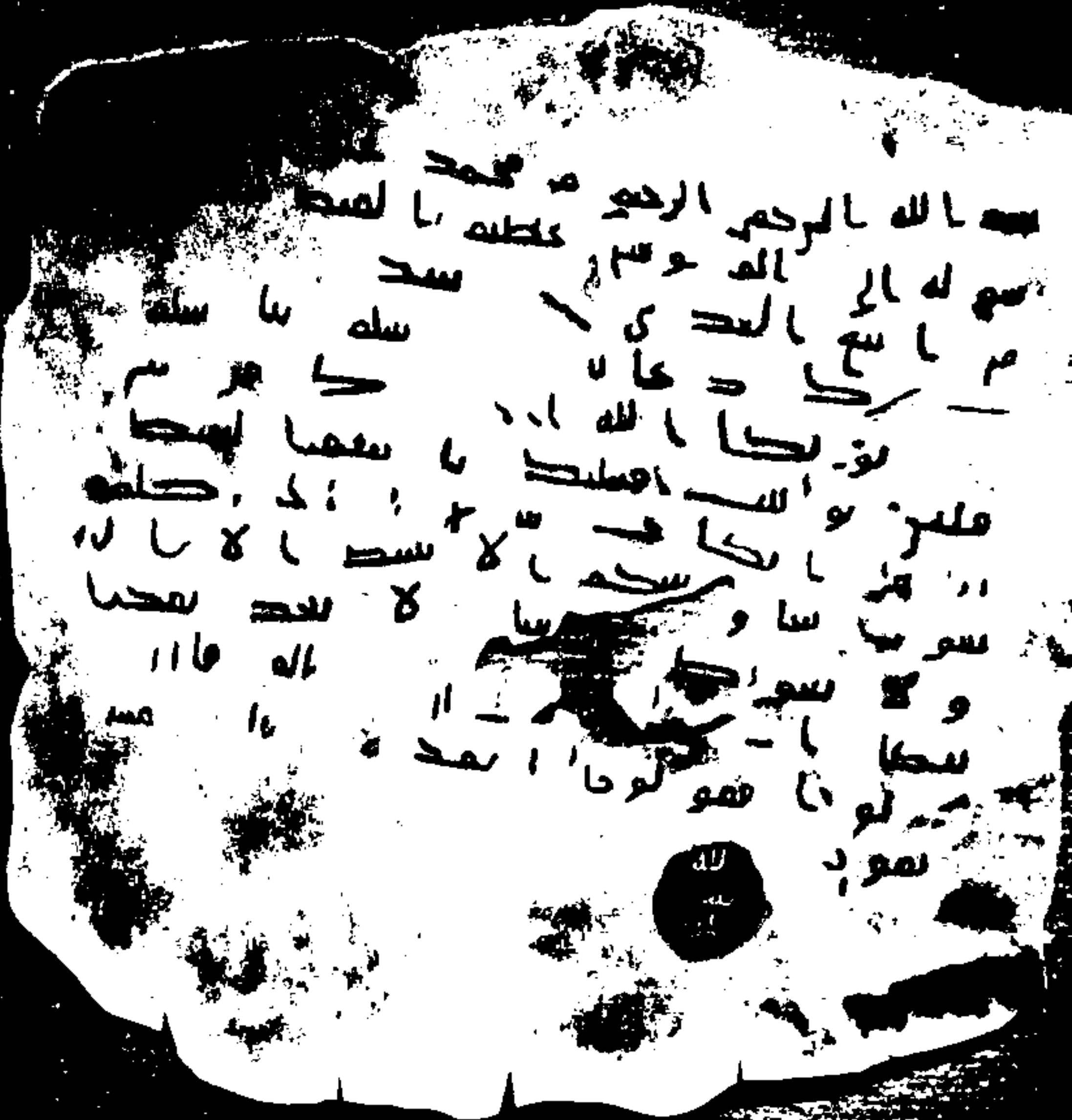
مقوقس مصر کے نام

عکس نامہ اقدس منسوب بہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
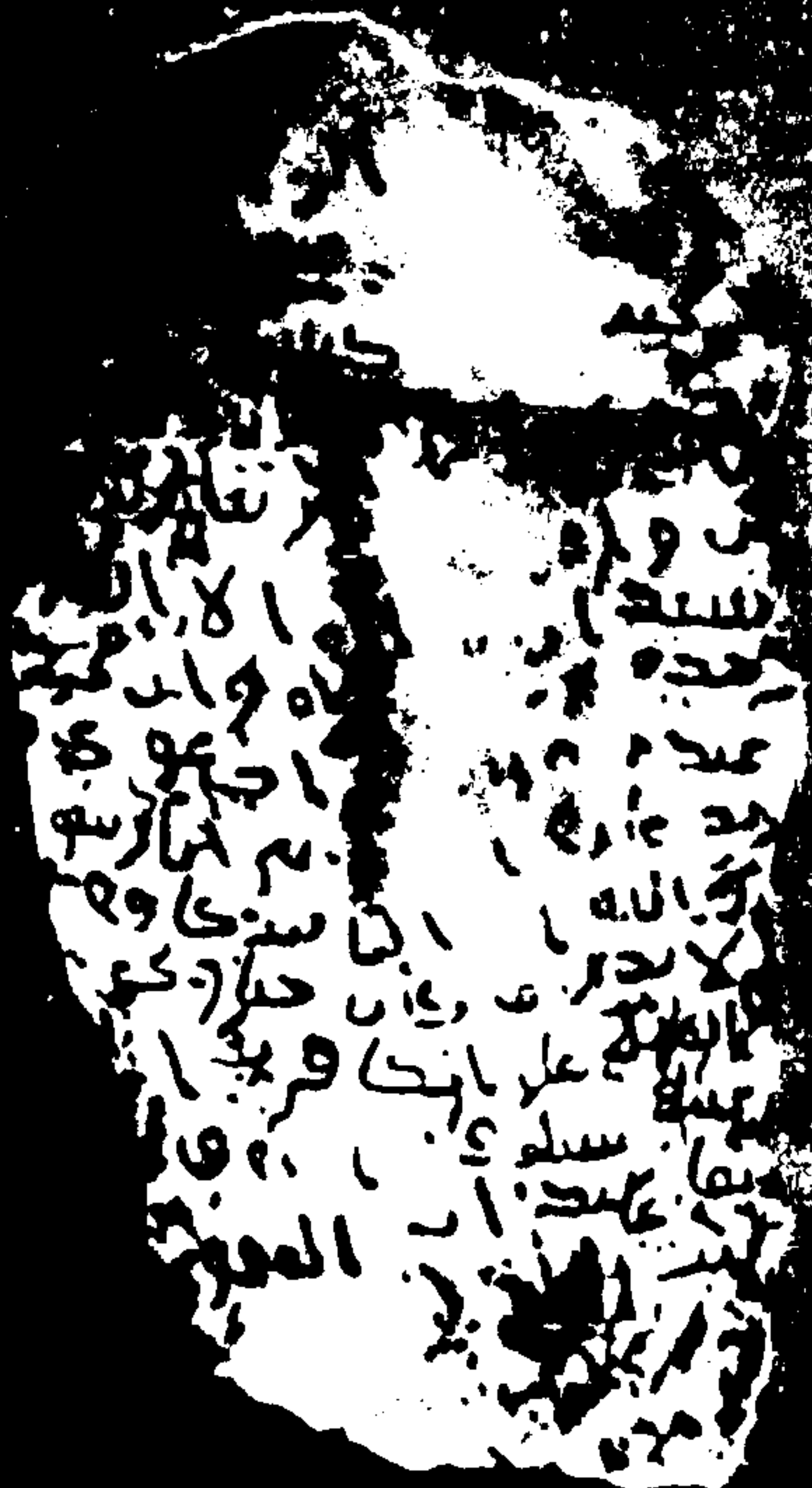
خسرو پرویز شاہ ایران کے نام

عکس نامہ اقدس منسوب بہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
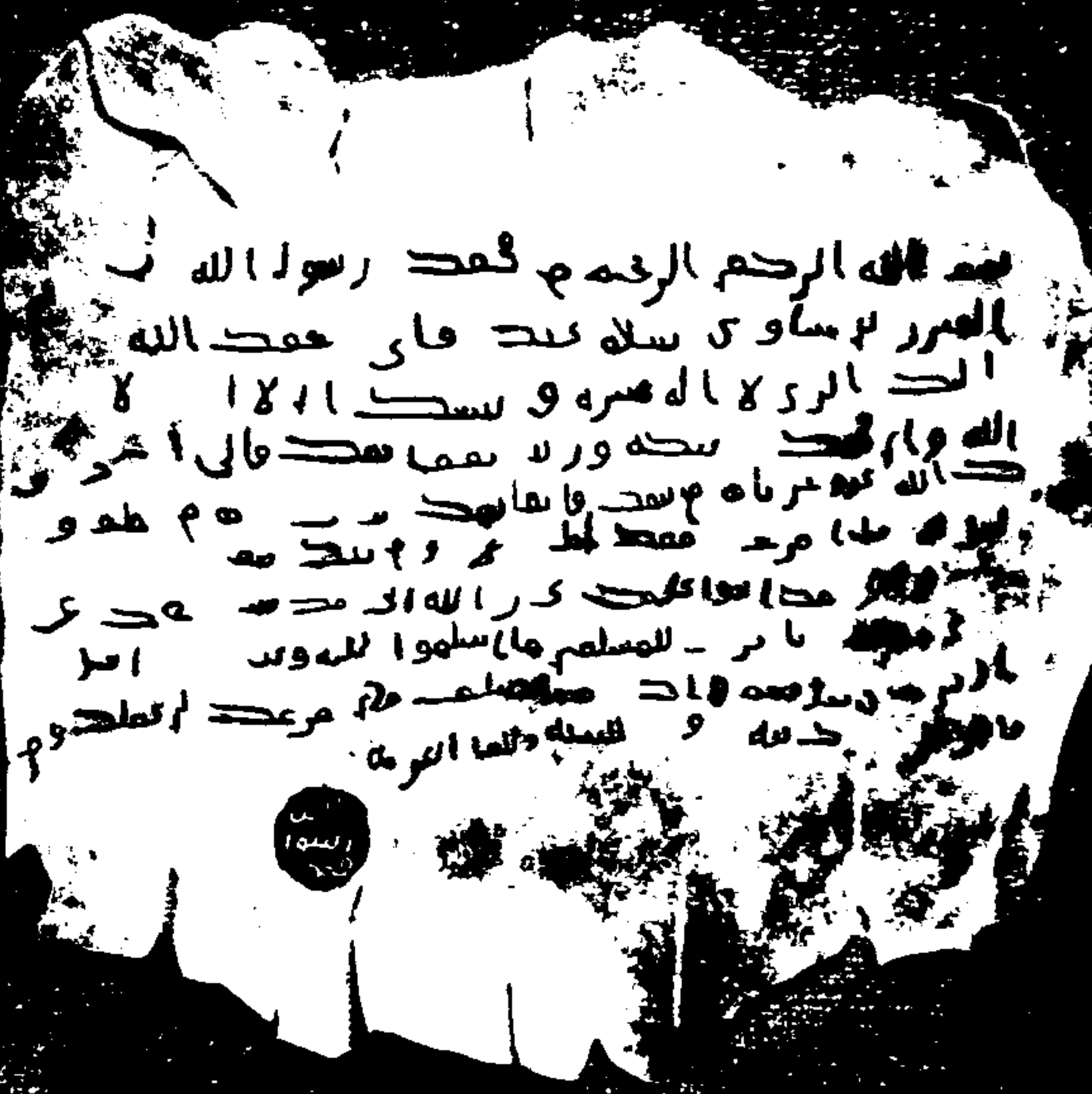
منذر بن ساوی کے نام

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی مبارکہ کا عکس

اسے بطور مہر سلاطین زمانہ کو بھیجے جانے والے خطوط پر لگایا جاتا تھا

سیرتِ طیبہ ﷺ کے ایک روشن، دلکش اور حسین پہلو پر لکھی جانے والی منفرد کتاب

خاندانِ مصطفیٰ ﷺ

- حضور ﷺ کے رشتہ داروں اور اعزّا و اقارب کے احوال کا بیان
- مستند روایات، مکمل حوالاجات کے ساتھ
- غیر ضروری تفصیلات اور طوالت سے پاک
- حضور ﷺ کے دیگر متعلقین، آپ ﷺ کے رضاعی رشتہ دار، آپ ﷺ کے ہم شکل، مدنی نقیب، خلفاءِ راشدین، کاتبینِ وحی، بارگاہِ اقدس کے مفتیانِ کرام، شعراء، خطباءِ کرام اور مؤذنین ذی وقار کا بیان
- حضور ﷺ کے مقرر فرمودہ تحصیل دار، گورنرز، قاضی، محافظ و پہرے دار اور دیگر بہت سے متعلقین کا تذکرہ
- دربارِ رسالت مآب ﷺ سے شاہانِ زمانہ کے نام لکھے گئے خطوط، رنگین تصاویر سے مزیّن